

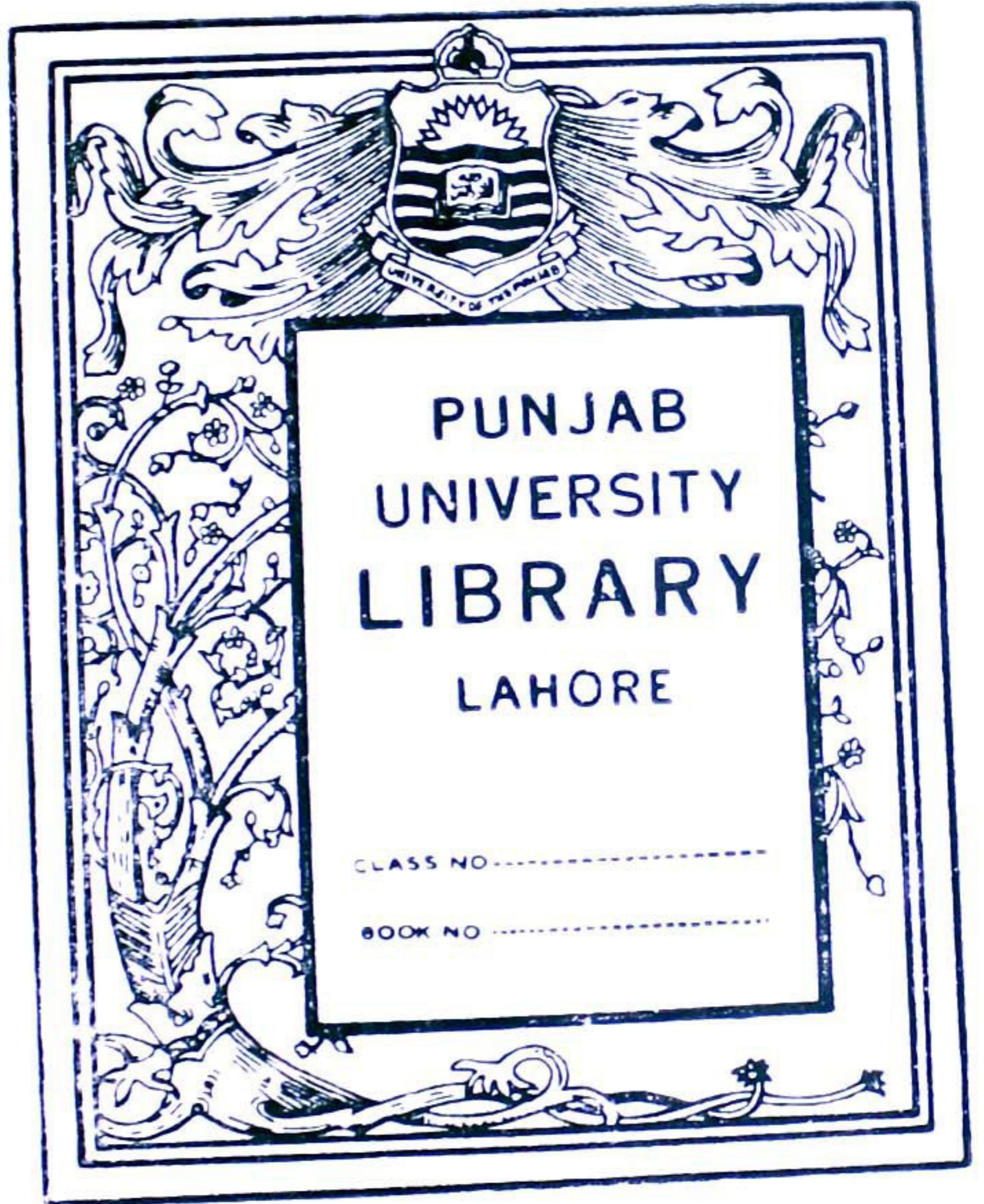
بی۔ اے۔ علوم اسلام

68

# توضیح الحدیث والفقہ والتاریخ

شیخ محمد اقبال  
پروفیسر خان محمد چاولہ

علمی کتاب خانہ ○  
کیمپس سٹریٹ  
اردو بازار لاہور



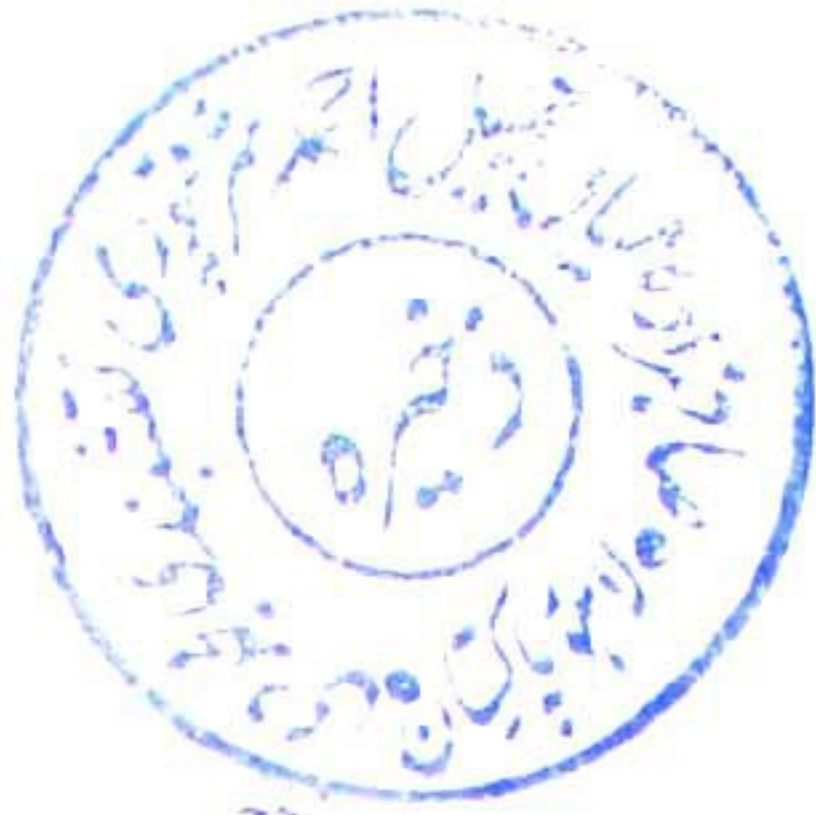
M-152—Punjab University Press—20,000—13-6-97

ذخیرہ صاحبزادہ میاں گھیل احمد شہر قیوڑی، نقشبندی مجدی

جو 2001ء میں میاں صاحب نے

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو عطا فرمایا

212



★  
26 SEP 1998  
UNIPD  
PH: 7281111



برائے بی۔ اے (پرچہ ب)



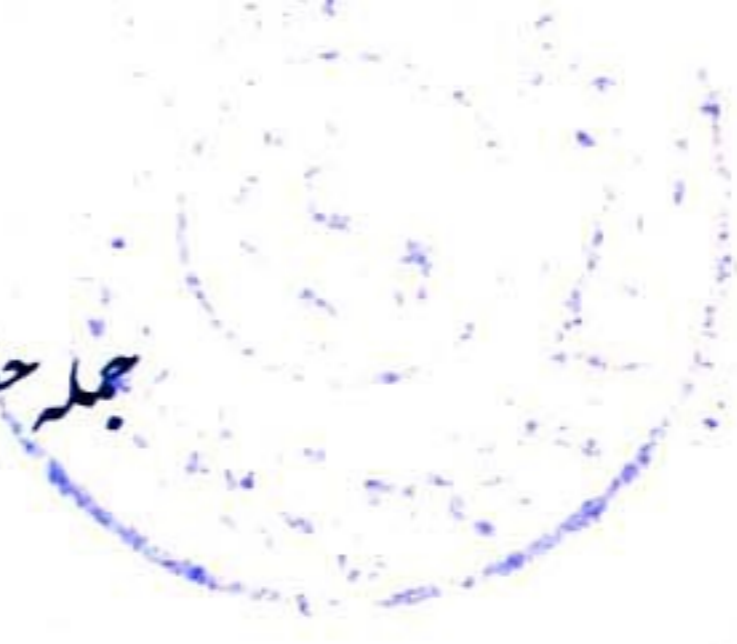
# تَوْضِيحُ الْحَدِيثِ

# وَالْفِقْهِ وَالتَّارِيخِ

|                 |   |                     |
|-----------------|---|---------------------|
| مشکوٰۃ المصابیح | : | کتاب الأداب         |
| المختصر للقدوری | : | کتاب الصلوٰۃ        |
| تاریخ اسلام     | : | بنو امیہ و بنو عباس |

شیخ محمد اقبال  
پروفیسر خان محمد چاولہ

علمی کتاب خانہ  
کبیر سٹریٹ  
اُردو بازار لاہور



نام کتاب : توضیح الحدیث والفقہ والتاریخ  
 نام مصنف : شیخ محمد اقبال و پروفیسر خان محمد چادلہ  
 ناشر : علمی کتاب خانہ کبیر سٹریٹ اردو بازار لاہور  
 مطبع : ندیم پرنٹنگ پریس لاہور  
 سال اشاعت : 1995  
 قیمت : 70/- روپے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## دیباچہ

گذشتہ سال (۱۹۹۲ء) میں بی۔ اے علوم اسلامیہ پرچہ الف کی کتاب "توضیح القرآن" شائع ہوئی تو اساتذہ کرام کی طرف سے اسے بہت پذیرائی ملی، متعدد خطوط وصول ہوئے بالخصوص سینٹر اساتذہ کرام کی جانب سے، جن میں اس کتاب کی مختلف خوبیوں کے حوالے سے اسے بے حد سراہا گیا، ہم علوم اسلامیہ کے ان تمام اساتذہ کرام کے بہت ممنون ہیں۔ اس کے بعد کئی حلقوں (پروفیسرز، سٹوڈنٹس، احباب) کی طرف سے پرچہ ب کی کتاب کے لیے مسلسل تقاضا ہوا۔ چنانچہ اس حوصلہ افزائی اور تقاضے کے تحت زیر نظر کتاب . . . . . "توضیح الحدیث والفقہ والتاریخ" شائع کی جا رہی ہے۔ امید ہے انشاء اللہ اس کتاب کو بھی قبول عام حاصل ہوگا۔

کتاب کے مواد کا مستند اور صحیح ہونا اس کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ عربی متن، اردو ترجمہ، الفاظ کے معانی، تشریحات، تاریخ اسلام کے حصہ میں واقعات کا بیان سب پر آپ کمال، اعتماد کر سکتے ہیں۔ دوسری بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں سٹوڈنٹس کی سہولت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ فقہ کا حصہ ان کے لیے عام طور پر سب سے مشکل ثابت ہوتا ہے، لہذا اس حصہ کو خاص طور پر انتہائی سہل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ یہ کتاب سٹوڈنٹس کے لیے بہت مفید ثابت ہوگی۔

اللہ رب العزت کلبے حد شکر گزار ہوں کہ اس نے اپنے اس حقیر و عاجز بندے کو اس کتاب کی تالیف و ترتیب کی توفیق بخشی۔

خَانِ مُحَمَّد

(خان محمد چاولہ)

ایسوسی ایٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور

# 52700 فهرست

مَشْكُوَّةُ الْمَصَابِيحِ (كِتَابُ الْأَدَابِ)

| صفحة | عنوانات  | نمبر شمار |
|------|--|-----------|
| ٩    | بَابُ السَّلَامِ   | ١         |
| ٣٠   | بَابُ الْإِسْتِيْذَانِ   | ٢         |
| ٣٤   | بَابُ الْمَصَافِحَةِ وَالْمَعَانِقَةِ  | ٣         |
| ٣٢   | بَابُ الْقِيَامِ   | ٤         |
| ٣٩   | بَابُ الْعَطَاسِ وَالتَّثَاوُبِ  | ٥         |
| ٥٤   | بَابُ الْأَسَامِي  | ٦         |
| ٤٥   | بَابُ الْبَيَانِ وَالشَّعْرِ   | ٧         |
| ٩٠   | بَابُ حِفْظِ اللِّسَانِ  | ٨         |
| ١٠٤  | بَابُ الْمُفَاخِرَةِ وَالْعَصَبِيَّةِ  | ٩         |
| ١١٣  | بَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ   | ١٠        |
| ١٢٤  | بَابُ الشَّفَقَةِ وَالرَّحْمَةِ عَلَى الْخَلْقِ                                    | ١١        |
| ١٣٣  | بَابُ الْحُبِّ فِي اللَّهِ وَمِنَ اللَّهِ  | ١٢        |
| ١٣٩  | بَابُ مَا يَنْهَى عَنْهُ مِنَ التَّهَاجُرِ وَالتَّقَاطِعِ وَاتِّبَاعِ الْعَوْرَاتِ | ١٣        |
| ١٣٢  | بَابُ الْحَذَرِ وَالتَّأْتِي فِي الْأُمُورِ  | ١٤        |
| ١٣٤  | بَابُ الرِّفْقِ وَالْحَيَاءِ وَحُسْنِ الْخُلُقِ                                    | ١٥        |
| ١٥٢  | بَابُ الْغَضَبِ وَالكِبْرِ   | ١٦        |
| ١٤٠  | بَابُ الظُّلْمِ  | ١٧        |



## المختصر للقدوري

(كتاب الصلوة)

| صفحة | عنوانات                           | نمبر شمار |
|------|-----------------------------------|-----------|
| ١٤١  | باب اوقات الصلوة                  | ١         |
| ١٨٠  | باب الاذان                        | ٢         |
| ١٨٨  | باب شروط الصلوة التي تتقدمها      | ٣         |
| ١٩٦  | باب صفة الصلوة                    | ٤         |
| ٢١٢  | باب القراءة                       | ٥         |
| ٢١٤  | باب الجماعة                       | ٦         |
| ٢٣٥  | باب قضاء الفوائت                  | ٧         |
| ٢٣٤  | باب الاوقات التي تكره فيها الصلوة | ٨         |
| ٢٣٩  | باب السنن والنوافل                | ٩         |
| ٢٤٦  | باب سجور السهو                    | ١٠        |
| ٢٥٢  | باب صلوة المريض                   | ١١        |
| ٢٦٠  | باب سجود التلاوة                  | ١٢        |
| ٢٦٦  | باب صلوة المسافر                  | ١٣        |
| ٢٤٦  | باب صلوة الجمعة                   | ١٤        |
| ٢٨٦  | باب صلوة العيدين                  | ١٥        |
| ٢٩٥  | باب صلوة الكسوف                   | ١٦        |
| ٢٩٨  | باب صلوة الاستسقاء                | ١٧        |
| ٣٠٠  | باب قيام شهر رمضان                | ١٨        |
| ٣٠٥  | باب صلوة الخوف                    | ١٩        |
| ٣١١  | باب الجنائز                       | ٢٠        |
| ٣٢٥  | باب الشهيد                        | ٢١        |
| ٣٣٢  | باب الصلوة في الكعبة              | ٢٢        |

# تاریخ اسلام

## بنو اُمیہ

| صفحہ | عنوانات                      | نمبر شمار | صفحہ | عنوانات                                  | نمبر شمار |
|------|------------------------------|-----------|------|--|-----------|
| ۴۳۳  | ولید ثانی بن یزید عبد الملک  | ۱۱        | ۳۳۸  | حضرت معاویہؓ                             | ۱         |
| ۴۳۵  | یزید ثالث بن ولید            | ۱۲        | ۳۵۸  | یزید بن معاویہؓ                          | ۲         |
| ۴۳۷  | ابراہیم بن ولید بن عبد الملک | ۱۳        | ۳۶۹  | معاویہ ثانی بن یزید                      | ۳         |
| ۴۳۸  | مروان ثانی بن محمد بن مروان  | ۱۴        | ۳۷۰  | مروان بن حکم اور عبد اللہ بن زبیرؓ       | ۴         |
| ۴۴۶  | بنو اُمیہ کے زوال کے اسباب   | ۱۵        | ۳۷۳  | عبد الملک بن مروان اور عبد اللہ بن زبیرؓ | ۵         |
| ۴۵۲  | موسیٰ دور کی عوامی روح       | ۱۶        | ۳۹۴  | ولید بن عبد الملک                        | ۶         |
| ۴۵۴  | نظام حکومت                   | ۱۷        | ۴۰۹  | سلیمان بن عبد الملک                      | ۷         |
| ۴۶۳  | تہذیب و تمدن                 | ۱۸        | ۴۱۳  | حضرت عمر بن عبد العزیز                   | ۸         |
|      |                              |           | ۴۲۶  | یزید ثانی بن عبد الملک                   | ۹         |
|      |                              |           | ۴۲۸  | ہشام بن عبد الملک                        | ۱۰        |

## بنو عباس

|     |                  |   |     |                   |   |
|-----|------------------|---|-----|-------------------|---|
| ۵۰۸ | محمد الامین      | ۶ | ۴۶۶ | ابو العباس السفاح | ۱ |
| ۵۱۴ | عبد اللہ المأمون | ۷ | ۴۷۰ | محمد المنصور      | ۲ |
| ۵۲۷ | معتصم باللہ      | ۸ | ۴۸۷ | محمد المہدی       | ۳ |
| ۵۳۲ | واثق باللہ       | ۹ | ۴۹۳ | موسیٰ الہادی      | ۴ |
|     |                  |   | ۴۹۵ | ہارون الرشید      | ۵ |

مَشْكَوَةٌ الْمَصَابِيحِ

كِتَابُ الْأَدَابِ

# تعارف مشکوٰۃ المصابیح

احادیث مبارکہ کی جمع و تدوین کا کام مکمل ہو جانے کے بعد ان کے انتخاب اور شروع کا سلسلہ شروع ہوا۔ منتخب احادیث کے مجموعوں میں سب سے زیادہ شہرت مصابیح السنۃ (یا مصابیح الدجی) کو ملی جو شافعی مذہب کے عالم، محدث اور مفسر رکن الدین محی السنۃ ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی (متوفی ۵۱۶ھ / ۱۱۲۲ء یا ۵۱۰ھ / ۱۱۱۷ء) کی تالیف ہے۔ البغوی ہرات کے قریب ایک گاؤں بَغ یا بغشور کے رہنے والے تھے۔ بغوی نے اس کتاب میں مضامین کے لحاظ سے ترتیب دے کر احادیث جمع کی ہیں۔ اس تالیف کا مقصد متشرع لوگوں کو شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنے میں مدد دینا تھا۔ اس میں کل ۴۱۹ احادیث ہیں، بخاری کی ۳۲۵، مسلم کی ۸۷۵ اور ۱۰۵۱ متفق علیہ اور باقی دیگر مجموعوں سے لی گئی ہیں (مجم المطبوعات العربیۃ، عمود ۳، ۵)۔ بغوی کا دعویٰ ہے کہ اس مجموعہ میں کوئی منکر یا موضوع حدیث نہیں۔ سب سے پہلے وہ صحیحین سے ماخوذ احادیث (صحیح) دیتے ہیں اور پھر دیگر مجموعوں سے لی گئی احادیث (حسن)۔ بغوی نے اختصار کے مقصد سے اسناد نہیں دی۔

مشکوٰۃ المصابیح جو مصابیح السنۃ کا تکملہ ہے ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب البزری کی تالیف ہے۔ انہوں نے ہر حدیث کے شروع میں راوی حدیث کا نام دیا ہے اور مصابیح السنۃ کی دو فضلوں (صحیح اور حسن) کے بعد ایک تیسری فصل کا اضافہ کیا ہے جس میں صحیحین سمیت مجموعہ ماٹے احادیث کی ایسی احادیث ہیں جو مضمون سے مناسبت رکھتی ہیں مشکوٰۃ المصابیح کو بہت مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔ یہ آج تک دینی مدارس کے نصاب میں شامل ہے اور صحیحین کے بعد سب سے زیادہ اس کی شروع لکھی گئی ہیں۔ انگریزی، اردو وغیرہ مختلف زبانوں میں اس کے بہت سے تراجم بھی شائع ہوئے ہیں۔

# بَابُ السَّلَامِ

لُغَوِيٌّ مَعْنَى : سلام کے لغوی معنی ہیں :

- ۱- سلامت (سلامتی)۔ عافیت۔ اس اعتبار سے عرب میں ایک سدا بہار درخت کو سلام کہتے ہیں۔
- ۲- بے عیب اور بے نقص ہونا۔ اللہ تعالیٰ کا ایک نام اس لیے سلام ہے کہ وہ عیب اور نقص سے پاک ہے۔
- ۳- بے روگ ہونا۔ قلبِ سلیم بے روگ دل کو کہتے ہیں۔
- ۴- شکستہ حال اور شکستہ دل نہ ہونا۔
- ۵- بچاؤ اور حفاظت میں رہنا۔ جنت کو دارالسلام کہتے ہیں کہ مومن اس میں آفات سے محفوظ رہے گا۔

۶- بَرَاءَت یعنی لا تعلق ہونا۔ سَلَامُ الْمُنَادَاةِ کا یہی مفہوم ہے۔

بعض علما کے نزدیک سلام اور سلامت ہم معنی ہیں اور بعض کے یہ سلام جمع ہے سلامت کی۔ سلام کے مترادف سَلْمٌ کا لفظ بھی آتا ہے۔ سلام کے لفظ سے صلح کا خیال بھی پیدا ہوتا ہے لہذا سَلْمٌ اور سَلْمٌ کے معنی صلح ہیں۔ مَسَالَمَتٌ کے معنی ہیں مصالحت۔ سَلَامٌ بطور مصدر بھی آتا ہے۔

مراد و تعریف : شرع میں سلام سے مراد یہ ہے کہ طرفین میں سے ایک فریق دوسرے کو قصد و نیت کے ساتھ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اور طرفِ ثانی پہلے کو وَعَلَيْكُمْ السَّلَامُ کے دعائیہ کلمات کہے۔ ان ابتدائی اور جوابی کلمات میں وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ وَمَغْفِرَتُهُ کے کلمات بھی بڑھائے جا سکتے ہیں۔

یہاں نیت سے مراد اعزاز و محبت کی نیت ہے۔

طرفِ اَدَل کو مُسَلِّمٌ (یا مبتدی) اور طرفِ ثانی کو مُسَلَّمٌ عَلَيْهِ (یا مجیب) کہتے ہیں۔ اور جس سلام کی تعریف بیان کی گئی ہے اسے سَلَامُ الْمُنَادَاةِ سے ممیز کرنے کے لیے سَلَامُ التَّحِيَّةِ بھی کہتے ہیں۔ سَلَامُ الْمُنَادَاةِ سے مراد وہ سلام ہے جس کے ساتھ آدمی کسی سے پیچھا چھڑا کر الگ تھلگ ہو جائے۔ قرآن کریم کی درج ذیل عبارت میں سَلَامُ الْمُنَادَاةِ ہی مراد ہے۔

وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝ (۲۵: ۶۳)

ترجمہ: اور جب اکھڑ لوگ ان سے بول اٹھتے ہیں تو (یہ) کہتے ہیں، سلام ہے۔  
یہاں سلام کے لغوی معنی ہیں: تَسَلَّمَ یعنی پیچھا چھڑانا، بَوَاءَات یعنی لا تعلق ہونا اور  
مُتَارَكَةٌ یعنی یکسو ہو جانا۔ مراد یہ ہے کہ بھٹی! ہم میں تمہاری ہم زبانی کی طاقت نہیں۔ ہم  
جاتے ہیں، سلام ہے۔

سلام اور تَحِيَّت، تَحِيَّت کا لفظ حیاة سے تَفْعِلَه کا صیغہ ہے۔

جاہلی عرب ملاقات کے وقت عموماً حَيَّاكَ اللهُ کے الفاظ سے سلام کہتے تھے لہذا  
تَحِيَّتِ آہستہ آہستہ حَيَّاكَ اللهُ کا مصدر بٹھرا۔ بعد میں ملاقات کی ہر قسم کی دعا اس کے مفہوم  
میں شامل ہو گئی لیکن اس کا غالب استعمال حَيَّاكَ اللهُ کے لیے ہی رہا۔ اسلام آیا تو جاہلی  
الفاظ کا سلام متروک ہوا لیکن تَحِيَّتِ کا لفظ اسم مصدر کے طور سے باقی رہا۔ اسلام میں چونکہ  
تَحِيَّتِ صرف السَّلَامُ عَلَيْكُمْ کے الفاظ سے ہوتی ہے اس لیے اس کے معنی عموماً تسلیم  
ہی لیے جاتے ہیں۔

تَحِيَّتِ عام ہے اور ہر دعائیہ کلام کے لیے بولا جاسکتا ہے۔ سلام خاص ہے اور صرف  
السَّلَامُ عَلَيْكُمْ کے لیے آتا ہے۔ سورۃ الفرقان میں ارشاد ہے،  
وَيُلْقُونَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ۝ (۲۵: ۷۵)  
ترجمہ اور اس میں ان کی دعا و سلام سے پیشواٹی ہوگی۔  
یہاں تَحِيَّتِ کا لفظ عام دعا کے لیے آیا ہے۔

### سلام کی معنوی وسعت

سلام سے نہ صرف مادی بلکہ روحانی سالمیت بھی مراد ہوتی ہے۔ اس سالمیت کا ہر فرد  
بشر محتاج ہوتا ہے۔ آقا و غلام، امیر و غریب اور سیاہ و سپید کی اس میں کوئی تفریق نہیں۔  
اسلام ایک ہمہ گیر اور انسانیت پرور دین ہے۔ وہ انسان کو شخصی زندگی کے حصار سے نکال  
کر عالم انسانیت کی کھلی فضا میں لاتا ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ سب اولادِ آدم کی فلاح و بہبود کا صدق  
دل سے نہ صرف خواہاں ہوں بلکہ اس کے لیے کوشاں بھی رہے تاکہ دیگر افراد اس کے جذبات اور  
میلانات سے متاثر ہوں اور انسان دوستی کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے۔

خیر خواہی کے زبانی اظہار کی بے شمار صورتیں ہو سکتی ہیں لیکن اس کی بنیادی صورت صرف ایک  
ہے جسے ربِّ کریم نے ذریتِ آدم کے لیے لازم بٹھرایا ہے۔ یہ سلام تَحِيَّتِ ہے۔ اس سے بڑھ کر

صاف، سادہ اور شیریں صورت محال ہے۔ اس میں بے حد کناہ لچک اور وسعت پذیری ہے۔ سلام کا دائر عالم اجساد سے بھی آگے نکل کر ارواح اور جن و ملک کی دنیا بلکہ پوری کائنات کو گھیر لیتا ہے۔ مسافرانِ عدم ہمارے سلام پر مسرور ہوتے ہیں۔ احادیث میں آیا ہے کہ شجر و حجر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام کا نذرانہ پیش کیا کرتے تھے۔

سلام فرشتوں کا شعار : قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ یہی رسم ملائکہ کا بھی شعار ہے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس فرشتے حاضر ہوئے تو کلام کا آغاز سلام کے کلمات سے ہوا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت خدیجہؓ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عائشہؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے سلام پہنچایا۔ انہی الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو سلام کو سلام کہا۔ نیک انسان کی وفات کے وقت فرشتے بھی یہی الفاظ کہتے ہیں۔ جنت میں داخلہ کے موقع پر فرشتے اسی طور کے سلام سے مومنین کو خوش آمدید کہیں گے۔ باغِ جنت کے مکین سلام ہی سے ایک دوسرے کا استقبال کریں گے۔

سلام اولادِ آدم کا ورثہ : حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تو سب سے پہلے ان کی زبان پر الْحَمْدُ لِلَّهِ کے الفاظ رواں ہوئے۔ اس کے بعد انہیں سلام کی رسم سکھائی گئی اور بتایا گیا کہ یہ رسم تیری اولاد کا ورثہ ہے۔ وقت گزرتا گیا۔ یہ ورثہ کبھی گم ہوا اور کبھی پھر ہاتھ آ گیا۔ جب کوئی نبی تشریف لائے تو انہوں نے کلماتِ سلام کی یاد از سر نو تازہ کی لیکن انسان کا حافظہ ٹھوکر کھاتا ہی رہا۔ کسی نے ہاتھ باندھ کر نمستے کہا اور کسی نے گڈ مارنگ (صبح بخیر) اور گڈ ایوننگ (شام بخیر) وغیرہ کی ترکیبیں ایجاد کیں اور کبھی سپاٹ ہتھیلی ماتھے کے ایک کونے سے چھو کر سمجھے کہ حق آشنائی ادا ہو گیا۔ یوں نے اس کا خلاصہ تیار کیا اور دور سے ایک انگلی دکھا کر فارغ ہو گئے۔ عرب نے بھی ملتی جلتی شکل ڈھونڈی۔ کبھی حَيَّاكَ اللهُ (اللہ تمہیں زندہ رکھے) اور کبھی الْحَمْدُ صَبَاحًا (خوش صباح رہو) وغیرہ کے الفاظ سے ملاقات کا حق ادا کیا۔ ان میں سنت ابراہیمی کے بقیہ کے طور سے سَلَامٌ عَلَيْكُمْ کی تہجیت بھی تھی لیکن بہت کم۔

تہجیت کے نوا ایجاد کلمات کو دیکھا جائے تو ان میں صرف شخصی، مادی اور زمانی راحت کی خواہش بیدار نظر آتی ہے لیکن کلماتِ ربانی کی معنویت زمان و مکان کی حدود سے آگے بہت آگے ہے۔ سلام کے الفاظ میں افراد و اقوام کیا پوری موجودات مد نظر ہے۔ اس سے زمانی و مکانی ہی نہیں بلکہ ابدی فلاح بھی مطلوب ہے۔ یہ کلمات پتے دل سے ادا کیے جائیں تو مبتدی کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے دین و دنیا کو سلامت رکھے۔ میں تیری جان، تیرے مال اور تیری آبرو کی حرمت کو تسلیم کرتا ہوں۔ ان پر ہاتھ ڈالنا حرام ہے۔ مجیب اپنے دل کا یہ پیغام

دیتا ہے کہ تجھ پر بھی اللہ کی طرف سے سلامت نازل ہو۔ میں بھی تیرا ہمدرد اور خیر خواہ ہوں۔  
سلام کی مختلف حیثیتیں؛ سلام کو راقم سطور کی رائے میں دو حیثیتیں حاصل ہیں:

۱۔ تحفہ انسانیت

۲۔ شعارِ اسلام

## سلام بحیثیت تحفہ انسانیت

سلام کو اللہ تعالیٰ نے فدیت آدم کی رسم قرار دیا ہے اس لیے سیاسی موانع کے سوا سے ایک ملت میں محدود نہیں کیا جاسکتا۔ ہر مسلمان کو لازم ہے کہ اس رسم کو عام کرنے کی کوشش کرے۔ سلام کی کوئی نیکی بھی غیر مسلمانوں میں شائع ہو جائے تو غنیمت ہے۔ اس سے مسلم اور غیر مسلم قریب تر ہوتے جائیں گے۔ غیر مسلموں کو اسلامی آئین و رسوم کے اجزاء کے ذریعے اپنے قریب لانا از بس مستحسن ہے۔ ممنوع یہ ہے کہ ان سے قرب ختم کرنے کے لیے ان کے غیر اسلامی دستور حیات کو اپنایا جائے۔ غیر مسلم سے الفت رکھی جاسکتی ہے لیکن ان سے محبت رکھنے کی اجازت نہیں۔ محبت صرف نیک مسلمان سے روا ہے۔ الفت یہ ہے کہ راہ و رسم رہے اور جائز حد تک خیر خواہی بھی ہو لیکن محبت کی حدود بے کنار ہیں۔ یہ صرف اللہ اور اس کے مومن بندوں کے لیے ہی مختص ہو سکتی ہے۔

غیر مسلموں پر سلام ڈالنے کے بارے میں علماء مختلف الحیال ہیں۔ ابن عباسؓ ایسے حکمت پر صحابی اس کے حق میں ہیں۔ سلام کے کلمات غیر مسلموں میں تبلیغ کا بیش قدر کام انجام دے سکتے ہیں بالخصوص موجودہ دور میں جب کہ اقوام کا جغرافیائی بُعد مٹ رہا ہے۔ یہ الفاظ اس حقیقت کو واشگاف کرتے ہیں کہ امن کی متاع مطلوب اسلام کے دامن میں اب بھی موجود ہے۔ سلام کی رسم اس دور میں کیا مسلم اور غیر مسلم سب دنیاٹے انسانیت کا کلمۃ سواۓ یعنی مشترکہ کلمہ ہو سکتا ہے۔

موجودہ دور میں رسم سلام کو زندہ رکھنے کی ایک اور پہلو سے بھی ضرورت ہے۔ اسلامی تہذیب کا جاہلی ثقافت سے زبردست تصادم ہو رہا ہے۔ جاہلی ثقافت اپنے ساتھ دولت کی جھنکار اور چکاچوند کا عالم لاتی ہے۔ اس لیے اس دور میں ہر اسلامی رسم و رواج کو زندہ رکھنا فرض عین کے رتبہ تک پہنچ رہا ہے۔

بعض سیاسی موانع غیر مسلموں کو سلام کہنے کی اجازت نہیں دیتے۔ مثلاً کفار بات بات پر کپنہ توڑی کا ثبوت دیں اور مسلمانوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیں تو انہیں سلام نہ کیا جائے کیونکہ اس سے اہل اسلام کی تزیل ہوگی۔ ظہور اسلام کے وقت عرب کے چاروں طرف پرغور بادشاہوں



کے راج جمے ہوئے تھے۔ انہیں جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوت نامے بھیجے تو  
السَّلَامُ عَلَیْكُمْ کے بجائے سَلَامٌ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی کے الفاظ تخریر کر آئے۔ امن  
کا پیغام پہنچانا لازم تھا لہذا پہنچا دیا لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ اسلام کا پہلو دبتا نظر نہ آئے  
اور مکتوب الیہ کا دماغ اور نہ چڑھ جائے۔ اہل اسلام کو چاہیے کہ وقتی احوال و ظروف کو سامنے  
رکھ کر موزوں الفاظ میں غیر مسلموں کو سلام کہیں اور اگر ان سے پہل کرنے میں تذلیل ہوتی ہو تو  
ایسا نہ کریں۔ مجبوری یا مقہوری کا دور ہو تو بے شک انہی کے الفاظ استعمال کر لیں بشرطیکہ ان  
میں کفر یا شرک کا شائبہ نہ ہو۔

وقتی احوال و ظروف پر اس لیے تاکید ہے کہ بعض حالات میں ایسے مسلمانوں پر بھی سلام  
ڈالنا روا نہیں ہوتا جو علانیہ فسق میں مبتلا ہوں یا کسی ناگوار بدعت میں ملوث ہوں۔ شاید عامۃ المسلمین  
کی ناراضی سے شرما کر اپنی اصلاح کر لیں لیکن اس مقاطعہ سے فتنہ اور بڑھتا ہو تو اس سے پرہیز  
ہی بہتر ہے۔

## سلام بہ حیثیت شعارِ اسلام

ذُریتِ آدم میں سے سلام کی رسم کو صرف اہل اسلام ہی نے اپنا دکھا ہے اس لیے اسے  
شعارِ اسلام کی حیثیت بھی حاصل ہے۔ اس کو زندہ رکھنا اور اس کی تعظیم ملحوظ رکھنا ہر مسلمان پر لازم  
ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے سلام کو اسلام کا حق قرار دیا ہے۔ جب بھی دو یا دو سے زائد مسلمان  
بھائی آپس میں رُو بہ رُو ہوں تو چاہیے کہ بے گانہ دار نہ گزریں بلکہ اخوت اور محبت کا اظہار کرتے جائیں۔  
کسادہ پیشانی کی جھلک دکھائی، مہر کی نگاہ سے دیکھا اور سلام کے شیریں الفاظ ہدیہ کر دیے۔  
واقف مسلمان ہو یا ناواقف، جب بھی سامنے آئے اسلام اس پر سلام ڈالنے کی تاکید  
کرتا ہے۔ سب مسلمانوں کے دل ایک ہیں۔ ایک ہی برادری سے وابستہ ہیں۔ جب بھی ایک دوسرے  
کے سامنے آتے ہیں تو مدتوں کے پچھڑے ہوئے بھائیوں کی طرح مل کر خوش ہوتے ہیں۔ سلام  
کے الفاظ انہیں یاد دلاتے ہیں کہ اسلامی اخوت فولاد کی طرح مضبوط ہے۔ اس کو قائم و دائم  
رکھنا ہم پر حق ہے۔

اسلام کے ہر شعار کی طرح شعارِ سلام کی تعظیم بھی لازم ہے کوئی آدمی غیر شرعی کام میں مصروف  
ہو مثلاً جو اکیل رہا ہو تو اسے ہرگز سلام نہ کہا جائے۔ پیشاب کر رہا ہو تو جب بھی سلام ڈالنے  
کی اجازت نہیں کیونکہ اس سے اس شعار کی بے ادبی ہوگی۔

خوشامد کی خاطر غیر مسلم درکنار مسلم کو بھی سلام نہ کہا جائے۔ آج کل مطلب اور غرض کا سلام

عام ہے۔ یہ اس قدسی شعار کی توہین ہے۔ سلام کی تعریف میں ہم دیکھ آئے ہیں کہ اس میں اعزاز اور محبت کی نیت شرط ہے۔ اگر برادرانہ ملاقات کا خیال نہ ہو اور نیت میں سلامت کے بجائے خوشامد ہو تو ایسا سلام ممنوع ہے۔

### آداب و مسائل :

- ۱- افضل یہ ہے کہ مبتدی السَّلَامُ عَلَیْكُمْ کہے چاہے دوسری طرف ایک ہی آدمی ہو۔ اس میں مذکر و مؤنث کی تخصیص نہیں۔ واحد کا صیغہ لانا یعنی السَّلَامُ عَلَیْکَ کہنا بھی درست ہے لیکن افضلیت جمع ہی کے صیغہ میں ہے۔ مبتدی السَّلَامُ عَلَیْكُمْ پر وَرَحْمَةُ اللَّهِ بِكُمْ وَبِرِکَاتِهِ کے الفاظ بھی بڑھا سکتا ہے۔
- ۲- جواب میں ابتدائی کلمات سے حتی الوسع بہتر الفاظ کہے جائیں مثلاً وَعَلَیْكُمْ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبِرِکَاتِهِ کہے۔ اگر مبتدی السَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبِرِکَاتِهِ کہے تو مجیب بے شک وَهَفِزْتَهُ کے الفاظ بھی بڑھا دے۔
- ۳- سلام کی ابتداء کرنا فرد کے لیے سنت ہے اور جماعت کے لیے سنت کفایہ یعنی پوری جماعت سے ایک شخص بھی سلام کہہ دے تو سنت ادا ہو جائے گی۔
- ۴- سلام کا جواب دینا فرد کے لیے واجب اور جماعت کے لیے واجب کفایہ ہے۔
- ۵- جب کوئی آدمی کسی کی طرف سے سلام کا پیغام لائے تو مجیب وَعَلَیْکَ وَعَلَیْہِ السَّلَامُ کہے یعنی پیغام لانے والے پر بھی سلام ڈالے۔
- ۶- مکتوب کا آغاز السَّلَامُ عَلَیْكُمْ سے ہوتا ہے۔ اسے پڑھتے ہی وَعَلَیْكُمْ السَّلَامُ کہنا چاہیے۔
- ۷- جواب فوراً دینا چاہیے۔ اگر بلا عذر تاخیر کی جائے تو گناہ ہوگا۔
- ۸- ہر واقف و ناواقف مسلمان کو سلام کہا جائے۔
- ۹- ناواقف عورت کو سلام نہ کہا جائے سوائے اس کے کہ وہ بڑھیا ہو۔ اگر اجنبی عورت کو سلام کہا گیا تو اس پر جواب دینا واجب نہ ہوگا۔
- ۱۰- سلام میں پہل کون کرے؟ اس سلسلہ میں درج ذیل ہدایات پیش نگاہ رہنی چاہئیں :  
چھوٹا بڑے کو سلام کرے لیکن بڑوں کو چاہیے کہ کم سن بچوں سے سلام کہنے میں پہل کریں تاکہ بچوں کو سلام کی تربیت ہو۔  
تعداد میں چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کہے۔  
گزرنے والا کھڑے ہوئے کو سلام کہے۔  
کھڑا ہوا بیٹھے ہوئے کو سلام کہے۔  
سوار پیدل کو سلام کہے۔

یہ ہدایات مستحب کے درجہ میں ہیں اور بتاتی ہیں کہ سنت میں پہل کرنا کس کے ذمے ہے۔  
 اگر کوئی فریق اپنی طرف سے پہل کر جائے تو افضلیت اسی کے لیے ہے۔ قرآن حکیم میں  
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ارشاد ہے: **وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا**  
**فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ (الانعام: ۶: ۵۴)**

ترجمہ: اگر آپ کے پاس ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے آئیں تو آپ ان سے السلام علیکم فرمائیں۔

۱۱۔ آدمی مجلس سے اٹھے تو سلام کہے۔ واپس آئے تو دوبارہ سلام کہے۔

۱۲۔ جس مجلس میں مسلم و غیر مسلم شریک ہوں اس پر سلام ڈالا جائے۔

۱۳۔ گھر سے جاتے یا آتے وقت اہل خانہ کو سلام کہا جائے۔

۱۴۔ مندرجہ ذیل کو سلام منع ہے:

جو شخص نماز پڑھ رہا ہو۔

جو لوگ مسجد میں نماز کے منتظر بیٹھے ہوں۔

جو قرآن کی تلاوت کر رہا ہو۔

مجلس جس میں دینی اور علمی درس یا وعظ یا مباحثہ ہو رہا ہو۔

قاضی جو عدالت کر رہا ہو۔

جو آدمی کھانا کھا رہا ہو۔

جو آدمی نہا رہا ہو۔

جو آدمی پیشاب کر رہا ہو۔ — جو آدمی خلاف شرع کام میں مشغول ہو۔

**ثمرات:** سلام کے متعدد ثمرات ہیں۔ مثلاً

۱۔ محبت کی افزائش: سلام امت مسلمہ کی باہمی محبت کا سر آغاز ہے۔ اس مختصر اور سہل کلمہ

کے بدولت بیگانگی شناسائی میں اور نفرت محبت میں بدل سکتی ہے جہاں ادنیٰ کدورت

ہو وہاں اس لفظ کی تاثیر معجزہ دکھاتی ہے اور کدورت کو مٹا دیتی ہے۔ جہاں محبت پہلے

سے موجود ہو وہاں اس سے مزید خلوص پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ سر بلندی: سلام سے کلام کے مواقع اٹھیں گے۔ ایک دوسرے سے ہمدردی پیدا

ہوگی اور اتحاد کا دور دورہ ہوگا۔ قوم میں قوت کے آثار نظر آئیں گے اور اغیار مرعوب ہوں

گے۔ حدیث شریف میں آیا ہے: **أَفْشُوا السَّلَامَ كَيْ تَعْلُوا (الترغیب والترہیب)**

ترجمہ: سلام عام کرو تاکہ تم سر بلند ہو۔

۳۔ مساوات: سلام کے آداب میں امیر و غریب اور حاکم و محکوم سب برابر ہیں اس لیے

اس سے مسادات کا رنگ ابھرتا ہے۔

۴۔ تکبر کی شکست: سلام رعونت کو فنا کرتا ہے۔ جب کوئی رئیس یا مالدار شخص کسی غریب مسلمان کو سلام کہتا ہے تو ساتھ ہی اس کے دل میں یہ احساس بیدار ہوتا ہے کہ یہ شخص ہزار نادار ہی احترام میں میرا ہم پلہ ہے۔ اس کے دل میں عاجزی اور فروتنی کے جذبات ابھرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: **الْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرٌّ** **مِنَ الْكِبْرِ** (سلام کا آغاز کرنے والا کبر سے لاتعلق ہوتا ہے) یہی وجہ ہے کہ سوار کو پیدل پر سلام ڈالنے کی تلقین ہے۔

۵۔ مغفرت: باہم تسلیم کرنے والے مسلمان ایک دوسرے کی روحانی فلاح کے لیے سچے دل سے دعا کرتے ہیں۔ دن بھر میں ہر مسلمان کے لیے بیسیوں مسلمان یہ دعا دہرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول کرتا ہے اور در مغفرت واکرتا ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام موجب مغفرت ہے۔

۶۔ برکت: سلام کی تلقین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس کو یہ کلمات اس قدر عزیز ہیں کہ انہیں **مِنْ عِنْدِ اللَّهِ** یعنی من جانب اللہ کہتا ہے۔ لہذا ان الفاظ کے ادا کرنے سے روحانی اور مادی لحاظ سے بہت برکت حاصل ہوتی ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے: **فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةٌ طَيِّبَةٌ** (۲۴: ۶۱)  
ترجمہ: جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے افراد پر سلام ڈالو (یہ ہوگی) بابرکت اور پاکیزہ تسلیم۔

## حدیث ①

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَجُلًا

اور عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے

سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا

أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تَطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرِي السَّلَامَ

اسلام (کا) کون سا عمل بہتر ہے؟ فرمایا، یہ نہ تو کھانا کھلائے اور سلام ڈالے

## عَلَىٰ مَنْ عَرَفْتَهُ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ مَتَّفِقٌ عَلَيْهِ

ان پر جنہیں تو پہچانتا ہے اور جنہیں تو نہیں پہچانتا متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی:

أَيُّ الْإِسْلَامِ: کون سا اسلام۔ مراد ہے اسلام کا کون سا عمل۔  
تَطْعِمُ: تو کھلائے۔ أَطْعَمَهُ اس نے کھلایا۔ الطَّعَامُ کھانا۔ ماکولات میں سے غذا کے طور پر کھائی جانے والی کوئی چیز۔

تُقَرِّئُ: أَقْرَبَتْهُ السَّلَامُ يَا أَقْرَبُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اس نے سلام کہا۔  
السَّلَامُ: سلامتی۔ عافیت، عیب، نقص۔ مرض سے محفوظ ہونا۔ بچاؤ اور حفاظت میں رہنا۔  
صلح، امان۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک سلام ہے، یعنی عیب اور نقص سے پاک۔ جنت کو دارالسلام کہتے ہیں کیونکہ اہل جنت اس میں آفات سے محفوظ رہیں گے۔  
شرع میں سلام سے مراد یہ ہے کہ ملاقات ہونے پر دو فریقوں میں سے ایک فریق دوسرے کو قصد و نیت کے ساتھ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہے اور دوسرا جواب میں وَعَلَيْكُمْ السَّلَامُ کہے۔  
عَرَفْتُ: تو نے پہچانا۔ عَرَفَ اس نے پہچانا۔ تَعْرِفُ تو پہچانتا ہے۔ لَمْ تَعْرِفْ تو نے نہ پہچانا۔

### تشریح حدیث ①

اس حدیث مبارکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے سوال کے جواب میں کھانا کھلانے اور سلام کہنے کو اسلام کا بہترین عمل بیان فرمایا ہے۔ ان دونوں کاموں کی معاشرتی زندگی میں بیجا اہمیت و افادیت ہے۔

کھانا کھلانا: قرآن حکیم اور حدیث شریف میں مسکین، نادار، یتیم، قیدی وغیرہ یعنی ہر ایسے انسان کو کھانا کھلانے کی تلقین کی گئی ہے جو حاجت مند ہو، بے بس ہو، خود کھانا کھانے کی استطاعت نہ رکھتا ہو، اس کے وسائل سے محروم ہو۔ جو لوگ جنت میں جائیں گے ان کے نیک اعمال میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں: وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا، اور وہ اللہ کی محبت پر مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں، (الدھر، ۶، ۸)۔ یعنی کھانے کی استطاعت سے محروم لوگوں کو کھانا کھلانا جنت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اور کھلانے کی قدرت رکھتے ہوئے نہ کھلانا دوزخ میں لے جانے کا سبب

بنتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ جنتی دوزخ والوں سے پوچھیں گے کہ تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی تو وہ جواب میں کہیں گے: **قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَمْ نَكُ نَطْعِمُ الْمُسْكِينِ**، "وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہم مسکین کو کھانا کھلاتے تھے" (المدثر: ۴۳ تا ۴۷) ارشاد نبوی ہے: وہ شخص مومن نہیں جو سیر ہو کر کھائے جبکہ اس کا ساتھ والا ہمسایہ بھوکا ہو، گویا بھوکے کو کھانا کھلانا اور ایمان دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

کھانا کھلانے کے ساتھ ساتھ اس امر کی تلقین بھی کی گئی ہے کہ دوسروں کو بھی ترغیب دی جائے کہ وہ مسکین و یتیم وغیرہ کو کھانا کھلائیں۔ دوسروں کو ایسی ترغیب نہ دینا بھی دوزخ میں جانے کا باعث بنتا ہے، چنانچہ ارشاد ربّانی ہے: اور جس کا نامہ اعمال اُس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا، کاش میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا گیا ہوتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش وہ دینی دنیا میں ہونے والی موت (فیصلہ کن ہوتی۔ آج میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، مجھ سے میرا اقتدار جاتا رہا۔ اللہ فرشتوں کو حکم دے گا، اسے پکڑ لو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو، پھر اسے دوزخ میں جھونک دو، پھر اسے ستر یا تھلبی زنجیر میں جکڑ دو۔ یہ اللہ عظیم پر ایمان نہ رکھتا تھا اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا" (الحاقۃ، ۶۹: ۲۵ تا ۳۲) سورہ الماعون میں ارشاد ہے: **أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ هَذَا الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيمَ هَذَا وَلَا يُحِصُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمُسْكِينِ**، "کیا تو نے نہیں دیکھا اس شخص کو جو یتیم جزا کو جھٹلاتا ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ نے زمین میں تمام انسانوں کا رزق فراہم کر رکھا ہے، لیکن بعض انسان زیادہ رزق حاصل کر لیتے ہیں، بعض قدرے کم اور بعض محروم رہ جاتے ہیں۔ اس کے بے شمار اسباب ہیں، بعض قدرتی اور دوسرے انسانوں کے اپنے پیدا کردہ۔ جن کے پاس زیادہ رزق ہے ان پر فرض ہے کہ وہ محروم اور بے بس لوگوں کی مدد کریں، ان کی اپنی عاقبت ایسا کرنے میں ہے ورنہ وہ دنیا میں بھی ذلیل ہوں گے اور آخرت میں بھی۔ دافر رزق دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے اور اس میں سرفروہ ہونے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ وہ ناداروں پر اس مال کو خرچ کرے اگر وہ مال سے محبت کرے گا تو دنیا اور آخرت دونوں میں ذلت اس کا مقدر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **مگر انسان کا حال یہ ہے کہ اس کا رب جب اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اسے عزت و نعمت دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے معزز بنا دیا۔ اور جب وہ اسے آزمائش میں ڈالتا ہے اور اس کا رزق اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے، میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔ ہرگز نہیں**

بلکہ تم یتیم کے ساتھ عزت کا سلوک نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو نہیں اکا تے اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے بے حد محبت کرتے ہو! (الفجر، ۸۹: ۱۵ تا ۲۰)

مسکین کو کھانا کھلانے اور کھلانے کی ترغیب دینے کی یہ تمام تعلیمات حلال رزق سے متعلق ہیں۔ جو مال حرام ذرائع سے اکٹھا کیا ہو وہ تو انہیں لوٹانا چاہیے جن سے ہتھیایا گیا ہے۔ فرد کے ساتھ ساتھ منظم معاشرے یعنی ریاست کا بھی فرض ہے کہ وہ ایسا اہتمام کرے کہ ملک کے اندر کوئی شخص بھوکا نہ سوٹے، کوئی فرد بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہے، یعنی معاشرے کے ہر فرد کو مکمل سماجی تحفظ حاصل ہو۔ معاشرے کے بے بس اور بے سہارا لوگوں کو محض مال دار لوگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا ملک کے لیے بے حد خطرناک ہے۔

سلام کہنا: اس حدیث شریف میں اسلام کا دوسرا بہترین عمل سلام کہنا بیان کیا گیا ہے، ہر شخص کو سلام کہنا، خواہ وہ واقف ہو یا اجنبی۔ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ رَمَّ بِرِ سَلَامَتِي هُوَ، تم ہر نقصان روگ، تکلیف سے محفوظ رہو، ایک بہت ہی جامع قسم کی نیک تمنا اور دعا ہے۔ دوسرے کے لیے خیر خواہی کے زبانی اظہار کی اس سے زیادہ اچھی اور جامع کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ اس میں جان، مال، عزت، آبرو، سکون، خوشی، اطمینان غرض ہر چیز کی سلامتی کی اور ہر قسم کے شر، برائی، دکھ، تکلیف سے بچاؤ کی دعا ہے۔ اس کے مقابلے میں دیگر تمام صورتیں مثلاً گڈ مارننگ (صبح بخیر)، گڈ ایوننگ (شام بخیر)، گڈ نائٹ (شب بخیر)، لانگ لودیر تک زندہ رہو وغیرہ نہایت محدود معنی کی اور کمتر صورتیں ہیں۔ اسی طرح کی صورتیں وہ ہیں جو غریبوں نے آج کل، شاید اہل مغرب کی تقلید میں اپنا رکھی ہیں، جیسے صَبَاحُ الْخَيْرِ (صبح بخیر)۔ مَسَاءُ الْخَيْرِ (شام بخیر)، حَيَّيَاكَ اللهُ (اللہ تجھے زندہ رکھے)، اَطَالَ عُمُرُكَ (تیری عمر لمبی کرے) وغیرہ۔ سلام سے باہم انس و محبت اور خیر خواہی کے جذبات ابھرتے ہیں۔ اجنبیت، بیگانگی، کدورت، نفرت، تکبر سب ختم ہو جاتے ہیں۔ سلام معاشرے کا شعار ہو، اور سلام کو عام کیا جائے تو معاشرے کی فضا محبت، یگانگت، خلوص اور خیر خواہی کی بن جاتی ہے۔ نبی اکرم نے سلام کو عام کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشاد نبوی ہے: اَفْشُوا السَّلَامَ كَمَا تَقْلُوْا، سلام کو عام کرو تاکہ تم سر بلند ہو (الترغیب والترہیب)۔ ایک اور حدیث میں حضور کا ارشاد ہے!

”تم جب تک ایمان نہ لاؤ جنت میں داخل نہ ہو گے اور جب تک تم آپس میں محبت نہ رکھو ایمان والے نہ ہو گے تو کیا میں اس بات کا پتہ نہ دوں کہ جب تم اسے کرو تو تمہیں

ایک دوسرے سے محبت ہو جائے۔ اپنے درمیان سلام کی رسم عام کر دو۔  
 جسے سلام کیا جائے اسے چاہیے کہ سلام کا بہتر جواب دے یا کم از کم لوٹا دے۔ ارشادِ ربانی  
 ہے: **وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوْهَا**، "جب تمہیں سلام کیا  
 جائے تو تم اس سے بہتر طریقے سے سلام کرو یا اُسے لوٹا دو۔" (النساء، ۴: ۸۶)۔ یعنی السَّلَامُ  
 عَلَيْكُمْ کے جواب میں وہ کم از کم وَعَلَيْكُمْ السَّلَامُ ضرور کہے جبکہ بہتر یہ ہے کہ اس پر وَرَحْمَةُ  
 اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ کا اضافہ کر دے۔ (تشریح کے لیے باب کے شروع میں باب کا خلاصہ بھی  
 دیکھ لیجئے)۔

## حدیث (۲)

**عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُؤْمِنِ**

ابو ہریرہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مومن کے لیے

**عَلَى الْمُؤْمِنِ سِتُّ خِصَالٍ يَعُودُهُ إِذَا مَرِضَ وَيُشْهَدُ إِذَا مَاتَ**

مومن پر چھ باتیں (حق) ہیں، جب بیمار پڑے تو اس کی عبادت کرے اور جب وہ مرے تو اس کے پاس حاضر ہو

**وَيُجِيبُهُ إِذَا دَعَاهُ وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ وَيُسَمِّيهِ إِذَا عَطَسَ**

اور جب اسے بلائے تو جواب دے اور جب اس سے ملے تو سلام کہے اور جب اسے چھینک آئے تو اس کی تمثیت کرے

**وَيُنْصَحُ لَهُ إِذَا غَابَ أَوْ شَهِدَ لَمْ أَجِدْهُ فِي الصَّحِيحِينَ**

اور وہ اس کی خیر خواہی کرے غائب ہو یا حاضر ہو۔ میں نے اس حدیث کو صحیحین میں نہیں پایا

**وَلَا فِي كِتَابِ الْحَمِيدِيِّ وَلَكِنْ ذَكَرَهُ صَاحِبُ الْجَامِعِ بِرِوَايَةِ النَّسَائِيِّ**

اور نہ حمیدی کی کتاب میں البتہ صاحب الجامع نے اسے نسائی کی روایت سے ذکر کیا ہے۔

**الفاظ کے معانی :**

**خِصَالٍ :** جمع ہے خِصْلَةٌ کی، پختہ عادت۔ یہاں خصلت سے مراد بات، امر ہے۔

**يَعُودُ :** بیمار پُرسی کرتا ہے۔ عَادَ اس نے بیمار پُرسی کی۔

**يُشْهَدُ :** حاضر ہوتا ہے، شریک ہوتا ہے۔ شَهِدَ حاضر ہوا۔ مراد ہے جنازے میں شریک ہوتا ہے۔



يُجِيبُ : وہ جواب دیتا ہے۔ اَجَابَ اس نے جواب دیا۔ دَعَا اس نے بلایا۔ اس نے دعوت دی۔ وَيُجِيبُهُ اِذَا دَعَاہُ اور جب اسے پکارے تو جواب دے۔ اس کا ایک خاص مفہوم تو یہ ہے کہ جب مسلمان بھائی ضیافت پر بلائے تو انکار نہ کرے بلکہ قبول کر کے جائے لیکن اس مفہوم میں بہت وسعت ہے۔ اس سے عام مراد یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی مسلمان نیک کام یا مدد کی طرف پکارے تو فوراً پہنچے۔

يُشَمِّتُ : اس کا ماہی شَمَّتْ، مصدر تَشَمَّيْتُ، جس کا معنی ہے کہ آدمی چھینکے اور الْحَمْدُ لِلَّهِ کہے تو ساتھ والا اسے يَرْحَمُكَ اللهُ کہے۔

يُنْصَحُ لَهُ : اس کی خیر خواہی کرے۔ نصیحت کے معنی ہیں خیر خواہی۔

## تشریح حدیث (۲)

اہل ایمان آپس میں اخوت کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں، ایک مومن کے دوسرے مومنین پر بہت سے حقوق ہیں (جو دوسروں کے فرائض ہیں)، ان حقوق کی کما حقہ ادائیگی سے باہمی محبت و یگانگت اور خیر خواہی کی فضا بنتی ہے اور اگر ان حقوق کو ادا کرنے میں کوتاہی برتی جائے تو ایک دوسرے کے خلاف شکوک و شبہات رکھنے، نفرت، بیگانگی اور نفسا نفسی کا ماحول بن جاتا ہے جو معاشرے کے لیے تباہ کن ہے۔ اسلام میں حقوق العباد متعین کر کے ان کی ادائیگی کی تلقین کی گئی ہے۔ اس حدیث مبارکہ میں مومن کے دوسرے مومنین پر چھ حقوق بیان کیے گئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ بیمار پرسی، یہ سنت کفایہ ہے۔ ۲۔ نماز جنازہ، یہ فرض کفایہ ہے۔ ۳۔ دعوت قبول کرنا یا پکار پر پہنچنا، یہ مستحب ہے۔ ۴۔ سلام کرنا، یہ سنت ہے۔ ۵۔ تشمیت، یہ مستحب ہے۔ ۶۔ خیر خواہی کہیں واجب اور کہیں مستحب ہے۔

۱۔ مریض کی عیادت : آدمی جب تندرست ہوتا ہے تو اپنے یومیہ معمولات کے سلسلے میں بہت سے انسانوں سے ملتا جلتا رہتا ہے لیکن جب صاحبِ فرانس ہو جاتا ہے تو اس کے تمام معمولات معطل ہو جاتے ہیں، نہ کسی سے میل جول اور نہ کوئی سرگرمی، تنہائی اور ادھر سے مرض کی تکلیف اور دوسو سے۔ اگر دوست احباب اور عزیز رشتے دار وغیرہ اس کی عیادت کو آئیں تو اس سے اس کا احساسِ تنہائی دور ہوگا، اس کا دل بہلے گا، بیماری کا سامنا کرنے کا حوصلہ بڑھے گا۔ اس لیے اس حدیث مبارکہ میں بیمار پرسی کو مومن کا دوسرے مومنین پر حق بتایا گیا ہے، یعنی ہرے مومنین کا فرض ہے کہ وہ اپنے بیمار بھائی کی عیادت کریں۔

رسول اکرم خود بھی صحابہ میں سے جو بیمار ہوتا اس کی عیادت فرمایا کرتے تھے اور دوسروں کو

عبادت کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز پوچھے گا، اے فرزندِ آدم! میں بیمار ہوا اور تو نے میری عبادت نہ کی۔ وہ کہے گا، تو تو رب العالمین ہے یعنی تو کبھی بیمار نہیں ہوتا۔ میں تیری عبادت کیونکر کرتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تجھے یاد نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اور تو نے اس کی عبادت نہ کی۔ تجھے نہیں معلوم کہ اگر تو اس کی عبادت کرتا تو تو مجھے اس کے پاس ہی پاتا۔۔۔۔۔ (مسلم)

مریض کی عبادت کرنے کا بڑا اجر و ثواب ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے: جو شخص بھی شام کو کسی مریض کی عبادت کرتا ہے اس کے لیے ستر ہزار فرشتے صبح تک دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں اور اس کے لیے جنت میں ایک نخلستان تیار ہو جاتا ہے اور جو صبح ایسا کرے اس کے لیے ستر ہزار فرشتے شام تک دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں اور جنت میں اس کے لیے ایک نخلستان مہیا ہو جاتا ہے (ابوداؤد، ترمذی)۔

مریض کی عبادت کرتے ہوئے اسے تسلی دینی چاہیے اور اس کی پریشانی دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ رسول اکرم کا ارشاد ہے: جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اسے تسلی دے کر اس کا غم دور کرو، اس سے اس کے دل کو راحت ملتی ہے۔ (ترمذی) مریض کے لیے کسی طرح بھی پریشانی کا باعث نہیں بننا چاہیے۔ اس کے پاس نہ تو زیادہ دیر بیٹھنا چاہیے اور نہ اونچی آواز میں بات کرنی چاہیے۔ مریض کے گھروالوں سے اپنی خاطر مدارات بھی نہیں کرانی چاہیے، یہ اخلاقی طور پر محبوب بات ہے، کیونکہ اس کے گھروالے ایک تو مریض کی دیکھ بھال کی تکلیف اٹھا رہے ہوتے ہیں اور اس کے علاج معالجہ پر خرچہ برداشت کر رہے ہوتے ہیں اور اسے ان پر عبادت کرنے والوں کی خاطر مدارات کی مشقت اور مالی بوجھ پڑ جائے تو یہ ان کے لیے تکلیف دہ ہوگا۔

مریض سے اپنے لیے دعا کرانا چاہیے کیونکہ اس کی دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔ نبی اکرم کا ارشاد ہے: جب کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس سے اپنے لیے دعا کی درخواست کرو کیونکہ اس کی دعا فرشتوں کی دعا کی طرح (مقبول) ہوتی ہے۔ (قرظوبنی)۔

۲۔ جنازے میں شکر کت: مسلمان کی نماز جنازہ اس کی بستی یا محلے کے تمام لوگوں پر فرض کفایہ ہے۔ اگر کچھ لوگ یہ فریضہ ادا کر دیں تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔ مرنے والے کے لیے نماز جنازہ یعنی اس کی مغفرت کی دعا کرنا اور اس کی میت کی تجمیر و تکفین اور دفن اس کا لوگوں پر آخری حق ہے۔ اسلام نے انسان کی میت کو بھی عزت و احترام کے ساتھ دفن کرنے کی تعلیم دی ہے۔ انسان خطا کار ہے اس سے غلطیاں اور کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ اس کی وفات پر اہل محلہ یا بستی کے رہنے والے جمع ہو کر اس کے لیے استغفار کریں تو امید ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس

526700

کے گناہ معاف کر دے گا۔ اس سے متوفی اور اس کے پیمانندگان کے ساتھ محبت کا بھی اظہار ہوتا ہے جس سے باہمی محبت بڑھتی ہے اور پیمانندگان کا غم بھی ہلکا ہوتا ہے۔ جنازے میں شرکت کرنے والوں کو ثواب بھی ملتا ہے۔

متوفی کے پیمانندگان اور اس سے خصوصی تعلق رکھنے والے تو تدفین کے بعد ہی فارغ ہوتے ہیں لیکن راستے میں ملنے والے عام لوگ جنازے کو کندھا دے کر اور تھوڑا سا تھ چل کے جنازے کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ حضور کا ارشاد ہے: جو شخص کسی کے جنازے کے ساتھ چلے اور تین بار کندھا دے دے تو اس نے جنازے کا حق ادا کر دیا (ترمذی)۔

**۳۔ دعوت قبول کرنا:** دعوت سے مراد کھانے کی دعوت (ضیافت) بھی ہو سکتی ہے اور کسی کام میں مدد اور تعاون کی درخواست بھی ہو سکتی ہے۔ دعوت کسی بھی قسم کی ہو قبول کی جانی چاہیے، سوائے اس کے کہ کوئی شرعی یا معقول عذر ہو (مثلاً برائی اور گناہ میں تعاون کی دعوت ہو یا حالات اسے دعوت کو قبول کرنے کی اجازت نہ دیتے ہوں)، ایسی صورت ہو تو وہ معذرت کر سکتا ہے۔ کھانے کی دعوت محبت کی وجہ سے دی جاتی ہے اور محبت کا جواب محبت سے ہی دیا جانا چاہیے۔ کھانے کی دعوت ٹھکرانے سے دعوت کرنے والے کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور اگر دعوت نیکی کے کام میں تعاون کرنے کی ہو تو اس کا بھی مثبت جواب دینا چاہیے۔ نیکی کے پھیلنے میں ہی سب کا بھلا ہے۔ اگر نیکی کے کام میں تعاون کی دعوت دینے والے کو مثبت جواب نہ ملے تو ظاہر ہے کہ وہ تنہا تو اس کام کو نہ کر سکے گا، وہ اسے چھوڑ دے گا، اس کی حوصلہ شکنی ہوگی، اور معاشرہ اس نیک کام اور اس نیک کام کے کرنے والے دونوں سے محروم ہو جائے گا کہ پھر شاید وہ کبھی ایسے کام کے کرنے کا بیڑا نہ اٹھائے۔ اگر وہ اپنی مدد کے لیے بلائے تو بھی اس کی پکار پر لبیک کہنا چاہیے۔ ایسا کرنے سے معاشرے میں باہمی محبت اور تعاون کی فضائنتی ہے جو اچھے اور مضبوط معاشرے کے قیام کے لیے انتہائی ضروری ہے، اگر ایسا نہ ہو تو نفسا نفسی کا عالم ہوگا جو معاشرے کے خاتمے کے مترادف ہے۔

**۴۔ سلام:** ملاقات ہونے پر سلام کرنا بھی ایک مومن کا دوسرے مومن پر حق ہے۔ جو شخص سلام میں پہل کرتا ہے اس کے لیے زیادہ اجر و ثواب ہے۔ سلام صرف واقف کو نہیں کرنا چاہیے بلکہ جو شخص بھی سامنے آئے اسے سلام کرنا چاہیے۔ یہ نیک تنہا کا اظہار اور دعا ہے۔ اس سے انس و محبت پیدا ہوتے ہیں، بیگانگی، کدورت اور تکبر ختم ہوتے ہیں۔ سلام کے احکام و آداب اور فوائد و ثمرات کے لیے دیکھیے شروع میں باب کا خلاصہ۔

**۵۔ تشمیت:** تشمیت سے مراد یہ ہے کہ چھینکنے والا شخص الْحَمْدُ لِلَّهِ کہے تو پاس بیٹھا ہو شخص بِرَحْمَتِكَ اللَّهُ (= اللہ تم پر رحم کرے)۔ عام طور پر انسان کو چھینک اس وقت آتی

ہے جب اس کے جسم میں تھوڑی سی غیر معمولی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے اور وہ غیر معمولی صورت یہ ہے کہ ناک کے اندرونی حصے میں رطوبت اٹک جاتی ہے۔ اسے دور کرنے کے لیے ہوا کا زور دار جھٹکا لگتا ہے جسے چھینک کہتے ہیں۔ اس سے رکاوٹ دور ہو جاتی ہے، ناک کے آس پاس کے خانوں سے فاضل رطوبت ناک کے راستے بہنا شروع ہو جاتی ہے اور طبیعت کو فرحت ملتی ہے اور جسم کی صورت حال معمول پر آ جاتی ہے، گویا صحت ہو جاتی ہے۔ اس پر چھینک لینے والے کو **أَلْحَمْدُ لِلَّهِ** کہنے (یعنی اللہ کا شکر ادا کرنے) کی تعلیم دی گئی ہے اور پاس بیٹھے ہوئے شخص کو اس کے لیے اللہ کی رحمت کی دعا کرنے **(يُوحَمِّكُ اللَّهُ كُنْ)** کی تلقین کی گئی ہے۔ تشبیت ایک نیک دعا ہے اپنے بھائی کے لیے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ محبتِ خلوص اور خیر خواہی کا اظہار ہے اور یہ ایک مومن کا اپنے مومن بھائی پر حق ہے۔

۶۔ خیر خواہی: اس حدیث مبارکہ میں ایک مومن کے دوسرے مومن پر جو حقوق بیان کیے گئے ہیں ان میں سے چھٹا اور آخری حق خیر خواہی ہے اور یہ ایک ایسا جامع حق ہے کہ تمام اچھی باتیں، تمام نیک تمنائیں، تمام حقوق اس کے تحت آ جاتے ہیں۔ دین اسلام تو ہے ہی انسان کی خیر خواہی۔ ارشادِ نبوی ہے: **الِدِّينِ النَّصِيْحَةُ**، یعنی دین تو خیر خواہی ہے۔ جو شخص دین اسلام کا پیرو کار ہے وہ ہر انسان کا بھلا چاہتا ہے۔ مومنین تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ بھائی کا دوسرے بھائی پر حق ہے کہ وہ اس کی خیر خواہی کرے۔ وہ جس طرح اپنے لیے بھلا چاہتا ہے، خیر خواہی کی جستجو کرتا ہے اسی طرح اپنے ہر مومن بھائی کے لیے بھی بھلا چاہے اور خیر کی جستجو کرے۔ رسول کریم کا ارشاد ہے: **لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ**، یعنی تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہ کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

دوسرے کی خیر خواہی کرنے سے انسان کا جانا کیا ہے؟ اپنا نقصان کیے بغیر دوسرے کا بھلا چاہنے سے اس کی جیب سے کیا جاتا ہے؟ اور بدخواہی کرنے سے کیا مل جاتا ہے۔ نفع و نقصان تو اپنی قسمت سے ملتے ہیں، اللہ کے قبضے میں ہے نفع اور نقصان بھی۔ دوسرے کے لیے نفع کی، بھلے کی خواہش کرنا خلوص و محبت کا اظہار ہے، یہ عالی ظرفی کا مظاہرہ ہے، ایسا کرنے والے کو سکون و راحت ملتے ہیں اور باہمی محبت بڑھتی ہے۔ اس میں سب کا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ کاش کہ سب لوگ اس پر عمل کر سکتے۔

## حدیث (۳)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ

اور ان (یعنی حضرت ابو ہریرہؓ) ہی سے روایت ہے، کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جنت میں داخل نہ ہو گے

حَتَّى تُؤْمِنُوا وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا أَوْ لَا أَدُلُّكُمْ عَلَى شَيْءٍ

جب تک تم ایمان نہ لاؤ اور جب تک تم آپس میں محبت نہ رکھو ایمان والے نہ ہو گے تو کیا میں تمہیں اس بات کا پتہ نہ دوں

إِذَا فَعَلْتُمْ هَذَا تَحَابُّتُمْ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

کہ جب تم اسے کرو تو تمہیں ایک دوسرے سے محبت ہو جائے، اپنے درمیان سلام کو عام کر دو۔ اے مسلم نے روایت کیا

### الفاظ کے معانی:

تَحَابُّوا: اصل میں تَتَحَابُّونَ تھا، حتیٰ کی وجہ سے آخر سے نون گرا دیا اور سہولت کے لیے شروع

سے ایک تاء حذف کر دی کہ تم باہم محبت کرو۔ تَحَابُّتُمْ تم نے آپس میں محبت کی۔

لَا أَدُلُّ: میں راہنمائی نہ کروں، نشانہ ہی نہ کروں۔ دَلَّ اس نے راہنمائی کی۔ يَدُلُّ وہ راہنمائی کرتا ہے۔

أَفْشُوا: تم عام کرو۔ أَفْشَى اس نے عام کیا۔ تَفْشَى تو عام کرتا ہے۔ أَفْشَى تو عام کر۔

## تشریح حدیث (۳)

رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ہمیشہ ایسی باتوں کی تعلیم دی جن سے

مسلمانوں میں آپس میں محبت و یگانگت پیدا ہو۔ مسلمانوں میں آپس میں خلوص و محبت ہو تو وہ ایک

متحد اور طاقتور قوم بن جائیں گے اور پھر وہ دنیا میں عزت و وقار کی زندگی بسر کر سکتے ہیں اور وہ ایسے

معاشرے کو قائم کر سکیں گے جس کا ہر فرد پُر سکون، پُر امن اور خوشحال زندگی بسر کر سکے گا۔ اس

حدیث مبارکہ میں نبی اکرمؐ نے جنت میں داخل ہونے کے لیے ایمان کو لازم قرار دیا اور ایمان

کے لیے باہمی محبت کو۔ پھر باہم محبت کے لیے ایک نسخہ تجویز فرمایا اور وہ ہے سلام کو عام کرنا۔

سلام ایک ایسی جامع دعا اور تمنا ہے کہ اس میں انسان کی جسمانی و روحانی صحت و عافیت

سے لے کر ہر نعمت کا حصول اور ہر قسم کے شر، مضرّت، غیب اور نقص سے سلامتی اور بچاؤ شامل

ہے۔ جب معاشرے کے تمام افراد ایک دوسرے کے لیے صدقِ دل سے ایسی دعا اور تمنا کا اظہار

کریں تو فی الواقع ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت کے جذبات پیدا ہوں گے، پھر

وہ معاشرہ امن و سکون اور خوشیوں اور مسرتوں کا گہوارہ بن جائے گا۔ جرائم اور برائیاں اور مظالم

ناپید ہوں گے، کیونکہ یہ سب چیزیں تو خود غرضی، حسد، بغض، کینہ، نفرت و کدورت اور تکبر جیسے  
 رذائل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ سلام پہنچے دل کے ساتھ کیا جائے، منافقوں  
 کی طرح نہیں اور نہ ہی محض رسم کے طور پر۔

### حدیث (۴)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ان دینی حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے روایت ہے، کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

يُسَلِّمُ الرَّاِكِبُ عَلَى الْمَاشِي وَالْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ

سوار پیادہ پر سلام ڈالے اور چلنے والا بیٹھے ہوئے پر

وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور قلیل (گروہ) کثیر (گروہ) پر متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی:

يُسَلِّمُ: سلام کرے۔ سَلَّمَ اس نے سلام کیا۔

الرَّاِكِبُ: سوار۔ سواری کرنے والا۔ الْمَاشِي: پیدل۔ چلنے والا۔ الْقَاعِدُ: بیٹھے والا۔

### حدیث (۵)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ان دینی حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے روایت ہے، کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ

چھوٹا بڑے پر سلام ڈالے اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے پر

وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور قلیل (گروہ) کثیر (گروہ) پر۔ اس کی روایت بخاری نے کی

## حدیث (۶)

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور انس سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مَرَّ عَلَى غُلَمَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ - مَتَّفِقٌ عَلَيْهِ

کچھ لڑکوں کے پاس سے گزرے اور ان پر سلام فرمایا۔ متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی:

مَرَّ: گزرا۔ يَسَّرُ، گزرتا ہے۔ الْمَارِ: گزرنے والا۔

غُلَمَانٍ: جمع ہے غُلَامِ کی۔ لڑکے۔

## تشریح حدیث (۶) (۵) (۴)

سلام میں پہل کون کرے؟ حدیث نمبر ۴ اور ۵ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کے آداب بیان فرمائے ہیں یعنی یہ بتایا ہے کہ سلام میں پہل کون کرے۔ آپ کے ارشادات کی رو سے:

۱۔ سوار پیدل کو سلام کرے (یعنی سلام کرنے میں پہل کرے)۔

۲۔ چلنے والا یا رہ گزر بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔

۳۔ چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔

۴۔ جو تعداد میں کم ہوں وہ کثیر تعداد والوں کو سلام کریں۔

سلام کرنا سنت اور جواب دینا واجب ہے۔ مندرجہ بالا احادیث مبارکہ میں مذکورہ آداب کو ملحوظ رکھنا مستحب ہے اگر کوئی ان کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سلام کرتا ہے تو افضلیت اسی کو حاصل ہوگی، جیسا کہ حدیث نمبر ۶ سے ظاہر ہے کہ رسول اکرم نے بچوں کو سلام کیا۔ نیز جیسا کہ قرآن حکیم کی اس آیت سے ظاہر ہے:

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلِّمُوا عَلَيْنَا، یعنی اگر آپ کے پاس ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے آئیں تو آپ ان سے السَّلَامُ عَلَيْنَا فرمائیں۔ (الدنعام، ۶: ۵۴)۔ اس آیت کریمہ میں حضور نبی اکرم سے خطاب ہے کہ آپ آنے والے اہل ایمان کو سلام فرمائیں۔

سلام کے آداب کی حکمت: سلام کے ان آداب کی حکمت یہ ہے کہ غرور و تجر کا خاتمہ کیا جائے، جس حیثیت میں انسان کے تجر میں مبتلا ہونے کا امکان ہو سکتا ہے اسے سلام میں پہل کرنے

کی تعلیم دی گئی ہے، کیونکہ سلام میں پہل کرنے سے غزور کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے:

الْبَادِيُّ بِالسَّلَامِ بَرِيٌّ مِّنَ الْكِبْرِ، یعنی سلام میں پہل کرنا عجز و انکسار کو ظاہر کرتا ہے۔

سوار پیدل سے بہتر پوزیشن میں ہوتا ہے۔ اگر سوار یا چلنے والا یہ امید رکھے کہ پیدل یا بیٹھا ہو شخص اسے پہلے سلام کرے تو یہ تکبر ہے۔ اسی طرح عمر میں چھوٹا بڑے سے یا قلیل تعداد والا گروہ کثیر تعداد والے گروہ سے سلام میں ابتدا کی توقع کرے تو تکبر ہو گا۔ عمر میں بڑے اور کثیر التعداد جماعت کا حق فائق ہے۔

بچوں کو سلام کرنا: حدیث نمبر ۶ میں بتایا گیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے گزرتے ہوئے بچوں کو سلام کیا۔ بچوں کو اگر بڑا سلام کرنے میں پہل کرے تو اس سے ایک تو اس میں حد درجہ عجز و انکسار پیدا ہو گا دوسرے بچوں کو سلام کرنے کی تربیت ملے گی کہ بچوں کو تربیت دینے کی بہترین صورت یہ ہے کہ ان کے سامنے عملی نمونہ پیش کیا جائے۔ اس سے بچوں کے ساتھ بے حد شفقت اور پیار کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ تاہم سلام کے آداب کی رو سے ہمیشہ چھوٹے کو ہی سلام میں پہل کرنے کو شش کرنی چاہیے۔

### حدیث ۷

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور انسؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَقُولُوا وَعَلَيْكُمْ مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ

جب تم پر اہل کتاب سلام ڈالیں تو کہو، اور تم پر بھی۔ متفق علیہ ہے

### تشریح حدیث ۷

مدینہ منورہ کے یہودی دہاں بہت رعب داب رکھتے تھے اور مغزور و متکبر تھے۔ راہ چلتے مسلمانوں پر پھبتیاں کتے، طز کرتے، ان کا راستہ تنگ کر دیتے، مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے۔ مسلمانوں کے ساتھ ان کا رویہ منافقانہ اور معاندانہ تھا۔ دلوں میں ان کے خلاف بغض و کینہ رکھنے لگے۔ وہ سلام کرتے وقت بھی شرارت سے کام لیتے۔ ایک دفعہ یہودیوں کا ایک گروہ رسول اکرمؐ کے پاس آیا تو انہوں نے السلام علیکم کے بجائے السَّامُ عَلَیْكُمْ (= تم پر موت ہو، تمہیں موت آئے) کہا۔ وہ السَّامُ کا لفظ دبی زبان سے اس طرح کہتے تھے کہ واضح طور پر سنائی نہ دے اور کہ بھی دیں۔ ان کی ان شرارتوں کے پیش نظر آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو یہ تعلیم فرمائی کہ ان کے جواب میں وَعَلَيْكُمْ السَّلَام کے بجائے صرف وَعَلَيْكُمْ (= اور تم پر) کہہ دیا کرو۔ اگر یہود



نے السَّامُ عَلَيْكُمْ (تم پر موت آئے) کہا تو وَعَلَيْكُمْ كُنْهٖ کا مطلب ہو گا کہ تم پر بھی موت آئے۔ اور اگر انہوں نے السَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہا ہو تو وَعَلَيْكُمْ كُنْهٖ سے مراد ہو گی اور تم پر بھی سلامتی ہو۔ اس طرح یہ جواب ہر لحاظ سے درست ہے اور محض جواب ہے، اس میں پہل کر کے کچھ نہیں کہا گیا۔ یوں ان کی شرارت کا جواب بھی ہو جائے گا اور اگر انہوں نے فی الواقع صحیح سلام کیا ہو تو یہ اس کا صحیح جواب ٹھہرے گا۔

### حدیث ۸

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مَرَّ بِمَجْلِسٍ فِيهِ أَخْلَاطٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُشْرِكِينَ

ایک مجلس کے پاس سے گزرے جس میں ملے جلے لوگ تھے مسلمانوں سے اور مشرکین

عَبْدَةَ الْأَوْثَانِ وَالْيَهُودِ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ مُتَّفِقًا عَلَيْهِ

بت پرست اور یہود سے تو آپ نے ان پر سلام فرمایا متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی:

أَخْلَاطٌ: جمع ہے خِلْطُ كِ - خِلْط کے معنی ہیں دوسری چیز میں ملا ہوا۔

عَبْدَةُ: جمع ہے عَابِدٌ (پرستش کرنے والا۔ بجااری) کی۔

أَوْثَانٌ: جمع ہے وَثْنٌ (بت) کی۔

### تشریح حدیث ۸

یہودیوں کی سازشوں، شرارتوں اور کینہ پروری کے پیش نظر آپ نے صحابہ کرام کو ہدایت فرمادی تھی کہ وہ یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کریں، تاکہ ان کا غرور و نخوت ٹوٹے۔ اگر انہیں سلام میں ابتدا کرنے کو رواد رکھا جاتا تو اس سے ان کے غرور و تکبر میں اضافہ ہوتا۔ ان کے سلام کا جواب دینے کی اجازت تھی اور وہ بھی صرف وَعَلَيْكُمْ (اور تم پر بھی) کے الفاظ سے۔ حدیث نمبر ۸ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر مخلوط مجلس ہو یعنی اس میں مسلمانوں کے علاوہ مشرکین بت پرست اور یہودی بھی بیٹھے ہوں تو اہل مجلس کو سلام کیا جا سکتا ہے۔

# بَابُ الْاِسْتِیْذَانِ

معنی و مفہوم : اِذْنِ کے معنی ہیں : (۱) علم - (۲) اجازت - (۳) حکم - اِسْتِیْذَانِ اس سے باب استفعال کا مصدر ہے، معنی ہے : علم کی جستجو کرنا، اجازت طلب کرنا۔ شرع میں استیذان سے مراد یہ ہے کہ اپنے یا پرانے گھر میں قدم رکھنے سے پہلے آدمی معلوم کر لے کہ اندر کون ہے اور پھر داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرے۔

## اسلام میں استیذان کی اہمیت

اسلام سے قبل عرب میں پردے کا رواج نہ تھا۔ دروازوں کے پٹ تک نہ ہوتے تھے اور نہ ان پر پردے لٹکائے جاتے تھے۔ دروازے پر کوئی کھڑا ہوتا تو سب اہل خانہ نظر کے سامنے ہوتے تھے۔ تہذیب اور شائستگی کا فقدان تھا۔ رشتہ دار اور دوست آٹھ بے تکلف گھر میں چلے آتے اور کوئی برا نہ ماننا تھا۔

اسلام آیا تو پردے کا حکم نازل ہوا۔ گھر کی حرمت اور باپردگی کی بھی تلقین ہوئی۔ اس بات سے ردک دیا گیا کہ کوئی آدمی بغیر اذن و اجازت کے گھر میں قدم رکھے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا  
وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا (۲۴: ۲۴)

ترجمہ : اے ایمان والو! سولے اپنے گھروں کے (اور) گھروں میں داخل نہ ہو حتیٰ کہ ان کے مکینوں کی موجودگی معلوم کر لو اور ان پر سلام ڈالو۔

اپنے گھروں کے بارے میں تنبیہ ہوئی کہ دروازے میں بے محابا قدم مت رکھو۔ گھر میں عورتیں ہوں تو اور بھی احتیاط کرو۔ پہلے اذن طلب کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی عورت بغیر اذنی یا موزوں ستر کے بیٹھی ہو اور تمہاری نگاہ اس پر جا پڑے۔ ایک صحابی اجازت حاصل کیے بغیر کاشانہ نبوت میں جا حاضر ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، واپس جاؤ اور کہو "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کیا میں آسکتا ہوں؟ (خازن، سورۃ نور)

معاشرہ کی بنا چونکہ گھر کی بنیاد پر ہے اس لیے گھریلو زندگی کی حرمت اور نگہبانی پورے معاشرہ کو سالمیت عطا کرتی ہے۔ اسلام نے خانگی حرمت کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ حکومت کے کسی کارندے کو بھی عام حالات میں کسی کے گھر میں بغیر آگاہ کیے داخل ہونے کی اجازت نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :

رَسُولُ الرَّجُلِ إِلَى الرَّجُلِ إِذْنُهُ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: دو آدمیوں کے درمیان اذن قاصد کا کام کرتا ہے۔

جو شخص دوسرے کے گھر میں بغیر اجازت نظر ڈالتا ہے وہ گویا اس کی عزت و آبرو کے

حصار میں رخنہ اندازی کرتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے :

مَنْ سَبَقَتْ عَيْنُهُ اسْتِئْذَانَ فَقَدْ اَذْمَرَ (تفسیر نیشاپوری)

ترجمہ: جس کی آنکھ نے استئذان سے پہلے کی تو اس نے ہلاکت کا سامان کیا۔

اس موضوع پر چند مزید احادیث درج ذیل ہیں :

اگر کسی شخص نے بغیر اذن کے تیرے گھر جھانکا اور تو نے کنکر مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دی

تو تیرے لیے کوئی مضائقہ نہیں۔ (مسلم باب الاستئذان)

اگر کسی شخص نے اذن ملنے سے پہلے دروازے کا پردہ ہٹا کر کسی کے گھر کی کوئی پوشیدہ

بات دیکھی تو اس نے اس حد کو چھوا جس حد تک پہنچنا نہیں چاہیے تھا۔ اگر نظر ڈالتے گھر کے

آدمی نے سامنے آ کر اس کی آنکھ پھوڑ دی تو میں حمایت نہیں کروں گا۔ اور اگر کوئی شخص کسی

کے کھلے دروازے کے پاس سے گزرا اور اس کی نظر داچانک پڑ گئی تو اس کی کوئی خطا نہیں۔

خطا گھر والوں کی ہے۔ (ترمذی ابواب الاستئذان)

اس حدیث میں یہ تلقین بھی ہے کہ دروازوں پر پردے ڈالو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

ایک دن گھر میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے اندر جھانکا۔ آپ تیر کی آتی لے کر اس

کی طرف تیزی سے بڑھے گویا اسے زخمی کر دیں گے۔ وہ شخص پیچھے ہٹ گیا۔ (ترمذی مسلم)

ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے کمرہ میں تھے کہ ایک شخص نے اندر نظر ڈالی۔

آپ کے ہاتھ میں سلائی تھی۔ آپ نے فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم دیکھ رہے ہو تو اس سلائی

سے تمہاری آنکھ پھوڑ دیتا۔ استئذان کا حکم نگاہ ہی کے لیے ہے۔ (مسلم بخاری۔ الفاظ ترمذی کے ہیں)

استئذان کا حکم ارکان خانہ کے لیے بھی ہے۔ قرآن حکیم نے تین اوقات ایسے بتائے ہیں جن

میں نابالغ بچوں کو بھی گھر میں قدم رکھنے سے پہلے اذن طلب کرنا ہے۔ یہ تین وقت وہ ہیں جب کہ آدمی

عموماً پورے شرعی ستر میں نہیں ہوتے یعنی عشاء کے بعد فجر سے پہلے اور دوپہر کو گرمی کے وقت۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت انسؓ سے ارشاد فرمایا، بیٹا! جب گھر والوں

کے پاس جاؤ تو انہیں سلام کہو۔ یہ تمہارے لیے اور تمہارے گھر والوں کے لیے برکت کا موجب ہوگا۔

(ترمذی ابواب الاستئذان)

ایک صحابیؓ کے سوال پر حضورؐ نے انہیں فرمان دیا کہ گھر میں والدہ کے سوا کوئی فرد بھی نہ ہو تو جب بھی اذن مانگنا چاہیے۔ اس کو اس بات پر حیرت ہوئی تو آپؐ نے فرمایا، کیا تو اسے بے ستر دیکھنا چاہتا ہے؟ آپ کی مراد یہ تھی کہ عین ممکن ہے کہ سائل کی والدہ کسی وقت پورے ستر سے نہ بیٹھی ہو۔ ایسے میں اس کا اچانک گھر جا پہنچنا درست نہ ہوگا۔

### آداب استئذان

- ۱- کسی کے گھر جانا ہو تو پہلے معلوم کر لو کہ آیا گھر میں کوئی ہے۔ اگر ہو تو دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کہو اور اذن طلب کرو۔ اگر جواب نہ آئے تو واپس چلے جاؤ۔
- ۲- استئذان کے الفاظ یہ ہیں:

السلام علیکم! کیا میں آسکتا ہوں؟

بنو عامر کا ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریاب ہونے کے لیے آیا اور دروازے پر کھڑے ہو کر اُجڑے الفاظ میں اجازت چاہی۔ آپؐ نے خادم کو حکم دیا کہ جاؤ اسے استئذان کا طریقہ سکھلاؤ۔ اسے بتاؤ کہ کہے: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ! کیا میں آسکتا ہوں؟ عامری نے حضورؐ پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن لیا اور عرض کیا: السلام علیکم! کیا میں آسکتا ہوں؟ آپؐ نے اسے اذن فرمایا۔ (تفسیر خازن)

- ۳- استئذان تین بار ہوتا ہے۔ اگر جواب نہ آئے یا اجازت نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔
- ۴- اذن طلب کرتے وقت دروازے کے سامنے کھڑا ہونا منع ہے۔ ہو سکتا ہے۔ نگاہ اندر چلی جائے اور گھر کی بے پردگی ہو۔ اس لیے دروازے کے دائیں یا بائیں پہلو کھڑے ہونا چاہیے۔
- ۵- استئذان کے جواب میں اگر گھروالے پوچھیں، کون ہے؟ تو اپنا معروف نام یا کنیت وغیرہ بتاؤ۔ صرف "میں ہوں" مت کہو۔

۶- اہل خانہ کہیں تو لوٹ جاؤ۔ مُصَرِّم ہو کر ان کے لیے ملال اور بد مزگی پیدا نہ کرو۔

### ثمرات

استئذان سے دوسروں کی آبرو اور شرم و حیا کی پاسداری کا جذبہ قوت پکڑتا ہے جسے دوسروں کی عزت و حرمت کا دھیان ہوگا وہ اپنی پاک دامن کی بھی فکر رکھے گا لہذا استئذان آبرو اور حیا کے تحفظ کے لیے از بس ضروری ہے۔ سورۃ نور میں آیات استئذان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اخلاقی بصیرت اور پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔

## حدیث (۹)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ أَتَانَا أَبُو مُوسَى قَالَ إِنَّ عُمَرَ

ابو سعید خدری سے روایت ہے انہوں نے کہا، ہمارے پاس ابو موسیٰ آئے (اور) کہا کہ عمر نے

أُرْسِلَ إِلَيَّ أَنْ آتِيَهُ فَأَتَيْتُ بَابَهُ فَسَمِعْتُ ثَلَاثًا فَلَمْ يُرِدْ عَلَيَّ

مجھے کلا بھیجا کہ میں اس کے پاس آؤں تو میں اس کے دروازے پر آیا اور تین بار سلام کہا تو مجھے جواب نہ ملا

فَرَجَعْتُ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَأْتِيَنَا فَقُلْتُ إِنِّي أَتَيْتُ

پس میں پلٹ آیا تو اس نے کہا تجھے کس چیز نے روکا کہ ہمارے پاس آئے؛ تو میں نے کہا کہ میں تو آیا تھا

فَسَمِعْتُ عَلِيًّا بَابَكَ ثَلَاثًا فَلَمْ تَرُدُّوْا عَلَيَّ فَرَجَعْتُ

اور آپ کے دروازے پر تین بار سلام کہا اور آپ لوگوں نے مجھے جواب نہ دیا تو میں واپس چلا گیا

فَقَدْ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا

(کیونکہ) مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے (کہ) جب تم میں سے کوئی بار اذن طلب کرے

فَلَمْ يُؤْذَنَ لَهُ فَلْيَرْجِعْ فَقَالَ عُمَرُ أَمْرٌ عَلَيْهِ الْبَيِّنَةُ

اور اسے اذن نہ دیا جائے تو وہ پلٹ جائے تو عمر نے کہا، اس پر ثبوت قائم کرو

قَالَ أَبُو سَعِيدٍ فَكُنْتُ مَعَهُ فَذَهَبْتُ إِلَى عُمَرَ فَشَهِدْتُ مُتَّفِقًا عَلَيْهِ

ابو سعید نے کہا میں اس کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا اور عمر کے پاس گیا اور میں نے گواہی دی۔ متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی:

أُرْسِلَ: بھیجا۔ روانہ کیا۔ پیغام بھیجا۔ کسی آدمی کو بھیجا۔

أَتَى: آیا۔ اتنی میں آتا ہوں۔ اُن اتنی کہ میں آؤں۔

رَدًّا: پھیرا۔ لوٹایا۔ جواب دیا۔ یَرُدُّ جواب دیتا ہے۔ یُرَدُّ جواب دیا جاتا ہے۔ لَمْ يُرَدِّ

جواب نہ دیا گیا۔ جواب نہ ملا۔ کَمُتَرَدُّوْا تَمْنَعُ جَوَابٌ نَدِيَا۔  
 اَذِنَ : اذن دیا۔ يُؤْذِنُ اذِنَ دیا جاتا ہے۔ کَمُيُؤْذِنُ اذِنَ نہ دیا گیا۔  
 يَرْجِعُ : پلٹتا ہے۔ لِيَرْجِعَ اَسَ چاہیے کہ واپس چلا جائے۔  
 اَقَامَ : قائم کیا۔ اَقِمُ قَائِمًا كَر۔  
 الْبَيِّنَةُ : ثبوت۔ واضح دلیل۔

## تشریح حدیث ۹

پوری روایت بقول حضرت ابو سعیدؓ یہ ہے کہ میں ایک بار انصار کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا کہ ابو موسیٰ اشعری تشریف لائے۔ وہ کچھ گھبراٹے ہوئے تھے۔ بولے، میں نے حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہونے کی تین بار اجازت مانگی۔ وہ خاموش رہے اور میں واپس چلا آیا۔ حضرت عمرؓ نے مجھے فوراً بلا بھیجا اور پوچھا، تم کیوں نہ آئے؟ میں نے جواب دیا کہ میں نے تین بار اجازت مانگی تھی لیکن اذن نہ ملا تو واپس چلا گیا کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی تین بار اذن طلب کرے اور اسے اجازت نہ ملے تو واپس چلا جائے۔ حضرت عمرؓ بولے، اللہ کی قسم! تمہیں اس پر شہادت لانا ہوگی۔ کیا تم میں کوئی ایسا آدمی ہے جس نے یہ ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ ابی بن کعب نے فرمایا، وَاللّٰهُ اَنَّمْ مِّنْ سَبِّ سَبِّ مِمَّا آدَمِي تَمَّاهُ مِمَّرَاهُ جَاءَ كَا۔ میں ان سب سے چھوٹا تھا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کے ہمراہ چل دیا اور حضرت عمرؓ کے سامنے حدیث بیان کی (خازن دبعوی، سورہ نور) اس حدیث سے استیذان کے بارے میں دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ تین بار اجازت طلب کرنا: کسی کے گھر میں داخل ہونے سے قبل اجازت طلب کرنی چاہیے، اجازت تین بار مانگنی چاہیے۔ اجازت مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی زبان میں 'کیا میں اندر آ سکتا ہوں' کے مفہوم کا جملہ بولنے کے ساتھ ساتھ السلام علیکم بھی کہنا چاہیے۔

۲۔ اجازت نہ ملنے پر لوٹ جانا: تین دفعہ اجازت طلب کرنے پر اجازت نہ ملے تو لوٹ جانا چاہیے۔ یعنی اس کے بعد مزید انتظار کرنا اور اجازت طلب کیے جانا اپنا وقت ضائع کرنے اور گھر والوں کو تنگ کرنے کے مترادف ہے۔ کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے یہ آداب ہیں جو رسول کریمؐ نے ہمیں سکھائے ہیں، عام صورتوں میں ان پر عمل کرنا بے حد مفید ہے۔ البتہ استثنائی صورتیں بھی ہوتی ہیں، مثلاً اجازت طلب کرنے والے کو یقین ہو کہ گھر والے گھر میں ہی ہیں اور اس کی آواز سن نہیں پاتے، یا سوٹے ہوئے ہیں اور اسے پہلے سے اجازت ہے جکا کہ ملاقات کرنے کی، یا اسے کوئی اور وسوسہ ہو جائے (یعنی کسی حادثاتی صورت کا گمان ہو جائے)، وغیرہ۔ ایسی کسی استثنائی صورت

میں، ظاہر بات ہے کہ اجازت طلب کرنے والے کی صوابدید پر ہوگا، جیسا وہ مناسب خیال کرے اسے کر لینا چاہیے۔ احکام و آداب معمول کی صورتوں کے لیے ہوتے ہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ حدیث کے بارے میں بے حد احتیاط سے کام لیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بیشتر وقت حضورؐ کی خدمت میں گزارا تھا اس لیے کم احادیث ہوں گی جو انہوں نے نہ سن رکھی ہوں۔ پس جب ان کے سامنے کوئی ایسی حدیث بیان کی جاتی جو انہوں نے نبی کریمؐ سے نہ سنی ہو تو وہ اس پر شہادت طلب فرماتے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ حدیث کے بارے میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے اور ہم تک احادیث کا جو ذخیرہ پہنچا ہے وہ حد سے زیادہ احتیاطوں کی پھلنی سے گزر کر پہنچا ہے۔ لہذا ان کی صحت سے انکار کرنا حقیقت سے انکار کرنا ہے۔

### حدیث (۱۰)

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دِينٍ

اور جابر سے روایت ہے انہوں نے کہا، میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قرضہ کے بارے میں حاضر ہوا

كَانَ عَلِيٌّ أَبِي فَدَقَّقْتُ الْبَابَ فَقَالَ مَنْ ذَا فُضِّلْتُ أَنَا

جو میرے باپ پر تھا میں نے دروازے پر دستک دی تو آپ نے فرمایا، کون ہے، میں نے کہا، میں

فَقَالَ أَنَا أَنَا كَأَنَّهُ كَرِهَهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

تو فرمایا، میں۔ میں۔ گویا آپ نے اسے ناپسند فرمایا۔ متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی:

دَقَّقَ: کوٹا۔ کھٹکھٹایا۔ دَقَّقْتُ میں نے کھٹکھٹایا۔ دستک دی۔

### تشریح حدیث (۱۰)

اس حدیث سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

- ۱۔ اجازت طلب کرنے والے سے اگر گھر والا پوچھے کہ کون ہے تو اسے جواب میں طین نام بتانا چاہیے تاکہ گھر والا اسے پہچان سکے، پھر اس کی مرضی اجازت دے یا نہ دے۔ جواب میں میں نہیں کنا چاہیے، اس سے صحیح شناخت نہیں ہوتی، کیونکہ ضروری نہیں کہ

گھروا محض آواز سن کر شناخت کر سکے۔

۲۔ گھروالے کو حق ہے کہ دروازہ کھولنے سے پہلے اجازت طلب کرنے والے کی شناخت کے لیے اس سے نام وغیرہ پوچھے۔

۳۔ عمر اور مرتبے میں بڑا شخص نام معقول جواب پر اس جواب کو دہرا کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر سکتا ہے۔

---



# بَابُ الْمُصَافِحَةِ وَالْمَعَانِقَةِ

معنی و مفہوم

مُصَافِحَةٌ : یہ لفظ صَفْحٌ یا صَفْحٌ سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں : تلوار کی چپٹی سطح۔ . . . .  
 صَفْحٌ الْكُفِّ ہتھیل کو کہتے ہیں۔ مُصَافِحَةٌ کے معنی ہیں ایک دوسرے سے اس طرح ہاتھ ملانا کہ ایک کی ہتھیلیاں دوسرے کی ہتھیلیوں سے مل جائیں۔  
 مُعَانِقَةٌ : یہ لفظ عُنُقُ (گردن) سے نکلا ہے۔ مُعَانِقَةٌ کے لغوی معنی ہیں آپس میں گردن ملانا۔  
 عرف عام میں معانقہ سے مراد ہے آپس میں گردن اور سینہ ملانا یعنی گلے ملنا، بغلیگر ہونا۔

## مصافحہ و معانقہ کی اہمیت

باہمی قُرب انسان و حیوان میں محبت و الفت کا ایک ہمہ گیر مظہر ہے۔ ماں بچے کو جوش محبت میں سینے سے چمٹالیتی ہے۔ جانوروں کی دنیا میں ماہیں بچوں کو فرط محبت سے چاٹنے لگتی ہیں بلکہ انسان کی دنیا میں بھی بعض قبائل ایسے ہیں جہاں ماہیں بچوں کو چاٹ کر اظہار محبت کرتی ہیں۔ بعض قبیلوں میں یہ رواج ہے کہ ماہیں بچے کی ناک سے ناک رگڑتی ہیں۔ بعض ملکوں میں لڑکے اور لڑکیاں درکار بوڑھے اور بوڑھیاں بھی بانہوں میں بانہیں ڈالے مست خرام نظر آتے ہیں بلکہ سر راہ ایک دوسرے کو بے تکلف چوم لیتے ہیں۔ اگر اس قسم کے بدنی ملاپ کی رخصت دے دی جائے تو نوبت فوراً جنسی بے تکلفی تک پہنچ جاتی ہے۔ لہذا اسلام نے باہمی قُرب کی جائز اور شفقت آمیز صورتوں کی تو اجازت دی لیکن شہوت انگیز مظاہر کی ممانعت کر دی ہے۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

قُبْلَةُ الْمُسْلِمِ أَخَاهُ الْمُصَافِحَةُ (احیاء العلوم - حقوق المسلم)

ترجمہ : مسلمان کا اپنے بھائی کو چومنا یہ ہے کہ اس سے مصافحہ کرے۔

اسلام نے عام ملاقاتوں میں ہاتھ ملانے کو مستحب بلکہ سنت قرار دیا۔ لیکن عورت سے مرد کا مصافحہ ممنوع ٹھہرایا۔ معانقہ کی اجازت صرف اس صورت میں دی کہ کوئی آدمی مسافت میں ہو یا اس کا والہانہ انتظار ہو اور وہ آٹے تو شوق کی بے قراری خود بخود معانقہ تک لے جائے۔ ایسے میں ماتھا چوم لینے کی بھی اجازت ہے۔ مرد اور عورت کا معانقہ بہر حال حرام ہے۔ البتہ باپ اپنی بیٹی کو پیشانی پر بوسہ دے سکتا ہے۔ بیٹی کم سن ہو تو کال چومنے کی بھی اجازت ہے۔

معصوم بچے نہ صرف خود سراپا عصمت ہوتے ہیں بلکہ دوسروں میں بھی اپنی بھولی بھالی اور تقدس

پر در صورت سے عصمت کا جذبہ ابھارتے ہیں۔ ان سے جب بھی پیار ہوگا اس میں پاکیزگی ہی پاکیزگی ہوگی۔ ان کو پرورش کے لیے ماں کے دودھ کے ساتھ پیار کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ پیار ان کو فرحت اور شگفتگی عطا کرتا ہے اور اس سے ان کی ذہنی اور بدنی نشوونما کی رفتار تیز ہوتی ہے۔ جو بد قسمت بچے ماں کی گرد سے محروم ہوتے ہیں ان کی پرورش میں خلل رہ جاتا ہے۔ وہ یتیم اور غریب بچے جن کو خاندان یا محلہ کے لوگوں سے پیار کے بجائے بے التفاتی ملتی ہے۔ ان کے اعصاب میں ہمیشہ کے لیے تناؤ رہتا ہے اور معاشرہ میں کامیاب زندگی گزارنا ان کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یتیم بچے کے سر پر ہاتھ پھیرنے کا بڑا ثواب ہے۔ یتیم بچوں کو بھلا کون چومتا ہے۔ اس لیے اس کا نعم البدل انہیں اس صورت میں مل سکتا ہے کہ ان کے سروں پر شفقت سے ہاتھ پھیرا جائے۔ اس سے بچے کو جو ایک گونہ تسکین حاصل ہوتی ہے اُس کو اسی کا دل جانتا ہے۔

بچے کو اگر محبت کی آب حیات نہ ملے تو شیر مادر کے باوجود اس کے اعصاب تشنہ رہ جاتے ہیں۔ جو تشنگی بچپن میں رہ جاتی ہے وہ ساری عمر بجھائے نہیں بکھتی۔ جو لوگ بچوں کو پیار سے محروم رکھتے ہیں وہ ان پر ظلم کے پہاڑ گراتے ہیں۔ ایک صحرائی نیشن رئیس کو اپنے بچوں سے پیار کرنے میں عادت تھی اس سے جناب رَحْمَةُ الرَّحْمٰنِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

مَنْ لَا يُرْحَمُ لَا يُرْحَمُ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: جسے ترس نہیں آتا اس پر ترس نہیں ہوتا۔

بزرگانِ دین اور علمائے کرام کے ہاتھ کو تعظیم اور دینی سعادت کی نیت سے بوسہ دینا جائز ہے۔ بوسہ کی چھ قسمیں ہیں:

- ۱۔ بوسہ رحمت۔ مثلاً معصوم بچے کو چومنا۔
- ۲۔ بوسہ شفقت۔ مثلاً اولاد کا والدین کے ہاتھ چومنا۔
- ۳۔ بوسہ محبت۔ مثلاً بھائی کا بھائی کی پیشانی پر بوسہ دینا۔
- ۴۔ بوسہ تحییت۔ مثلاً بوقت ملاقات کسی بزرگ ہستی کا ہاتھ چومنا۔
- ۵۔ بوسہ شہوت۔ میاں بیوی کا بوسہ۔
- ۶۔ بوسہ دیانت۔ مثلاً حجرِ اسود یا قرآن کا چومنا۔

### آداب و مسائل

- ۱۔ مصافحہ سنت ہے۔
- ۲۔ ہاتھ ملانے سے پہلے السَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہا جائے۔ غور سے دیکھیں تو مصافحہ تحییت ہی کا تکمیلی جزو ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

تَمَامُ التَّحِيَّةِ الْاِخْذُ بِالْيَدِ

ترجمہ: تحیت کی تکمیل ہاتھ ملانے میں ہے۔

۳۔ ہتھیلی سے ہتھیلی ملائی جائے۔ صرف انگلیاں ملانا درست نہیں۔

۴۔ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے۔

۵۔ خصتی مصافحہ کا اگرچہ سنت ہونا ثابت نہیں لیکن پسندیدہ ضرور ہے۔

۶۔ مصافحہ میں کسی قسم کا تکلف شامل نہ کیا جائے۔ وہ مصافحہ جس میں تکلف اور خود نمائی کا رنگ

ہو مہر و محبت سے خالی ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا کوئی ثواب نہیں۔

۷۔ مصافحہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کے آگے جھکنا منع ہے۔

۸۔ بزرگانِ دین اور علمائے کرام کے ہاتھوں کو بوسہ دینا جائز ہے۔

### مصافحہ کے ثمرات

مصافحہ سے محبت اور ہمدردی کے جذبات ابھرتے ہیں۔ امراء اور رؤسا غرور سے محفوظ رہتے ہیں اور اخوت و مساوات کا آئین پختہ ہوتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ مصافحہ میں رکمی تکلف کا جذبہ نہ ہو بلکہ محبت، خیر خواہی اور رضائے الہی کی روح کا فرما ہو۔ اس کا نتیجہ جیسا کہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے یہ ہوگا کہ دلوں میں اگر کچھ کدورت تھی بھی تو صاف ہو جائے گی۔ برادرانہ محبت اور شفقت کی موج اٹھے گی اور بدخواہی اور بداندیشی کے خس و خاشاک کو ہالے جائے گی۔ جس قدر گناہ ہوتے ہیں ان کے پس منظر میں عموماً دورِ حجان کا فرما ہوتے ہیں۔ ایک تو حکم الہی سے غفلت اور دوسرے انسان سے بے مہری۔ مصافحہ کی روح ان دونوں رجحانوں کو مٹاتی ہے۔ درج ذیل حدیث میں اس کی خوب وضاحت ہے:

”جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں، ہاتھ ملاتے ہیں اور حمد و استغفار کرتے ہیں

تو ان کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔“

## حدیث (۱۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ابو ہریرہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا

الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ وَعِنْدَهُ الْأَقْرَعُ ابْنُ حَابِسٍ فَقَالَ الْأَقْرَعُ

حضرت حسین بن علیؑ کو آپ کے پاس اقرع بن حابس تھا تو اقرع نے کہا

أَنَّ لِي عَشْرَةَ مِّنَ الْوَالِدِ مَا قَبَلْتُ مِنْهُمْ أَحَدًا

کہ میرے دس بچے ہیں میں نے ان میں سے کسی کو بوسہ نہیں دیا

فَنظَرَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا پھر فرمایا،

مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يَرْحَمُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَسَنَدُ كَرَحَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ لَكَعٌ

جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا متفق علیہ ہے اور ہم ابو ہریرہ کی ائمہ لکع والی حدیث بیان کریں گے

فِي بَابِ مَنَابِقِ أَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ

اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم و علیہم اجمعین کے بارے میں

إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَذَكَرَ حَدِيثَ أُمَّ هَانِيٍّ فِي بَابِ الْأَمَانِ

ان شاء اللہ تعالیٰ اور ائمہ ہانیہ کی حدیث باب الامان میں بیان کی گئی ہے

الفاظ کے معانی

قَبَّلَ : بوسہ دیا۔ چوما۔ قَبَّلَهُ بوسہ۔

الْوَالِدُ : اولاد۔ یہ لفظ واحد، تشبیہ، جمع اور مذکر و مؤنث سب کو شامل ہے۔

أَنَّهُ لَكَعٌ : کیا وہاں منا ہے؟ ا = کیا، ثُمَّ = وہاں، لَكَعٌ = منا حضور صلی اللہ

علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور باہر کھڑے ہو کر آواز دی۔ کیا مٹا ہے؟ آپؐ کی مراد حضرت حسنؑ سے تھی۔ حضرت حسنؑ دوڑتے ہوئے آئے اور نانا کو فریاد محبت سے لپیٹ گئے۔ (مشکوٰۃ باب مناقب اہل بیت)۔

## تشریح حدیث ۱۱

اس حدیث مبارکہ میں اولاد سے محبت کے اظہار کی تعلیم دی گئی ہے، اولاد سے محبت کے اظہار کا ایک طریقہ انہیں بوسہ دینا ہے۔ رسول کریمؐ نے خود اپنے نواسے حضرت حسنؑ کو بوسہ دیا۔ جب اقرع بن حابس نے کہا کہ میرے دس بچے ہیں، میں نے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا تو اس پر آپؐ نے ان الفاظ سے انہیں تشبیہ فرمائی کہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ اپنی اولاد سے محبت تو ایک فطری جذبہ ہے، جانور بھی اپنی اولاد سے محبت کرتے ہیں۔ اقرعؓ کو بھی اپنی اولاد سے محبت تو ضرور ہوگی لیکن وہ بوسہ وغیرہ دے کر محبت کے اظہار کو اپنے شایانِ شان نہ سمجھتے ہوں گے۔ شاید عربوں پر ان کے صحرائی ماحول کا اثر تھا کہ وہ اس طریقے سے محبت کے اظہار کو پسند نہیں کرتے تھے۔ عام طور پر وہ اپنی اولاد کی تربیت میں سختی کا رویہ اپناتے تھے۔

بچے معصوم اور کمزور ہوتے ہیں وہ رحم اور پیار کے مستحق اور محتاج ہیں۔ اگر انہیں محبت ملے تو وہ بڑے ہو کر نارمل انسان بنتے ہیں اور دوسروں سے محبت کرتے ہیں اور اگر وہ بچپن میں محبت سے محروم رہیں تو کئی نفسیاتی مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں اور معاشرے کے لیے مسئلہ بن جاتے ہیں۔ لیکن محبت کو صرف دل میں چھپا کر رکھنا کافی نہیں، اس کا اظہار بھی ضروری ہے۔ رسول اکرمؐ نے نہ صرف بچوں سے محبت کرنے کی تعلیم دی بلکہ خود اس کے اعلیٰ عملی نمونے بھی پیش کیے۔ آپؐ نے اپنے پرانے سب بچوں سے شفقت فرمائی۔ آپؐ ان کو پیار کرتے، چومتے، انہیں پیار سے کھلاتے، ان کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھرتے، ان کو دعا دیتے، پیار سے گود میں لے لیتے۔ آپؐ حضرت فاطمہؓ کے گھر جب بھی تشریف لے جاتے تو فرماتے کہ میرے بچوں کو لانا، وہ انہیں لاتیں تو آپؐ ان کو پیار کرتے اور اپنے سینہ مبارک سے لپٹا لیتے۔ ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول کریمؐ اپنی نواسی امامہؓ کو کندھے پر بٹھائے ہوئے مسجد نبوی میں تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی۔ رکوع میں جاتے تو انہیں اتار دیتے، پھر کھڑے ہوتے تو کندھے پر چڑھا لیتے، اسی طرح آپؐ نے نماز ادا فرمائی۔ آپؐ سفر سے آتے تو جو بچہ راستے میں ملتا اسے سواری پر بٹھا لیتے۔ بچوں کی دوڑ لگوانے تاکہ دیکھیں سب سے پہلے ہمیں کون پھولیتا ہے۔ بچے دوڑتے ہوئے آتے تو کوئی آپؐ کے سینہ مبارک پر گرتا کوئی پیٹ مبارک پر۔

# بَابُ الْقِيَامِ

## معنی و مفہوم

قیام کا لغوی معنی ہے: کھڑے ہونا۔ مشکوٰۃ المصابیح کے باب القیام میں سے نصاب میں صرف دو احادیث لی گئی ہیں۔ ان دو احادیث میں بنیادی طور پر بعض آداب مجلس کی تعلیم دی گئی ہے۔ تاہم مشکوٰۃ کے باب القیام میں ان دو کے علاوہ بعض احادیث میں کسی شخص کی تعظیم میں کھڑے ہونے کی بابت تعلیمات ملتی ہیں، ان کے پیش نظر یہاں قیام سے مراد ہے کسی شخص کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا۔

## قیام کی ممانعت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی شخص کی تعظیم کی غرض سے کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے مشکوٰۃ المصابیح کے باب القیام سے چند احادیث ملاحظہ کیجیے:

(۱) حضرت انسؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا، انہیں (یعنی صحابہؓ کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا، وہ جب آپؐ کو دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ کھڑے ہونا آپؐ کو ناپسند ہے“ (اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حسن اور صحیح حدیث ہے)۔

(۲) حضرت معاویہؓ سے روایت ہے، کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے اس سے خوشی ہو کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے“ (اسے ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا)۔

(۳) حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے، کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چھڑی کا سہارا لیے ہوئے نکلے تو ہم آپؐ کے لیے کھڑے ہو گئے پس آپؐ نے فرمایا: تم اس طرح نہ کھڑے ہوا کرو جیسے عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں“ (اسے ابوداؤد نے روایت کیا)۔

ان احادیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی شخص کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا ممنوع ہے۔ جب رسول کریمؐ نے صحابہ کرامؓ کو اپنی تعظیم میں کھڑے ہونے سے منع فرمایا اور صحابہ کرامؓ کا یہ معمول بھی ہو گیا کہ وہ آپؐ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آپؐ کی تعظیم میں کھڑے نہیں ہوتے تھے تو آپؐ کے سوا کسی دوسرے شخص کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا کیونکہ

جائز ہو سکتا ہے، خواہ وہ دوسرا شخص کتنے ہی بڑے اقدار اور جاہ و حشمت کا مالک ہو، کیونکہ اس کا مرتبہ حضور کے مرتبے سے تو یقیناً کمتر ہے، بلکہ موازنہ ہی ناممکن ہے۔  
 بعض احادیث میں قیام کی اجازت کا مفہوم بھی ملتا ہے۔ مثلاً مشکوٰۃ کے باب القیام میں ہی ایک متفق علیہ حدیث درج کی گئی ہے جو اس طرح ہے: روایت ہے حضرت ابو سعید خدریؓ سے کہا: جب بنو قریظہ نے حضرت سعد بن معاذؓ کی ٹالٹی قبول کر لی تو آپ نے انہیں بلا بھیجا اور وہ آپ کے قریب ہی تھے، تو وہ (یعنی حضرت سعد) گدھے پر سوار ہو کر آئے، جب وہ مسجد کے نزدیک آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا: تم اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ (قَوْمُوا اِلٰی سَيِّدِكُمْ)۔ اس حدیث کی علماء نے متعدد تاویلیں کی ہیں مثلاً: (۱) حضرت سعدؓ جنگ خندق میں زخمی ہو گئے تھے۔۔۔۔۔ اور بیمار تھے، آپ نے انصار سے فرمایا کہ سواری سے اترنے میں ان کی مدد کرو۔ چنانچہ آپ نے قَوْمُوا اِلٰی سَيِّدِكُمْ فرمایا ہے اور قَوْمُوا لِسَيِّدِكُمْ نہیں فرمایا۔ (۲) یہ کھڑے ہونا نیکی اور اکرام کے طور پر تھا تعظیم کے لیے نہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب کا شائہ نبوت میں تشریف لائیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہو کر لعنت بگڑ کی پیشوائی فرماتے۔ حضرت عکرمہؓ پر دس سے مکہ واپس آئے تو آپ فرط محبت سے کھڑے ہو گئے اور انہیں سینے سے لگا لیا۔

مذکورہ بالا اور دیگر روایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں ایسا تعظیمی قیام قطعی طور پر ممنوع ہے جس سے ایک شخص کی بڑائی اور دوسروں کی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔ اہل اقدار (حکمرانوں، امراء و رؤساء) کے لیے قیام کی رسم کو تو اسلام نے بالکل ختم کر دیا ہے البتہ محبت و احترام کے لیے قیام کی اجازت ہے۔ کسی بیٹھے ہوئے شخص کو اٹھا کر اس کی جگہ خود بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے۔

### ممانعت کی وجوہات

تعظیم کے لیے قیام کی جو ممانعت کی گئی ہے اس کی دو بڑی وجوہ ہیں:  
 ۱۔ شخصی تعظیم شخصیت پرستی کا پیش خیمہ ہے اور شخصیت پرستی شرک ہے۔ کسی انسان کو دنیا میں خواہ کتنا بڑا مرتبہ اور اقدار حاصل ہو جائے وہ اس لائق ہرگز نہیں ہوتا کہ اس کی پرستش کی جائے۔ وہ تو خود بھی ایک فانی مخلوق اور رب کائنات کا بندہ ہے تو وہ معبود کیونکر بن سکتا ہے۔ انسان کا ماضی بتاتا ہے کہ ابتدا میں اس نے عظیم ہستیوں کی تعظیم کی اور پھر یہی تعظیم بڑھ کر پرستش بن گئی۔ انسانوں کو دیوی دیوتا اور اتار اور آخر کار خدا بنا لیا گیا۔ اسی

طرح کئی بادشاہوں نے اپنی تعظیم کو اتنا بڑھایا کہ آخر الوہیت کا دعویٰ کر دیا۔ اسلام جو خدا کی خالص توحید کا تصور دیتا ہے شرک کی ہر قسم کی بیخ کنی بھی کرتا ہے۔ مقتدر انسانوں کی تعظیم کے لیے قیام کی مخالفت بھی شرک کو جڑ سے اکھاڑنے کا ایک اقدام ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام تمام انسانوں میں مساوات کا علمبردار ہے۔ اسلام کے نزدیک دنیا بھر کے تمام انسان رنگ، نسل، زبان وغیرہ کے امتیازات کے بغیر برابر ہیں تمام انسانوں کی اصل ایک ہے، وہ سب آدمؑ کی اولاد ہیں۔ پیدائشی اور نسلی طور پر کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ**، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے معزز ترین وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ پرہیزگار ہے (۴۹: ۱۳) اور جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہوتا ہے وہ دوسروں کا سب سے زیادہ احترام کرنے والا بھی ہوتا ہے۔ وہ تو تکبر کے شائبے سے بھی اجتناب کرتا ہے اور ایسے ہر قول و فعل سے پرہیز کرتا ہے جس میں دوسروں کی تحقیر و توہین کا کوئی خفیہ احتمال بھی ہو۔ رسول کریمؐ نے اپنے حجۃ الوداع کے خطبے میں بھی اسی مساوات انسانی کی تعلیم دی تھی۔ آپؐ کا ارشاد ہے: "کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کی بدولت"

اسلام ہر انسان کے قابل احترام ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ ارشادِ باری ہے: (ترجمہ) اور یقیناً ہم نے اولادِ آدمؑ کو بزرگی دی اور انہیں خشکی و تری میں سوارِ پاں عطا کیے اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر انہیں فضیلت بخشی (بنی اسرائیل، ۱: ۷)۔ لہذا اسلام کو یہ ہرگز گوارا نہیں کہ کسی بھی طور کسی انسان کی توہین کی جائے۔ انسانی معاشرے کے استحکام کے لیے اشد ضروری ہے کہ ہر فرد بشر کا احترام کیا جائے۔ ہر انسان کے نہ صرف جان، مال، آبرو و محترم ہوں بلکہ اس کے نازک سے نازک احساسات کی بھی پاسداری کی جائے۔ ایسا کرنے سے ہی ایک مضبوط و مستحکم انسانی معاشرہ قائم ہو سکتا ہے جس میں ہر شخص کو اپنی تخلیقی صلاحیتیں بروئے کار لانے کے مواقع حاصل ہوں اور وہ معاشرے کے ہم جہت ارتقاء کے عمل میں اپنا پورا کردار ادا کرے۔ اس کے برعکس اگر معاشرے کے چند افراد تو بے انتہا قابل تعظیم بن جائیں اور باقی سب احترام سے محروم ہوں تو نہ تو ایسے محروم احترام لوگ معاشرے کی ترقی میں کوئی قابل ذکر حصہ لے سکتے ہیں اور نہ ہی معاشرہ مضبوط بنیادوں پر استوار ہوگا۔



## آداب و مسائل

- ۱- جو آدمی اس بات کا خواہش مند ہو کہ اُس کے آنے پر لوگ سر و قد کھڑے ہو جائیں وہ گنہگار ہے۔
- ۲- خوشامد کے لیے کسی کے آنے پر کھڑا ہونا حرام ہے۔
- ۳- ایسا شخص جو دینی اعتبار سے لائق تعظیم ہو اس کی خاطر کھڑا ہونا جائز ہے، کیونکہ اس میں کوئی خوشامد ملحوظ نہیں ہوتی بلکہ بالواسطہ طور پر دین کی عظمت موجود ہوتی ہے۔
- ۴- دوست یا رشتہ دار سفر سے آئے تو اس کے لیے کھڑا ہونا روا ہے۔
- ۵- کسی شخص کے مجلس سے اٹھنے پر اس کے ساتھ تعظیماً اٹھنا روا ہے لیکن مشایعت کی اجازت نہیں۔
- ۶- یہ اندیشہ ہو کہ میں کھڑا نہ ہوا تو آنے والے کے دل میں بغض اور کینہ پیدا ہوگا اور وہ فتنہ اٹھائے گا تو کھڑا ہونا روا ہے۔
- ۷- کوئی آدمی مجلس میں آئے اور آگے جگہ نہ ہو تو کنارے پر ہی بیٹھ جائے لیکن بہتر یہ ہے کہ اہل مجلس کچھ سمت کر اس کے لیے جگہ بنا دیں۔ اس فراخ دلی کی آج کل کاڑیوں میں بہت ضرورت ہوتی ہے۔
- ۸- کسی آدمی کو حق نہیں کہ کسی بیٹھے ہوئے آدمی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھے۔
- ۹- آنے والے کو اجازت نہیں کہ دو آدمیوں کو اپنے ماتھے سے دھکیل کر ان کے درمیان جگہ بنا لے۔
- ۱۰- وسط مجلس میں کھڑا ہونا گناہ ہے۔
- ۱۱- کوئی آدمی اپنی جگہ سے عارضی طور پر جائے تو واپسی پر اس جگہ کا مستحق ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ جاتے وقت اپنی جگہ کوئی نشانی وغیرہ رکھ جائے۔

### حدیث (۱۲)

وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ابن عمر سے روایت ہے منجانب نبی صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ لَا يُقْبَلُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ

آپ نے فرمایا (کوئی) آدمی (کسی) آدمی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے

## ثُمَّ يَجْلِسَ فِيهِ

(تاکہ) پھر اس میں (خود) بیٹھے

وَلَكِنْ تَفْسَحُوا وَتَوَسَّعُوا مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ

بلکہ گنجائش پیدا کرو اور کشادگی کرو۔ متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی:

لَا يُقْبَلُ: نہی کے معنی میں فعل مضارع متغی ہے۔ نہ اٹھائے۔

مَجْلِسٌ: بیٹھنے کی جگہ۔

تَفْسَحُوا - تَوَسَّعُوا: یہ دونوں ہم معنی ہیں۔ وضاحت اور تاکید کے لیے یکجا آئے ہیں۔ ان کے معنی ہیں، مجلس میں کشادگی یا فراخی پیدا کرنا۔ البتہ ایک با ایک فرق یہ ہے کہ تَفْسَحٌ نتیجہ ہوتا ہے تَوَسَّعٌ کا، اس لیے رقم ہڈانے تَوَسَّعٌ کے معنی کشادگی کرنا اور تَفْسَحٌ کے معنی گنجائش کرنا لکھے ہیں۔ کیونکہ کشادگی کا نتیجہ گنجائش ہے۔

## تشریح حدیث (۱۲)

اسلام نے جن مجلسی آداب کی تعلیم دی ہے ان کی بنیاد اس کے اساسی عقائد و افکار ہیں۔ اسلام مساوات، اخوت، باہمی محبت اور ایثار کا علمبردار ہے لہذا وہ نشست و برخاست کے طور پر یقوں میں بھی ان افکار کو کار فرما دیکھنا چاہتا ہے وہ مجلس میں کسی امتیاز یا اونچ نیچ کا روادار نہیں۔ نہ کسی شخص کی تعظیم واجب ہے اور نہ کسی کی توہین کرنے کی اجازت ہے۔ اس کے بجائے وہ مجلس میں اخوت، مساوات، محبت اور ایثار کی فضا قائم رکھنے کی تعلیم دیتا ہے اور یہی تقاضا ہے احترام آدمی اور تہذیب اور شائستگی کا۔ مذکورہ بالا حدیث شریف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس میں بیٹھے ہوئے کسی آدمی کو اٹھا کر اس کی جگہ خود بیٹھنے سے منع فرمایا ہے یقیناً ایسا کرنا تہذیب کے خلاف ہے اور نہایت معیوب بات ہے۔ کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنے کا فعل یا تو تبرک کے تحت ہوتا ہے یا دھوکا دہی سے اور یہ دونوں صورتیں ہی قابل مذمت ہیں۔ اسلام کی نظر میں سب انسان برابر ہیں، کوئی برتر نہیں اور نہ کوئی کسی سے کمتر ہے۔ کسی کے لیے بڑائی کا اظہار جائز نہیں اور نہ کسی کی توہین کرنے کی اجازت ہے۔ کسی کو اٹھا کر خود بیٹھنے سے اس شخص کی بڑی توہین اور دل آزاری ہوتی ہے جسے اٹھایا جائے ایسی مذموم حرکتیں دلوں میں بخشیں

اور نفرتیں پیدا کرتی ہیں اس لیے ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔  
 اس ممانعت کے ساتھ ساتھ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ نہ  
 آنے والے کو جگہ فراہم کرنے کے لیے کشادگی اور گنجائش پیدا کریں تاکہ وہ بھی ان کے ساتھ بیٹھ  
 سکے۔ قرآن حکیم میں بھی اس ادب کی تعلیم دی گئی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا  
 يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ (المجادلہ ۵۸: ۱۱)۔ اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے کہ  
 مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو کشادگی پیدا کیا کرو اللہ تمہارے لیے فراخی پیدا کرے گا۔  
 آنے والے بھائی یا بھائیوں کے لیے کشادگی پیدا کرنے سے دلوں میں محبت پیدا  
 ہوتی ہے۔ اگر جگہ کشادہ ہو اور نیا آنے والا شخص بڑے آرام سے بیٹھ سکتا ہو، بغیر اس کے  
 اہل مجلس اس کے لیے جگہ بنانے کے لیے کوئی تردد کریں، ایسی صورت میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ  
 والسلام کی تعلیم یہ ہے کہ آنے والے کے لیے تھوڑا سا ایک طرف ہٹ جائیں تاکہ اس کا اکرام  
 اور عزت افزائی ہو۔ اس سے اس کا دل خوش ہوگا، باہمی محبت بڑھے گی۔ حضرت واہب بن خطاب  
 (حضرت عمرؓ کے قبیلے کا ایک شخص) سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے پاس آیا جبکہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑا سا  
 ایک طرف ہٹ گئے۔ اس آدمی نے کہا، اے رسول! جگہ میں کافی گنجائش ہے تو نبی صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے فرمایا، یقیناً مسلمان کا حق ہے کہ جب اسے اس کا بھائی دیکھے تو وہ اس کے لیے  
 تھوڑا سا ہٹ جائے (بیہقی)

### حدیث (۱۳)

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَدْرَجَ رِجْلَهُ فِي الْمَجْلِسِ وَرَجَعَ إِلَيْهِ

قَالَ مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ

فَمَا يَأْتِيهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَنْتَهِي إِلَيْهِ

فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ

تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔ اے مسلم نے روایت کیا ہے۔

## الفاظ کے معانی

مَجْلِسٌ : بیٹھنے کی جگہ۔ نشست  
أَحَقُّ : زیادہ حقدار

قَامَ : اُٹھا۔ کھڑا ہوا۔  
رَجَعَ : واپس آیا۔ لوٹا

## تشریح حدیث (۱۳)

اس حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آدابِ مجلس میں سے اس ادب کی تعلیم دی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی نشست سے اٹھ جائے اور پھر وہاں واپس آئے تو اس نشست پر اس کا حق زیادہ ہے۔ مجلس میں بیٹھنے والے کو کسی چھوٹے بڑے کام یا حاجت سے تھوڑی دیر کے لیے مجلس سے اٹھ کر جانا پڑ سکتا ہے، یہ معمول کی بات ہے۔ اب اگر وہ تھوڑی دیر کے بعد لوٹ کے آئے اور اسے وہ نشست نہ ملے تو یہ بات اس کے لیے بڑی زحمت اور کوفت کا باعث بن سکتی ہے۔ لہذا مجلس میں بیٹھے لوگوں کو چاہیے کہ اس کی نشست خالی رہنے دیں۔ تاہم کامن سینس کا تقاضا ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے اٹھ کر جانے والا شخص جاتے ہوئے اپنے کسی ہمنشین کو بتا جائے کہ وہ ابھی واپس آجائے گا یا اپنی نشست پر کوئی نشانی (رومال وغیرہ) رکھ جائے۔ اگر ان آداب پر عمل نہ کیا جائے تو بعض اوقات بڑی بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے بلکہ بسا اوقات جھگڑا فساد بھی ہو جاتا ہے۔ اس لیے اہل مجلس کو ہمیشہ نشست و برخاست کے یہ اصول پیش نظر رکھنے چاہئیں۔

# بَابُ الْعَطَاسِ وَالتَّشَاؤُبِ

## چھینک اور جمائی کا باب

عَطَاسٌ عَطَسَ سے مصدر بھی ہے اور اسم بھی۔ عَطَسَ میں طا پر فتح ہے لیکن بعض کے نزدیک اس کو کسرہ دینا بھی جائز ہے۔ يَعِطِسُ مضارع ہے۔ بعض کی رائے میں طا پر ضمہ یعنی يَعِطِسُ بھی درست ہے۔ مَعِطَسُ کے معنی ہیں ناک۔ عَطَاسُ کے اصل معنی ہیں بھلنا۔ پھوٹنا۔ مَثَلًا عَطَسَ الصُّبْحُ۔ صبح پھوٹی۔ اس بنا پر صبح کو عَاطِسٌ بھی کہتے ہیں۔ عام استعمال میں عَطَاسُ کے معنی ہیں چھینک۔ تَشَاؤُبٌ اسم مصدر ہے تَشَاءَبَ سے۔ الف کے بعد مزہ ہے واو غلط ہے۔ ثَوْبًا اسم ہے جس کے معنی ہیں جمائی۔

تَشَاءَبَ کے معنی ہیں: جمائی لی۔ اگرچہ تَشَاءَبٌ اور تَشَاءَبٌ بھی یہی مفہوم رکھتے ہیں لیکن عام استعمال تَشَاءَبٌ کا ہے۔

تَشَاؤُبُ کے اصل معنی ہیں: ایسی چیز کھانا یا پینا جس سے کچھ دیر غنودگی طاری ہو جائے۔ اس سے جمائی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے تَشَاؤُبُ جمائی لینے کے معنی میں استعمال ہونے لگا جیسے بارش سمار سے آتی ہے تو اسے بھی عربی میں سمار کہنے لگے۔

## چھینک اور جمائی

چھینک اور جمائی کا انسان کی بدنی اور ذہنی صحت سے خاصا تعلق ہے۔ چھینک صحت کی دلیل ہے اور جمائی سُستی کی علامت۔

## چھینک

اللہ تعالیٰ نے انسانی بدن کی صحت اور سالمیت کے لیے اس کے اندر سیکڑوں خود کار نظام بنا رکھے ہیں ورنہ انسان چند ہی لمحوں میں خوفناک بیماریوں کا شکار ہو جائے۔ کتے ہیں ہارون الرشید نے ایک دفعہ پانی مانگا۔ پیالہ پیش کرتے ہوئے اس سے پوچھا گیا کہ اگر آپ کو یہ پیالہ مفت نہ مل سکے تو اس کے عوض آپ کیا دینے کو تیار ہیں۔ اس نے کہا، نصف سلطنت۔ پھر سوال ہوا اگر یہ پانی بدن میں جا کر باہر آنے سے رک جائے (یعنی پیشاب بند ہو جائے)

تو؟ جواب دیا، نصف سلطنت۔ پوچھنے والا بول اٹھا، بس معلوم ہوا کہ آپ کی ساری سلطنت چہالہ بھر پانی کے بدن میں آنے جانے کی قیمت ہے۔

صحت کے خود کار نظاموں میں سے ایک نظام چھینک کا بھی ہے۔ چھینک کیا ہے؟ ناک میں گندہ مواد اٹک جاتا ہے جس کے دور کرنے کو ہوا کا زور دار جھٹکا لگتا ہے۔ اس سے رکاوٹ دور ہو جاتی ہے، ناک کے آس پاس کے خانوں سے فاضل رطوبت کا ناک کی راہ سے بہاؤ شروع ہو جاتا ہے اور طبیعت کو فرحت ہوتی ہے۔ بدن میں چھینک کا نظام نہ ہو تو ناک اور اس کے ارد گرد کھوپری میں گندہ مواد جمع ہو کر زہیم دکھوں کا موجب ہو جائے۔ بعض دفعہ جب ناک سے آنے والی رطوبت کا نکاس بند ہو جاتا ہے تو بڑی آفت آجاتی ہے۔ طرح طرح کے علاج کرتے ہیں۔ اس کا ایک علاج آپریشن بھی ہے لیکن اس سے بھی مستقل آرام کی ضمانت نہیں ملتی۔ چھینک طبعی اور بے دام علاج ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

چھینک سے ناک پر ہی اثر نہیں پڑتا بلکہ یہ پورے بدن کو مزے سے ہلا دیتی ہے۔ اس فرحت بخش جھٹکے سے بدن کی کئی بند نالیاں روال ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعض فوائد عام مشاہدے میں آتے ہیں۔ ان میں بعض کا ذکر احادیث میں بھی ملتا ہے مثلاً:

- ۱۔ بینائی صاف اور روشن ہو جاتی ہے۔
- ۲۔ مہم کھل جاتے ہیں۔
- ۳۔ معدہ ہلکا پڑ جاتا ہے۔
- ۴۔ دانت، کان اور کمر کا درد مہم پڑ جاتا ہے یا دور ہو جاتا ہے۔

### تشہیت

جب کوئی شخص چھینک آنے پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے تو پاس کے مسلمان بھائی کو چاہیے کہ اسے یُسْحٰکُ اللّٰہِ کہے۔ اس جواب کو تشہیت کہتے ہیں۔ بظاہر یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے لیکن اس میں خلوص اور خیر خواہی کی دلفریب روح ہے۔

### آداب و مسائل

۱۔ چھینک آنے پر صفائی اور تہذیب کا دھیان رکھنا چاہیے۔

○ منہ کو جھکا لیا جائے۔

○ حاضرین کی طرف سے منہ پھیر لیا جائے۔

○ منہ پر کپڑا رکھا جائے ورنہ ہاتھ سے ہی ڈھانپ لیا جائے۔

○ چھینک کی آواز کو پست رکھنے کی کوشش کی جائے۔

۵۔ چھینک کے بعد ناک کو کپڑے وغیرہ سے اچھی طرح صاف کر لیا جائے۔

۲۔ جسے چھینک آئے وہ معاف کیے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ يَا اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ  
يَا اَلْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ

آخری دو صورتیں افضل ہیں۔

۳۔ سننے والا اسے فوراً بِرَحْمَتِكَ اللهُ کہے۔ اسے جواب کہتے ہیں۔

۴۔ اگر چھینکنے والا ایک سے زائد بار چھینک کر تحمید کرے تو اس کا جواب تین بار تک ضرور دینا چاہیے۔ پہلی بار کا جواب واجب ہے، دوسری اور تیسری بار کا مستحب۔

اس سے زائد بار کا جواب دینا سامع کی مرضی پر ہے۔

۵۔ چھینکنے والا تحمید کرے سننے والا اُسے بِرَحْمَتِكَ اللهُ کہے۔ اس کے بعد پہلا شخص

شکر یہ کے طور پر مندرجہ ذیل الفاظ کہے:

يَهْدِيكُمْ اللهُ وَيُصَلِّحُ بِأَلْسِنَتِكُمْ يَا كَيْفَ عَفْوُ اللهِ لَنَا وَلكُمْ

یہ جواب الجواب مستحب ہے۔

۶۔ خطبہ کے دوران تشمیت کی اجازت نہیں۔

۷۔ تشمیت سب حاضرین کو دیں تو بہتر درنہ یہ واجب کفایہ ہے۔

۸۔ مرد کو جوان عورت کی یا عورت کو جوان مرد کی بالجہر تشمیت کی اجازت نہیں۔ چاہے تو

خاموشی سے تشمیت ہو سکتی ہے۔

## جمائی

بعض دفعہ سستی، پرخوری اور بے کاری کی وجہ سے بدن پر غنودگی سی طاری ہو جاتی ہے

اور اس کے سبب خود کار نظام ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ بدن بو جھل ہو جاتا ہے کیونکہ فضل مادہ

کا پوری طرح اخراج نہیں ہوتا۔ خون کی صفائی میں فرق آجاتا ہے اور اسے زیادہ صاف ہوا

کی ضرورت پڑتی ہے۔ بدن میں صاف ہوا پہنچانا پھیپھڑوں کے ذمے ہے۔ وہ بھی سارے

بدن کے ساتھ نیم غافل پڑے ہوتے ہیں۔ جب بدن تازہ ہوا کی مطلوبہ مقدار کے لیے اصرار

کرتا ہے تو پھیپھڑے نیم غنودگی ہی کی حالت میں ہوا کا ایک اور زور دار جھکڑ اندر کھینچ کر

پھر ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ پھیپھڑوں کے اس غافلانہ اور بے ترتیب عمل کو جمائی کہتے ہیں۔

جمائی سے غفلت اور بو جھل پن پیدا ہوتا ہے اور جو اس کُند ہو جاتے ہیں۔

سستی سے جمائی اور جمائی سے سستی پیدا ہوتی ہے لہذا جمائی کو روکا نہ جائے تو اس کا

سلسلہ دراز سے دراز تر ہونا چلا جاتا ہے۔ اس کی کئی خرابیاں ہیں :

- ۱۔ ہوا کی بیلخت اور طوفانی رو سے گلے کے خراب ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔
- ۲۔ اگر منہ کے قریب کوئی مکھی مچھراڑ رہا ہو تو ہوا کا پھیڑا اسے سیدھے کھلے منہ میں دھکیل دیتا ہے۔

جمائی آنے پر منہ بند کر دیا جائے تو ہوا سیلی کی صورت میں اندر نہیں جاسکتی۔ مجبوراً پھیپھڑوں کو اپنا کام اسلوب سے سنبھالنا پڑتا ہے اور جمائیوں کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے۔ جمائیوں کی باگ ڈھیلی چھوڑنا اور منہ پسا کر ہا ہا ہا کی دھو میں مچانا خوش آئند نہیں ہوتا۔ جمائی آہی جائے تو کھلے منہ کی نمائش لگانے کے بجائے اس پر فوراً ہتھیلی رکھ دی جائے۔ ایک تو بد نمائی نہ ہوگی اور دوسرے ہوا کی مضر رو اور مکھی مچھر وغیرہ سے حفاظت رہے گی۔

بعض دفعہ نیند کی پورش سے جمائیوں کا تار بندھ جاتا ہے۔ اس کو روکنے کا ایک عام طریقہ یہ ہے کہ منہ پر پانی کے چھینٹے دیے جاتے ہیں۔

### حدیث (۱۴)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

ابو ہریرہ سے (روایت ہے) منجانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا،

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْعَطَّاسَ وَيَكْرَهُ الشَّوْبَ

یقیناً اللہ کو چھینک پسند ہے اور جمائی ناپسند ہے

فَإِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ وَحِيدًا اللَّهُ

تو جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور اللہ کی حمد کرے

كَانَ حَقًّا عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ سَبْعَةٌ

تو ہر مسلمان پر جس نے اسے سنا لازم ہو جاتا ہے

أَنَّ يَقُولَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللَّهُ

کہ وہ اسے یَرْحَمُكَ اللَّهُ (اللہ تجھ پر رحم کرے) کہے



فَمَا التَّشَاؤُبُ فَإِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّيْطَانِ

اب رہی جمائی تو وہ محض شیطان کی طرف سے ہے

فَإِذَا تَشَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيُرِدَّهٗ مَا اسْتِطَاعَ

اور جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو جہاں تک ہو سکے اسے روک دے

فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا تَشَاءَبَ ضَحِكٌ مِنْهُ الشَّيْطَانُ

کیونکہ جب تم میں سے کوئی جمائی لیتا ہے (تو) شیطان اس کی ہنسی اڑاتا ہے

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ

بخاری نے اس کی روایت کی ہے اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی

قَالَ هَا ضَحِكَ الشَّيْطَانُ مِنْهُ

ہا کہتا ہے (تو) شیطان اس کی ہنسی اڑاتا ہے

الفاظ کے معانی

يُحِبُّ: چاہتا ہے۔ پسند کرتا ہے۔ أَحَبَّ: چاہا۔ پسند کیا۔

عَطَسَ: (عَطَسَ) یعنی ط پر زبرد ار زبرد دونوں درست ہیں، چھینکا۔ عَطَسَ: چھینک۔

يَكْرَهُ: ناپسند کرتا ہے۔ كَرِهَ: ناپسند کیا۔

التَّشَاؤُبُ: جمائی۔ تَشَاءَبَ: اس نے جمائی لی۔

كَانَ حَقًّا عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ: ہر مسلمان پر واجب ہو جاتا ہے۔ حق کے لغوی معنی ہیں

ثابت شدہ چیز۔

هُوَ مِنَ الشَّيْطَانِ: وہ شیطان سے ہے۔ شیطان وہ چیز جو اللہ سے غافل اور دور

کر دے۔ جمائی اور غفلت لازم و ملزوم ہیں اس لیے جمائی بھی ایک شیطان ہے۔

بعض کے نزدیک مِنَ الشَّيْطَانِ سے مراد یہ ہے کہ شیطان کی جانب سے ہے یعنی:

روا، وہ اس کا سبب ہے۔ یا ربا، اس کا واسطہ ہے۔ یا رج، اس کی طرف مائل کرتا ہے۔

رَدَّ: پھیرا۔ واپس کیا۔ رَوَّكَا: يَرُدُّ رَوَّكَا: لِيَرُدُّ رَوَّكَا۔

ضَحِكٌ: ہنسا۔ ضَحِكٌ مِنْهُ: اس کی ہنسی اڑائی۔

## تشریح حدیث (۱۲)

### چھینک

اسلام سے پہلے عربوں کے توہمات میں سے ایک یہ تھا کہ وہ چھینک کو ایک بیماری سمجھتے تھے، اسے منحوس خیال کرتے اور اس سے بد نال لیتے تھے اور چھینک کو حتی المقدور روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عَطَّاس (چھینک) فُعَالَ کے وزن پر ہے جو بیماریوں کا وزن ہے، مثلاً سَعَال (کھانسی)، زُكَام، دُوَار (سر کو چکر آنا) وغیرہ۔ چنانچہ اگر کوئی شخص چھینک مارنا تو سننے والا اسے کہتا: "میں خدا سے درخواست کرتا ہوں کہ اس چھینک کی نحوست تجھ پر آئے کہ نہ مجھ پر" (بَلِّغْ لَأَبِي دَاوُدَ)

اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کے اس توہم کو دور فرماتے ہوئے چھینک کو ایک پسندیدہ فعل قرار دیا اور چونکہ یہ ایک پسندیدہ فعل ہے اس لیے چھینک آنے پر متفکر ہونے کے بجائے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہہ کر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ سننے والے کو چاہیے کہ وہ چھینک مارنے والے کو بد دعائینے کے بجائے اس کے لیے اللہ کی رحمت کی دعا کرتے ہوئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہے اور اللہ تم پر رحم کرے کہے۔ جواباً چھینک مارنے والا اسے کہے: يَهْدِيْكُمْ اللّٰهُ وَيُصْلِحْ بَالَكُمْ (اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت درست کرے) یا کہے: يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَ لَكُمْ (اللہ ہمیں بھی معاف کرے اور تمہیں بھی)۔ چھینک سننے والا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہتا ہے تو اسے اصطلاح میں تسمیۃ ربّیہ تسمیۃ یعنی بین اور شین دونوں کے ساتھ کہتے ہیں جس کے معنی ہیں چھینک مارنے والے کو یہ دعا دینا کہ اللہ اسے چھینک سے پیسے والی وقار اور سکون کی حالت و ہیئت پر لے آئے۔

اس حدیث شریف میں نبی کریم علیہ السلوٰۃ والسلام نے چھینک کو اللہ کا پسندیدہ فعل قرار دے کر ایک طرف تو دور جاہلی کے اس وہم کا بطلان کیا کہ چھینک ایک بیماری اور نحوست ہے اور دوسری طرف اسے مسلمانوں کے درمیان محبت اور ہمدردی کے جذبات کو فروغ دینے کا ذریعہ بنایا کہ سننے والا چھینک والے کو دعا دے۔ چھینک یقیناً صحت کی علامت ہے جیسا کہ اس باب کے تعارف میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔

جمالی

اس حدیث مبارکہ میں جمالی کو شیطان کی طرف سے بتایا گیا ہے اور تلقین فرمائی گئی

۱۔ محمود شکر میاں الوسی: بلوغ الباری اردو ترجمہ پیر محمد حسن، ۳: ص ۲۹ و ۳۰ و ۳۱

ہے کہ جمائی کو روکنے کی حتی المقدور کوشش کی جائے۔ جمائی سستی، کاہلی اور غفلت کا باعث بنتی ہے جو بہر طور پرنا پسندیدہ ہے۔ آدمی کو چاق و چوبند، چست اور مستند ہونا چاہیے بہت کھل کر زور دار جمائی لینا اور منہ سے ہا، ہا کی آواز نکالنا اور کبھی ناپسندیدہ فعل ہے۔ اس لیے جمائی لینے سے جہاں تک ممکن ہو اجتناب کرنا چاہیے۔ اس کی تشریح کے لیے دیکھیے اس کا باب کے آغاز میں تعارف۔

### حدیث (۱۵)

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

لِوَرِ ابِ سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ سَعِيدٌ رَوَيْتُ هَذِهِ رِوَايَةً أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

إِذَا تَشَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيُمْسِكْ بِيَدِهِ عَلَىٰ فِيهِ

جَبْتُمْ مِمَّنْ سَعَىٰ كَوِ جَمَائِي آتَىٰ تَوَاطُنًا مَنَّهُ تَهْتَهُ سَعَىٰ وَصَانِبِ لِي

فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ

کیونکہ شیطان داخل ہو جاتا ہے۔ مسلم نے اس کی روایت کی ہے

#### الفاظ کے معانی

تَشَاءَبَ: اس نے جمائی لی۔

أُمْسَكَ: اس نے روکا۔ لِيُمْسِكَ وہ روکے۔

فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ: شیطان داخل ہوتا ہے۔ شیطان ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اللہ کی

یاد سے غافل کر دے یا اثرات کرے۔ یہاں اس کے مندرجہ ذیل معانی ہو سکتے ہیں۔

۱۔ سستی۔ جب بھی جمائی آئے اس سے سستی بڑھتی ہے یا بہ الفاظ دیگر ہر جمائی کے ساتھ

شیطان داخل ہوتا ہے۔

۲۔ موذی چیز۔ مثلاً مکھی، مچھر وغیرہ۔

۳۔ بیماری کا کوئی موجب۔ بیرونی ہوا کے اچانک گلے میں داخل ہونے سے گلے کے

خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

## تشریح حدیث (۱۵)

اس سے پہلے والی حدیث شریف (نمبر ۱۱۲) میں یہ تعلیم دی گئی تھی کہ جمائی ناپسندیدہ فعل ہے اس لیے اسے روکنے کی حتی المقدور کوشش کرنی چاہیے۔ اس حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص جمائی لے (یعنی اسے روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے) تو پھر منہ پر ہاتھ رکھ لے کیونکہ کھلے منہ کی صورت میں شیطان اندر داخل ہو جاتا ہے۔ جمائی سستی، کاہلی، بے رغبتی، بے عملی اور غفلت کا نتیجہ ہے اور کھلے منہ کے ساتھ جمائی لینے سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، مثلاً:

- ۱- جمائیوں کا ایک نہ روکنے والا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ پے درپے جمائیاں آتی ہیں۔ اگر منہ پر ہاتھ رکھ لیا جائے تو ان پر قابو پانے میں مدد ملتی ہے۔
- ۲- ہوا میں موجود گرد اور جراثیم وغیرہ کے منہ میں جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور یہ چیزیں اگر منہ میں داخل ہو جائیں تو مختلف امراض کا باعث بنتی ہیں، جبکہ جمائی لیتے وقت منہ پر ہاتھ رکھ لینے سے یہ چیزیں منہ میں داخل نہیں ہو سکتیں اور آدمی ان ممکنہ بیماریوں کے حملے سے محفوظ رہتا ہے۔

# بَابُ الْأَسْمَاءِ

معنی و مفہوم

اسم: عام استعمال میں اس کے معنی ہیں: نام۔ اسم کی جمع اَسْمَاء ہے اور جمع الجمع اَسْمَائِی۔ اسم کی اور لغتیں بھی ہیں: اُسْم، سِم، سَم۔  
اسم کا لفظ سَمُو سے مشتق ہے۔ سَمُو کے معنی ہیں: رفعت، بلندی۔ اسم کسی چیز کی اس معنوی یا صوری علامت کو کہتے ہیں جس سے اس کا تعین اور شہرت ہو۔  
لغت کے لحاظ سے اسم کا بنیاد عنصر شہرت ہے۔ عربی میں ذکر کے پھیلاؤ کے لیے رَفْع کا لفظ بھی آتا ہے اس لیے مشہور علامت کو اسم کہنے لگے۔

اسم کا اشارہ عرض اور جوہر دونوں کی طرف ہو سکتا ہے۔ مثلاً: وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ  
میں حقائق اشیاء کی طرف بھی اشارہ ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ارشاد ہے:  
هَلْ نَدْعُهُ لَهُ لَآ سَمِيًّا (مریم: ۶۵)

اس کا لفظی ترجمہ بظاہر یہ نظر آتا ہے، کیا تجھے اس کے کسی ہم نام کا علم ہے؟ لیکن اس کا حقیقی مفہوم یہ ہے، کیا تو نے اس جیسی صفات کسی اور میں دیکھی ہیں کہ اس کی طرح کے صفاتی ناموں کا مستحق ہو؟ حضرت یحییٰ کی بابت فرمایا:

لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ تَبْلِ سَمِيًّا (مریم: ۱۹)

مراد یہ کہ اس دور میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا کوئی نظیر و مثیل نہ تھا۔

قرآن حکیم میں انبیائے کرام علیہم السلام کے اسماء دیکھیے۔ ان اسماء کے لغوی معنی ان کی شخصیتوں میں جھلکار ہے ہیں۔ آدم علیہ السلام کو اس لیے آدم کہا کہ وہ گندم گوں تھے، حضرت یحییٰ کا نام اس لیے یحییٰ ہوا کہ وہ علم و حکمت کی روح سے زندہ تھے اور ان کے نام کو ہمیشہ زندہ رہنا تھا۔

مندرجہ بالا حقائق کی بنا پر اس کے معانی میں بہت وسعت ہو سکتی ہے۔ مثلاً:

۱۔ حقیقی نام

اسے عرف عام میں اسم باسْمیٰ کہتے ہیں یعنی اسم کا صاحب اسم کے اوصاف و کردار کے عین

موافق ہونا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ قُلُوبًا سَمُوهُمْ (۱۳: ۳۳)

مراد یہ کہ مشرکین نے اللہ کے شرکاء بنا رکھے ہیں۔ (اے نبی!) ان سے فرمائیے کہ ان کی ذرا صفات تو بتاؤ۔

اس کے پیش نظر علماء کے ایک گروہ کے نزدیک اسم عین مسمیٰ یعنی عین شخصیت ہوتا ہے یعنی ظاہر و باطن ہر دو کی علامت کا کام دیتا ہے۔

## ۲۔ محض نام

لوگ بعض اشیاء اور اشخاص کے ایسے نام رکھ دیتے ہیں جن کا ان اشیاء و اشخاص کی حقیقت سے دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا مثلاً:

۱۔ کسی چنگے بھلے انسان کا نام حجر یا عقرب (بچھو) رکھ دیا۔

ب۔ بُردن کو اچھے القاب دیے۔

ج۔ اچھوں کو بُرے القاب دیے۔

۳۔ تعبیر یا لیل۔ یعنی:

کسی شے یا شخص کی حقیقت کو اپنی دانست میں جیسا سمجھا ویسا نام دیا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

أَتَجَاوَزُونَ مِمَّا سَمَّيْتُمُوهَا (اعراف ۱۱)

مراد یہ کہ کیا تم اس سے ایسی صفات منسوب کرتے ہو اور پھر ان کے بارے میں بحثتے ہو جن کے پچھے کوئی حقیقت اور واقعیت نہیں؟ مشرکوں کی دانست میں ان کے بت ان کے خالق، مالک اور رازق تھے۔ لہذا انہیں ایسے مذاظر پر تنبیہ کی گئی۔

ایسے ناموں کی مندرجہ ذیل مزید مثالیں بھی ہو سکتی ہیں۔

۱۔ غلام کو اپنا بندہ کنا حالانکہ وہ اللہ کا بندہ ہے۔

ب۔ مظاہر فطرت مثلاً فلک، زمانہ، ہوا، بارش وغیرہ کو بُرے الفاظ سے یاد کرنا۔

## ۲۔ کنیت

عربوں میں کنیت کا عام رواج تھا۔ بچوں اور بچیوں بلکہ جانوروں اور اشیاء کی بھی کنیت رکھ دیتے تھے۔ بعض اشخاص کی کنیت اس قدر مشہور ہوئی کہ نام کو لوگ بھول ہی گئے۔

صاحب مشکوٰۃ نے باب زیر نظر کا نام باب الاسماء نہیں بلکہ باب الاسامیٰ رکھا ہے... جمع الجمع اسی لیے لائے ہیں کہ اس میں ہر قسم کے نام اور لیل شامل ہو سکتے ہیں۔

## فلسفۃ الاسماء

نام شخصیت کی علامت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے نام کی لاج عزیز ہوتی ہے

بارہا اس لاج کی خاطر وہ جان اور مال کی قربانی بھی دے دیتا ہے۔ مرنے کے بعد دنیا میں انسان کا نام ہی رہ جاتا ہے۔ انسان کی زندگی بھر یہ کوشش رہتی ہے کہ اس کے بعد اس کا نام زندہ اور تابندہ رہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو نام شخصیت کی علامت ہی نہیں بلکہ بعض دفعہ عین شخصیت بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بیش قدر حقیقت ہوتی ہے۔ بعض لوگ نام کو اس حد تک خودی کا ترجمان قرار دیتے ہیں کہ وہ اپنے نام میں کسی کو شریک ہوتا نہیں دیکھ سکتے۔ ایسے لوگ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نئے نام لاتے ہیں۔ البتہ جہاں محبت آمیز روابط ہوں وہاں نام پہ نام رکھنا محبت پروری کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔

نام سے چونکہ آدمی کی آبرو وابستہ ہوتی ہے اس لیے تقریباً ہر شخص اپنے نام کے معنی و مفہوم کو سچ کر دکھانے کی کوشش کرتا ہے اور بارہا جب کسی غزم کا اظہار کرتا ہے تو کہہ اٹھتا ہے کہ مجھے "فلاں" کہتے ہیں۔

نام انسان کے کردار پر گہرا اثر چھوڑتا ہے۔ ایک صحابی کا نام حزن تھا۔ حزن کے معنی ہیں، سخت زمین۔ ان کے پوتے حضرت سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ اس نام کی وجہ سے ہمارے سارے خاندان میں سخت مزاجی رہی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چند اور اسماء کے علاوہ عاتر، دکانے والا، اور ہتم (صاحب غزم) کی بہت ترغیب دی ہے، کیونکہ ان سے انسان میں ہمت اور محنت کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے۔ ایک شخص مضطجع (بیٹنے والا) تھا۔ حضور نے بدل کر مُنبعث (قیام کرنے والا) رکھا۔ حضرت علیؑ میدان جنگ میں قدم رکھتے تو فرمایا کرتے تھے:

سَمَّيْتُ أُمِّتُ حَيْدَرَه

ترجمہ: میری ماں نے میرا نام شیر رکھا ہے۔

اچھے نام اچھے جذبات کا سرچشمہ ہوتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اولاد کا والد پر حق ہے کہ ان کے اچھے نام رکھے اور انہیں اچھا ادب سکھائے (بہار شریعت، بحوالہ بیہقی)

ہر شخص اپنے لیے اچھا نام پسند کرتا ہے۔ کانے کو کاناکا جائے تو بُرا مانتا ہے حالانکہ وہ کاناکا ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو اچھے ناموں سے یاد کرنے سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ ایک دوسرے کو اچھے ناموں سے بلاؤ گے تو تم میں خلوص پیدا ہوگا۔ اپنے ناموں کی طرح باپ دادا کے نام بھی پیارے ہوتے ہیں۔ ان کا انسان کے اخلاق پر دیر پا اثر ہوتا ہے۔ نیک بزرگوں کے نام نیکی کے علم ہوتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے جنگِ حنین میں فرمایا:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ  
أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

ترجمہ: میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں۔

نیک اور صاحبِ عظمت اصحاب کے ناموں پر نام رکھے جائیں تو ان کے اوصاف و اخلاق کو اپنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اچھے لوگوں کے ناموں پر نام رکھو۔ آپ نے خصوصیت سے انبیائے کرام کے نام اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

افراد کے اسماء میں قوم کے مجموعی کردار اور تہذیب و ثقافت کی تصویر نظر آتی ہے۔ مذہب اقوام کے نام مذہبانہ ہوتے ہیں اور غیر مذہب اقوام کے غیر مذہبانہ۔ جو قوم گل و یاسمن کے تختوں میں پروان چڑھی اس نے اپنے نام پھولوں کے نام پر رکھے اور جو دین و ثقافت کی گود میں پل کر جوان ہوئی اس کے ناموں میں دین و ثقافت کی روح سما گئی۔ جن اقوام میں رنگ برنگ کے پتھروں اور چرند و پرند کی گونا گوں انواع کے سوا کوئی ارفع تصور نہیں ہوتا ان میں کوئی اپنا نام "کالا پتھر" رکھ لیتا ہے اور کوئی سیاہ پرندہ "غرلوں میں غراب (کوآ) اور حجاب (سانپ) وغیرہ نام اکثر ہوا کرتے تھے۔ اسلام نے ان کا رواج توڑ ڈالا۔

### آداب و مسائل

انسانیت کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الفاظ اور اسماء کی تاثیر کی طرف توجہ لائی ہے۔ آپ نے ایسے الفاظ اور ناموں سے منع فرمایا جو خیالات اور کردار میں بگاڑ پیدا کریں۔ اس کے پیش نظر آپ نے کئی اصحاب کے نام بدل دیے۔ آپ کے ارشادات کی روشنی میں ان الفاظ اور اسماء کا پس منظر دیکھا جائے جن کو آپ نے بدل ڈالا تو معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل الفاظ و اسماء سے اجتناب کرنا چاہیے۔

- ۱۔ ایسے نام جن سے نیچی کے بارے میں خود ستائی یا غرور کا اندیشہ ہو۔  
ایک صحابیہ کا نام برہ (نیک عورت) تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدل کر جویریہ رکھ دیا۔
- ۲۔ ایسے نام جن سے بکمر کی بو آتی ہو۔
- ۳۔ ایسے نام یا القاب جن میں شرک کی جھلک ہو۔ مثلاً مِلْکُ الْأَمْلَکِ۔
- ۴۔ ایسے نام یا الفاظ جن سے اپنے بارے میں خواہ مخواہ یہ گمان پیدا ہو کہ میں بُرا ہوں۔



مثلاً کوئی شخص یہ بتانا چاہے کہ میری طبیعت ناساز ہے تو کہے، خَبِثَتْ نَفْسِي (میری طبیعت بد ہوئی)۔ اُسے کوئی اور موزوں الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔ مثلاً کہے: لَقِسَتْ نَفْسِي (میری طبیعت سُست ہوئی)

۵۔ ایسے الفاظ جن سے بُردوں کو اچھا کہا جائے۔ مثلاً فاسق یا منافق کو سید (آقا) کہنا۔

۶۔ ایسے نام جن سے بُری اشیاء کے بارے میں یہ تاثر ہو کہ یہ مرغوب ہیں۔ جاہلی عرب انکوڑ کو کُرم اور شراب کو بُنْتُ المِکْرَمِ کہتے تھے اس سے شراب کے بارے میں اچھا تاثر پیدا ہوتا تھا، اس لیے ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔

۷۔ ایسے الفاظ جن سے بُرے عقائد پیدا ہوں۔ مثلاً کائنات کی بستی و کشادت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن کسی پر بُرا دقت آئے تو وہ دہر یعنی زمان کو گالیاں دینے لگے۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابہ کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ انہوں نے بخار کو بُرا بھلا کہا۔ آپ نے فرمایا، بخار کو بُرا نہ کہو۔ یہ انسان کی خطاؤں کو اسی طرح مٹاتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کچیل کو۔

۸۔ ایسے نام جن سے قوم کے مزاج میں فساد رونما ہو۔

عربوں میں حرب (جنگ)، عاصی (نافرمان)، مُرَّه (تلخی) ایسے نام اکثر تھے۔ یہ نام امن شکنی، جنگ جوئی اور غارت گری کے جذبات کو اور قوت دیتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے منع فرمایا۔

۹۔ ایسے نام جن میں بد مذاقی پائی جائے۔

ایک شخص کی کنیت اَبُو الْأَجْدَعِ تھی۔ اَجْدَعِ کے معنی ہیں کٹا ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرما دیا۔

۱۰۔ ایسے نام جن سے کسی کی تدبیر ہوتی ہو۔ مثلاً کوئی شخص اپنے غلام کو عبیدی کہے۔

### حدیث (۱۶)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السُّوقِ

انٹ سے روایت ہے انہوں نے کہا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تھے

فَقَالَ رَجُلٌ يَا أَبَا الْقَاسِمِ فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کہ ایک شخص نے اے ابوالقاسم کہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف توجہ فرمائی

فَقَالَ إِنَّمَا دَعَوْتُ هَذَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تر اس نے کہا، میں نے اس کو پکارا تھا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

سَمُّوا بِأَسْمِي وَلَا تَكْتَبُوا بِكُنْيَتِي - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ -

میرے نام پر نام رکھ لو لیکن میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔ متفق علیہ ہے

### الفاظ کے معانی

الْتَفَتٌ : متوجہ ہوا۔ رخ کیا۔

سَمُّوا : تم نام رکھو۔ سَمِيٌّ نام رکھا۔ تَسْمِيَةٌ مصدر ہے : نام رکھنا

لَا تَكْتَبُوا : تم کنیت نہ رکھو۔ اِكْتَبْتُ : اس نے کنیت رکھی۔

### کنیت

کنیت اس نام کو کہتے ہیں جو ابویا ام سے شروع ہوتا ہے، جیسے ابو بکرؓ، ابو ہریرہؓ، ام ہانی وغیرہ۔ کنیت کی جمع کُنِيٌّ ہے۔

أَبُو يَأْتِي بَعْضُ الْمَعْنَى هُوَ سَمِيٌّ هُوَ جِنِّ كِي بِنَا بِر كُنْيَتِ كَيْ مَفْهُومٌ فِي بَعْضِ فَرْقِ هُوَ كَا  
اسی پر ام کی کنیت کا بھی قیاس کر لیا جائے۔

۱- باپ : اس معنی کے اعتبار سے بیٹے یا بیٹی کے نام سے کنیت ہوتی ہے، جیسے ابو عبد اللہ (عبد اللہ کا باپ) یا ام خالد یعنی خالد کی ماں۔

۲- مالک -

۳- والا۔ مثلاً الولد : شعلے والا۔ ابو الفضل : فضیلت والا۔ ابو العلاء : بلندی والا۔

ابو بطن : بڑے پیٹ والا۔ ابو يقظان : جاگنے والا۔ یہ مرغ کی کنیت ہے۔

ابو حصین : چھوٹے قلعے والا۔ یہ لومڑ کی کنیت ہے۔ یہاں حصین سے مراد لومڑ کا بھٹ ہے۔

۴- ایجاد یا اصلاح کرنے والا۔ یا پرورش کرنے والا۔ یا نرزی یا کمال عطا کرنے والا۔

مثلاً ابو ضیف یا ابو الاضیاء : مہمان پرور۔ ابو الکلام : کلام میں کمال رکھنے والا۔

۵- سرعنہ : مثلاً : ابو الحارث : شیر۔ کیونکہ وہ سب درندوں کا سردار ہے۔

ابو مالک : بھوک، بڑھا پا۔ کیونکہ یہ انسان پر خوب قابض ہو جاتے ہیں۔ اس معنی

کے لحاظ سے کنیت مبالغہ کا مفہوم رکھتی ہے۔

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کنیت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت خدیجہؓ کے بطن سے چار صاحبزادے ہوئے تھے جو قبل بعثت ہی رحلت فرما گئے تھے۔ سب سے بڑے فرزند کا نام قاسم تھا۔ ان کے نام کی رعایت سے آپ کی کنیت ابوالقاسم ہوئی۔ ابوالقاسم کا ایک اور مفہوم بھی ہے یعنی سب سے بڑھ کر عمدہ تقسیم کرنے والا۔ اس کی طرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود بھی وضاحت سے اشارہ فرمایا ہے۔

ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیائے کرام علیہم السلام کے ناموں پر نام رکھنے کی ترغیب دی ہے اور اپنے اسم شریف کی بھی اجازت مرحمت فرمائی ہے لیکن کنیت سے منع فرمایا کیونکہ معنوی لحاظ سے اس میں حضور کا جو اختصاص ہے اس میں کوئی اور کیونکر شریک ہو سکتا ہے۔ احادیث سے نظر بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت صرف آپ کی حیاتِ دنیوی تک ہی تھی۔ آپ نے حضرت علیؓ کو اجازت عطا فرمائی تھی کہ آپ کے بعد اپنے بیٹے کا نام اور کنیت آپ کے نام اور کنیت پر رکھ لیں بعض علماء کی رائے میں یہ اجازت صرف حضرت علیؓ تک محدود تھی۔ بہر حال بہتر یہی نظر آتا ہے کہ آپ کی کنیت اختیار نہ کی جائے اور نام و کنیت سے کسی صورت یک جائز نہیں کیا جائے۔

### حدیث (۱۷)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ابن عمر سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

أَنَّ أَحَبَّ أَسْمَائِكُمْ إِلَيَّ اللَّهُ عَبْدُ اللَّهِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

یقیناً اللہ کو تمہارے ناموں میں سب سے پیارا نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہے مسلم نے اس کی روایت کی ہے

### تشریح حدیث (۱۷)

اس حدیث مبارکہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انسانوں کے ناموں میں سے عبد اللہ اور عبد الرحمن سب سے پیارے ہیں۔ بعض دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عبد اللہ نام عبد الرحمن سے افضل ہے کیونکہ اللہ ذاتی نام ہے اور رحمن صفاتی۔ اللہ تعالیٰ کے اور

بھی صفاتی نام ہیں جن میں عبد کی اصنافت کر کے نام رکھا جاسکتا ہے مثلاً عبدالمالک ،  
عبدالرزاق وغیرہ۔

ان سب مذکورہ اسماء سے احمد اور محمد بہتر ہیں کیونکہ ذاتِ باری نے خود رکھے ہیں۔

### حدیث (۱۸)

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور سمرہ بن جندب سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَا تُسَمِّينَ غُلَامَكَ يَسَارًا وَلَا رَبَاحًا وَلَا نَجِيحًا وَلَا أَفْلَحَ

اپنے لڑکے کا نام نہ رکھ یسار اور نہ رباح اور نہ نجیح اور نہ افلح

فَإِنَّكَ تَقُولُ أَشْهُهُ فَذَا يَكُونُ فَيَقُولُ لَا

کیونکہ تو کہے گا: کیا وہ بہاں ہے؟ اور وہ نہ ہوگا تو رباح میں کوئی، کہے گا نہیں

ذَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيهِ رَوَايَةٌ لَهُ قَالَ

اس کی روایت مسلم نے کی ہے اور اس کی ایک اور روایت میں ہے، آپ نے فرمایا

لَا تُسَمِّ غُلَامَكَ رَبَاحًا وَلَا يَسَارًا وَلَا أَفْلَحَ وَلَا نَافِعًا

اپنے لڑکے کا نام نہ رکھ رباح اور نہ یسار اور نہ افلح اور نہ نافع

الفاظ کے معانی

سَمِيٌّ: نام رکھا تَسْمِيٌّ تو نام رکھتا ہے لَا تُسَمِّ تُو نام نہ رکھ۔ لَا تُسَمِّينَ تُو ہرگز  
نام نہ رکھ۔ ثُمَّ۔ هُنَاكَ: وہاں۔

### تشریح حدیث (۱۸)

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں ایسے خوش معنی ناموں سے منع  
فرمایا کہ ان کے سَمِيٌّ سے کوئی الگ یا دور ہو تو یہ سمجھا جائے کہ وہ کسی مستحسن چیز سے دور ہوا  
ہے۔ مثلاً کسی کا نام "رحمت" ہو اور اس کا کوئی عزیز یا دوست یہ کہے کہ "رحمت" مجھ سے خفا  
ہے۔ بار بار ایسا کہنے سے رحمت کی بے وقعتی ہوگی۔ ایک ام المؤمنین کا نام برہ تھا۔ حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نام بدل کر جویریہ کہہ دیا۔ برہ کے معنی ہیں نیکیو کار عورت حضورؐ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ جب آپؐ حضرت برہ کے ہاں سے تشریف لے آئیں تو کہا جائے کہ آپؐ برہ یعنی بیک عورت کے پاس سے چلے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی خیال سے چند مزید ناموں سے بھی منع فرمایا۔ مثلاً یسار، رباح، نجیح، افلاح، نافع، یعلیٰ، یرکتہ وغیرہ۔

ان اسماء کے مندرجہ ذیل لغوی معانی ہیں:

یَسَارٌ : آسانی، سہولت

رَبَّاحٌ : نفع پانا، تجارت کا بڑھانا

نَجَّیحٌ : بامراد

أَفْلَحٌ : بہت کامران

نَافِعٌ : فائدہ بخش۔ مفید۔ بھلا۔

یَعْلَى : عَلَی (بلند ہوا) سے اکم مضارع ہے۔ مراد ہوگی بلند ہونے والا۔

حضورؐ نے کچھ مدت بعد ایسے ناموں کی ممانعت ترک فرمادی۔ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ان ناموں میں خوشنمائی کا پہلو بھی ہے اور ان سے طبیعت میں اچھی تاثیر بھی ہو سکتی ہے اس لیے آپؐ نے ان سے منع فرمانا چھوڑ دیا۔

### حدیث (۱۹)

وَعَنْ زَيْنَبِ بِنْتِ أَبِي سَامَةَ قَالَتْ سَمَّيْتُ بَرَّةَ

اور زینب بنت ابی سلمہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میرا نام برہ رکھا گیا تھا

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

لَا تُزَكُّوْا أَنْفُسَكُمْ اللَّهُ أَعْلَمُ بِأَهْلِ الْبِرِّ مِنْكُمْ

اپنے کو پاکیزہ مت جتاؤ اللہ تم میں سے نیکی والوں کو زیادہ جانتا ہے

## سَمُوْهَا زَيْنَبٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اس کا نام زینب رکھو اس کی روایت مسلم نے کی

الفاظ کے معانی

بِرَّةٌ: نیک عورت۔ بُرٌّ نیک مرد۔ بَرُّ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔  
لَا تُزَكُّوْا: پاکیزہ مت بناؤ۔ صفائی مت پیش کر دو۔ زکّیٰ پاکیزہ بتایا۔ صفائی پیش  
کی۔ نیک ظاہر کیا۔

### تشریح حدیث (۱۹)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے برہ بنت ابی سلمہ اور برہ بنت جحش دونوں کا  
نام بدل کر زینب رکھا۔ (مسلم)

زینب بنت جحش اہمات المؤمنین میں سے تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی  
پھوپھی اُمّ میمہ کی صاحبزادی تھیں۔

برہ کے نام کو بدلنے کے حدیث سے دو سبب نظر آتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اہل ام  
والی عورت کے دل میں نیکی کا غور نہ پیدا ہو جائے جیسا کہ حدیث بالا سے ثابت ہے اور  
دوسرا یہ کہ اس نام کی بے قدری نہ ہو جیسا کہ آئندہ حدیث سے ثابت ہوگا۔  
زینب ایک خوشنما اور خوشبودار درخت ہے۔

### حدیث (۲۰)

## وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ بِنْتًا كَانَتْ لِعُمَرَ يُقَالُ لَهَا عَاصِيَةٌ

اور ابن عمر سے روایت ہے کہ عمرؓ کی ایک بیٹی تھی جس کو عاصیہ کہا جاتا تھا

## فَسَمَّاهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيلَةً رَوَاهُ مُسْلِمٌ

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام جمیلہ رکھا۔ اس کی روایت مسلم نے کی ہے

### تشریح حدیث (۲۰)

عاصیہ کے معنی ہیں نافرمان عورت۔ جاہلی عربوں میں جھگڑے فساد کی خوب بہت تھی اس لیے

ایسے ناموں کو پسند کرتے تھے۔ کسی کا نام حرب (جنگ) کسی کا عتدہ (سکشی) اور کسی کا مُرہ (تلخی) رکھ دیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان ناموں سے ممانعت فرمادی۔

### حدیث (۲۱)

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ابو ہریرہ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ عَبْدِي وَآمَتِي كُلُّكُمْ عَبِيدُ اللَّهِ

تم میں سے کوئی آدمی "میرا غلام" اور "میری باندی" نہ کہے تم سب اللہ کے بندے ہو

وَكُلُّ نِسَائِكُمْ إِمَاءُ اللَّهِ وَلكِنْ لِيَقُلَّ غُلَامِي

اور تمہاری سب عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں، بلکہ کہے میرا لڑکا

وَجَارِيَتِي وَفَتَايَ وَفَتَاتِي وَلَا يَقُلُ الْعَبْدُ رَبِّي

اور میری لڑکی اور میرا لڑکا اور میری باندی اور غلام "میرا رب" نہ کہے

وَلكِنْ لِيَقُلَّ سَيِّدِي وَفِي رِوَايَةٍ لِيَقُلَّ سَيِّدِي

بلکہ کہے "میرے آقا" اور ایک روایت میں ہے: وہ کہے "میرے آقا"

وَمَوْلَايَ وَفِي رِوَايَةٍ لَيَقُلُّ الْعَبْدُ لِسَيِّدِهِ مَوْلَايَ

اور "میرے مولا" اور ایک روایت میں ہے: غلام اپنے آقا کو "میرے مولا" نہ کہے

فَإِنَّ مَوْلَاكُمْ اللَّهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

کیونکہ یقیناً تمہارا مولا اللہ ہے۔ اس کی روایت مسلم نے کی ہے

#### الفاظ کے معانی

عَبْدٌ : غلام، بندہ۔ جمع عَبِيدٌ۔ أَمَةٌ لَوْنَدِيٌّ۔ بِنْدِيٌّ۔ جمع إِمَاءٌ۔

غُلَامٌ : لڑکا۔ جَارِيَةٌ : لڑکی۔

فَتَى : لڑکا۔ فَتَاتٌ : لڑکی۔ فَتَاةٌ لَوْنَدِيٌّ۔ فَتَاتٌ لَوْنَدِيٌّ۔





## الفاظ کے معانی

الْعَنْبُ : انگور  
الْكُرْمُ : انگور کو کرم کہتے ہیں۔ کرم کا لفظی معنی کرم (فیاضی، نفاست وغیرہ) میں دوسرے پر غالب آنا۔  
خَيْبَةٌ : گھاٹا۔ خسران۔ ضیاع۔ کم نصیبی۔ کم سبختی۔

## تشریح حدیث (۲۲)

### دہر

#### مفہوم

دہر اصل لغت کے اعتبار سے زمان کے معنی رکھتا ہے چاہے اس کی مدت کم ہو چاہے زیادہ۔ قرآن حکیم میں بھی دہر زمان محض کے معنی میں آیا ہے۔ حِينَ مِّنَ الدَّهْرِ کے معنی ہیں، زمان کا کوئی وقفہ۔

#### دہر کی حقیقت

جب تک کائنات باقی ہے اور روز و شب کے نقوش جھللا رہے ہیں اس وقت تک زمان بھی رہے گا لیکن زمان کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا حتمی اور دو ٹوک جواب از بس مشکل ہے۔ ارضی زندگی کے ہزاروں سال کائنات کے کسی اور مقام پر ایک لمحہ کے برابر ہو سکتے ہیں۔ صاحب معراج علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت المقدس سے ہو کر سات آسمانوں کی سیر فرمائی۔ متعدد مناظر نگاہوں سے گزرے، خلوت کدہ حق میں جلوہ سماں ہوئے۔ اور پھر بیت المقدس سے ہوتے ہوئے واپس تشریف لائے۔ تاہم فضائے مکہ کی چشم مشتاق نے ابھی تک پلک بھی نہیں جھپکی تھی۔

زمان کا عقدہ آج تک کسی فلسفی یا حکیم سے حل نہ ہو سکا۔ انسان فکر کی عمیق گہرائیوں میں ڈوب کر دیکھے تو گمان ہی نہیں بلکہ یقین ہو جاتا ہے کہ زمان کا کوئی خارجی وجود نہیں یہ محض ایک ذہنی حقیقت ہے۔ یہ حواس کا ایک ایسا فریب ہے جس میں مبتلا ہوئے بے تیر چارہ نہیں۔ یہ ذہن کا تار و پود ہے جو ذہن ہی میں پیدا ہوتا ہے اور وہیں لبتا ہے۔ اسے ایک عملی حقیقت کے طور سے قبول نہ کیا جائے تو ذہن انتشار اور افراتفری بلکہ فوری ہلاکت کا شکار ہو جائے۔ زمان کی حقیقت کچھ بھی ہو ہمارے محدود حواس اسے رواں دواں وقت کی حیثیت ہی میں جانتے ہیں جو لمحوں، ساعتوں، دنوں، ہفتوں مہینوں اور سالوں کے پر لکائے اڑے

چلا جاتا ہے۔ کبھی دن اور کبھی رات کے روپ میں بدلتا ہے اور کبھی موسموں کے رد و بدل میں جلوہ آرائی کرتا ہے۔ زمان کا سلسلہ دراز روز آفرینش سے جاری ہے۔ مسلسل چلا آتا ہے لیکن کہیں سے نہیں آتا، برابر جا رہا ہے، لیکن کہیں نہیں جاتا۔

## دہریت

جاہل عربوں کا ایک گروہ دہر کو خارجی اور فعال حقیقت تسلیم کرتا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ کے تو منکر تھے لیکن دہر کو صفات قدرت سے منصف مانتے تھے۔ ان کو بعد کے ادوار میں دہریت کہنے لگے جس سے دہری بطور مفرد آتا ہے۔ دہر کے بارے میں ان کے مندرجہ ذیل عقائد تھے۔

۱۔ عالم ازلی وابدی ہے۔ اس کا کوئی خالق یا صانع نہیں۔ اس میں ایک خود کار نظام کا انحصار طبع اور دہر پر ہے۔ طبع کے قریب المعنی فطرت اور نیچر کے لفظ ہیں اور دہر کے ہم معنی زمان اور وقت کے الفاظ ہیں۔

۲۔ حیات کا سررشتہ طبع کے ہاتھ میں اور ممات کا دہر کے ہاتھ میں ہے۔ زندگی عناصر کی ترکیب و ترتیب کا نام ہے۔ طبع کا کام یہ ہے کہ ان عناصر کو باہم مربوط رکھے۔ دہر طبع کی گرفت کو رفتہ رفتہ کمزور کرتا جاتا ہے حتیٰ کہ اجزائے بدن کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ یہی موت ہے۔ ایک شاعر نے اس جاہلی تصور کو یوں پیش کیا ہے کہ

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب

موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا

عربوں کے نزدیک "ظہور ترتیب" طبع کے عمل سے ہوتا ہے اور "اجزا کی پریشانی" دہر کا کرشمہ ہے۔

۳۔ دہر کا عمل عموماً تدریجی ہوتا ہے جس میں چار مرحلے آتے ہیں۔ اس کی مثال فصل سے ملتی ہے۔ یعنی فصل

اگتی ہے

پر دان چڑھتی ہے

پختہ ہوتی ہے

سوکھ کر ختم ہو جاتی ہے

عربوں کا خیال تھا کہ حیوانات کی زندگی بھی چار ادوار سے گزرتی ہے۔ آخری دور فنا کا دور ہوتا ہے۔

۴۔ موت و حیات کا سلسلہ پیہم اور غیر مختتم ہے۔ عناصر پریشان ہو کر پھر ترکیب پاتے

ہیں اور جدید نوع یا نئی شکل و صورت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔  
 وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْدِكُنَا  
 إِلَّا الدَّهْرُ ج (جاثیہ، ۲۵: ۳۲)

ترجمہ: اور وہ اس بات کے قائل ہیں کہ ہماری زندگی یہی دنیا کی زندگی ہے ہم مریں گے  
 اور زندہ ہو جائیں گے۔ ہمیں صرف دہر ہلاک کرتا ہے۔

آیت میں نَحْيَا کا لفظ نَمُوتُ کے بعد آیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دہریہ  
 زندگی کے غیر قطعی تسلسل کے قائل تھے۔ یعنی جو وجود ختم ہو جاتے ہیں ان کے عناصر سے  
 نئے مختلف وجود پیدا ہوتے ہیں۔ وہ قیامت کے قائل نہ تھے اور نہ بعث یعنی اجساد  
 کے دوبارہ جی اٹھنے کو تسلیم کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ زندگی خاکدانِ ارضی تک ہی  
 محدود ہے۔ آخرت کو نہ مانتے تھے۔

۵۔ زمانِ ازل، ابدی اور غیر فانی ہے۔ وہ ہر چیز کو ہلاک کر دیتا ہے حتیٰ کہ موت کو  
 بھی فنا کے گھاٹ اتار دیتا ہے کیونکہ عناصرِ حیات ترکیبِ نو سے حیاتِ جدید حاصل  
 کرتے ہیں تو ان کی موت کا دور ختم ہو جاتا ہے۔ ایک بار فرِ زوق نے جسریہ پر  
 یوں پوٹ کی ہے

فَاتِي أَنَا الْمَوْتُ الَّذِي هُوَ نَازِلٌ  
 بِنَفْسِكَ، فَانظُرْ كَيْفَ أَنْتَ تُحَاوِلُهُ

ترجمہ: میں تو موت ہوں جو تجھ پر نازل ہوگی  
 پس سوچ لے تو اس سے کیا جیلہ کرے گا

جبر نے جوابی وار کیا ہے

أَنَا الدَّهْرُ يُفْنِي الْمَوْتَ، وَاللَّهُ هُوَ نَازِلٌ  
 فَجِئْتَنِي بِمِثْلِ الدَّهْرِ شَيْبًا تُطَاوِلُهُ

ترجمہ: میں دہر ہوں جو موت کو فنا کر دیتا ہے۔ دہر کو دوام  
 ہے۔ پس میرے سامنے کوئی ایسی چیز لا جو اس سے بڑھ جائے

۶۔ دہر ہمیشہ محو گردش رہتا ہے۔ زمانِ اصل چیز میں دوران ہے۔ لیل و نهار کا اختلاف  
 اور ایام کی رفت و گزشت درحقیقت دہر کے چکر اور پھیر ہیں۔

۷۔ زمان کا عمل اگرچہ بالعمول تدریجی ہوتا ہے لیکن اس کی رفتار کا کوئی اعتبار نہیں۔

بعض دفعہ اندھی اونٹنی کی طرح اس کی رفتار بے طور ہو جاتی ہے۔ جس پہ قدم رکھ دیا  
 اے کچل ڈالا۔ کوئی شخص مصیبت میں گھر جاتا تو کہتے کہ دہرا اس سے بگڑ گیا ہے۔  
 جاہل عربوں کے دہم میں سب دیکھ اور سارے مصائب دہر کی ہی کج رفتاری سے  
 پیدا ہوتے تھے اس لیے انہوں نے دہرا اور اس کی حرکت کی نسبت سے جس قدر محاورے  
 وضع کیے وہ عموماً آلام و اسقام ہی کی ترجمانی کرتے ہیں۔ مثلاً:

دَهْرَةٌ أَمْرٌ اس کو کوئی بُری بات پیش آئی۔

أَبَادَهُ الدَّهْرُ اسے دہر نے ہلاک کر دیا۔

دَهَارِيرٌ حوادث۔

قَوَارِعُ الدَّهْرِ مصائب۔

وَأَدْهْرَاهُ دہر تیری دہائی ہے

عرب کا ہر دہری خود کو گردشِ دوران کا اسیر سمجھتا تھا۔ اس کے نزدیک اجرامِ سماوی کا  
 رفتارِ زماں سے گمراہی تھی۔ اس پر بُرے دن آتے تو کبھی نلک کج رفتار کے شکوے کرتا،  
 کبھی ستاروں کی گردش سے نالاں ہوتا اور کبھی بے مہری ایام کی فریاد کرتا تھا۔

۸۔ دہریہ رفتہ رفتہ دہر سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ اسے فاعلِ حقیقی اور غالب علیٰ الكل  
 سمجھنے لگے۔ اب دہر میں غلبہ کے معنی بھی آگئے لہذا دَهْرَةٌ کے معنی ہوئے: وہ اس  
 پر غالب آیا۔ اب اس نظریہ نے سر اٹھایا کہ دہر جابر و قاہر مختارِ کل ہے۔ کائنات کا  
 امر اسی کے ماتھے میں ہے۔

امر کے معنی اگرچہ عموماً حکم کے لیے کیے جاتے ہیں لیکن اس کی معنوی وسعت بہت  
 زیادہ ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل متقارب معنی بھی ہیں:

(۱) ہدایت (۲) رہنمائی (۳) کارفرمائی (۴) بست و کشاد

دہری کے ذہن میں یہ بات تو آگئی کہ موجودات خود بے بس اور ناچار ہیں۔۔۔۔۔  
 فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ یعنی مختارِ مطلق، ہستی کوئی اور ہے۔ لیکن اس ہستی کی تعیین و تشخیص  
 وہ خطا کر گیا۔ اس نے سر رشتہ امرِ دہر سے منسوب کر دیا یعنی ایسی چیز سے جس کا خارج میں  
 کوئی وجود نہیں اور محض تصور اور تخیل کی پیداوار ہے۔ دہر کو اب وہ قادرِ مطلق، مختارِ کل،  
 موجبِ حوادث اور مسببِ الاسباب ماننے لگا۔ لیکن اسے سوچ سمجھ اور فکر و تدبیر سے  
 بالکل عاری سمجھا جاتا تھا۔

## دہریہ کے ہاں دہر کی بے وقعتی

دہریہ روح کے قائل نہ تھے اس لیے دہر کو چار وقتا مانتے کے باوصف اسے بے سمجھ، بے بصر اور بے سماعت قوت سمجھتے تھے۔ انہیں دہر سے کسی رحم، رعایت یا جان بخشی کی توقع سرے سے نہ تھی اس لیے ان پر بھی جب کوئی مصیبت آتی تو دہر کی کوئی رعایت نہ کرتے اور اسے جی بھر کر کوستتے تھے۔

## دہریت کی تردید

اسلام نے دہریہ کے بے بنیاد اور جاہلانہ عقائد کی تردید کی اور انہیں بتایا کہ تم نے قادرِ مطلق کی تعین میں سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ قادرِ مطلق دہر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہے۔ دہر تو محض قریب نخیل ہے۔ اس کا جب اپنا ہی کوئی وجود نہیں تو وہ موجودات پر کیونکر تصرف کرے گا۔ کائنات کا امر اللہ کے ہاتھ میں ہے، باقی ہر چیز مامور ہے۔ لیل و نهار کا غیبِ ظہور اللہ ہی کے دستِ قدرت میں ہے۔ حدیثِ قدسی ہے۔

يُؤْذِنِي ابْنُ آدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ وَ أَنَا الدَّهْرُ بِيَدِي  
الْأَمْرُ أَقْلَبُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔  
(خازن - سورہ جاثیہ)

ترجمہ: ابنِ آدم میرے خلاف بولتا ہے۔ وہ قادرِ مطلق کو برا کہتا ہے حالانکہ قادرِ مطلق میں ہوں۔ کار فرمائی میرے ہاتھ میں ہے۔ میں شب و روز کو پلٹاتا ہوں۔

ایک اور روایت میں یوں ہے:

يُؤْذِنِي ابْنُ آدَمَ يَقُولُ يَا خَيْبَةَ الدَّهْرِ فَلَا يَقْوَدُ لِي  
أَحَدٌ كُمْ يَا خَيْبَةَ الدَّهْرِ فَإِنِّي أَنَا الدَّهْرُ أَقْلَبُ اللَّيْلَ  
وَالنَّهَارَ فَإِذَا شِئْتُ قَبَضْتُهُمَا۔  
(خازن - سورہ جاثیہ)

ترجمہ: ابنِ آدم میرے خلاف بولتا ہے۔ کہتا ہے اے دہر کی کم سختی! پس تم میں سے کوئی نہ کہے، اے دہر کی کم سختی! کیونکہ قادرِ مطلق تو میں ہی ہوں۔ میں شب و روز کو پلٹاتا ہوں۔ جب چاہوں انہیں روک دوں۔

ان روایات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- ۱۔ دہر سے اہل عرب مالکِ امر یعنی کار فرما مراد لیتے تھے۔ چنانچہ پہلی روایت میں بیدِ الامر کے الفاظ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔
- ۲۔ ان احادیث سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ بعینہ دہر ہے۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

فَاتِي أَنَا الدَّهْرُ أَقْلِبُ لَيْلَهُ وَنَهَارَهُ

اس میں ضمیر غائب کی ہے متکلم کی نہیں۔ یعنی شب و روز کی اصناف اللہ سے نہیں  
زمان سے ہے۔

۳۔ مشکوٰۃ کی دو حدیثیں جو متن میں درج ہیں ان میں یہ الفاظ مشترک ہیں۔  
فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الدَّهْرُ۔

ان دونوں حدیثوں میں خطاب اہل اسلام سے ہے جن کے اذنان میں اللہ تعالیٰ کی  
ذات و صفات کا واضح تصور موجود تھا۔ وہ دہر کی بے حقیقتی سے بھی واقف تھے  
لیکن جاہلیت کو گزسے ابھی زیادہ دن نہ ہوئے تھے۔ اس لیے عادت قدیم سے مجبور  
ہو کر بعض افراد مصیبت پڑنے پر دہر کو کوسنے لگتے تھے حالانکہ انہیں بخوبی علم تھا  
کہ سب حوادث اللہ تعالیٰ کی قدرت سے رونما ہوتے ہیں۔ لہذا ان کی زبان سے نکلا  
ہوا دہر کا لفظ اللہ ہی پر صادق آتا تھا۔

۴۔ بعض لوگ دہر کو نیچر کا ہم معنی سمجھ کر احادیث زیر نظر سے نیچریت کا جواز لاتے  
ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث سے ہی ثابت ہوتا ہے کہ کائنات کا نظام بعض مقررہ  
نا قابل تبدیل اور ناقابل شکست قوانین کا پابند ہے اور اللہ درحقیقت انہی قوانین  
کا نام ہے۔ ہم نے سابقہ سطور میں دہر کی خوب وضاحت کر دی ہے۔ دہر کو نیچر  
کے مترادف سمجھنا صریحاً غلط ہے۔ نیچر کے قریب المعنی کوئی لفظ ہو سکتا ہے تو وہ  
طبع (یا طبیعت) ہے۔ حدیث میں یہ کہیں نہیں آیا کہ اللہ (نعوذ باللہ) طبع یعنی نیچر  
ہے۔ اصل لغت کے لحاظ سے دہری کے معنی نیچری نہیں ہو سکتے ہیں بلکہ اس سے  
مراد وہ شخص ہے جو زمان کو ازلی وابدی اور خارجی حقیقت مانتا ہے اور اسے  
موجودات کا قہار اور جبار کار فرما تسلیم کرتا ہے۔ کیا اس عقیدہ کا نیچریت سے دور  
کا بھی واسطہ ہو سکتا ہے؟

# بَابُ الْبَيَانِ وَالشَّعْرِ

معنی و مفہوم

بیان

بیان کے لغوی معنی ہیں: خوب واضح ہونا۔ آشکار اور واشکاف ہونا۔ اصطلاح میں بیان اس کلام فصیح کو کہتے ہیں جو معنی و مدعا کو اس طرح واضح و واشکاف کرے کہ فوراً مخاطب کی سمجھ میں آجائے۔

شعر

شعر کے لغوی معنی ہیں جاننا۔ راز پالینا۔ محرم ہونا۔ اصطلاح میں شعر اس کلام موزوں کو کہتے ہیں جو اپنے معنی و مدعا کی تفہیم سے قطع نظر تیر و نشتر بن کر دل میں اتر جائے۔

جسے اردو میں شعر کہتے ہیں اس کے لیے عربی میں عموماً بیت کا لفظ آتا ہے۔ شعر کے بنیادی اور عام معنی شعر گوئی شاعری اور نظم کے ہیں۔ بیت شعر کا جزو ہوتا ہے۔

بیان اور شعر میں فرق

بیان عموماً کلام کو کہتے ہیں۔ بیان کا مقصد توضیح و تفہیم ہے اور شعر کا اثر آفرینی چاہے معنی مبہم رہ جائیں۔

کلام

کلام کلمات کے با معنی مجموعہ کو کہتے ہیں۔ یہ نظم و نثر ہر دو کے لیے مستعمل ہو سکتا ہے۔

بیان اور شاعری

تمہید

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم عطا کیا جس سے وہ فکر و معنی کی ثروت حاصل کرتا ہے۔ اس ذہنی ثروت کا افراد و اقوام کے درمیان تبادلہ از بس لازم ہے ورنہ یہ ثروت از خود ختم ہو کر رہ جائے۔

علمی اور فکری تبادلہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو توضیح و تفہیم کا ملکہ عطا فرمایا جسے بیان کہتے ہیں۔ بیان کے لیے گویائی یا کلام کی قوت سنجی اور کلام کو تحریر میں پیش کرنے کا فن سکھایا۔ ارشادِ الہی ہے: الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ط

خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۗ عَلَيْهِ الْبَيَانُ (۵۵ : ۱-۲) مراد یہ کہ رحمانیتِ الہی کی جلوہ گری کی ایک صورت یہ ہوتی کہ اللہ نے قرآن کی تعلیم دی۔ اس تعلیم کے لیے انسان ہی موزوں ہو سکتا تھا، لہذا اسے پیدا کیا اور پھر بَيَان یعنی کلام کے ذریعے سمجھنے سمجھانے کی صفت ودیعت کی۔ آیات مذکورہ میں بیان کا لفظ اصطلاح کے طور سے نہیں آیا، بلکہ عام لغوی معنی میں آیا ہے۔ اس میں نظم و نثر ہر دو شامل ہیں۔ اصطلاحات کی دنیا میں نثر کے لیے بَيَان اور نظم کے لیے شعر کا لفظ آتا ہے۔

کلام اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی۔ بُرے کلام کی ایک قسم وہ ہے جس پر نہایت نگیں اور نظر فریب پردے ہوتے ہیں۔ اس کو عالمگیر پہمانہ پر قبول ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے باقاعدہ مجلسیں مرتب ہوتی ہیں۔ اس کی ترتیب و تدوین ہوتی ہے اور ایوانِ علم میں اس کو نمایاں مقام مل جاتا ہے۔ یہ مخرب اخلاق نثر اور انسانیت سوز شاعری ہے۔ نظم و نثر میں تعمیری روح ہو تو اللہ تعالیٰ کی بیش قدر نعمتیں ہیں اور اگر تخریب کا کام کریں تو ان سے پناہ مشکل ہے۔ نظم و نثر نے کتنی ہی اقوام کو بامِ رفیع پر پہنچایا اور کتنی ہی اقوام کو پستی کے تاریک گڑھوں میں دھکیل دیا۔ اسلام نے ان کی بے پناہ قوت سے خبردار کیا اور ان سے تعمیری کام لینے کے لیے ہدایات صادر فرمائیں۔

## بیان

بیان کے لیے قرآن و حدیث میں مندرجہ ذیل ضوابط مقرر ہیں :

- ۱۔ الفاظ سے زیادہ معنی و مفہوم کا خیال رکھا جائے۔
- ۲۔ صحیح لفظ اپنے صحیح معنی میں استعمال کیا جائے۔
- ۳۔ بیان سے مقصود اچھے خیالات کا اظہار اور علم کی اشاعت ہو۔ محض اپنی خطابت کا لوہا منوانے کی خواہش نہ ہو۔ ایسے آدمی کے سب اعمال اکارت جاتے ہیں اور اس کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی۔

۴۔ زیادہ سے زیادہ معانی کم از کم الفاظ میں بیان کیے جائیں۔ اسے بلاغت کہتے ہیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے :

فَاتَّ الْجَوَازُ هُوَ الْخَيْرُ

ترجمہ : اختصار یقیناً بہتر ہے۔

حضور نے فرمایا ہے : أُعْطِيَتْ جَوَامِعُ الْكَلِمِ مِثْرًا كَلِمَاتٍ مِثْلُ

ہوتا ہے جو معانی کا مخزن ہیں، ان میں کوئی حرف یا لفظ زائد نہیں ہوتا۔ مثل مشہور ہے



خَيْرُ الْكَلَامِ مَا قَلَّ وَدَلَّ رُبَّمَا هِيَ جَوَاقِلُ هُوَ اَوْ رَوْضَا حَسْت  
کرنے والا ہو۔

۵۔ واعظ کو باعمل ہونا چاہیے ورنہ اس کے وعظ کا الٹا اثر پڑے گا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:  
كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ (۳: ۶۱)

ترجمہ: اللہ کے نزدیک یہ بہت بُرا ہے کہ تم وہ کہو جو کرتے نہیں۔  
حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے خطیب دوزخ میں ہوں گے اور وہاں ان کے  
ہونٹوں پر آتشیں قینچیاں چل رہی ہوں گی۔

۶۔ کلام میں صاف گوئی سے کام لیا جائے۔ سخن سازی منافقت کی شاخ ہے۔ حدیث  
سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت اٹھے گا کہ دین کو سب سے زیادہ نقصان شہریں  
کلام منافقوں سے پہنچے گا۔

۷۔ صرف ایسے موقع پر بولنا چاہیے جہاں بولنے کی ضرورت ہو۔ بے کار اور لگاتار  
بولنا منع ہے۔

وہ ملکہ جسے اللہ تعالیٰ نے باہمی ربط و ضبط اور علم کا نور بھیلانے کے لیے عطا فرمایا  
ہے اسے بے کار صرف کیا جائے یا غلط موقع و محل پر استعمال میں لایا جائے تو کتنا  
نظم اور کس قدر جہالت ہوگی۔ لایعنی کلام کے مقابل خاموشی میں ہزار حکمت ہے۔  
گویائی کے آلات بدنی اور ذہنی طاقت کے خزانہ سے وافر حصہ وصول کرتے ہیں  
اس لیے اطباء کمزوری کی حالت میں اور بعض امراض میں بولنے کی پابندی لگا دیتے  
ہیں۔ بے مقصد باتوں سے ذہن خلفشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ گویائی چونکہ معنی و مطلب  
کی امین اور شخصیت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اس لیے اس کے ربط و ضبط سے نکل  
جانے کا شخصیت پر تباہ کن اثر پڑتا ہے۔

پُرگوئی ذہنی بیماری ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل انواع عام ہیں۔

ثَوْتُوْحَا: لگاتار اور لایعنی کلام، بے لگام بولنا۔  
یہ ذہنی ضبط اور اضمحلال کی دلیل ہوتا ہے۔

تَسْنَقُ: ایسی سخن رانی جو مطلب سے تو چاہے خالی نہ ہو لیکن فائدہ سے تہی اور احتیاط  
سے بعید ہو۔ بے باک کلام۔

ایسا کلام تخریب کا ضامن ہوتا ہے۔

تَحَلُّلٌ بِاللِّسَانِ: زبان کو منہ میں گرداں رکھنا۔ سمع فراشی کرنا۔

یہ مرض عموماً ان لوگوں کو لاحق ہوتا ہے جنہیں اپنی آواز بہت پیاری لگتی ہے۔ اس بیماری سے نہ بولنے والے کا پیچھا چھوٹتا ہے اور نہ اس سے ہم نشیں جان بچا سکتے ہیں۔

۸۔ لہجہ میں ناروا تکلف اور ساختہ پرواختہ تصنع ریاکاری کی دلیل ہیں۔ اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں۔

تَنْطَعُ : تاؤ کے پیچھے سے آواز نکال کر رعب سے یوں۔  
یہ تکرر کی علامت ہے۔

تَفِيهُقُ : آواز سے منہ بھر کر اور لہجہ پسا کر بولنا۔

یہ عموماً خود فریب اور نام نہاد علماء کا لہجہ ہوتا ہے۔

### شاعری

شاعری بنفسہ نہ بُری ہے نہ بھلی۔ اس میں اچھے خیالات پیش کیے جائیں تو قابلِ تحسین ہے۔ اور بُرے خیالات کی اشاعت کی جائے تو مذموم ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک بار شاعری کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ کلام ہے۔ اس میں جو اچھائی ہے سو اچھائی ہے اور جو برائی ہے سو برائی۔

شعر کو ذہنی آرائشگی، اخلاقی تعمیر اور قومی سر بلندی کے لیے استعمال کیا جائے تو بہت قدر و قیمت کا مستحق ہوتا ہے۔ ایسے ہی شعر کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد باللسان کا نام دیا ہے۔ سورۃ الشعراء کی مندرجہ ذیل آیات میں شعراء کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں:

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاظُونَ ۗ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۗ  
وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَآلًا يَفْعَلُونَ ۗ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِن بَعْدِ مَا ظَلَمُوا ۗ

ترجمہ: اور شعراء کی پیروی تو گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سرگرداں رہتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور اللہ کا بہت ذکر کیا اور ظلم کیے جانے کے بعد بدلہ لے لیا۔

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ شعراء کی دو قسمیں ہیں۔

اول: جو خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔ ان کی فکر غلط راہوں پر چلتی ہے۔

ان کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے۔

دوم: جو صاحب ایمان اور صاحب عمل ہیں۔ ملی حمیت سے معمور ہیں اور ان کے اشعار میں اللہ کا ذکر ہے۔

شاعری اور مبالغہ لازم و ملزوم ہیں۔ مبالغہ کو احتیاط کی حدود میں بند رکھنا مشکل ہے اس لیے یہ بارہا کذب اور افتراء کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بغیر شاعری کو عموماً شاعری سمجھا ہی نہیں جاتا۔ اس لیے اس زمانے میں بھی جب کہ عرب میں شاعری کو حکمت کا ہم معنی اور مردانگی کا زیور سمجھا جاتا تھا قرآن حکیم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ۗ رُبَّمَا نَسِيَ ۖ

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ آپ کے شایان شان ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

آپ کی طبع مبارک کو فطری طور پر اس فن شاعری سے اتنا بعید رکھا گیا کہ باوجود قریش کے اس اعلیٰ خاندان میں سے ہونے کے جس کی معمولی لونڈیاں بھی اس وقت شعر کہنے کا طبعی سلیقہ رکھتی تھیں۔ آپ نے مدت العمر کوئی شعر نہیں کہا، یوں رجز وغیرہ کے موقع پر کبھی ایک ادھر مرتبہ زبان مبارک سے مقفی عبارت نکل کر بے ساختہ شعر کے سانچہ میں ڈھل گئی ہو تو وہ الگ بات ہے۔ اسے شاعری یا شعر کہنا نہیں کہتے۔ آپ خود تو شعر کیا کہتے کسی دوسرے شاعر کا شعر یا مصرع بھی ساری زندگی میں دو چار مرتبہ سے زائد نہیں پڑھا اور اور پڑھتے وقت اس میں ایسا تغیر کر دیا کہ شعر شعر نہ رہے محض مطلب شاعر ادا ہو جائے۔ غرض آپ کی طبع شریف کو شاعری سے مناسبت نہیں دی گئی تھی، کیونکہ یہ چیز آپ کے منصب جلیل کے لائق نہ تھی۔ آپ حقیقت کے ترجمان نختے اور آپ کی بعثت کا مقصد دنیا کو اعلیٰ حقائق سے بدول ادنیٰ ترین کذب و غلو کے روشناس کرنا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام ایک شاعر کا نہیں ہو سکتا کیونکہ شاعری کا حسن و کمال کذب و مبالغہ، خیالی بلند پروازی اور فرضی نکتہ آفرینی کے سوا کچھ نہیں۔ شعر میں اگر کوئی جزو محمود ہے تو اس کی تاثیر اور دل نشینی ہو سکتی ہے سو یہ چیز قرآن کی نثر میں اس درجہ پائی جاتی ہے کہ ساری دنیا کے شاعر مل کر بھی اپنے کلاموں کے مجموعہ میں پیدا نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم کے اسلوب بدیع کو دیکھتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ گویا نظم کی اصلی روح نکال کر نثر میں ڈال دی گئی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے فصیح و عاقل ذہن ہو کر قرآن کو

شعر یا سحر کہنے لگتے تھے حالانکہ شعر و سحر کو قرآن سے کیا نسبت ہے کیا شاعری اور جادوگری کی بنیاد پر کبھی قومیت و روحانیت کی ایسی عظیم الشان اور لازوال عمارتیں کھڑی ہوئی ہیں جو قرآنی تعلیم کی اساس پر آج تک قائم شدہ دیکھتے ہو؟ یہ کام شاعروں کا نہیں پیغمبروں کا ہے کہ اللہ کے حکم سے مردہ قلوب کو ابدی زندگی عطا کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے عرب کو یہ کہنے کا موقع نہیں دیا کہ آپ پہلے سے شاعر تھے، شاعری سے ترقی کر کے نبی بن بیٹھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے اشعار کو پسند فرمایا ہے جن میں توحید و رسالت کی عظمت بیان ہوئی یا اخلاقی ترغیب کا سامان پیدا کیا گیا یا کفار کے بتویہ اشعار کا جواب دیا گیا۔ سحر کی اجازت صرف اس صورت میں ہے کہ کفار کے مقابل ہو اور وہ بھی اس شعر سے کہ انہوں نے پہل کی ہو ورنہ قرآن تو ان کے بتوں کو برا کہنے سے روکتا ہے۔ مسلمان بھائی کے خلاف سحر کہنا ممنوع ہے چاہے جو ابا نہی ہو۔

کعب بن زہیر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قصیدہ پڑھا تو آپ نے انہیں چادر عطا فرمائی اور بقول بعض ایک سوادنٹ بھی مرحمت فرمائے۔ یہ چادر حضرت معاویہؓ نے تیس ہزار اور بقول بعض بیس ہزار میں خریدی۔ خلفاء اسے جمعہ اور عید کے موقع پر پہنتے تھے (کتاب العمده ابن رشیق) حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد النبی میں منبر رکھا جاتا تھا اور وہ اس پر بیٹھ کر اشعار پڑھا کرتے تھے۔ آپ نے ایک بار ان سے فرمایا، قریش کی سحر کرو۔ جبرئیل تمہارے ساتھ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جاہلی شاعروں کے ان صاف اشعار کو یاد رکھتے تھے جن میں کوئی تاریخی واقعہ مذکور ہوتا یا ان سے لغوی تشریح میں مدد ملتی تھی۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ شعر عرب کا دیوان ہے (کتاب العمده)۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے کہ شعر میں اچھی بات بھی ہوتی ہے اور بری بھی۔ اس میں سے اچھی بات لے لو اور بری چھوڑ دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لِسِحْرًا وَإِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لِحِكْمَةً۔

ترجمہ: بعض بیان جادو ہوتا ہے اور بعض نظم حکمت ہوتی ہے۔

طبیعت کی موزونی سے وقتاً فوقتاً ارفع خیالات کے شعر کہ دیے جائیں تو حرج نہیں حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ ایسے اکابر صحابہؓ سے اشعار منقول ہیں لیکن شاعری کو دیگر علوم کے مقابل مستقل علم کے طور سے اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت عمرؓ کا

قول ہے کہ شاعری ان لوگوں کا علم ہے جن کے پاس اس سے بہتر علم نہ ہو۔ (کتاب العمده)  
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مندرجہ ذیل قسم کی شاعری سے منع فرمایا ہے۔  
 ۱۔ آدمی شعر کی دنیا ہی میں کھوجائے۔ شعر گوئی اور شعر خوانی کو وظیفہ حیات بنالے اور  
 کسی دوسری طرف توجہ نہ دے۔

۲۔ ایسے اشعار کہنا جو عمدہ خیالات سے خالی ہوں۔ ان میں صرف تخیل پر دازی اور  
 دروغ بانی ہو۔

۳۔ صرف موسیقی کی خاطر شعر کہنا۔

۴۔ ایسے اشعار کہنا جن میں عشق و عاشقی کا ذکر اور سفلی جذبات کا اظہار ہو۔

۵۔ وہ اشعار جن سے اپنی یا ممدوح کی شہرت مقصود ہو۔

۶۔ وہ شعر گوئی جسے وسیلہ رزق بنایا جائے۔

### حدیث (۲۳)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَخَطَبَا

ابن عمر سے روایت ہے انہوں نے کہا، دو آدمی مشرق سے آئے اور انہوں نے تقریر کی

فَعَجِبَ النَّاسُ لِبَيَانِهِمَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور لوگ ان کی فصاحت سے متعجب ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَلْبَيَانٍ لَسِحْرًا - رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

یقیناً بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔ اسے بخاری نے روایت کیا

#### الفاظ کے معانی

لِبَيَانِهِمَا: لیے۔ بسبب (بیان فصاحت)

هُمَا (ان دو کی) یعنی ان کی فصاحت کی وجہ سے۔

مِنْ: یہاں اس کے معنی ہیں، کچھ

لَسِحْرًا: ل (البتہ۔ یقیناً)، سِحْرٌ خبر ہے ان کی۔

## تشریح حدیث (۲۳)

سحر یا جادو کا کام یہ ہے کہ اشیاء کو ناظرین کی آنکھوں کے سامنے کچھ سے کچھ بنا دے اور وہ معاً تسلیم کر لیں۔ کلام کا جادو یہ ہے کہ متکلم سامع کے دماغ کو جیسے چاہے متاثر کر دے اور جو بات چاہے منوالے۔

إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا سے مراد یہ ہے کہ بعض فصیح کلام ایسا اثر اچکزہ ہوتا ہے کہ سننے والے کے دل و دماغ کو گرفت میں لے کر اپنی تاثیر میں ڈبو دیتا ہے۔ وہ باتیں جنہیں دماغ ویسے قبول نہ کرے فصاحت کے دم میں آکر لاشعوری طور پر تسلیم کر لیتا ہے۔ حدیث میں سحر سے مراد اصل سحر نہیں کیونکہ وہ حرام ہے یہاں اس سے مراد سحر کی سی تاثیر ہے۔

حدیث زیر نظر میں صرف بعض بیان کو مستحسن ٹھہرایا گیا ہے۔ بہتر سے خطباء کی فصاحت محض زبان آوری ہوتی ہے۔ وہ اپنے بیان کا دامن آسمان کے دامن سے ملاتے ہیں لیکن اس میں معنویت نام کو نہیں ہوتی۔ ایسا بیان منافقت کا شاخسانہ ہوتا ہے۔

## حدیث (۲۴)

وَعَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ابی بن کعب سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

إِلْبَاءُ مِنَ الشَّعْرِ حِكْمَةٌ - رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

یقیناً بعض شاعری حکمت ہوتی ہے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے

## تشریح حدیث (۲۴)

حکمت (دانائی) انتہائی پسندیدہ وصف ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم (حکمت والا) ہے اور اس نے اپنے انبیاء و رسل کو بھی حکمت عطا کی۔ انہوں نے آگے عوام الناس کو حکمت کی تعلیم دی۔ اس حدیث شریف میں رسول کریم نے فرمایا ہے کہ کچھ شاعری حکمت ہوتی ہے

جس شاعری میں حکمت ہو وہ یقیناً مفید اور قابلِ ستائش ہے اور جس میں حکمت نہ ہو بلکہ گمراہی کی باتیں ہوں وہ نقصان دہ اور قابلِ مذمت ہے، شاعر مختلف موضوعات پر اشعار کہتے ہیں جن میں بعض اچھے اور دوسرے بُرے ہوتے ہیں۔ پھر بات کہنے کا انداز جدا جدا ہوتا ہے، بعض شاعر جھوٹ اور مبالغے سے کام لیتے ہیں جبکہ بعض حقیقت پسندی مختصر یہ کہ شاعری ایک انسانی کلام ہے، اس کا اچھایا بُرا ہونا اس کے موضوع اور اسلوب پر منحصر ہے۔

### حدیث (۲۵)

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ابن مسعود سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

هَلَاكَ الْمُنْطَعُونَ فَالَهَا ثَلَاثًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ

پُر تَجَرُّ لُحْمٍ بِنَانَةٍ وَالْهَلَاكُ هُوَ - آپ نے یہ تین بار فرمایا۔ اس کی روایت مسلم نے کی۔

#### الفاظ کے معانی

نَطَعَ، نَطَعَ، نَطَعَ: زبان کھولنے کی جڑ سے اوپر کی خالی جگہ۔  
 نَطَّعَ: اس طرح لہجہ بنا کر بولنا کہ آواز زبان کی جڑ کے اوپر کے خلاء سے اٹھتی ہوئی معلوم ہو۔ یہ آواز اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان رعب اور دبدبہ بٹھا رہا ہو۔ نَطَّعَ میں چونکہ تَجَرُّ پایا جاتا ہے اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ نے فرمایا کہ اس انداز سے بولنے والا آدمی ہلاک یعنی برباد ہے۔

### تشریح حدیث (۲۵)

اس حدیث شریف میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پُر تَجَرُّ لُحْمٍ بِنَانَةٍ والے ہلاک ہوئے۔ تَجَرُّ (بڑا بننا) خواہ فعل میں ہو یا قول میں قابلِ مذمت اور باعثِ ہلاکت ہے۔ تَجَرُّ کرنے والا اس بڑائی کے اپنے اندر ہونے کا دعویٰ کرنا ہے جو اس کے اندر فی الحقیقت نہیں ہے لہذا جب اس کی حقیقت ظاہر ہوگی، جو کہ لازماً ظاہر ہوگی، تو اس کے لیے ذلت

اور شرمساری کا موجب بنے گی جو اس کے لیے ناقابل برداشت ہوگی۔ انسان کو ہر طرح کے تجربے پر ہمیز کرنا چاہیے اپنی اوقات میں رہنا چاہیے اسی میں اس کی عافیت ہے۔

### حدیث (۲۶)

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ابو ہریرہ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةٌ لَبِيدٍ

سب سے سچ بات جو شاعر نے کہی (وہ) لبید کا (یہ) قول ہے:

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللَّهُ بَاطِلٌ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

جان تو، اللہ کے سوا ہر شے بے ثبات ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی

كَلِمَةٌ: اگرچہ نحو میں مفرد لفظ کے لیے آتا ہے لیکن عام لغت میں یہ کلام کے معنی بھی دیتا ہے۔

لَبِيدٌ رَبِيعَةٌ: بنو عامر کا رئیس اور شاعر تھا۔ صاحب معلقہ تھا۔ اسلام سے قبل بھی اس کا شرفاء میں شمار ہوتا تھا۔ اسلام لانے کے بعد اس نے شاعری موقوف کر دی اور کہا کہ میرے لیے قرآن بہت ہے۔ اخیر میں کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۴۱ ہجری میں ڈیڑھ سو برس کے لگ بھگ عمر پا کر رحلت کی۔

أَلَا: خبردار۔ آگاہ رہو۔ جان لو۔ حرفِ تنبیہ ہے۔

مَّا خَلَا: سوا۔

بَاطِلٌ: مٹنے والا۔ زائل ہونے والا۔

### تشریح حدیث (۲۶)

موجودات کی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا ہر شے فانی اور بے ثبات ہے۔ ازل سے ابد تک بقا صرف ذاتِ الہیہ کو حاصل ہے۔ حضرت لبید بن ربیعہ



نے اپنے ایک شعر کے پہلے مصرعہ میں اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب سے سچ بات قرار دیا ہے جو کسی شاعر نے کہی۔ لبید کا پورا شعر۔

اس طرح ہے۔

أَوْ كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَدَ اللَّهُ بَاطِلٌ  
وَكُلُّ نَعِيمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِدٌ

دوسرے مصرعہ کا ترجمہ اس طرح ہے: اور ہر نعمت لامحالہ زائل ہونے والی ہے۔

### حدیث (۲۷)

وَعَنْ عُمَرَ وَبْنِ الشَّرِيدِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ

اور عمرو بن شرید سے روایت ہے ان کے باپ کی جانب سے۔ انہوں نے کہا،

رَدِفْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ

ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سوار تھا کہ آپ نے فرمایا،

هَلْ مَعَكَ مِنْ شِعْرِ أُمِّيَّةَ بْنِ أَبِي الصَّلْتِ شَيْءٌ

کیا تیرے پاس امیہ بن ابی صلت کے کچھ شعر ہیں؟

قُلْتُ نَعَمْ قَالَ هَيْهٍ فَإَنْشَدْتُهُ بَيْتًا فَقَالَ هَيْهٍ

میں نے کہا ہاں۔ فرمایا، تو سناؤ۔ تو میں نے آپ کو ایک شعر سنایا تو فرمایا اور سناؤ

ثُمَّ أَنْشَدْتُهُ بَيْتًا فَقَالَ هَيْهٍ

پھر میں نے آپ کو ایک شعر سنایا تو آپ نے فرمایا اور سناؤ

حَتَّى أَنْشَدْتُهُ مِائَةَ بَيْتٍ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ

یہاں تک کہ میں نے آپ کو ایک سو شعر سنائے۔ اسے مسلم نے روایت کیا

الفاظ کے معانی

رَدِفَ يَرْدِفُ: کسی کے پیچھے سواری پر بیٹھنا۔

ردیف یا ردیف؛ چچھے سوار ہونے والا۔

امیہ بن ابی صلت؛ بنو ثقیف کا رئیس اور بلند پایہ شاعر تھا۔ ۶۳۰ عیسوی میں فتح طائف سے کچھ قبل وفات پائی۔ اسلام سے مشرف نہ ہوا تھا۔ نیک اور خدا ترس آدمی تھا۔ حنفیت کا پیرو تھا یعنی توحید کو ماننا تھا اور بت پرستی کے خلاف تھا۔ اس کے اشعار میں حمد الہی اور مذمت دنیا کے مضامین ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے بارے میں فرمایا تھا کہ اس کی زبان ایمان لائی لیکن دل کافر رہا یعنی اس کے دل اور عقیدہ میں تضاد تھا۔

ہیبہ؛ دراصل ایہ اسم فعل ہے جس کے معنی ہیں (ا) لا (د) اور سنا۔

## تشریح حدیث (۲۷)

امیہ بن ابی الصلت اگرچہ ایمان نہ لایا تھا بلکہ اس کا رویہ اہل ایمان کی بابت مخالفانہ و معاندانہ رہا تھا لیکن چونکہ اس کے اشعار حمد الہی اور حکمت سے پر تھے اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑے اشتیاق سے اور فرمائش کر کے اس کے اشعار سنے۔ اس حدیث مبارکہ سے یہ مسئلہ اخذ ہوتا ہے کہ اہمیت کلام کی ہے نہ کہ اس کے کہنے والے کی۔ حکمت کی باتیں جس شاعر کے کلام میں بھی موجود ہوں اس کا پڑھنا، سنا، اور سنانا جائز ہے۔

## حدیث (۲۸)

وَعَنْ جَدِّبِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي بَعْضِ الْمَشَاهِدِ

اور جنذب سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی معرکے میں تھے

وَقَدْ دَمِيَتْ إصْبَعُهُ فَقَالَ هَلْ آذَتْ إِلَّا إصْبَعُهُ

اور آپ کی انگلی سے خون بہہ نکلا تو آپ نے فرمایا، تو صرف ایک انگلی ہی تو ہے

دَمِيَتْ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيَتْ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

جو خون آلود ہوئی اور تجھے جو کچھ پیش آیا اللہ کی راہ میں ہے۔ متفق علیہ ہے

## الفاظ کے معانی

مشاہد جمع ہے مشہد کی۔ مشہد کے لغوی معنی ہیں؛ حاضر ہونے کی جگہ۔ شہید ہونے کی جگہ۔ یہاں معرکہ مراد ہے۔

دُمِی: خون آلود ہوا۔ اس سے خون بہا۔ دُمِیت مونت کا صیغہ ہے۔

## تشریح حدیث (۲۸)

یقین سے بتانا مشکل ہے کہ حدیث میں کس معرکہ کی طرف اشارہ ہے۔ آگے اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ شعر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود موزوں فرمایا یا کسی اور شاعر کا ہے۔ طبری وغیرہ کا خیال ہے کہ یہ شعر حضور کا اپنا نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ولید بن ولید کا ہے۔ اور بعض اسے عبداللہ بن رواحہ سے منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شعر انہوں نے غزوة مؤتہ میں کہا تھا۔

شعر میں زخمی انگلی سے خطاب ہے۔ اس سے کہا گیا ہے کہ بے شک تو زخم رسیدہ اور خوں چکاں ہے، لیکن مضائقہ نہیں کیونکہ تو نے یہ زخم اللہ کی راہ میں اٹھایا ہے۔ اس راہ میں انگلی تو کیا ساری جان بھی فدا ہو جائے تو عین سعادت ہوگی۔

## حدیث (۲۹)

وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور براء سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا

يَوْمَ قَرَيْظَةَ لِحَسَّانِ بْنِ ثَابِتٍ أَهَجُ الْمُشْرِكِينَ فَإِنَّ جِبْرِيْلَ مَعَكَ

قرظینہ کی جنگ میں حسان بن ثابت سے، مشرکوں کی ہجو کر کیونکہ یقیناً جبریل تیرے ساتھ ہے

وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لِحَسَّانِ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسان سے فرمایا کرتے تھے

أَجِبْ عَنِّي اللَّهُمَّ أَيَّدُهُ بِرُوحِ الْقُدْسِ مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ

میری طرف سے جواب دے۔ اے اللہ تو روح القدس سے اس کی تقویت کر متفق علیہ ہے

## الفاظ کے معانی

یَوْمٌ قَوَّيْطَةٌ: بنو قریظہ کی جنگ۔ قریظہ یہودِ مدینہ کا ایک قبیلہ تھا۔ اس نے جنگ خندق میں اہل اسلام سے غداری کی تھی۔ جنگ کے خاتمہ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غداری کی سزا دینے کے لیے ان پر فوج کشی کی۔

حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ: انصاری شاعر تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اشعار کہا کرتے تھے۔ کفار کی ہجو میں کمال رکھتے تھے۔ ان کا دیوان شعری سرمایہ ہی نہیں بلکہ اس وقت کا تاریخی تذکرہ بھی ہے۔ حضرت علیؑ کے دورِ خلافت میں ایک سو بیس کی عمر میں وفات پائی۔

هَجَا: ہجو کی۔ يَهْدُجُو: ہجو کرتا ہے۔ اُهْجُجُ: ہجو کر

أَيَّدُ: قوت دی۔ أَيْدُ: قوت۔

أَجِبُّ عَنِّي: میری طرف سے جواب دے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار کی ہجو جواباً کی جاتی تھی۔

رُوحُ الْقُدُسِ: جبرئیل۔

## تشریح حدیث (۲۹)

عربوں کے ہاں زبان دانی اور شاعری کی بہت زیادہ اہمیت تھی۔ قبائلی زندگی بسر کرتے تھے۔ قبائل کے مابین جنگ و قتال عام معمول تھا۔ اس محاذ آرائی اور جنگ میں شعراء بھی اہم کردار ادا کرتے تھے۔ وہ اپنے قبیلے کے محاسن و مفاخر اور حریف کے معائب و نقائص بیان کرتے مقصود یہ ہوتا تھا کہ اپنے آدمیوں میں جوش و ولولہ پیدا کیا جائے اور دشمن کے آدمیوں کا حوصلہ پست کیا جائے۔ اعدائے اسلام نے مسلمانوں پر متقدم جنگیں مسلط کیں، ان جنگوں کے دوران اور آگے پیچھے بھی ان کے شعراء زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق مسلمانوں کی ہجو کتے اور اپنے لوگوں کی تعریف کرتے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں کی طرف سے حضرت حسان بن ثابت اور بعض دوسرے شعراء ان کی ہجو کا جواب دیتے۔ اس حدیث شریف میں رسول کریمؐ نے حضرت حسان کو ایک جنگ میں اعداء کی ہجو کرنے کے لیے فرمایا ہے۔ حضرت حسان چونکہ اپنے اشعار کے ذریعے حق کی مدد فرماتے تھے اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ روح القدس کے ذریعے

ان کی تقویت فرما۔

اس حدیث شریف سے یہ مسئلہ اخذ ہوتا ہے کہ حق کی مدد کے لیے مجاہدین اسلام کی تعریف اور دشمنانِ اسلام کی ہجو میں اشعار کہنا نہ صرف جائز بلکہ بہت بڑی نیکی ہے۔ کفار کے خلاف جنگ کے دوران شعرائے اسلام کے ملی اور جنگی ترانے بھی اسی ذیل میں آتے ہیں۔

---

## بَابُ

## حِفْظُ اللِّسَانِ وَالْغَيْبَةِ وَالشَّتْمِ

## حِفْظُ اللِّسَانِ

معنی و مفہوم

حِفْظُ اللِّسَانِ کے لغوی معنی ہیں، زبان کی نگہداشت کرنا یا اسے قابو میں رکھنا۔ مراد یہ کہ زبان کو اپنے مقصد سے بھٹکنے نہ دیا جائے اور اسے اپنی حدود کے اندر رکھا جائے۔

زبان کے مقاصد

زبان کے مندرجہ ذیل مقاصد ہو سکتے ہیں:

- ۱- بیان: اپنی معلومات، مشاہدات اور افکار کا اظہار۔
  - ۲- معاشرتی ربط: زبان معاشرتی ارتباط کا ایک بنیادی وسیلہ ہے۔
- إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لِسِحْرًا يَعْنِي زَبَانَ سَيَخِيرُ قَلْبًا هُوَ فِي أَوْدَلِ دُلِّ كِ دَلِّ  
سے راہ ہوتی ہے۔

برا کلام چونکہ ارتباط کے بجائے افتراق پیدا کرتا ہے اس لیے اسے ہجر کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے لَا تَقُولُوا هُجْرًا (بد کلامی نہ کرو)

زبان کی حدود

زبان کی حدود یہ ہیں کہ آدمی صرف وہ بات کہے جس میں بھلائی ہو۔ برا کلام درکنار اس کلام سے بھی پرہیز کرے جو عبث اور مشتبہ ہو۔

عبث کلام وہ ہے جس میں نہ نفع ہو، نہ ضرر۔ اور مشتبہ کلام اسے کہتے ہیں جس میں نفع و ضرر دونوں کا احتمال ہو۔

حدیث میں حِفْظُ اللِّسَانِ کا راز یوں بیان ہوا ہے:

كَلِمَاتٌ لِّسَانِيَّةٌ إِلَّا عَلَى خَيْرٍ

ترجمہ: زبان کو بھلی بات کے سوا ہر چیز سے روک لے۔

۱۰ مفردات راغب ۲۰ الترغیب والترہیب - جز ۳: ۳

دراز نفسی سے ان الفاظ میں منع فرمایا گیا ہے :  
 إِنَّ اللَّهَ يَكْرَهُ لَكُمْ الْبَيَانَ كَلَّ الْبَيَانَ (احیاء العلوم، حقوق الاخرۃ)  
 ترجمہ : اللہ تعالیٰ کو تمہارے لیے باتیں ہی باتیں ناپسند ہیں۔

## زبان کی اہمیت

زبان کا دامن عمل بے کنار ہے۔ ایمان اور عمل کی بنیاد رکھنے میں زبان وافر حصہ لیتی ہے۔

### زبان اور ایمان

ایمان کا مدار قلب پر ہے اور قلب کی استقامت زبان کی استقامت پر مبنی ہے۔ اس لیے ایمان کے لیے تصدیق بالقلب کے ساتھ اقرار باللسان لازم ہے۔ اس اقرار باللسان کو ارکان اسلام میں آدھیں درجہ حاصل ہے۔ ایمان اور زبان کے باہمی ربط کا مندرجہ ذیل حدیث سے اندازہ ہو سکتا ہے :

مَنْ كَانَ يَوْمًا مِنْ يَوْمِي بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمِتْ  
 ترجمہ : جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ کبھی بات کہے یا چپ رہے۔  
 مراد یہ کہ آدمی کو ایمان کی سلامتی درکار ہے تو زبان کو قابو میں رکھے۔

عمل بہت حد تک کلام کا تابع ہوتا ہے۔ اعضائے بدن کی قیادت زبان کے ماتھے میں ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ زبان راست رو ہو تو دیگر اعضا بھی سیدھی راہ چلتے ہیں اور اگر وہ بہک جائیں تو یہ بھی گمراہ ہو جاتے ہیں۔

زبان کی سلطنت شخصی اعمال تک ہی محدود نہیں بلکہ جملہ علوم و فنون اور خیالات و نظریات پر بھی چھائی ہوئی ہے۔ علوم و افکار کے لیے الفاظ کے ظروف لا بدی ہیں اور ان ظروف کی صانع زبان ہے۔ زبان ناقص ہو تو تصورات اور تخیلات بھی ناقص

رہتے ہیں۔

### زبان اور تخیل

الفاظ کے بغیر تخیل کا وجود ناممکن ہے۔ تخیل اپنی معنویت کے لیے الفاظ کا محتاج ہے۔ بلکہ بعض لوگ تو فکر و تخیل کو "خاموش کلام" سے تعبیر کرتے ہیں۔ ایک ماہر نفسیات یہاں تک کہہ گیا ہے کہ سوچنا خاموشی سے بولنا ہے اور بولنا آواز کے لباس میں سوچنا

۱۔ الترغیب والترہیب جز: ۳ ص ۲۷۰ ربعین نووی بحوالہ صحیحین۔

ہے۔ اگرچہ یہ دعویٰ انقبض سے خالی نہیں لیکن اس میں حقیقت کی طرف ایک واضح اشارہ ضرور ہے۔

### الفاظ کے اثرات

زبان کی تخلیقات پائدار اور قومی الاثر ہوتی ہیں۔ ہر لفظ اور ہر صوت ایک زندہ قوت ہوتی ہے جو فضا میں متحرک نقوش یا لہروں کی صورت میں آباد ہو جاتی ہے۔ جدید سائنس نے انکشاف کیا ہے کہ ہر صوت جداگانہ ہستی رکھتی ہے جو قوت یعنی انرجی (ENERGY) کا ایک متشکل جزو ہوتی ہے۔

صوت ایک فعال قوت ہے۔ اس میں زندگی اور ہلاکت ہر دو کی تاثیر ہوتی ہے اچھی اصوات پیغام حیات لاتی ہیں اور بُری اصوات ہلاکت بہ دوش ہوتی ہیں۔ ان کا اثر حیوانات اور نباتات پر ہی نہیں، جمادات پر بھی ظاہر ہوتا ہے۔ حالیہ تجربات سے ثابت ہو چکا ہے کہ موسیقی سے پودوں کی نشوونما بہتر اور تیز تر ہو جاتی ہے۔ آج اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی بالواسطہ تائید ہو رہی ہے کہ اگر قرآن کو سپاڑوں پر نازل کیا جاتا تو وہ دہشت سے پارہ پارہ ہو جاتے۔

الفاظ زندہ وجود رکھتے ہیں فضائے بسیط میں پرواز کر کے اپنا نشیمن تلاش کرتے ہیں جس چیز کے شایاں ہوتے ہیں اثر کرنا سے متاثر کرتے ہیں۔ زیر نظر باب کی دوسری فصل میں ایک حدیث آتی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ منہ سے نکلی ہوئی لعنت فضا میں ادھر ادھر پرواز کرنے کے بعد اس شخص پر اترتی ہے جو اس کا سزاوار ہو۔

اصوات کی جداگانہ ہیئات ثابت ہو چکیں۔ اب کوئی دن جاتا ہے کہ ان کی بوجھی سائنس کی تجربہ گاہوں میں سد وجود حاصل کر لے۔ صدیوں کے تجربات کو کون جھٹلا سکتا ہے بعض اشخاص کے پاس بیٹھنے سے دل کو فرحت ہوتی ہے۔ بد مذہب افراد کے جسم سے بدبو اٹھتی رہتی ہے۔ جب عقیدہ اور خیال بُرے رکھتے ہیں تو اصوات و الفاظ اس سے کیونکر خالی ہونگے۔ حدیث ہے کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کے کلام کی بدبو سے فرشتہ ایک میل دور ہٹ جاتا ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ایک بار اچانک بدبو دار جھونکا آیا۔ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم جانتے ہو یہ جھونکا کیا تھا؟ یہ ان لوگوں کی بوجھی جو مومنین کی غیبت کر رہے ہیں۔

۱۔ مشکوٰۃ، الترغیب والترہیب، بحوالہ ترمذی وابن ابی الدینا۔

۲۔ الترغیب والترہیب، بحوالہ احمد وابن ابی الدینا۔



بدن کی صفائی، خیالات کی صفائی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اسی طرح خیالات اور کلمات بھی بدن کی صفائی کو متاثر کرتے ہیں۔ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو اشخاص کو غیبت کرنے کی بناء پر دوبارہ وضو کرنے کا حکم دیا تھا۔ صوفیاء کرام کا قاعدہ تھا کہ دل میں کوئی بُرا خیال بھی گزرتا تو غسل فرماتے تھے۔ دورِ جدید میں تو یہاں تک ثابت ہو چکا ہے کہ ناپاک خیالات سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

### زبان اور ذہنیت کی تشکیل

زبان ذہنیت کی تشکیل میں بڑا دخل رکھتی ہے۔ حافظہ اور زبان کا آپس میں جو تعلق ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اگر کسی درس کو حافظہ کے سپرد کرنا ہو تو خاموشی سے یاد کرنے کے بجائے زبان سے رٹنے سے جلد کامیابی ہوتی ہے۔ زبان کو ذہن کے دوسرے ملکات پر بھی دسترس حاصل ہے۔

زبان کی صفائی سے ذہن کی صفائی اور کلام کے حسن ترتیب سے ذہن کا حسن ترتیب حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زبان کی نوک پلک اور اسلوب کی بہت نگہداشت کی جاتی ہے۔ اخلاقی انحطاط کے دور میں زبان پر بھی انحطاط آجاتا ہے۔ حسن کلام حسن عمل کی تمہید ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حسن کلام جنت میں داخل کرتا ہے۔

صاف اور شائستہ کلام کے لیے از بس ضروری ہے کہ مطلب اور غیر متعلق مواد سے خالی ہو۔ ارشادِ نبوی ہے:

مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَحْنِيهِ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: انسان کا حسن اسلام ایک یہ ہے کہ لایعنی چیز کو چھوڑ دے۔

ایک اور حدیث ہے:

لَا تَقُلْ بِلِسَانِكَ إِلَّا مَعْرُوفًا

ترجمہ: زبان سے صرف سائستہ بات کہ۔

أَكْثَرُ النَّاسِ ذُنُوبًا أَكْثَرُهُمْ كَلَامًا فِيمَا لَا يَحْنِيهِ

ترجمہ: سب سے زیادہ گنہگار ہوتا ہے جو سب سے زیادہ بے مطلب کلام کرتا ہے۔

مراد یہ کہ زائد از کار باتوں سے ذہن میں غلط خیالات پیدا ہوتے ہیں جو گناہ میں

ڈھلتے رہتے ہیں۔ اسی کے پیش نظر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جو مجھے زبان اور شرمگاہ کی (حفاظت کی) ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔  
شخصیت کی آئینہ دار

زبان شخصیت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ شخصیت کی نمود اور مظاہرہ تقریباً سب کو عزیز ہوتا ہے۔ زبان اس مظاہرہ کا سہل ترین ذریعہ ہے۔ اس لیے لبط کلام کا رجحان بالخصوص ان لوگوں میں جو مٹھوس شخصیت سے محروم ہوں عام پایا جاتا ہے لیکن اظہار شخصیت کا یہ کوئی مٹھوس ذریعہ نہیں بلکہ بناوٹی اور مصنوعی وسیلہ ہے، اس لیے خطاؤں اور لغزشوں سے لبریز ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل احادیث اس کی شاہد ہیں:

- اتنی لغزش پاؤں سے نہیں ہوتی جتنی زبان سے ہوتی ہے۔
- اکثر خطا میں زبان کی ہوتی ہیں۔

○ سب سے بڑھ کر دوزخ میں داخل کرنے والا منہ ہے۔

انسان زبان فرسائی کے ذریعے کوشش تو یہ کرتا ہے کہ سننے والوں پر اپنی شخصیت کا خوش نما نقش بٹھائے لیکن ہوتا یہ ہے کہ اپنی کٹی پوشیدہ خامیوں اور کوتاہیوں سے نادانستہ پردہ اٹھا دیتا ہے۔

حدیث میں آیا ہے:

مَنْ حَفِظَ لِسَانَهُ سَتَرَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ ۗ

ترجمہ: جس نے زبان کو سنبھالا اللہ نے اس کا پردہ رکھا۔

جنت یا دوزخ کا ذریعہ

کلمات کا چونکہ دیرپا اور دور رس اثر ہوتا ہے اس لیے بہتیرے فقرے ایسے سمجھتے ہیں کہ آدمی انہیں معمولی سمجھتا ہے لیکن وہ انسان کو دوزخ میں پہنچاتے ہیں۔ کثرت کلام سے سینکڑوں ایسے ہی فقرے زبان سے ادا ہو جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی تاراضی کی کوئی ایسی بات کہہ جاتا ہے جس کی اسے پرواہ نہیں ہوتی اور وہ اس سے دوزخ میں گرے چلا جائے گا۔

الفاظ کی تاثیر سے لوگ عموماً بے توجہ رہتے ہیں۔ انہیں اس بات کی خبر نہیں ہوتی کہ بظاہر نہایت کم وزن الفاظ نے اعمال کے کتنے ہی سفینوں کو غرقاب کیا ہے۔ ایک صحابیؓ

لہ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۳۷ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۳۷ ریاض الصالحین بحوالہ بخاری

کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، کیا تجھے نہ بتاؤں کہ دین کا سر آغاز اور عمود اور رفعت کیا ہے؟ میں نے عرض کیا، ہاں، یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا، دین کا سر آغاز اسلام ہے۔ اس کا عمود نماز ہے اور اس کی رفعت جہاد ہے۔ پھر فرمایا، کیا اس سب کا شیرازہ بند نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا، ہاں! یا رسول اللہ! آپ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا، اس کو اپنے تک روکے رکھ۔ میں نے عرض کیا، یا نبی اللہ! کیا ہم اپنی باتوں کے لیے بھی پکڑے جائیں گے؟ فرمایا، تیری ماں تجھے کھوٹے، کیا لوگوں کو آگ میں منہ کے بل ان کی زبانوں کی حاصلات کے سوا کوئی اور چیز گرے گی۔ (اربعین نووی بحوالہ ترمذی)

### زبان کا تقویٰ

زبان کا اپنے مقاصد سے نہ ہٹنا اور حدود کا پابند نہ رہنا اس کا تقویٰ ہے۔ یہی حفظ اللسان ہے۔

جس طرح عام اخلاق کی بنا تقویٰ پر ہوتی ہے اسی طرح لسانی عمل کی بنا بھی تقویٰ پر ہے۔ جو آدمی کلام میں تقویٰ رکھنے سے عاجز ہو اس سے دیگر اعمال میں پرہیزگاری کی کیا امید ہوگی۔ کلام کی کثرت دل کو نرمی اور گداز سے محروم کر دیتی ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ کلام کی جو کثرت ذکر الہی سے خالی ہو وہ دل کو پتھر کر دیتی ہے۔ مراد یہ کہ اس کے ہاتھوں آدمی طبع سلیم اور حسن ذوق سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اس سے نیک و بد کی تیز رخصت ہو جاتی ہے۔ فرمان نبوی ہے:

لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِيقَةَ الْإِيْمَانِ حَتَّى يَخْرُجَ مِنْ لِسَانِهِ

(الترغيب والترهيب)

ترجمہ: انسان جب تک اپنی زبان کو بند نہ کر سکے وہ ایمان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔

ایمان کی حقیقت یہی ہے کہ آدمی حق و باطل میں تمیز کر سکے۔

### بے قابو زبان کی آفتیں

زبان کو قابو میں نہ رکھا جائے تو جیسا کہ باب زیر نظر کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے اس سے بے شمار آفتیں پیدا ہوتی ہیں جن میں بعض درج ذیل ہیں:

- ۱۔ باطل گفتگو، بے کار مسئلے، لایعنی سوالات۔
- ۲۔ سرا و یعنی ناحق بحثنا۔
- ۳۔ خصومت۔ ناحق اور بلند بانگ دعوے پیش کرنا اور دوسروں سے لڑائی باز ہونا۔

- ۴۔ فحش کلامی۔ یادہ گوئی۔  
 ۵۔ اخلاق سوز شعر و موسیقی۔  
 ۶۔ فساد انگیزی۔ افراد اور معاشرے میں جھگڑے اٹھانا۔  
 ۷۔ غیبت۔  
 ۸۔ خود ستائی۔ ریا کاری۔  
 ۹۔ طعنہ زنی۔  
 ۱۰۔ پردہ دری۔  
 ۱۱۔ شہادت یعنی کسی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار کرنا۔  
 ۱۲۔ کسی کی ہنسی اڑانا۔  
 ۱۳۔ گھٹیا مذاق۔  
 ۱۴۔ لعنت گوئی۔ بد دعائیں دینا۔  
 ۱۵۔ افشائے راز۔  
 ۱۶۔ وعدہ شکنی۔  
 ۱۷۔ دروغ۔  
 ۱۸۔ برائی کی اشاعت۔  
 ۱۹۔ منافقت۔

انہی آفات کے پیش نظر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ زبان سے بڑھ کر کوئی چیز طویل پابندی کی سزاوار نہیں۔ (الترغیب والترہیب)  
 غالباً اسی وجہ سے بنو اسرائیل میں خاموشی کا روزہ ہوا کرتا تھا۔ ایک زبان کی پابندی سے ہزار راحیں پیدا ہوتی ہیں۔ فرمان نبوی ہے: طُوبَى لِمَنْ مَلَكَ لِسَانَهُ (الترغیب والترہیب) (ترجمہ) جس نے زبان پر قابو پایا اس کے لیے راحت ہے۔  
خاموشی کی اہمیت : بے قابو زبان جو آفتیں لاتی ہے ان کے پیش نظر بے لکام بولنے سے خاموشی ہزار بہتر ہے۔ حدیث ہے:

مَنْ صَمِتَ مَجًا تَرَجَمَ : جو خاموش ہو اس نے نجات پائی۔  
 مراد یہ ہے کہ اس نے غیر محتاط کلام کی آفتوں سے نجات پائی۔ لیکن حقیقی فضیلت اسی خاموشی میں ہے جس کے ہمراہ فکر و تدبیر اور مطالعہ ہو۔ ایسی ہی خاموشی کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔

### حدیث (۳۰)

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سہل بن سعد سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

مَنْ يَضْمَنْ لِي مَابَيْنَ لِحْيَيْهِ وَمَابَيْنَ رِجْلَيْهِ

جو مجھے ضمانت دیتا ہے اس کی جو اس کے جڑوں کے درمیان اور اس کی ٹانگوں کے درمیان ہے

أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ - رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

یہ اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے

الفاظ کے معانی

لِحْيٌ: جبرے کی ہڈی۔ جڑا۔ لِحْيَانٌ دو جبرے۔ مَابَيْنَ لِحْيَيْهِ جو دو جبروں کے درمیان ہے یعنی زبان۔

مَابَيْنَ رِجْلَيْهِ جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے یعنی ٹرگاہ۔

### تشریح حدیث (۳۰)

زبان درازی اور شہوت رانی ہی اکثر گناہوں کے موجب ہوتے ہیں جو ان کے فتنے سے محفوظ ہو وہ جنت کا حق دار ہو جاتا ہے۔ زبان کے غلط استعمال سے کیا کیا نقصانات ہوتے ہیں اس کی تفصیل تمیدی مقالے میں بیان کی جا چکی ہے۔

### حدیث (۳۱)

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

مسلمان کو برا کہنا فسق ہے اور اس کی جان پر حملہ کرنا کفر ہے۔ متفق علیہ ہے

## الفاظ کے معانی

**سَبَاب** کے دو معنی ہو سکتے ہیں: (۱) سَبَاب سے مصدر۔ اس صورت میں دوسرے مصدر سَبَاب کے مقابلہ میں اس میں زیادہ مبالغہ ہوتا ہے۔ سَبَاب کے معنی ہیں حقیقی عیب و بیان کرنا اور سَبَاب کے معنی ہیں کسی میں سچ اور جھوٹ دونوں طرح کے عیب بتانا۔ (۲) سَبَاب سے مصدر: اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے، ایک دوسرے کی عیب چینی کرنا، ایک دوسرے کو بُرا کہنا۔

سَبَاب کے کئی درجے ہو سکتے ہیں۔ معمولی بُرا بھلا کہنے یا عیب نمائی سے کالی گلوچ تک اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔

سَبَاب کا ایک اور مترادف شتم ہے جو اس باب کے عنوان میں آیا ہے۔ شتم کے مفہوم میں بھی طعنہ سے لے کر کالی گلوچ تک شامل ہیں۔

کسی کو احمق یا جاہل کہنا بھی شتم ہے (احیاء العلوم ج ۲ ص ۱۷۷)۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی پر ناحق باتیں چسپال کرنا مثلاً اللہ سے بیٹا منسوب کرنا بھی شتم ہے۔ **قَاتِل**: قَاتِل سے مصدر ہے یعنی ایک دوسرے سے جنگ کرنا۔ قتال اس لڑائی کو کہتے ہیں جس میں جان سے مارنا مقصود ہو۔

**فَسَق** کے اصل معنی ہیں: باہر نکل آنا مثلاً **فَسَقَ الرَّطْبُ** کھجور چھال سے باہر نکل آئی۔ اگر فسق اصل لغت کے اعتبار سے کفر کو بھی شامل ہو سکتا ہے لیکن اس کا عام استعمال شرع کی خلاف ورزی اور حد شکنی کے معنی میں ہے جسے کبیرہ گناہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ **كُفْرٌ**: کئی تنوین کا اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ ایک قسم کا کفر ہے یعنی اعتقادی کفر نہیں بلکہ عملی کفر یعنی کافرانہ حرکت ہے۔

## تشریح حدیث (۳۱)

سَبَاب کسی درجے میں بھی ہو حرام ہے۔ اس کا شمار کبائر میں ہے۔ سَبَاب کے جواب میں بھی حتی الوسع صبر کرنا چاہیے۔ اس صبر کا بہت صلہ ہے۔ آدمی جو ابی سَبَاب میں حد سے بڑھ جائے تو آغاز کرنے والے کے برابر گنہگار ہو جاتا ہے۔ مسلمان کو ناحق قتل کرنے کی سزا جہنم ہے۔ جو شخص مسلمان سے جنگ کرنے کو عقیدہٴ جائز سمجھتا ہے وہ کافر ہے۔ صرف دفاع کے لیے مسلمان پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت

## حدیث (۳۲)

وَعَنْ بِنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ابن عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

أَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِوَجِيهٍ كَافِرٍ

جس آدمی نے اپنے بھائی کو کافر کہا

فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

تو ان میں سے ایک اس کا سزاوار ہو جاتا ہے۔ متفق علیہ ہے۔

الفاظ کے معانی

بَاءَ بِهَا: ایسی جگہ جہاں وہ بات پہنچی یعنی اس کا مورد۔ اس کا سزاوار ٹھہرا، اس کا وبال اٹھایا۔

فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا سے مراد یہ ہے کہ جسے کافر کہا گیا ہے وہ کافر نہیں تو کہنے والا کافر ہوگا۔

## تشریح حدیث (۳۲)

حدیث زیر نظر میں بھائی سے مراد مسلمان بھائی ہے۔ مسلمان کو دیدہ و دانستہ کافر کہنا اور اسے عقیدت کافر سمجھنا عین کفر ہے۔ ایمان مسلمان کی عزیز ترین نعمت ہے۔ وہ ہر نعمت کو اس کے سامنے بیچ جانتا ہے۔ اس کی خاطر کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔

مومن کو ایمان کی لاج جان سے بھی پیاری ہوتی ہے۔ جو لوگ اس کے ترکیب ایمان ہوتے ہیں ان کی ناموس کو اپنی ناموس سمجھتا ہے اور جو ایمان کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں ان کی تردید کے لیے جان و تن کی قربانی سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اسے قطعاً گوارا نہیں ہوتا کہ مسلمان کو کافر یا کافر کو مسلمان کہا جائے کیونکہ یہ حق پر صریح حملہ ہے۔ یہ حرکت مسلمان سے کبھی سرزد نہیں ہو سکتی سوائے اس کے کہ وہ صرف نام کا مسلمان ہو۔

ایمان کے بعد نیکی کا درجہ آتا ہے۔ اعمالِ حسنہ زندگی کا گراں قدر سرمایہ ہیں۔ نیکی میں بڑی کشش ہے۔ نیک آدمی کو نہ صرف نیکی سے بلکہ نیکی والے سے بھی محبت ہوتی ہے۔ دونوں

ایک ہی راہِ عشق کے جادہ پیما ہوتے ہیں۔  
 نیک آدمی کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ نیکی خوب پھیلے اور نیچو کاروں کی کثرت ہو۔ اسے  
 منظور نہیں ہوتا کہ کوئی آدمی نیکی کی راہ سے الگ ہو جائے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ  
 نیک آدمی پر جان بوجھ کر بُرائی کا لیبل لگائے اور اسے اپنی دنیا سے بیگانہ کرنے میں  
 کوشاں ہو۔ یہ کام فاسق اور بد اعمال شخص ہی کر سکتا ہے۔

### حدیث (۳۳)

وَعَنْ أَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ

اور انسؓ اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ یقیناً

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْتَبَانَ مَا قَالُوا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک دوسرے کو برا کہنے والے جو کہیں

فَعَلَى الْبَادِي عِمَالَهُ الْمُظْلُومِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

وہ ابتدا کرنے والے پر پڑتا ہے جب تک کہ مظلوم حد سے نہ نکلے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے

#### الفاظ کے معانی

اِسْتَبَّ - سَبَّ سے افتدال کا صیغہ ہے۔ مُسْتَبَّ اسم فاعل ہے یعنی بُرا کہنے والا۔

بَدَأُ؛ شروع کیا۔ بَادِي شروع کرنے والا۔

اِعْتَدَى حد سے نکلا۔ يَعْتَدِي حد سے نکلتا ہے کہ يَعْتَد حد سے نہ نکلا۔

### تشریح حدیث (۳۳)

کسی کو ایذا کی نیت سے بُرا کہنا حرام ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو بُرا کہنے لگے تو پہلا  
 ظالم اور دوسرا مظلوم ہوگا۔ مظلوم کو حتی الوسع ضبط و تحمل اور درگزر سے کام لینا چاہیے۔  
 برداشت نہ کر سکے تو صرف اس قدر جواب دے جو ظالم کے کہے سے بڑھ کر نہ ہو۔ اگر وہ  
 ظالم سے بڑھ جائے تو دونوں اس بدزبانی کے گناہ اور ظلم میں برابر کے شریک ہوں گے۔  
 اگر ظالم گالیاں دے تو مظلوم کو ویسی ہی گالیوں سے جواب دینے کی اجازت نہیں۔



گالی گلوٹح کسی حال میں روا نہیں۔ مندرجہ بالا حدیث میں سب کے مفہوم میں گالی گلوٹح شامل نہیں۔ اس سے مراد صرف ”بُرا کہنا“ ہے۔

### حدیث (۳۲)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ان سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

تَجِدُونَكَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ

تم قیامت کے روز لوگوں میں سب سے بُرا دورُخے کو پاؤ گے

الذُّرِّيَّاتِي هُوَ لَاءِ بِوَجْهِهِ وَهُوَ لَاءِ بِوَجْهِهِ مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ

جو ایک رخ کے ساتھ ان کے پاس آتا ہے اور ایک رخ کے ساتھ ان کے پاس متفق علیہ ہے

### الفاظ کے معانی

ذَا، ذُو کی نصبی حالت ہے۔ ذُو الْوَجْهَيْنِ کے معنی ہیں دورخوں والا۔ وَجْهٌ مَنْهُ

یا رخ کو کہتے ہیں۔

الذُّرِّيَّاتِي: آیا یا تھی آتا ہے۔

### تشریح حدیث (۳۲)

#### دورُخاپن

انسانیت اور راست روی کا تقاضا ہے کہ آدمی کی دو مخالف فریق سے راہ و رسم ہو تو ایسا نہ کرے کہ ہر ایک سے الگ الگ خلوص اور وابستگی جتا کہ مطلب برآری کرے۔ مسلمان کے پاس آئے تو اسلام کا اظہار کرے اور یہودی کے پاس بیٹھے تو یہودیت کا دم بھرے۔ یہ دستور ان لوگوں کا ہوتا ہے جن میں اخلاقی جرأت کا فقدان ہو۔ بزدلی اور مصلحت پرستی ان سے مردانگی اور پامردی کے جوہر چھین لیتی ہے۔ ایمان ان کے قریب بھی نہیں آتا کیونکہ ایمان صبر و ہمت اور عزم و استقامت کا طلبکار ہوتا ہے۔ دورُخے اور منافق شخص میں خودی اور زیاداری کا نشان ڈھونڈنے سے نہیں ملتا۔

وہ کسی صغیرہ یا کبیرہ گناہ سے پاک نہیں کرتا۔ بُرائی کا پیکر اور فساد کا علمبردار ہوتا ہے، لہذا حدیث زیر نظر میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے روز اس کی بُرائی سب سے بڑھ کر رسوائے عام ہوگی۔

### حدیث (۳۵)

رَعْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور عبد اللہ بن مسعود روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

عَلَيْكُمْ بِالصَّدَقِ فَإِنَّ الصَّدَقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَالْأَبْرَارِ

تم صدق لازم ہے بیوہ صدق یعنی حق کی طرف رہبری کرنا ہے اور نیکی یقیناً

يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصَّدَقَ

جنت کی طرف رہبری کرتی ہے اور آدمی سچ کہے جاتا ہے اور سچ کے درپے رہتا ہے

حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ صِدْقًا وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ

یہاں تک کہ اللہ کے ہاں صدیق لکھا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچ کر رہو کیونکہ جھوٹ یقیناً

يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ فَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ

بدی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور بدی یقیناً آگ کی طرف رہبری کرتی ہے

وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ

اور آدمی جھوٹ کہے جاتا ہے اور جھوٹ کے درپے رہتا ہے

حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذَابًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ

یہاں تک کہ اللہ کے ہاں کذاب لکھا جاتا ہے متفق علیہ ہے اور مسلم کی ایک روایت میں ہے

قَالَ إِنَّ الصَّدَقَ بَرٌّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ

فرمایا کہ یقیناً سچ نیکی ہے اور یقیناً نیکی جنت کی طرف رہبری کرتی ہے

وَإِنَّ الْكُذِبَ فُجُورٌ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى السَّارِ

اور یقیناً جھوٹ بدی ہے اور یقیناً بدی آگ کی طرف رہبری کرتی ہے

الفاظ کے معانی

إِيَّاكُمْ وَ : سچ کر رہو۔ عَلَيْكُمْ دَب : تم پر لازم ہے۔

يَهْدِي : رہنمائی کرتا ہے۔ رہبری کرتا ہے۔ راہ پر چللتا ہے۔ ہدایت دیتا ہے۔

هَدَى ماضی ہے۔

بُرٌّ : ہر قسم کی نیکیوں کے لیے ایک جامع لفظ ہے۔ اس کے مقابل اِثْمٌ (گناہ) ہے۔

زَالَ : اپنی جگہ یا راستہ سے ہٹ گیا۔ ٹل گیا۔ قائم نہ رہا۔ لا يَزَالُ : نہیں ہٹتا۔ قائم

رہتا ہے۔ بدستور رہتا ہے۔

تَحَرَّى : حَرَّى کے معنی ہیں جانب۔ تَحَرَّى : کسی چیز کی جانب رخ کیا۔

فُجُورٌ : بُرے کام کرنا۔ بد اعمالی۔

كَذَّابٌ : بہت جھوٹ بولنے والا۔

## تشریح حدیث (۳۵)

صدق

صدق کے لغوی معنی ہیں : سچ کہنا۔ راست ہونا۔ کامل ہونا۔

صدیق اسے کہتے ہیں جس کے رگ و پے میں صداقت بسی ہوئی ہو۔ یعنی (۱) ہمیشہ سچ

بولے (۲) صداقت میں کامل ہو (۳) اپنے قول کی تائید عمل سے کرے اور (۴) سچائی کا

اعتراف کرے۔

صدق کی مندرجہ ذیل تین قسمیں ہیں جو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں :

۱۔ دل کی سچائی۔

۲۔ زبان کی سچائی۔

۳۔ عمل کی سچائی۔

دل کی سچائی یہ ہے کہ آدمی کا دل صاف ہو۔ وہ جب کسی چیز کی نیت یا ارادہ کرے

تو اس میں کھوٹ نہ ہو۔ اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پورے خلوص سے

ایمان رکھے۔ اگر کسی آدمی سے برادری یا دوستی کا تعلق ہو تو اس میں دیانت اور خلوص ہو

یہ تعلقات محض مطلب پرستی کی وجہ سے نہ ہوں۔

زبان کی سچائی یہ ہے کہ حق بات کے بیان کرنے میں کوئی جھجک نہ ہو اور ٹھیک ٹھیک کہہ دی جائے۔ ظالم اور جابر کفار کے سامنے حق بات کا اظہار کرنا جہاد ہے۔ اس راہ میں بعض دفعہ بہت مصائب اٹھانے پڑتے ہیں۔ جب کسی معاملہ میں کوئی شہادت دینی ہو تو سچ سچ ادا کی جائے اور اس میں جھوٹ کو قطعاً کوئی دخل نہ دیا جائے۔ جھوٹ قسم کبھی نہیں کھانی چاہیے جو شخص جان بوجھ کر جھوٹ بیان دیتا ہے یا اس میں جھوٹ قسم کھاتا ہے وہ ایسا کبیرہ گناہ کرتا ہے جو شرک کے قریب جا پہنچتا ہے۔

عمل کی سچائی سے مراد یہ ہے کہ انسان جس نیک کام کا ارادہ کرے اسے پوری دیانتداری سے بجالانے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی حتی المقدور اطاعت کرے۔

جب آدمی دل زبان اور عمل کا سچا ہو تو لامحالہ نیک ہو کر رہے گا۔ اس لیے مندرجہ بالا حدیث میں آیا ہے کہ صدق نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور نیکی کا ثواب یہ ہے کہ جنت ملتی ہے۔ سچ میں شیرینی ہے۔ آدمی جوں جوں صدق پر کاربند ہوتا جائے اس کا ذوق اور بڑھتا ہے اور آخر صداقت کے انتہائی مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے صدیق کا لقب ملتا ہے۔

سچائی دل کی ہو، زبان یا عمل کی وہ بربرائی کا راستہ بند کرتی ہے اور انسان کی زندگی کو حسنِ عمل سے آراستہ کرتی ہے۔ راستہ میں ہزار گھاٹیاں ہوں آخر کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ صداقت کو مفسود رکھو۔ اگر تمہیں اس میں ہلاکت نظر آئے تو کیا ہو؟ اس میں یقیناً نجات ہے۔ مراد یہ کہ سچ بولنے والے کو بعض دفعہ بڑی ابتلاؤں سے گزرنا پڑتا ہے اور صدے بھی اٹھاتا ہے لیکن صداقت میں آسمانی قوت و طاقت ہوتی ہے جو ہر بلا کو روند ڈالتی ہے۔ صداقت اپنے جلو میں سکون و اطمینان کی نیم لاتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ بے شک صدق اطمینان ہے۔

صدق کے مقابل کذب ہے جس طرح صدق بہت بڑی خوبی ہے اسی طرح کذب نہایت ہی قبیح بُرائی ہے۔ جھوٹا آدمی ہر قسم کے گناہ میں ملوث ہو جاتا ہے اور بالآخر دوزخ کا حق دار ٹھہرتا ہے۔

جسے جھوٹ کی عادت پڑ جائے وہ اس میں بدستور ترقی کیے جاتا ہے۔ آدمی سنی مذاق کے لیے جھوٹ کہنے لگے تو سنجیدہ جھوٹ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بڑھتے بڑھتے کذاب کے

کے درجے تک جا پہنچتا ہے۔  
ادنی ترین جھوٹ سے بھی دور رہنا چاہیے کیونکہ چھوٹا جھوٹ بڑے جھوٹ کو جنم دینے  
کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔

### حدیث (۳۶)

وَعَنْ أُمِّ كَلثُومٍ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور اُم کلثوم سے روایت ہے کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَيْسَ الْكُذَّابُ الَّذِي يُصْدِحُ بَيْنَ النَّاسِ

جھوٹا وہ نہیں جو لوگوں کے درمیان اصلاح کرتا ہے

وَيَقُولُ خَيْرًا وَيُنَبِّئُ خَيْرًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور بھلی بات کہتا ہے اور بھلی بات پہنچاتا ہے متفق علیہ ہے

### الفاظ کے معانی

نَمَى : (۱) چڑھا۔ اونچا ہوا (۲) چڑھایا۔ اونچا کیا۔ پہنچایا۔  
یہاں یہ لفظ دوسرے معنی میں آیا ہے۔ یعنی بات پہنچائی۔ نَمَى الْحَدِيثَ  
(تشدید کے بغیر) اصلاح کی خاطر پہنچائی۔ نَمَى الْحَدِيثَ (تشدید سے)  
فساد کی خاطر بات پہنچائی۔

### تشریح حدیث (۳۶)

کذب اپنی اصل کے اعتبار سے حرام ہے لیکن ظلم اور فتنہ کے دفاع کے لیے  
اسیلت کو چھپائے بغیر چارہ نہ ہو تو ایسا جھوٹ جس کا ضرر پیش نظر خطرہ پہ بھاری  
نہ ہو مباح ہے۔ بعض احوال میں یہ اخفاء واجب ہو جاتا ہے۔ فتنہ عظیم کے مقابل اس  
بے ضرر جھوٹ کا انتخاب لابدی ہوتا ہے۔ یہ جھوٹ ہمیشہ فتنہ سے دفاع کے لیے ہوتا  
ہے۔ جناب ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صرف تین صورتیں بتائی ہیں جو کچھ  
وضاحت کے ساتھ درج ذیل ہیں :

۱۔ مسلمان بھائیوں کے درمیان اصلاح کرنا مثلاً :

۱۔ جب ان کے درمیان افتراق اور فساد کا اندیشہ ہو۔

ب۔ جب کوئی شخص کسی ظالم سے بھاگ کر پناہ لے اور وہ ظالم تلاش میں آئے۔

ج۔ کوئی شخص اپنا مال ظالم سے بچانے کے لیے کسی کے پاس چھپا کر رکھے اور

وہ ظالم اسے حاصل کرنے آئے یا کسی سے کوئی ودیعت چھیننا چاہے۔

۲۔ میاں بیوی ناچاتی سے بچنے کے لیے ایک دوسرے سے جھوٹ بول سکتے ہیں بشرطیکہ

بعد میں اس سے ایسا فتنہ نہ اٹھے جس سے اپنا یا کسی اور گھرانے تباہ ہو جائیں۔

۳۔ جنگی اسرار کو چھپانا۔

اخفائے اصلیت کا ایک اور بھی طریقہ ہے جسے تَوْرِیْد کہتے ہیں۔ توریہ سے

مراد ہے کہ آدمی ایسے ذومعنی الفاظ یا خبرات کہے جس سے وہ جھوٹ کا مرتکب

نہ ہو لیکن سامع سے اصلیت پوشیدہ رہ جائے۔ مندرجہ بالا تین صورتوں میں

جہاں تک ممکن ہو توریہ سے کام لیا جائے لیکن اس کے لیے بڑی ذمانت کی ضرورت

ہوتی ہے۔

## بَابُ الْمَفَاخِرَةِ وَالْعَصَبِيَّةِ

### مُفَاخِرَةٌ

مفاخرہ کا مادہ فخر ہے۔ فخر یا (فخر) کے معنی ہیں: اپنی خوبیوں، خصلتوں اور جاہ و مال پر یا آباؤ اجداد یا خاندان کی عظمتِ رفتہ و حاضرہ پر خود ستائی کرنا۔ آباؤ اجداد، خاندان اور اپنے وہ اوصاف جنہیں آدمی وجہِ فضیلت شمار کرے حسبِ کہلاتے ہیں۔ اس اعتبار سے فخر کے معنی ہوں گے، حسبِ پرنازاں ہونا مفاخرہ کے معنی ہیں گھمنڈ، تکبر۔

مُفَاخِرَةٌ: ایک دوسرے کے مقابل اظہارِ فخر کرنا۔ عربوں میں حریف خاندان بعض دفعہ مجلس منعقد کر کے اپنے اپنے خطیبوں سے خاندانی فضائل گنواتے تھے ان کو مُفَاخِرَةٌ کہتے تھے۔ اب یہ لفظ اپنے عمومی معنی ہی میں مستعمل ہے۔

### عَصَبِيَّةٌ

اس کی اصل عصب ہے جس کے معنی ہیں: لگ۔

عَصَبٌ: بل دے کر مضبوطی سے باندھا۔

عَصَبَةٌ: اولاد اور باپ کی طرف سے رشتہ دار۔

عُصْبَةٌ یا عِصَابَةٌ: گروہ دس سے چالیس افراد کا۔

تَعَصَّبَ یا عَصَبِيَّةً: عَصَبَةٌ کی دوسروں کے خلاف حق و ناحق مدد کرنا۔ خاندان سے ظلم میں تعاون کرنا۔

خاندان سے محبت لازم ہے لیکن یہ محبت حد سے بڑھ جائے تو آدمی اندھا اور بہرا ہو کر خاندان سے گناہ میں بھی تعاون کرنے لگتا ہے۔ لہذا محبت کو اتنا نہ بڑھنے نہ دیا جائے کہ تعصب میں بدل جائے۔

## مفاخرت کی ممانعت

دورِ جاہلیت میں مُفَاخِرَةٌ کا رواج عام تھا۔ اسلام نے اس کی سچ کنی کا پیرا اٹھایا۔ اس نے بتایا کہ اللہ کی نگاہ میں عزت کی بنیاد خاندان پر نہیں بلکہ تقویٰ پر ہے۔

خود نمائی انسان کا ایک جبلی خاصہ ہے۔ اس کی تسکین صرف ٹھوس اور عمدہ اوصاف سے ہو سکتی ہے جو بہیم عرق ریزی، جاں فشانی اور اپنا کار کا مطالبہ کرتے ہیں۔ بعض لوگ جب خود کو ان اوصاف سے عاری دیکھتے ہیں تو شخصیت کی دھاک بٹھانے کے لیے زبان کو جولاں کرتے ہیں۔ بزرگوں کے فضائل کو خوب چمکا کر بیان کرتے ہیں اور اپنے اندر کوئی خوبی ہو یا نہ ہو خود کو ہمہ صفت موصوف ثابت کرنے میں پورا زور و کلام صرف کر دیتے ہیں۔

بزرگوں کے کارناموں کو بھلانا محسن کشی کے برابر ہے۔ ان کارناموں کی یاد تازہ رکھنا ضروری ہے لیکن ریاکارانہ اور جاہلانہ طریقے سے نہیں بلکہ اسلامی انداز سے تاکہ سننے والوں میں عزم و ہمت کے ولولے پیدا ہوں۔ جاہلانہ اور ریاکارانہ طریقہ یہ ہے کہ آدمی لذت طلب اور آرام کوش ہو کہ بزرگوں کا نام بیچتا پھرے۔

آبائی کارناموں کو بیان کرنے کا حق صرف مندرجہ ذیل صورتوں میں ہے:

۱- آدمی ان کارناموں کو اپنے عمل میں زندہ اور تابندہ رکھنے کا حوصلہ اور تڑپ رکھتا ہو۔

۲- اس سے فخر اور تکبر و استہ نہ ہو بلکہ تواضع کا اظہار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں خود نمائی کے ساتھ تواضع کی جبلت بھی ودیعت کی ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ ظاہر ہونے ہی میں انسانیت کا کمال ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سرورِ عالم ہیں لیکن آپ نے محض کو قریب بھی پھٹکنے نہیں دیا۔

۳- اپنے حسب بیان کرنے سے دوسروں کو جلانا اور ستانا مطلوب نہ ہو بلکہ ان کے اندر بھی نیک جذبات پیدا کرنے مقصود ہوں۔

۴- ایک کی مدح میں دوسرے کے ذم کا پہلو نہ ہو۔ مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا ہے کہ آپ کی مدح اس انداز سے کی جائے کہ کسی اور نبی کی شان پر زد پڑتی ہو۔

۵- مدح جائز اور شرعی حدود کے اندر ہو غالی مدح انبیاء علیہم السلام کی بھی ممنوع ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ میری تعریف میں ایسا غلو نہ کرو جیسا نصاریٰ حضرت عیسیٰ کی تعریف میں کیا۔ اگر کوئی صحابی آپ کے سامنے اس غلو کے مرتکب تو انہیں منع فرماتے تھے۔

۱۰۸ SELF-ASSERTION کے SELF-ABASEMENT



۶۔ کفار کے مقابل بالخصوص جنگ میں مفاخرہ کی اجازت ہے، لہذا رجز بھی جائز ہے۔  
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنگِ حنین میں رجز یہ شعر پڑھا تھا۔

### حدیث (۳۷)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ابنِ عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

الْكَرِيمِ بُنِ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ

کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم

يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ اسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے

### الفاظ کے معانی

کریم: اس حدیث شریف میں کریم کے مندرجہ ذیل معانی ہیں :  
(۱) آبرو مند، عزت دار (۲) شریف النسب (۳) عمدہ حسب رکھنے والا۔ حسب  
ان ذاتی اور آبائی اوصاف و خصائل کو کہتے ہیں جن کو آدمی وجہ شرف شمار کرتا ہو۔

### حدیث (۳۸)

وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ فِي يَوْمِ حُنَيْنٍ كَانَ أَبُو سَفْيَانَ بْنِ الْحَارِثِ

اور براء بن عازب سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حنین کے معرکے میں ابوسفیان بن حارث

أَخَذَ ابْعَانَ بَعْلَتِهِ يَعْزِي بَعْضَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

آپ کے حجر کی لگام تھامے ہوئے تھا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجر کی

فَلَمَّا غَشِيَهُ الْمَشْرُكُونَ نَزَلَ فَجَعَلَ يَقُولُ

تو جب مشرکین آپ پر بڑھ آئے تو آپ اتر پڑے اور فرمانے لگے،

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں

قَالَ فَسَارُ أَيُّ مِنَ النَّاسِ يَوْمَئِذٍ أَشَدُّ مِنْهُ مَتَّفِقٌ عَلَيْهِ

انہوں نے کہا، لوگوں میں اس دن آپ سے بڑھ کر پُر غم نہیں دیکھا گیا۔ متفق علیہ ہے

## تشریح حدیث (۳۸)

أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ: ابن کا لفظ بیٹے کے لیے ہی نہیں بلکہ پوتے پر پوتے اور پشت در پشت اولاد کے لیے بھی آتا ہے۔

عرب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے بہت قبل مذہبی حلقوں میں یہ پیش گوئی عام رائج تھی کہ عبدالمطلب کی اولاد میں ایک نبی اٹھے گا۔ حضور کا اس ارشاد میں اسی پیش گوئی کی طرف اشارہ ہے۔ جنگِ حنین بنو ہوازن اور بنو ثقیف سے ہوئی تھی۔ عین ممکن ہے یہ پیش گوئی انہی میں عام ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زندگی کے پہلے چار برس بنو ہوازن کی ایک خاتون حضرت حلیمہ کے ہاں گزارے تھے۔ اس دوران میں آپ سے معجزات صادر ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ ہوازن میں یہ چرچا ہو گا کہ ابن عبدالمطلب نبوت پر سرفراز ہوں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد آپ کی پیدائش سے قبل ہی وفات پا گئے تھے اور عبدالمطلب رؤسائے عرب میں سے تھے اس لیے ہوازن انہیں عبد اللہ کے بیٹے کے بجائے عبدالمطلب کے پوتے کی حیثیت سے ہی جانتے ہوں گے۔

مُحَنِّبِينَ

مکہ سے پندرہ بیس میل آگے طائف کی راہ میں حنین نام ایک وادی ہے۔ یہاں ہجرت کے آٹھویں برس اہل اسلام کی بنو ثقیف اور بنو ہوازن سے جنگ ہوئی تھی۔ اس کے آثار میں ایک بار لویں ہوا کہ تقریباً سارا اسلامی لشکر پسپا ہو کر پراگندہ ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے خچر پر جس کا نام دلدل تھا سوار تھے۔ آپ برابر آگے بڑھتے گئے۔ تھوڑی دیر میں صحابہ کرامؓ واپس آگئے اور حم کر ایسا حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔

ابوسفیان بن حارث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچے بھائی تھے۔ وہ تیروں

کی بوجھاڑ میں بھی آپ کے ہمراہ تھے اور دلدل کی لگام تھامے رہے۔

### حدیث (۳۹)

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور انس سے روایت ہے انہوں نے کہا ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا

فَقَالَ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ

اور عرض کیا، اے خیر البریۃ! تو فرمایا رسول اللہ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ إِبْرَاهِيمُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

صلی اللہ علیہ وسلم نے، وہ ابراہیم ہیں۔ اس کی روایت مسلم نے کی۔

### تشریح حدیث (۳۹)

خَيْرٌ کا معنی ہے اچھا، بہتر، بہترین۔ الْبَرِيَّةِ مخلوق۔ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ کا معنی ہے

بہترین مخلوق۔

احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اولادِ آدم کے سردار

تھے۔ آپ افضل الانبیاء تھے۔ آپ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خیر البریۃ

فرمایا تو اس سے عجز و انکسار کا اظہار مقصود تھا۔

اس حدیث شریف میں ایک طرف تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انکسار کا

اظہار فرمایا ہے دوسری جانب انبیاء کے مابین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام و مرتبہ

بھی بیان فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم جد الانبیاء تھے اور اپنی ذات میں ایک اُمت تھے۔

آپ نے تن تنہا حق کی اشاعت و ترویج کے لیے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے

جو ایک قوم بمشکل انجام دے سکتی ہے۔

نوٹ: حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام و مرتبہ کے لیے دیکھیے

توضیح القرآن میں متعلقہ مضمون۔

## حدیث (۴۰)

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

لَا تُطْرُونَ حَيْثُ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى بِنَ مَرْيَمَ

میری مدح میں ایسا غلو نہ کرو جیسے نصاریٰ نے ابن مریمؑ کی بابت کیا تھا

فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُ اللَّهِ فَقُولُوا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ

میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں پس (مجھے) اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی

أَطْرَى: تعریف میں مبالغہ کیا۔ تُطْرَى تو تعریف میں مبالغہ کرتا ہے۔  
لَا تُطْرَى: تو تعریف میں مبالغہ نہ کرو۔ لَا تُطْرُونَ تم تعریف میں مبالغہ نہ کرو۔  
أَطْرَتِ: اس مونت نے تعریف میں مبالغہ کیا۔

## تشریح حدیث (۴۰)

تمام انبیاء و رسل نے توحید باری تعالیٰ کی تعلیم دی اور اپنے آپ کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول بتایا لیکن بعد میں پیروکاروں نے اپنے نبی کی تعریف میں اتنا مبالغہ کیا کہ اسے مقام الوہیت پر بٹھا دیا اور یوں اس عقیدہ توحید کو مسخ کر دیا جس کی اس کے نبی نے تعلیم دی تھی۔ حضرت عیسیٰؑ کے معاملے میں بھی ایسا ہی کیا گیا۔ آپ کو اللہ کا بیٹا قرار دے کر تین خداؤں کا عقیدہ (ثلیثیت) گھڑ لیا گیا اور توحید کے بجائے مشرک کو اختیار کر لیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سابقہ امتوں کی اس روش کے پیش نظر اپنی امت کو واضح طور پر فرمایا ہے کہ حضور کی تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کیا جائے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو مرتبہ بخشا ہے صرف اسی مرتبے کا ذکر کیا جائے۔

نوٹ: حضرت عیسیٰؑ کی مدح میں آپ کے پیروکاروں نے جس غلو سے کام لیا اور جس کی قرآن حکیم میں مذمت کی گئی ہے اس کے لیے دیکھیے "توضیح القرآن" میں متعلقہ مقالہ۔

## بَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ

معنی و مفہوم

بِرٌّ: یہ لفظ اِثْمٌ یعنی گناہ کی ضد ہے اور ہر نیک عمل کو شامل ہے۔ اس اعتبار سے یہ خیر کے ہم معنی ہے۔

جہاں بِرٌّ کی اصناف والدین سے ہو وہاں اس سے مراد اطاعت اور حسن سلوک ہوگا اور عقوق (نافرمانی) کی ضد ہوگا۔

بِرٌّ اور بَارٌّ کے معنی ہیں: نیک، خوش سلوک۔ بَرٌّ کی جمع اَبْرار اور بَارٌّ کی بَرَرہ ہے۔

صِلَّةٌ: وَصَلَ سے مصدر ہے۔ صِلَّةٌ کا لفظ کئی معنی رکھتا ہے مثلاً: ملانا، اجازت

عطیہ۔ اس کے ایک معنی صِلَّةُ الرَّحِمِ ہیں۔ رَحِمٌ کے معنی ہیں نسبی قرابت۔ لغت میں صِلَّةُ الرَّحِمِ سے مراد ہوگی، نسبی رشتہ داروں سے وابستہ رہنا۔

شرع میں صِلَّةٌ کے معنی وسیع تر ہوتے ہیں یعنی نسبی اور سسرالی رشتہ داروں سے نرمی اور حسن سلوک رکھنا چاہیے چاہے وہ بدسلوکی کا اظہار کرتے رہیں۔

لغوی اور شرعی دونوں اعتبار سے صِلَّةٌ کے مختصراً یہ معنی لیے جاسکتے ہیں:

|                          |                        |
|--------------------------|------------------------|
| ملانا، جوڑنا، اکٹھا کرنا | متصل، بجال، جاری رکھنا |
| وابستہ کرنا، تعلق جوڑنا  | سالم رکھنا، سچنے رکھنا |
| پیوند لگانا، پیوستہ کرنا |                        |

صِلَّةٌ کے مقابل فصل اور بجران کے لفظ بھی آتے ہیں لیکن عام استعمال قطع کے لفظ کا ہے۔ صِلَّةٌ کے برخلاف قطع کے معنی ہوں گے:

کاٹنا، توڑنا، شکستہ کرنا، بے رابطہ کرنا۔ بے کس کرنا۔

صِلَّةٌ رَحِمٌ واجب ہے اور قطع رَحِمٌ حرام۔

صلہ رَحِمٌ کی اہمیت کو پوری طرح سمجھنے کے لیے اس کے مندرجہ ذیل تقاضوں کا علم ضروری ہے:

تحائف کا لین دین

ملاقات، پورے خاندان کے سبھی وقتاً فوقتاً اجتماع ہونے چاہئیں۔

پردیس سے نام و پیام رکھنا اور ہو سکے تو کاہے ماہے واپس آنا۔

## حدیث (۴۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ

یا ہریرہ سے روایت ہے کہا، ایک آدمی نے عرض کیا، یا رسول اللہ

مَنْ أَحَقُّ بِحَسَنِ صَحَابَتِي قَالَ أُمَّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ

میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ فرمایا، تیری ماں۔ بولا، پھر کون؟

قَالَ أُمَّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ أُمَّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ

فرمایا، تیری ماں۔ بولا، پھر کون؟ فرمایا تیری ماں۔ بولا، پھر کون؟

قَالَ أَبُوكَ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ أُمَّكَ ثُمَّ أُمَّكَ

فرمایا، تیرا باپ۔ اور ایک روایت میں ہے فرمایا خدمت کر اپنی ماں کی پھر اپنی ماں کی پھر اپنی ماں کی

ثُمَّ أَبَاكَ ثُمَّ أَدْنَاكَ أَدْنَاكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

پھر اپنے باپ کی پھر اپنے قریب تر (اور) قریب تر کی۔ متفق علیہ ہے

### الفاظ کے معانی

صَحَابَةٌ: ایک اور روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس لفظ سے یہاں مراد صحبت یعنی

رفاقت یا ساتھ دینا ہے۔ حَسَنُ الصَّحَابَةِ سے مراد حسن سلوک ہے

أُمَّكَ: ریم منصوب کے ساتھ) اس سے پہلے فعل محذوف ہے۔ مراد یہی ہو سکتی ہے کہ

ماں کے ساتھ رہ کر اس کی خدمت کر۔

أَدْنَاكَ أَدْنَاكَ: ایک اور روایت میں أَدْنَاكَ فَأَدْنَاكَ ہے یعنی پھر تمہارے

رشتہ داروں کا درجہ بہ درجہ حق ہے۔

## تشریح حدیث (۴۱)

### والدین

والدین کے اولاد پر اس قدر احسانات ہوتے ہیں کہ اولاد ان کی خدمت میں تمام

زندگی بھی صرف کر دے تو حق ادا نہیں ہو سکتا۔ والدین جب اپنے بچوں کے دکھ بھرتے ہیں تو ساتھ ہی بڑی امنگوں سے ان کی درازی عمر کے لیے بھی دعا مانگتے ہیں لیکن جب والدین کا بڑھاپا اپنے جلو میں نا تو انیوں اور بیماریوں کی قطار لے کر آتا ہے تو بے شک اکثر اولاد ان کی خدمت کو عین سعادت سمجھتی ہے مگر کتنے بچے اور بچیاں ہیں جو صدقِ دل کے ساتھ ان کی لمبی عمر کے لیے دعا گو ہوتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ والدین کا حق کبھی نہیں چکایا جاسکتا۔ ہاں ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ والدین کسی کے غلام ہوں اور انہیں خرید کر آزاد کر دیا جائے۔ (مسلم)

والدین کی بے لوث محبت اور ان کا جانی اور مالی ایثار اس وقت سے بچپن کے لیے وقف ہو جاتا ہے جب وہ ابھی شکمِ مادر میں ہوتا ہے۔ اس کے بعد زندگی بھر جب تک والدین کے دم میں دم ہوتا ہے وہ بچہ کے آرام و آسائش اور تربیت و ترقی میں کوشاں اور سرگرداں رہتے ہیں۔ اولاد کی خوشی ان کی خوشی، اولاد کا غم ان کا غم ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے احسانات کا اندازہ انسانی قدرت سے باہر ہے۔ ان کے احسانات کا کمترین حق یہ ہے کہ اولاد اپنا جان و مال ان کے لیے وقف کر دے۔

والدین کے حقوق کا اعتراف سب مذاہب نے کیا ہے۔ مگر یہ خصوصیت اسلام ہی کو حاصل ہے کہ جہاں محبت کے قدرتی سوتے بہت جوش زن ہوں وہاں ان کے حدِ اعتدال سے نکلنے پر بندشیں لگا دی ہیں۔ تورات کہتی ہے کہ جو شخص اپنے ماں باپ پر لعنت کرے اس کو مار ڈالا جائے۔ اسلام اس افراط کی طرف تو نہیں جاتا مگر یہ ضرور کہتا ہے کہ جو آدمی اپنے باپ سے انکار کرے وہ دوزخی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے کسی غیر کو اپنا باپ بنایا اور وہ جانتا ہے کہ یہ میرا باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے (ترمذی) باپ اگر بیٹے کو قتل کر ڈالے تو اسے چاہے کوئی دیگر سزا دی جائے لیکن اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ کون باپ ہے جو بیٹے کا خون جان بوجھ کر گرائے گا۔ اور اگر کوئی ایسا سنگدل ہو بھی تو شک کا فائدہ اٹھا کر قصاص سے بچ جائے گا۔

### حقوق: اہمیت

والدین کے حقوق بہت اہم اور کثیر ہیں۔ جناب ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد خدمتِ والدین کا درجہ بتایا ہے اور اس کے بعد جہاد کا (ریاض الصالحین)، ایک دفعہ ذکر ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میرے پاس مال ہے اور صاحبِ اولاد ہوں اور میرا باپ میرے مال کو اڑانا چاہتا

ہے حضورؐ نے فرمایا، تو بھی اپنے والد کی طفیل ہے اور تیرا مال بھی۔ (ابوداؤد)  
 والدین کو حق ہے کہ حسب ضرورت اولاد کے مال سے خرچ لیں۔ بعض اہل علم  
 کا فتویٰ ہے کہ بیٹے کے مال پر باپ کا مکمل حق ہوتا ہے (ترمذی) بہر حال اس بات  
 پر اتفاق ہے کہ والدین نادار ہوں تو اولاد پر ان کا خرچ اٹھانا فرض ہوتا ہے۔  
 والدین کا تعلق اور سب تعلقات پر بھاری ہے یہاں تک کہ اگر ایسی صورت  
 پیدا ہو جائے کہ بیوی کا وجود اپنے اور والدین کے درمیان دیوار بن رہا ہو اور اصلاح  
 کی کوئی تدبیر نہ بنتی ہو تو بعض حالات میں بیوی کو طلاق دے دینے کا حکم ہے۔  
 والدین غیر مسلم ہوں تو جب بھی ان کے حقوق میں کمی نہیں آتی۔ ہاں جیسا کہ قرآن حکیم  
 میں ارشاد ہے امور دین میں کافر والدین کی متابعت نہ کی جائے۔ ان کو اسلام کی ترغیب  
 دلائی جاتی رہے کیونکہ یہی ان کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

### محبت و احترام

والدین انتہائی درجہ کی محبت اور احترام کے مستحق ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل  
 (آیت ۲۳، ۲۴) میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم  
 دیا ہے۔ ان کے بڑھاپے کے لیے یہ ہدایات خصوصیت سے دی ہیں کہ انہیں حرفِ افسوس  
 نہ کہو، انہیں مت ڈانٹو، ان سے مؤدبانہ بولو، ان کے سامنے رحمت آمیز نیا زبانی  
 سے رہو اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے رحمت کی دعا مانگو۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنے والدین پر شفقت کی نظر ڈالتا ہے اس کے لیے  
 ایک مقبول حج لکھا جاتا ہے۔

والدین کے احترام کے ضمن میں یہ بھی لازم ہے کہ آدمی دنیا میں ایسا طرز عمل اختیار کرے  
 کہ اس کے والدین کا اہل دنیا احترام کریں۔ یعنی نیکو کار ہو، دوسروں کے والدین کی تعظیم کرے  
 اور ان کی گستاخی نہ کرے۔ دوسروں کے والدین کو برا کہنا اپنے والدین کو برا کہنے کے برابر ہے۔

### تعمیل حکم

سوائے اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔ والدین کے  
 حکم کی تعمیل میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک  
 ہے کہ اگر والدین تجھے کُتبہ اور دنیا سے نکل جانے کا حکم دیں تو جب بھی ان کی نافرمانی  
 نہ کر۔

لہ ویکھو سورۃ العنکبوت



## خدمت

بعض حالات میں والدین کی خدمت جہاد سے بالاتر ہوتی ہے۔ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جہاد کی اجازت لینے آیا۔ آپ نے فرمایا! کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا، ہاں، فرمایا، تو واپس جا اور ان کی خدمت میں جدوجہد کر۔ (ریاض الصالحین)

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا، وہ تیرے جنت و دوزخ ہیں (ابن ماجہ) مطلب یہ کہ اگر تم ان کی رضا حاصل کر لو تو جنت میں جاؤ گے اور اگر رضا سے محروم رہ گئے تو دوزخ میں داخل ہو گے۔

والدین کی نافرمانی کو حدیث میں کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے (ترمذی) اور بتایا گیا ہے کہ والدین کی نافرمانی کی عقوبت انسان کو اس زندگی ہی میں گھیر لیتی ہے۔

## والدین کی ناراضی سے بچنا

انسان کو والدین کی ناراضی سے بچنا چاہیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین دعائیں بلاشبہ قبول ہوتی ہیں: مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا اور والد کی دعا بیٹے پر (ترمذی) یہ حدیث بتاتی ہے کہ والدین کی دعا ہو یا بد دعا وہ اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے۔

## والدین کے اقارب سے سلوک

جناب ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے والدین ہی کی محبت اور خدمت گزاری پر تاکید نہیں فرمائی بلکہ ان کے اقارب کی محبت اور خدمت گزاری کی بھی تاکید فرمائی ہے۔ ایک دفعہ آپ نے حضرت عباسؓ کے بارے میں فرمایا کہ جس نے میرے چچا کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ چچا باپ کے مثل ہوتا ہے (ترمذی)

## والد کے دوستوں اور والدہ کی سہیلیوں سے سلوک

والد کے دوستوں کو چچا کے برابر اور والدہ کی سہیلیوں کو خالہ کے برابر سمجھنا چاہیے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہترین نیکی یہ ہے کہ والد کے تعلقات کو زندہ رکھا جائے۔

## والدین کی خدمت گزاری کا حق ان کی زندگی کے ساتھ ختم نہیں ہوتا بعد میں بھی جاری رہتا ہے۔ ان کے لیے دعا و استغفار کرتے رہنا چاہیے۔

والدین کی خدمت گزاری کا حق ان کی زندگی کے ساتھ ختم نہیں ہوتا بعد میں بھی جاری رہتا ہے۔ ان کے لیے دعا و استغفار کرتے رہنا چاہیے۔

اولاد کی نیکی کا ثواب والدین کو بھی پہنچتا ہے۔ اس لیے والدین کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ انسان نیک ہو کر رہے تاکہ جنت میں اس کے والدین کے درجات بڑھیں۔

### حدیث (۴۲)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ان سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

رَغِمَ أَنْفُهُ رَغِمَ أَنْفُهُ قِيلَ مَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ

اس کی ناک خاک آلود ہوئی اس کی ناک خاک آلود ہوئی عرض کیا کیا یا رسول اللہ کس کی؟

قَالَ مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا

فرمایا، جس نے اپنے ماں باپ میں سے ایک یا دونوں کو ران کے بڑھاپے میں پایا

ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

(اور) پھر جنت میں داخل نہ ہوا۔ اس کی روایت مسلم نے کی

### تشریح حدیث (۴۲)

رَغِمَ أَنْفُهُ؛ لغوی معنی ہیں: اس کی ناک خاک آلود ہوئی۔ یہ غموماً اس وقت ہوتا ہے جب آدمی زمین پر ناک سے لکیریں کھینچتا ہے لہذا اس سے مراد ہے: وہ ذلیل ہوا۔ رَغَام کے معنی ہیں خاک۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس کو بوڑھے والدین کی خدمت کا موقع ملا اور اس نے پہلوتھی کی تودہ دنیا میں ذلیل اور آخرت میں محروم جنت ہوگا۔

### حدیث (۴۳)

وَعَنِ الْمَغِيرَةِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور مغیرہ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ وَوَادَّالْبَنَاتِ

اللہ نے یقیناً تم پر حرام بھڑائی ہے نافرمانی ماؤں کی اور بیٹیوں کو زندہ کاڑنا

وَمَنْعًا وَهَاتِ وَكِرَةً لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ

اور سُخْل اور گدائی اور تمہارے لیے بُرا جانا قیل و قال

وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور سوال کی کثرت اور مال کا ضائع کرنا متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی

مَنْعٌ : روک لینا۔ نہ دینا۔ یہاں اس سے مراد سُخْل ہے چاہے اپنے پاس سے کچھ نہ دینا یا دوسرے کا حق روک لینا۔

هَاتِ : اس کے لغوی معنی ہیں، لا مراد ہے مانگنا، گداگری۔

قِيلَ وَقَالَ : قِيلَ کہا گیا قَالَ اس نے کہا۔ محاورہ میں قیل و قال سے مراد ہے فضول باتیں اور افواہ بازی۔

كَثْرَةُ السُّؤَالِ : پوچھنے کی کثرت۔ مراد ہے بے کار مباحث میں کربد کرنا۔

## تشریح حدیث (۴۳)

حدیث بالا میں مذکورہ ذیل امور سے منع کیا گیا ہے۔

۱۔ ماں کی نافرمانی

اس پر مفصل بحث والدین کے زیر عنوان دیکھیں۔

۲۔ بیٹیوں کو زندہ دفن کرنا

طبعاً اسلام سے قبل عرب میں کہیں کہیں کم سن اولاد کے قتل کا رواج تھا۔ کبھی تو دیوناؤں کو زندہ چڑھانے کے لیے لیا کرتے تھے اور کبھی افلاس کے ہاتھوں مجبور ہو کر ان سے پیچھا چھڑاتے تھے۔ لڑکیوں کے قتل کا محرک عام طور پر یہ ننگ ہوتی تھی کہ بوی شمس ان کا داماد نہ کہلا سکے۔ جو لوگ اس نقطہ نظر کے حامل تھے وہ بیٹی کو اپنی آبرو کے لیے آفت سمجھتے تھے اور اس کی پیدائش پر یہاں تک غضب ناک ہو جاتے کہ اسے زندہ کاڑھتے تھے۔

اسلام نے اس ظلم کا قلع قمع کیا۔ اولاد کی قربانی کی قانوناً بندش کی۔ جو لوگ فاتحہ کے خوف سے بچوں کو ہلاک کرتے تھے انہیں قرآن حکیم نے بتایا کہ تمہارا اور ان کا رزق رسال اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے انہیں اس کے خوف سے ان کی جانیں نہ لو۔ جو بچیاں زندہ درگور کی گئی تھیں ان کی بے بسی اور مظلومیت کا وہ نقشہ کھینچا کہ آنکھیں بے اختیار اشکبار ہو جاتی ہیں۔

### ۳۔ بخل

معاشرہ اور ریاست کا قیام و حفاظت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ خرچ کرنے کو سرمایہ نہ ہو۔ اگر ہر شخص اپنے سرمایہ کو بند کر کے رکھ لے یا صرف ذاتی مفاد میں خرچ کرے تو معاشرہ اور ریاست کے اخراجات کہاں سے آئیں گے بیشتر ادارے اور جماعتی تحریکیں قائم نہیں ہو سکیں گی۔ اور قوم کی فلاح و بہبود کی امید ختم ہو جائے گی۔ جو قوم بخیل ہو اور اپنی تجوریوں کا منہ بند رکھے وہ ہلاکت کا شکار ہو جاتی ہے۔ غریب طبقہ سوسائٹی کے ایک معتد بہ حصہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ ترقی سے محروم ہو جائے تو قوم کے بدن کا ایک کثیر حصہ مفلوج ہو جاتا ہے۔ محتاجی کی حالت میں غریب عوام چوری وغیرہ پر مجبور ہو جاتے ہیں جس سے قوم کا اخلاقی نظام برباد ہوتا ہے اور نظم و نسق میں خلل پڑتا ہے۔

بخل میں ایک خرابی نہیں ہزار درہزار خرابیاں ہیں۔ ان سب کا ایک جامع نام ہلاکت ہے۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۹۲ میں ہدایت ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت کی گود میں نہ جاؤ۔

دولت کا فائدہ یہ ہے کہ اسے خرچ کیا جائے ورنہ یہ انسان کی روحانی اور مادی زندگی کو گھن کی طرح کھا جاتی ہے۔ ذمیوی اور آخروی دونوں زندگیاں اندوہناک ہو جاتی ہیں۔ سورۃ البقرہ کے پینتیسویں رکوع سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ بخیل ہیں یا خرچ کرتے ہیں لیکن اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کے انجام کی مثال یوں ہے جیسے کسی کا ہر ابھرا باغ عین اس وقت جل، جائے جب کہ بڑھاپا آچکا ہو اور اولاد نالواں ہو۔

قرآن حکیم میں انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی بہت تاکید ہے اور اس کا عظیم اجر بتایا گیا ہے۔

### ۴۔ گداگری

اسلام ہاتھ سے کما کر کھانے کا حکم دیتا ہے اور دوسروں کے سہارے جینے سے منع

کرتا ہے۔ گداگری ممنوع ہے۔ صرف انتہائی مجبوری کی صورت میں مانگنے کی اجازت ہے مگر اسی قدر کہ ضرورت پوری ہو جائے اس سے زائد مانگنا حرام ہے۔ اس بارے میں چند احادیث درج ذیل ہیں:

جو شخص دولت بڑھانے کے لیے گداگری کرتا ہے وہ انکارے مانگتا ہے۔  
 آدمی گدائی کیے جاتا ہے حتیٰ کہ جب وہ قیامت کے روز آئے گا تو اس کے چہرے پر گوشت کی بوٹی تک نہ ہوگی۔

رستے لے کر اپنی پیٹھ پر ایندھن کا گھٹا اٹھالانا اور اسے بیچ کر اپنی عزت بچانا اس سے بہتر ہے کہ آدمی لوگوں سے مانگے۔ (مشکوٰۃ)

### ۵۔ قیل و قال

بے مطلب گفتگو کا دامن بڑھانا اور افواہیں پھیلانا گمراہی کا سبب ہوتا ہے صاحب حکمت انسان وہی ہے جو مطلب کی بات سے غرض رکھتا ہو اور اسی بات کو قبول کرتا ہے جس کے درست ہونے میں شبہ نہ ہو۔

### ۶۔ بے کار مباحث

جناب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں جس بات سے منع کروں اس سے رک جاؤ اور جس بات کا حکم دوں اس پر طاعت بھر عمل کی کوشش کرو اور سوالات کی کثرت سے بچو۔ (اربعین نووی)

یہاں جن سوالات سے منع کیا گیا ہے وہ غیر ضروری سوالات ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرائض لازم قرار دیے ہیں، ان کو ضائع نہ کرو، کچھ حدود مقرر کیں، ان سے آگے نہ نکلو۔ بعض چیزیں حرام مہٹھرائیں، ان کی حرمت نہ ٹورو اور بعض چیزوں سے خاموش رہا تم پر رحم کی خاطر، بھول چوک سے نہیں، ان کو نہ کریدو۔

(اربعین نووی)

جن امور میں اہل اسلام کو واضح احکام مل چکے ہیں ان میں کرید کر کے مشکل پہلو نہیں ڈھونڈنے چاہئیں۔ ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم دنیا والوں کے بوجھ اور گلے کے طوق اتارنے آئے تھے جو بوجھ اور طوق حضور نے دور کر دیے ذہن کو ان کی طرف مائل نہ کیا جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب حج کا حکم نازل ہوا تو کسی نے اٹھ کر سوال کیا، کیا ہر سال؟ حضور چپ رہے۔ پھر عرض کیا، کیا ہر سال؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔ اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو واجب ہو جاتا (ترمذی)، آپ کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں میں

سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کوئی سوال پوچھا اور اس کے جواب میں کوئی چیز حرام ٹھہرائی گئی (حجۃ اللہ البالغہ) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشکل مسائل اٹھانے سے بھی منع فرمایا ہے (شرح اربعین ص ۱۰)

صحابہ کرامؓ کا قاعدہ تھا کہ حضورؐ سے بہت کم مسائل پوچھتے تھے اور جب کوئی اجنبی بد آکر حضورؐ سے بے محابا سوال کرتا تو وہ متعجب ہوتے تھے (شرح اربعین ابن حجر) آپؐ نے فرمایا ہے، جب تک میں تمہیں اپنے حال پر رہنے دوں مجھے بھی اپنے حال پر رہنے دوئے۔ بعض سابقہ امتوں نے بھی سوالات کی کثرت کی۔ ان کو جواب ملے اور وہ ان پر عمل نہ کر سکیں تو تباہ ہو گئیں۔ بنو اسرائیل کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم ملا تھا جس کا ذکر سورۃ البقرہ میں ہے۔ اگر وہ نہ پوچھتے کہ گائے کیسی ہونی چاہیے تو جو گائے وہ چاہتے ذبح کر سکتے تھے لیکن انہوں نے سختی کی تو ان پر بھی سختی کی گئی۔

(حجۃ اللہ البالغہ)

### ۶۔ مال ضائع کرنا

اسلام میں نہ صرف جائز کمائی کا حکم ہے بلکہ جائز خرچ کی بھی پابندی ہے جو آدمی اپنی دولت بے کار اڑاتا ہے وہ اسلام کی نگاہ میں مجرم ہے۔ انسان کو اعتدال سے کام لینا چاہیے۔ صرف جائز امور میں اپنی توفیق کے لحاظ سے خرچ کرے۔ قرآن کریم میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

### حدیث (۴۴)

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

أَدْرَعِبْدَ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو سے روایت ہے کہ، فرمایا رسول اللہ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْكِبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدِيهِ

صلی اللہ علیہ وسلم نے، آدمی کا اپنے والدین کو برا کہنا، کبیرہ گناہوں میں سے ہے

قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدِيهِ

صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا مرد اپنے ماں باپ کو برا کہتا ہے؟

لہ ابن حجر نے صحیفہ ہمام بن منبہ

قَالَ نَعَمْ يُسِبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيُسِبُّ أَبَاهُ

فرمایا، ہاں! وہ کسی کے باپ کو بُرا کہتا ہے تو وہ اس کے باپ کو بُرا کہتا ہے

وَيُسِبُّ أُمَّهُ فَيُسِبُّ أُمَّهُ مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ

اور وہ اس کی ماں کو بُرا کہتا ہے تو وہ (جو اباً) اس کی ماں کو بُرا کہتا ہے۔ متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی

لشتم اور سب ہم معنی ہیں۔ معمولی بُرا کہنے سے گالی گلوتج تک کا مفہوم رکھتے ہیں۔

### تشریح حدیث (۴۴)

نوٹ: سابقہ صفحات میں والدین کا عنوان دیکھیے۔

### حدیث (۴۵)

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور انسؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ

جو چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت کی جائے

وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ

اور اس کی اجل میں تاخیر کی جائے تو وہ اپنا رشتہ پیوستہ رکھے۔ متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی

أَحَبَّ: اس نے چاہا

نَسَأَ: اس نے مؤخر کیا۔ يُنْسَأُ مضارع مجہول۔

أَثَرُ: اصل میں نشانِ قدم کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے اجل مراد ہے۔

حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تقدیر کا پابند نہیں، وہ جب چاہے

اسے بدل دے۔

## تشریح حدیث (۴۵)

### اقارب

اسلام ہمیں سچے مسلمانوں سے قلبی تعلق رکھنے کا حکم دیتا ہے لیکن ساتھ ہی فطری محبت کو بھی ملحوظ رکھتا ہے اور قربت کے لحاظ سے درجہ بہ درجہ حقوق قائم کرتا ہے، لہذا اقارب یعنی رشتہ داروں کے حقوق اور اولیٰ پر فائق ہیں۔

رشتہ داروں سے انسان کو طبعی محبت ہوتی ہے۔ اگر کبھی ناراضی پیدا ہو جائے تو اس کو دور کرنے کا ہمیشہ قریبی امکان رہتا ہے اس لیے رشتہ داروں کے ساتھ جو معاشرت قائم ہوتی ہے وہ سچتہ رہتی ہے۔

جس جاں نثاری کا ثبوت رشتہ دار دیتے ہیں اس کی توقع اور اولیٰ سے مشکل ہے مستحکم برادری والے انسان کا دل مضبوط رہتا ہے۔ اسے علم ہوتا ہے کہ مصیبت کے وقت رشتہ دار ہر ممکن قربانی دیں گے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے بھائی اور عم زاد کے دم سے (اکیلا) آدمی کثیر ہوتا ہے۔ رشتہ دار زندگی کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں پریشانیاں حتیٰ الوسع قریب نہیں آتیں۔ انسان کی بدنی اور ذہنی قوتیں محفوظ رہتی ہیں۔

مستحکم رشتہ داری ایک عظیم قوت ہے جس سے بڑے بڑے کام لیے جاتے ہیں۔ رشتہ داروں کے سامنے جیب کوئی فلاح و بہبود کا منصوبہ آتا ہے تو اسے تن دہی اور ایثار سے انجام پذیر کرتے ہیں۔ خاندان کا سربراہ اس منصوبہ کو ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ رقم کی ضرورت ہو تو سب اپنا اپنا حصہ خوشی سے ادا کرتے ہیں۔ ادا نہ کر سکیں تو منصوبہ ملتوی نہیں ہوتا بلکہ صاحب مقدر رشتہ داران کا حصہ ادا کر دیتے ہیں اور حساب بعد میں بے باقی ہو جاتا ہے۔ چونکہ ہر شخص کو صرف اپنی نہیں اپنے رشتہ داروں کی بھلائی بھی منظور ہوتی ہے اس لیے دل لگا کر کام کرتا ہے مکان بنانے ہوں، کنویں کھودنے ہوں، کھیت آباد کرنے ہوں، جہاں رشتہ داروں کا تعاون ہو وہاں توقع سے بڑھ کر کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرابت نوازی، حسن خلق اور خوشگوار ہمسائیگی سے بستیاں آباد ہوتی ہیں اور عمریں دراز ہوتی ہیں (کنز العمال) حدیث ہے کہ جس نیکی کا ثواب سب سے جلد ملتا ہے وہ قرابت نوازی ہے حتیٰ کہ خاندان والے فاجر بھی ہوں لیکن رشتہ داری بحال رکھتے ہوں تو ان کے اموال منور پذیر ہوتے ہیں اور ان کی تعداد بڑھتی ہے۔ کوئی خاندان بھی ایسا نہیں کہ اس میں اتحاد ہو اور اس کو احتیاج آئے (کنز العمال)۔



اللہ تعالیٰ نے رشتہ قرابت میں اپنی رحمت اور برکت و دیوت کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی برکتوں کی ایک سبیل یہ مقدس رشتہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ ان بندوں سے بہت خوش ہوتا ہے جو اپنے رشتہ کو ٹوٹنے نہیں دیتے۔ وہ ان پر اپنی رحمتوں کی بارش کرتا ہے۔ ان کی زندگی کے سارے رخنے دور کرتا ہے اور ان کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑ دیتا ہے۔ احادیث میں وضاحت کی گئی ہے کہ رحم (قرابت) کی اصل رحمٰن ہے۔ جس نے اسے جوڑا اللہ تعالیٰ اس کی خشکی دور کرتا ہے اور جس نے اسے شکستہ کیا اللہ تعالیٰ اسے شکستہ حال کر دیتا ہے۔

قرابت داروں سے سچی محبت اور قلبی تعاون کی توقع ہوتی ہے اس لیے اسلام میں قرابت کو استوار رکھنے کی بہت تاکید ہے۔ سورۃ الرعد میں اللہ تعالیٰ نے عقل مندوں کی ایک صفت یہ بتائی ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے ملانے کا حکم دیا ہے اسے ملاتے ہیں مراد یہ کہ وہ قرابت کو توڑتے نہیں بلکہ جوڑے رکھتے ہیں۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین عمل ایمان باللہ کے بعد رشتہ قرابت کا جوڑنا ہے۔ (کنز العمال) حضور نے تاکید فرمائی ہے کہ اپنے انساب سیکھو جن سے تم اپنی قرابت استوار رکھتے ہو (کنز العمال)

اقارب کی دل جوئی کسی حال میں نظر انداز نہیں کرنی چاہیے۔ جو آدمی اپنے رشتہ داروں کی محبت کی گرمی کم کرتا ہے وہ بہت بڑی کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنی قرابت کو تازہ کرتے رہو چاہے سلام کے ذریعے ہی ہو (کنز العمال) مراد یہ کہ اور کوئی خدمت انجام نہ دے سکو تو وقت ملاقات سلام کر کے ہی قرابت داری کی یاد تازہ کرتے رہو۔

بارہا ایسے رشتہ داروں سے پالا پڑ جاتا ہے جن کے دل محبت سے خالی ہوتے ہیں۔ ان سے سوائے کینہ کے اور کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ ایسے رشتہ دار بے شک پریشانی اور ملال کا باعث ہوتے ہیں لیکن یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا موقع بھی مہیا کر دیتے ہیں۔ ان کی کینہ تو زمی اور شرا نیگری کا تحمل کر کے ان کے ساتھ تعلقات جوڑے رکھنے کی انتہائی تاکید ہے۔

جو آدمی قرابت کو قطع کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے غضب کا سزاوار ہو جاتا ہے۔ قاطع رحم کا عمل قبول نہیں ہوتا۔ وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

مسلمان کے حسن سلوک کے مستحق اس کے سب رشتہ دار ہیں چاہے مسلم ہوں یا غیر مسلم

لیکن مدارج میں فرق ہے۔

رشتہ دار غریب ہوں تو ان کی مالی امداد واجب ہوتی ہے۔ والدین، اولاد، دادا اور پوتا کا نفقہ چاہے وہ غیر مسلم ہی ہوں واجب ہے۔ ان کے بعد جو اقارب آتے ہیں ان کے نفقہ کے واجب ہونے کے لیے اتحاد دین ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں ایک غریب بچہ تھا۔ اس کے چچے بھائی اس کو خرچ نہیں دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں قید میں ڈال دیا۔

ایک دفعہ ایک یتیم کا سرپرست حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ نے اسے یتیم پر خرچ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر مجھے اس کا کوئی ایسا رشتہ دار ملتا جس سے اس کا بعید ترین تعلق ہو تو جب بھی اس پر اس کا نفقہ لازم قرار دیتا۔ (زاد المعاد - جلد ۲)

# بَابُ الشَّفَقَةِ وَالرَّحْمَةِ عَلَى الْخَلْقِ

## معنی و مفہوم

شَفَقَةٌ: اس نرم دلی اور خیر خواہی کو کہتے ہیں جس میں اندیشہ شامل ہو یعنی جس کی خیر خواہی مقصود ہو اس کے بارے میں رہ رہ کر یہ خیال آئے کہ اسے کوئی ضرر یا تکلیف نہ پہنچے جیسے ماں اپنے ننھے کو موسم کی سختی سے بچاتی ہے۔ اردو میں ترس کہیں گے شفقّت کی مندرجہ ذیل مثالیں ہو سکتی ہیں:

کسی مسلمان کو بے آبروئی سے بچانا مثلاً اس کی غیبت نہ ہونے دینا۔

پریشان حال آدمی کی مدد اور فکر کرنا۔

پڑوسی کے آرام و سکون کا خیال رکھنا۔

رَحْمَةٌ: رحمہ، رَحْمَةٌ اور مَرْحَمَةٌ کے معنی ہیں: ترس یعنی وہ خیر خواہی جس میں گداز قلب شامل ہو مثلاً چھوٹے بچوں، لڑکیوں، بوڑھوں، یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرنا۔

شفقت اور رحمت قریب المعنی ہیں۔ جدید نفسیات کی رو سے ان دونوں جذبوں کا تعلق مادری جبلت سے ہے۔ مادری جبلت سے مراد وہ جبلت ہے جو دوسری کی پرورش اور خبر گیری کرنے کے لیے بے تاب رہتی ہے۔

خَلْقٌ: خَلْقٌ کا لفظ یہاں اسم مصدر ہے اور خلیقہ یا مخلوق کے معنی رکھتا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک خَلْقٌ کا لفظ انسانوں کے لیے ہے اور خلیقہ جانوروں کے لیے آتا ہے لیکن اس فرق کو حتمی حیثیت حاصل نہیں۔

## حدیث (۲۶)

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

لَا يَرْحَمُ اللَّهُ مَنْ لَمْ يَرْحَمِ النَّاسَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ متفق علیہ ہے

### تشریح حدیث (۲۶)

انسان اپنی تمام تر صلاحیتوں اور قوتوں کے باوجود نہایت کمزور ہے، قیم قیم پر اے بے بسی اور لاچارگی کی صورت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس میں وہ اللہ تعالیٰ کے رحم کا سہارا لیتا ہے۔ تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اللہ نے اپنے رحم کو دوسروں پر رحم سے مشروط کر دیا ہے جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر اللہ بھی رحم نہیں کرتا۔

زندگی دکھ اور سکھ سے عبارت ہے۔ انسان کی بہت سی مصائب و تکالیف ایسی ہیں جو دوسرے انسانوں کی مدد سے دور کی جاسکتی ہیں۔ اس لیے ہر انسان کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے ہمدردی رکھے اور ان کے دکھوں کا مداوا کرنے کی حتی المقدور کوشش کرے انسانیت کے اعلیٰ درجے کا تقاضا یہی ہے کہ انسان مذہب، رنگ، نسل، زبان، وطن، قومیت وغیرہ کے امتیاز سے بالا ہو کر ہر انسان کے دکھ میں اس کے کام آئے۔ اس حدیث شریف سے اسی بات کی تعلیم ملتی ہے۔

### حدیث (۲۷)

وَعَنِ النَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور نعمان بن بشیر سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

تُرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاهِمِهِمْ وَتَوَادِهِمْ وَتَعَاطِفِهِمْ

تو مومنوں کو دیکھے گا ان کی باہمی رحم دلی میں اور باہمی محبت میں اور باہمی مہر میں

كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عَضْوُهُ

ایک بدن کی مثال جب ایک عضو بیمار ہو

تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمَى مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

تو (تو) سارا بدن اس کی خاطر بے خوابی اور بخار کی دعوت دیتا ہے۔ متفق علیہ ہے

## الفاظ کے معانی

تَوَادُّ : (باہمی محبت)۔ اصل میں تَوَادُّد ہے۔  
تَرَاحُمٌ : ایک دوسرے پر رحم کرنا تَعَاوُنٌ : تعاون اور باہمی مہربانی۔ ارتباط۔  
تَدَاعَى : ایک دوسرے کو بلا یا یعنی اعضاء نے ایک دوسرے کو بلا یا یا دعوت دی۔

## تشریح حدیث (۲۷)

مسلمانوں کی شخصیت میں جذبہ ایمان کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ جن افراد کے دلوں میں ایک سا ایمان ہو ان کی زندگی کا جذباتی مرکز بھی ایک ہو گا۔ ان کی مثال زندہ جسم کے مانند ہوگی جس کے اعضاء کا مرکز حیات ایک ہے۔

اصحابِ ایمان کا آپس میں وہی رشتہ ہے جو اعضائے بدن کا باہم دگر ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں۔ انسانی جسم میں سے اگر کسی عضو کو زخم آئے یا پھوڑا نکلے اور اس کے دکھ سے بخار آجائے تو سب صرف اسی عضو تک محدود نہیں بلکہ سارے بدن میں سرایت کر جاتا ہے۔ سب اعضاء بے چین ہو جاتے ہیں۔

ایمان اور باہمی محبت لازم و ملزوم ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تک تم ایمان نہ لاؤ گے جنت میں داخل نہ ہو گے اور جب تک تم میں باہمی محبت نہ ہوگی صاحبِ ایمان نہ ہو گے۔ جو مسلمان دوسرے مسلمان کے دکھ میں شریک نہیں ہوتا اور اسے رفع کرنے کی کوشش نہیں کرتا وہ ایک بہت بڑے اخلاقی فریضہ سے کوتاہی کرتا ہے۔

ایک دوسرے کی دستگیری مادی لحاظ سے ہی نہیں روحانی اعتبار سے بھی ہونی چاہیے۔ اگر کوئی مسلمان کسی گناہ کا عادی ہو جائے تو اس سے یہ عادت چھڑانی چاہیے۔ گناہ کی بیماری سب سے بڑھ کر خطرناک بیماری ہے۔ اس کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرنا چاہیے۔

## اخوت

قرآن حکیم کا ارشاد ہے: **إِنَّمَا الْمُسْلِمُونَ إِخْوَةٌ** (مسلمان تو بھائی بھائی ہیں) حجۃ الوداع کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ سے زائد صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو! میری بات سنو اور سمجھو۔ جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ سب اہل اسلام کی ایک برادری ہے۔ کسی شخص پر اس کے بھائی کا مال حلال نہیں

جب تک وہ خود اجازت نہ دے۔ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ (طبری)  
مسلمان باہمی مروت و رحمت اور شفقت میں ایک جسد کے مانند ہیں۔ ایک عضو بیمار ہو تو  
کل جسم بے خواب اور بخار آلودہ ہو جاتا ہے۔

اسلامی اخوت کا رشتہ ناقابل شکست ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ اگر کوئی مسلمان اسے  
ٹوٹ لینا چاہے تو وہ اسلام سے ہی کٹ جاتا ہے۔ مسلمان کو قطعاً روانہ نہیں کہ اپنی جماعت کو  
چھوڑ کر اغیار کے ساتھ قلبی روابط رکھے۔ صاحب ایمان شخص کی دنیا اللہ تعالیٰ اور  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صالح مومنین کے لیے وقف رہتی ہے۔ وہ ان سے پورا  
خلوص رکھتا ہے۔

### جذبہ اخوت کی تقویت

ہر مسلمان کو لازم ہے کہ دیگر مسلمانوں کے ساتھ برادرانہ تعلقات بڑھاتا رہے  
مثلاً :

- ۱۔ کشادہ پیشانی سے ملے۔
- ۲۔ ملاقات کے وقت سلام کرے۔
- ۳۔ کوئی دعوت پر بلائے تو قبول کرے۔
- ۴۔ بیمار کی عیادت کرے۔
- ۵۔ وقتاً فوقتاً ملاقات کو جائے۔

### نا اتفاقی کی ممانعت

جس قوم میں نا اتفاقی پیدا ہو جائے وہ ضعف کا شکار ہو جاتی ہے۔ قرآن و حدیث  
میں آیا ہے کہ آپس میں مت جھگڑو ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی  
مسلمان کو بُرا کہنا فسق ہے اور اس سے جنگ روا جاننا کفر۔  
حدیث ہے کہ مسلمان کو روانہ نہیں کہ اپنے (مسلمان) بھائی کی طرف ایسی نگاہ سے  
بھی اشارہ کرے جس سے وہ رنجیدہ ہوئے۔

### باہمی حقوق

۱۔ مکمل خیر خواہی اور اعانت

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر مختصراً یہ حق ہے کہ اس کا دل اور اس کی زبان اس کی

لہ اجیاء العلوم باب حقوق المسلم

خیر خواہ ہوں اور ضرورت پڑنے پر ہر جانی اور مالی ایثار کے لیے تیار ہو جائے قرآن حکیم نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کی جائیں اور ان کے اموال جنت کے عوض خرید لیے ہیں۔ اس سے یہی مراد ہے کہ مومن کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی خدمت کے لیے ہر وقت آمادہ رہنا چاہیے۔ اسلام بے شک اپنے پیروؤں سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ سب نوع انسانی کی بھلائی کے لیے مستعد رہیں لیکن جو مقام اور خصوصیت اپنے مسلمان بھائیوں کے حقوق کی ہے اسے کوئی اور کیونکر پہنچ سکتا ہے۔

خیر خواہی صرف دنیوی معاملات تک محدود نہیں ہو سکتی بلکہ آخروی تیاری میں بھی مطلوب ہے۔ اسلام نیک بنتے اور نیک بنائے کا حکم دیتا ہے۔ برائی کی روک تھام اور نیکی کی اشاعت ہو تو اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جماعت کی خرابیاں اور کمزوریاں دور ہو جاتی ہیں اور اس کی قوت بڑھتی ہے۔

اگر انسان اپنے ہاتھوں مدد کرنے سے قاصر ہو تو کسی اور کو ہی اس کی سفارش کر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا کہ کوئی صدقہ صدقہ زبان سے افضل نہیں۔ عرض کیا گیا، وہ کیسے؟ فرمایا:

ایسی سفارش جس سے تو خوں ریزی روکے، ایک کو دوسرے سے فائدہ دلوائے اور کسی سے ناپسندیدہ چیز کو دور کرے۔

زبانی مدد کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے مسلمان کی بھلائی کے لیے دعا کی جائے۔ چونکہ اس دعا میں خلوص ہوتا ہے اس لیے اس کو شرفِ باریابی حاصل ہو جاتا ہے۔ جناب رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی دعا اتنی سرعت سے قبول نہیں ہوتی جتنی کہ غائبانہ دعا۔ (ترمذی)

## ۲۔ ایثار یعنی اپنی ذات پر ترجیح

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک صحابی کو بھیڑ کی سری تحفہ میں بھیجی گئی۔ انہوں نے کہا، میرا فلاں بھائی زیادہ حاجت مند ہے، اسے بھجوا دی۔ اس شخص نے آگے دوسرے کو بھجوا دی اور سری سارے آدمیوں سے ہو کر پہلے کے پاس لوٹ آئی۔

## ۳۔ مسلمان بھائی کے حق میں اچھا بولنا

اگر کسی مجلس میں دیکھے کہ کسی مسلمان کے خلاف ناحق تہمت تراشی ہو رہی ہے تو اس کا واجب جواب دے۔ آبرو انسان کی سب چیزوں سے قیمتی متاع ہے۔ مسلمان کی آبرو کو ناحق تیروں سے بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

## ۲۔ ہر حال میں جماعت سے وابستگی

سچے مسلمان کے دل میں یہ سچتہ احساس ہوتا ہے کہ وہ جماعت کا ایک مستقل رکن ہے۔ اس کی زندگی جماعت کی زندگی سے جدا نہیں۔ وہ ملت اسلامیہ کے نفع و ضرر اور مسرت و الم میں برابر کا سا جھی ہے۔ اسے کسی وقت جماعت کی بہبود اور ترقی سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔ اگر قوم وقتی طور پر زوال کی زد میں آجھی جائے تو اس سے مایوس ہو کر اوروں کی طرف راغب نہ ہو بلکہ اس کے مستقبل کو سنوارنے کے لیے اپنی زندگی وقف کر دے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنی جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہوا اور اسی حالت پر مر گیا تو اس نے جاہلیت کی موت یعنی کافروں کی سی موت پائی (بخاری)

## حدیث (۴۸)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ان سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

الْمُؤْمِنُونَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ إِنْ اشْتَكَى عَيْنُهُ

سب مومن فرد واحد کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ بیمار ہو

اشْتَكَى كَلْبُهُ، وَإِنْ اشْتَكَى رَأْسُهُ اشْتَكَى كَلْبُهُ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ

تو اس کا سارا بدن بیمار ہو جاتا ہے اور اگر اس کا سر بیمار ہو تو اس کا سارا بدن بیمار ہو جاتا ہے اس کی روایت مسلم نے کی۔

نوٹ: اس حدیث کی تشریح کے لیے دیکھیے حدیث ۴۴ کی تشریح

## حدیث (۴۹)

وَعَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

اور ابو موسیٰ سے منجانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روایت ہے، آپ نے فرمایا،

الْمُؤْمِنُ مِنَ الْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا

مومن، مومن کے لیے گویا عمارت ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو بائند کرتا ہے

سہ یعنی نعمان بن بشیر سے۔



ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

پھر آپ نے اپنی انگلیوں کی جالی بنائی متفق علیہ ہے

الفاظ کے معانی

بُذِيَانٌ : مصدر معنی معول ہے جیسے اردو میں تعمیر کا لفظ عمارت کے لیے آتا ہے۔

شَبَّ : بانڈھا، مضبوط کیا۔ يَشُدُّ بانڈھتا ہے مضبوط کرتا ہے۔ گستا ہے۔

بعض : حصہ۔

شَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے

ہاتھ کی انگلیوں سے گزار کر انہیں جالی بنا بنا کر یہ دکھایا کہ مسلمان جالی کے تاروں کی

طرح آپس میں ایک دوسرے سے پیوستہ ہوتے ہیں۔

مفصل شرح کے لیے اخوت کا عنوان دیکھا جائے۔

### حدیث (۵۰)

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور انس سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ

تسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی بندہ (کامل، ایمان والا نہیں ہوتا

حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی وہ (بھلائی) نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے متفق علیہ ہے

نوٹ : اس حدیث کی تشریح کے لیے حدیث، ہم کی تشریح کے تحت اخوت کا

عنوان دیکھیے۔

## بَابُ الْحُبِّ فِي اللَّهِ وَمِنَ اللَّهِ

حُبِّ کے معنی ہیں کسی چیز کو دل سے چاہنا یا اس کی طرف مائل ہونا۔  
حَبَّةُ الْقَلْبِ : دل کے مرکز کو کہتے ہیں۔

حُبِّ ہیں حصول کی خواہش کا فرما ہوتی ہے یعنی آدمی جسے چاہے اسے یا اس کے  
اوصاف کو حاصل کرنے یا اپنی طرف متوجہ کرنے کا خواہاں ہو۔

حَبِّ یا أَحَبَّ (دل سے مائل ہوا، راغب ہوا، پسند کیا، پیار کیا، چاہا، خواہش کی۔  
(۲) پیارا لگا۔

مُحِبِّ : چاہنے والا خواہاں۔

حَبِيبٌ : پیارا لگنے والا۔ پیارا۔

حِبِّ : حَبِيبٌ کا ہم معنی ہے۔ اس سے حَبِّہ مونت ہے۔

حِبِّ کی جمع أَحْبَابٌ ہے۔

حَبِيبٌ : (۱) پیارا (۲) پیار کرنے والا۔ اس کی جمع أَحْبَابٌ، أَحْبَابًا اور أَحْبَبَةٌ ہے۔

محبت اشخاص ہی سے نہیں اشیاء اور اوصاف سے بھی ہوتی ہے۔

### حَسِّيٌّ اور عَقْلِيٌّ مَحَبَّت

محبت کا تعلق جبَّتِ حُصُولِ سے ہے۔ جبَّتِ حُصُولِ کے عموماً مندرجہ ذیل محرک  
ہوتے ہیں :

۱۔ لَذَّتْ : مثلاً لذیذ طعام یا جمیل لباس کی خوشی۔

۲۔ فَاوَدَهُ : مثلاً محض طعام یا محض لباس یا مکان کی ضرورت۔

۳۔ فَضِيلَتٌ : مثلاً علماء و صلحاء سے وابستگی کا سرور۔

محبت برائے لذت کا مرتبہ سب سے ادنیٰ اور محبت برائے فضیلت کا سب سے  
اعلیٰ یا ارفع ہوتا ہے۔ یہ ادنیٰ مرتبہ خالص حسِّيٌّ ہے۔ اگر انسان اسی کی سطح پر رہے تو اس  
میں اور جانوروں میں نمایاں فرق نہیں ہوتا۔ اس حسِّيٌّ محبت کو ہم جوں جوں عقل کے  
تابع کیے جاتے ہیں اس کا درجہ بلند سے بلند تر ہوتا جاتا ہے اور اس کو محض حیوانی ہیجانات  
سے امتیاز حاصل ہو جاتا ہے۔ حسِّيٌّ درجہ سے بلند تر ہونے کے بعد ہی ہم اسے صحیح معنی میں

جذبہ محبت کا نام دے سکتے ہیں اور نہ اس کا وجود وقت بہ وقت کے ایک ابھرتے اور  
دبتے ہوئے ہیجان سے زیادہ نہیں ہوتا۔ محبت برائے لذت محض حسّی محبت ہوتی ہے  
جو عقل کے فیصلوں سے پروا نہیں کرتی۔ اسی کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام  
کا ارشاد ہے:

مَحَبَّتُ الشَّيْءِ يَجْمَعُ وَيُصِدِّقُ

ترجمہ: تیرا کسی چیز سے محبت رکھنا اندھا اور بہرہ کر دیتا ہے۔

جب عقلی فیصلہ حسّی محبت کے اندھے اور بہرے ہیجان کو بس میں کر لے تو وہ جذبہ  
محبت معرض وجود میں آتا ہے جو انسان کو حیوانات سے ممتاز کرتا ہے۔ بعض علمائے نفسیات  
جذبہ عقلی تسلط کے اس حد تک قائل ہیں کہ ان کے نزدیک یہ جذبہ صرف فکری یا تصویری  
سے وابستہ ہوتا ہے نہ کہ مادی شے سے۔

اسلامی نقطہ نظر بھی یہی ہے مثلاً کھانے پینے کی خواہش میں غالب مقصد یہی ہونا چاہیے  
کہ زندگی کو ہلاکت سے بچایا جائے تاکہ آدمی دین و ملت کے کام آسکے۔ اس میں حسّی  
تلفّذ کو بھی ضرور کچھ دخل ہوتا ہے لیکن اصل غلبہ عقل کو ہے لہذا شرع کی زبان میں اسے  
عقلی محبت کہتے ہیں۔ بنیادی لحاظ سے عقلی محبت بھی حسّی اور طبعی ہی ہوتی ہے لیکن عقل  
اسے شرعی آداب کا پابند بنا دیتی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ دین  
کے بعد عقل کا سرچشمہ لوگوں سے محبت رکھنا اور ہر نیک و بد سے بھلائی کرنا ہے۔

(احیاء العلوم - حقوق الاخوان)

حسّی اور عقلی محبت کے درمیان کوئی تضاد یا تصادم نہیں ہوتا۔ حسّی محبت پر عقل و تدبّر  
کا پہرہ لگ جائے تو اسے عقلی محبت کہتے ہیں عقلی محبت مرتفع (SUBLIMATED)  
محبت ہوتی ہے۔

اللہ اور اس کے رسول سے محبت

عقلی محبت کا اصل الاصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم  
کی محبت سب محبتوں پر فائق ہے۔ اس محبت کو انسانی زندگی میں مرکزی حیثیت حاصل  
ہے۔ اسی کو ہم ایمان کا نام بھی دیتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ حُبَّ الْإِيمَانِ - (۴۹: ۷)

ترجمہ: اور لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب کر دیا۔

لہ البوداؤد، کتاب الادب، باب فی المہومی

انسان کو دیگر اشیاء سے بھی محبت ہو سکتی ہے لیکن ان سب محبتوں کو اسی محبتِ عظمیٰ کے تابع رہنا چاہیے۔ یہی محبت برائے فضیلت کا منتہا ہے۔  
محبتِ الہی کے تقاضے

۱۔ اطاعتِ دین۔

ارشادِ ربّانی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِيْ (ال عمران - ۳۱)

ترجمہ: (اے نبی!) کہہ دیجیے کہ تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم آپ کے وضو کے پانی کو بدن پر ملنے لگے حضور نے ان سے فرمایا، وہ کیا چیز ہے جو تم سے یہ کام کراتی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جسے اس بات کی خوشی ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے یا اللہ اور اس کا رسول اسے چاہیں تو اسے چاہیے کہ جب بولے تو سچ بولے، اسے امانت سونپی جائے تو امانت گزاری کرے اور اپنے پڑوسی سے اچھا پڑوس رکھے۔ (مشکوٰۃ)

۲۔ الْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالبِغْضُ فِي اللّٰهِ۔

یعنی اللہ کی راہ چاہنا اور اللہ کی راہ نہ چاہنا۔

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل ہدایات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

۱۔ کسی ایسی چیز سے تعلق نہ رکھا جائے جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دے۔ قلبی تعلق قائم کرنے میں پوری احتیاط سے کام لیا جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ آدمی اپنے دوست کی راہ پر ہوتا ہے۔ جو آدمی تیرا ہم خیال نہ ہو اس کا ہم نشین ہونے میں کوئی بھلائی نہیں۔ (احیاء العلوم حقوق الاخوة)

ب۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت رکھتے ہیں ان سے محبت رکھی جائے۔ یہ دینی محبت ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ دینی برادری رشتہ کی برادری سے مضبوط تر ہوتی ہے۔

ج۔ فساق سے چاہے وہ کلمہ اسلام پڑھتے ہوں قلبی محبت نہیں رکھنی چاہیے۔

ثمرات: آدمی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھے یعنی دل میں ایمان کی تڑپ ہو، اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے والمانہ عشق ہو اور اطاعتِ دین میں پوری طرح کوشاں رہے تو اس کا ثمر یہ ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول اسے چاہنے لگتے ہیں اور اس کی آبرو کو اللہ تعالیٰ سالم اور فرد زان رکھتا ہے۔

## حدیث (۵۱)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

الْأَرْوَاحُ جُنُودٌ مُجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ

روحیں گروہ درگروہ لشکر ہیں تو ان میں سے جنہوں نے ایک دوسرے کو پہچانا ان کی آپس میں الفت ہوئی

وَمَا تَنَآكَرَ مِنْهَا اِخْتَلَفَ

اور جنہوں نے ایک دوسرے کو نہ پہچانا ان میں اختلاف ہوا

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

اس کی روایت بخاری نے کی اور مسلم نے اس کی روایت ابو ہریرہ سے کی

## تشریح حدیث (۵۱)

اس حدیث کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں :

- ۱۔ عالم وجود میں آنے سے پہلے ارواح گروہ درگروہ تھیں۔ جو روحیں طبعی استعداد کے لحاظ سے ایک تھیں ان میں یہاں آکر محبت ہوئی اور جن میں صلاحیتوں کا اختلاف تھا وہ یہاں آکر ایک دوسرے سے جدا رہیں۔
- ب۔ اس دنیا والوں کی ارواح میں جیسی محبت پیدا ہوتی ہے کہ ان میں ایمان کے اعتبار سے تعارف ہو۔ جن میں ایمان کا اتحاد نہیں وہ ایک دوسرے سے جدا رہتی ہیں۔ مراد یہ کہ محبت انہیں سے رکھنی چاہیے جو صاحب ایمان اور اطاعت گزار ہوں۔ جو لوگ ایمان سے محروم ہیں ان کے اپنے اپنے عقائد کے لحاظ سے الگ الگ گروہ ہوں گے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ یہ گروہ قیامت کو بھی اسی طرح اٹھ کر آپس میں علیحدہ علیحدہ جمع ہوں گے۔

ارشاد نبوی ہے:

الْمَوَدُّ مَعَ مَنْ أَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جسے وہ چاہتا ہے)۔

اصل محبت عقیدہ کی محبت ہے، اس لیے قیامت کو لوگوں کی گروہ بندی

عقائد کی بنا پر ہوگی۔

## حدیث (۵۲)

وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَتَى السَّاعَةُ

اور انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! قیامت کب ہوگی

قَالَ وَيْلَكَ وَمَا أَعَدَدْتَ لَهَا قَالَ

فرمایا، تجھ پر افسوس! تو نے اس کے لیے کیا تیار کیا ہے؟ بولا،

مَا أَعَدَدْتُ لَهَا إِلَّا أَنِّي أَحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

میں نے اس کے لیے کوئی تیار نہیں کیا سوائے اس کے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں

قَالَ أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ قَالَ أَنَسٌ فَمَا رَأَيْتُ الْمُسْلِمِينَ

فرمایا، تو جس سے محبت رکھتا ہے اس کے ساتھ ہوگا انس نے کہا، میں نے نہیں دیکھا کہ مسلمانوں کو

فَرِحُوا بِشَيْءٍ بَعْدَ الْإِسْلَامِ فَرَحَهُمْ بِهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

(کہ کسی چیز سے اتنے خوش ہوئے ہوں اسلام لانے کے بعد جتنا اس (ارشاد) سے متفق علیہ ہے

## تشریح حدیث (۵۲)

سائل نے سوال پوچھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر افسوس کا اظہار کیا کہ محض سوال پوچھنے کا ہی شوق رکھتے ہو یا اس کے لیے تیاری بھی کی ہے۔ اس نے جیسا کہ ایک اور روایت سے ثابت ہوتا ہے، کہا کہ میں نے زیادہ نماز، روزہ اور صدقہ کی تیاری تو نہیں کی، البتہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور محبت رکھتا ہوں۔ اس کے جواب سے ظاہر ہے کہ اس نے فرض اور نفل عبادت میں حتی المقدور کوشش کی لیکن اسے بہر حال اپنی عاجزی کا اعتراف تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تسکین فرمائی کہ تم جسے چاہتے ہو اس کے ساتھ رہو گے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ جنت میں تمہیں ایسا ٹھکانا ملے گا جہاں سے تم پر عرش الہی کی شعاعیں پڑتی رہیں گی۔ اس کے حسین جلووں سے آنکھوں کو سیراب کرتے رہو گے اور جب چاہو گے میرے پاس آ سکو گے۔ مع کے لفظ کے ضروری نہیں کہ معنی ہوں کہ تم ہر وقت میرے پاس ہو گے۔ حدیث میں یہاں سے مراد ہے حضور کے اس کلمہ سے۔

## بَابُ مَا يُنْهَى عَنْهُ

### مِنَ التَّهَاجُرِ وَالتَّقَاطِعِ وَاتِّبَاعِ الْعَوْرَاتِ

#### تَهَاجُرٌ

هَجَرَ : قولاً یا عملاً الگ ہوا یعنی بول چال ترک کر دی یا ملاقات چھوڑ دی۔  
هَجَرَ يَا هَجْرَانِ : اسم مصدر ہے۔

کلام، ملاقات یا محبت کا تعلق توڑ لینا۔

تَهَاجُرٌ : هَجَرَ سے تفاعل کا صیغہ ہے۔

: ایک دوسرے سے جدا ہونا۔ کشیدگی۔ ناچاقی۔ ترکِ کلام۔ ترکِ ملاقات ترکِ محبت۔

#### تَقَاطِعٌ

قَطَعَ : کاٹ کر جدا کیا۔

تَقَاطِعٌ : قَطَعَ سے تفاعل کا صیغہ ہے۔

: جدا ہونا۔ ٹکڑے ٹکڑے ہونا۔

تَقَاطِعٌ سے دو مفہوم اخذ ہو سکتے ہیں۔

۱۔ ملاقات ترک کرنا۔

۲۔ حسنِ سلوک چھوڑ دینا۔ مثلاً قَطَعَ الرَّحِمِ سے مراد ہے رشتہ داروں سے حسنِ سلوک

بند کر دینا۔ تَقَاطِعٌ میں تَهَاجُرٌ کے مقابلہ میں زیادہ مبالغہ ہے۔

#### اتِّبَاعُ الْعَوْرَاتِ

تَبِعَ يَا اتَّبِعْ پیچھے پیچھے چلا۔ درپے ہوا

#### عَوْرَةٌ

اس کی اصل عار ہے۔ عورت ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ظاہر کرنے سے انسان

کو عار آئے یا مذمت کا خوف ہو۔ پوشیدہ بات۔

اتِّبَاعُ الْعَوْرَاتِ : دوسرے آدمی کی ان باتوں کے پیچھے پڑنا اور ان کی ٹوہ لگانا

جن سے اس کی سبکی یا مذمت ہو۔

## حدیث (۵۳)

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أبو ایوب انصاری سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ

آدمی کے لیے روا نہیں ہوتا کہ اپنے (مسلمان) بھائی سے تین دن رات سے زیادہ قطع تعلق رکھے

يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هَذَا وَيُعْرِضُ هَذَا

یعنی (یہ دونوں آمنے سامنے آئیں تو ہر (شخص) منہ موڑے اور یہ (دوسرا شخص) بھی منہ موڑے

وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور ان میں بہتر وہ ہوگا جو سلام کرنے میں پہل کرے گا متفق علیہ ہے

### الفاظ کے معانی

لَا يَحِلُّ: حلال نہیں ہوتا۔ بعض علماء کے نزدیک یہاں مراد ہے جائز نہیں ہوتا۔

هَجَرَ: اس نے چھوڑ دیا، تعلق توڑ لیا۔ لَيَالٍ جمع ہے لیل یا لیلۃ کی

أَعْرَضَ: اس نے منہ موڑا۔ يُعْرِضُ وہ منہ موڑتا ہے۔

## تشریح حدیث (۵۳)

سورۃ الانفال میں ہدایت ہے کہ آپس میں نزاع نہ اٹھاؤ ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور ایک مقام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب ہے: إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتُ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ عِطْرُ جَنَّةٍ لِيَوْمِ تَبَايَعْتُمْ كَمَا تَبَايَعْتُمْ يَوْمَ بَدْرٍ۔ (تو ان کے دین بے اور خود ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں)۔ نا اتفاقی انسان کو تباہی کے گڑھے پر لاکھڑا کرتی ہے۔ قرآن حکیم نے اسے شرک کی علامات میں شمار کیا ہے۔

اہل اسلام کو چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو محض ذاتی مفاد کی خاطر اپنے تعلقات میں رنجش اور ناچاقی کو راہ نہ دیں۔ اگر طبعی کمزوری کی وجہ سے شکر رنجی ہو بھی جائے تو اسے تین دن سے زیادہ طول دینا حرام ہے۔ اس دوران میں صلح کر لینی چاہیے ورنہ اس کے بعد فریقین



آمنے سامنے آجائیں تو ہر ایک کو سلام میں پہل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مُسَلِّمٌ عَلَیْہِ  
 کو چاہیے کہ فوراً سلام کا جواب دے ورنہ گنہگار ہوگا۔ نا اتفاقی سے بچنے کے لیے فراخ دل  
 اور کشادہ ظہنی کی انتہائی ضرورت ہوتی ہے جس شخص سے خطا ہو جائے اسے چاہیے کہ  
 معافی کا خواستگار ہو۔ دوسرے فریق کو اس کا عذر قبول کر کے درگزر سے کام لینا چاہیے۔  
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ جس کے سامنے اس کے بھائی نے عذر پیش  
 کیا اور اس نے قبول نہ کیا تو اس کی گردن پر ظالم چنگی والے کا سا گناہ ہوگا (دیکھئے  
 اس باب کی آخری حدیث)

بعض حالات میں دینی ضرورت کے پیش نظر قطع تعلق ضروری ہو جاتا ہے۔ مثلاً کوئی  
 مسلمان کھلم کھلا فاسق و فاجر ہو یا بہت بڑا بدعتی ہو اور سمجھانے پر الٹا اور بگڑتا ہو تو اس سے  
 علیحدگی ہی بہتر ہے تاکہ مزید فتنہ نہ بڑھے۔

### حدیث (۵۴)

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ابو ہریرہ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ

بدگمانی سے بچ کر رہو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑھ کر جھوٹ بات ہے

وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَنَاجَسُوا

اور نہ کسی کی راز جوئی اور نہ کسی کی، جا سوسی کرو اور نہ قیمت بڑھانے کو بولی دو

وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا

اور نہ ایک دوسرے سے حسد کرو اور نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ باہم روگردانی کرو

وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا

اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ

وَفِي رِوَايَةٍ وَلَا تَنَافَسُوا مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ

اور ایک روایت میں ہے، خیس باتوں میں نہ جھگڑو متفق علیہ ہے

## الفاظ کے معانی

ظَنّ : اس کے اصل معنی ہیں گمان، اچھا ہو یا بُرا لیکن یہاں بُرا گمان مراد ہے۔  
 حدیث : بات، کلام۔ لَا تَحَسَّسُوا بِأَب تَفَعَّلَ سے ہے اور اصل میں لَا تَحَسَّسُوا  
 ہے۔ ت کو تخفیف کے لیے حذف کیا گیا ہے۔ لَا تَجَسَّسُوا کی بھی یہی صورت ہے ان دونوں  
 لفظوں کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں۔ ابنتہ تَحَسَّس میں گہرائی زیادہ ہے۔ لَا تَنَّا جَسَّوْا  
 باب تفاعل سے ہے۔ اصل میں تَنَّا جَسَّوْا ہے۔ تخفیف کے لیے ایک ت محذوف کی  
 گئی ہے۔ اس کا مادہ زجش ہے۔ زجش کے معنی ہیں محض دوسرے آدمی کا نقصان کرنے  
 کے لیے کسی سودے میں زیادہ بولی دینا یا قیمت بڑھانا۔ اسی طریقہ سے لَا تَنَّا غَضَّوْا اور  
 لَا تَنَّا أَبُوْا بھی باب تفاعل سے آئے ہیں۔ تدابر کے معنی ہیں : ایک دوسرے سے منہ  
 موڑ لینا۔ عباد جمع ہے عبد زبندہ کی تَنَّا فُس : خسیس باتوں میں جھگڑنا۔

## تشریح حدیث (۵۴)

اہل اسلام کو چاہیے کہ آپس میں بھائیوں کی طرح محبت، مروت اور ہمدردی سے رہیں  
 کامل مومن وہ ہے جو اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی ویسی ہی بہتری چاہتا ہے جیسی اپنے  
 لیے بلکہ بارہا اس کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہے۔  
 کسی مسلمان کو روا نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے لا تعلق ہو جائے یا اس سے بغض رکھے۔  
 جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا  
 ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ مشکل میں اس کا ساتھ چھوڑتا ہے اور نہ اسے حقیر جانتا ہے۔  
 مذکورہ صدر حدیث میں اہل اسلام کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ مندرجہ ذیل باتوں سے پرہیز کریں۔  
 ۱۔ مسلمان بھائی کے بارے میں بدگمانی نہ کریں۔ ہر مسلمان کے بارے میں اچھی رائے رکھیں  
 اسے خواہ مخواہ بُرا آدمی نہ سمجھیں۔ اگر مسلمان ایک دوسرے پر بلا وجہ بدگمان ہونے لگیں گے  
 تو اتحاد اور اتفاق کی بنیاد اکھڑ جائے گی۔ ایک دوسرے کا اعتبار نہ ہو تو باہمی سلوک  
 اور تعاون کیسے قائم رہ سکتا ہے۔

بارہا یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگوں کے خلاف جو باتیں مشہور ہوتی ہیں ان کی بنیاد محض  
 جھوٹ پر ہوتی ہے اور لوگ انہیں ایک دوسرے سے سُن کر بغیر تحقیق کے پھیلا دیتے  
 ہیں۔ اس طرح ایک بے گناہ آدمی ناحق نہمت اور بدگمانی کا شکار ہو جاتا ہے قرآن حکیم  
 نے تاکید کی ہے کہ بدگمانی سے بچو کیونکہ بعض بدگمانی میں گناہ ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو (بغیر تحقیق کے) آگے بھیلنا دینا ہی آدمی کے لیے کافی جھوٹ ہوتا ہے۔

۲۔ کسی کی پوشیدہ باتوں کی ٹوہ نہ لگائیں۔

نبی کے سوا کون ہے جو خطاؤں اور گناہوں سے پاک ہو۔ اس لیے اگر کسی کے کوائف کی جستجو شروع کر دی جائے تو شاید اس کے کچھ عیوب کا سراغ مل جائے لیکن اس سے فائدہ کیا ہوگا؟ ایک آدمی کی شہرت داغ دار ہوگی، اس کے دل میں اپنے عیب جو کے خلاف کینہ پیدا ہوگا اور تنہا جبر و تعاطع کی نوبت آجائے گی۔

انسان کو عموماً دو چیزیں برائی سے دور رکھتی ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کا خوف اور دوسرے دنیا کی شرم۔ بے حیائی دنیا کی شرم اٹھ جانے کا ہی دوسرا نام ہے جب تک انسان کے گناہ درون پردہ رہتے ہیں اس کی آنکھوں میں شرم کی کچھ جھلک رہتی ہے لیکن جب اس کے گناہ بے نقاب ہو جاتے ہیں تو اکثر یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ اور کھل کر بے باک ہو جاتا ہے۔ اس لیے تجسس اور تنقہ سے معاشرہ کے مزید گناہ آلود ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے :

إِنَّكَ إِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِينَ أَفْسَدْتَهُمْ أَوْ كِدْتَ أَنْ تُفْسِدَهُمْ

ترجمہ: اگر تو لوگوں کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑ جائے تو انہیں اور بگاڑ دے گا یا بگاڑنے کے قریب جا پہنچے گا۔

۳۔ اگر کوئی آدمی کسی چیز کا سودا کرے تو اس کو نقصان دینے کی غرض سے خریداری کا بہانہ کر کے قیمت نہ چڑھاؤ۔ دوسرے آدمی کے سودے پر صحیح نیت سے بھی سودا کرنا ممنوع ہے۔

۴۔ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔

حسد یہ ہے کہ آدمی خود تو دوسرے کی سی نعمت حاصل نہ کر سکے اور یہ خواہش رکھے کہ دوسرے بھی اس نعمت سے محروم ہو جائیں۔ حسد کی آگ انسان کی سب صلاحیتوں اور خوبیوں کو مٹا کر رکھ دیتی ہے اس لیے اس کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے۔

۵۔ ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو۔ بغض نا اتفاقی اور تباہی کا نقیب ہوتا ہے۔ اگر دو مسلمانوں کے درمیان کچھ سختی ہو جائے تو دیگر مسلمانوں کو چاہیے کہ ان میں صلح کرا دیں۔ اگر وہ دیکھیں کہ اس مقصد کے لیے جھوٹ کے بغیر چارہ نہیں تو اس کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ اس سے مزید فتنہ کا احتمال نہ ہو۔

۶۔ ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو۔ مصیبت آ پڑنے پر دوست یا بھائی کا ساتھ چھوڑنا عین بددلی سے بغاوت ہے۔

## بَابُ الْحَذَرِ وَالتَّانِي

### حَذَر

حَذَر کے لغوی معنی خوف کے ہیں لیکن اس سے مراد وہ خوف نہیں جو بزدلانہ فرار سکھاتا ہے بلکہ وہ خوف ہے جو ہوشیاری، بیدار طبعی اور مستعدی کی روح ہے۔ شکاری اپنی بندوق سنبھالے گھنے جنگل میں شیر کی تلاش میں نکلتا ہے، پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا ہے، ادھر ادھر نگاہ پھیر کر دیکھتا ہے کہ اچانک کوئی درندہ حملہ آور نہ ہو جائے۔ وہ اندیشہ ناک ضرور ہے، کبھی کبھار رونگٹے بھی کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن وہ بزدل نہیں۔ قدم مسلسل آگے بڑھائے چلا جاتا ہے۔ اس ہمت آموز اور حوصلہ پرور اندیشہ کو حَذَر کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کا مرادف لفظ CAUTION ہے۔

بعض حالات انتہائی حَذَر کا مطالبہ کرتے ہیں اور بعض میں اس کی ضرورت کم ہوتی ہے بہر حال حیات کا کوئی لمحہ اس سے خالی نہیں ہوتا سوائے ان افراد کے جنہیں نفع و ضرر اور صواب و خطا سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ ہم انہیں غافل اور لاابالی کے لقب دیتے ہیں آدمی زندگی کا کوئی کام بھی کرے ہمیشہ شعوری یا لاشعوری طور پر دھیان رکھتا ہے کہ اس سے کوئی خطا یا خرابی سرزد نہ ہو جائے۔ اسی دھیان کا دوسرا نام حَذَر ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ دنیا اور عورتوں سے تقویٰ رکھو۔ یہاں تقویٰ سے یہی حَذَر مراد ہے۔

راقم السطور نے اپنی تالیف اسلامی نظام حیات میں تقویٰ کے زیر عنوان اس امر پر بحث کی ہے کہ ایفائے عہد تقویٰ کے لیے از بس لازم ہے۔ یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ جس طرح حَذَر اور تقویٰ کا چولی دامن کا ساتھ ہے اسی طرح امانت گزاری اور ایفائے عہد بھی لازم و ملزوم ہیں۔ لہذا حَذَر اور امانت کا بھی گہرا رشتہ ہے۔ صاحب مشکوٰۃ رحمۃ اللہ علیہ باب زیر نظر کی دوسری فصل میں امانت کی حدیث بھی لائے ہیں۔ ان احادیث میں امانت اعمتاد کے ہم معنی ہے۔ صاحب مشکوٰۃ کا مطلب صاف یہ ہے کہ حَذَر میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آدمی دیکھ بھال کر دوسروں پر اعمتاد کرے، عہد شکن آدمی سے دوبارہ دھوکا نہ کھائے، انہی لوگوں سے ہم نشینی رکھے جو بھروسے کے قابل ہیں مشورہ انہی سے لے جو صاحب خلوص اور اہل خرد ہیں۔

مندرجہ بالا بحث اور باب زیر نظر کی احادیث پر نگاہ ڈالی جائے تو حذر کے مندرجہ ذیل معانی سامنے آتے ہیں :

خوف رکھنا، چوکتا، بیدار طبع اور خطرہ سے ہشیار رہنا۔ خود پر ضبط رکھنا، سنبھل کر رہنا، فکر اور اندیشہ رکھنا، خطا اور خرابی کا دھیان رکھنا، حزم و احتیاط رکھنا، مجلس اور اعتماد کے لیے درست افراد کا انتخاب کرنا۔

تَأْتِي کے لغوی معنی تاخیر کے ہیں لیکن وہ تاخیر مراد نہیں جو سستی، غفلت یا ٹال مٹول کا نتیجہ ہوتی ہے۔ بلکہ وہ تاخیر جو احتیاط اور تامل سے وابستہ ہوتی ہے لہذا تَأْتِي کے معنی ہوں گے :

تَحْمَلُ وَتَتَأَمَّلُ

آدمی جب کسی کام کو شروع کرنے سے پہلے کچھ دیر رک کر سوچنے لگے کہ اس میں بہتری ہوگی یا برائی یا اس کو انجام دینے کے کیا کیا طریقے ہو سکتے ہیں تو اس درنگ یا تاخیر کو تَأْتِي کہیں گے۔ جدید نفسیات کا کہنا ہے کہ جب بھی ہم کسی کام سے رک جاتے ہیں تو اس وقت ہمارا ذہن بحال کسی سوچ میں پڑ جاتا ہے چاہے اس کا شعور ہو یا نہ ہو۔ نبأض انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی لیے تَأْتِي کا حکم فرمایا ہے۔ اسی کے پیش نظر راقم ہذا نے فصل اول کے متن کے ترجمہ میں تَأْتِي کے معنی تامل لکھے ہیں۔

تَأْتِي جلد بازی کی ضد ہے اس سے انسان میں حلم و سکون اور متانت و تمکن کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ تَأْتِي کا لفظ نرم خوئی اور وقار کے معنی میں بھی آتا ہے۔

حذر و تَأْتِي کی اہمیت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ سے ثابت ہے کہ حذر و تَأْتِي اچھی سیرت اور اچھی روش ہے اور اخلاقِ نبوت میں سے ہے۔

عقل و تدبیر سے بصیرت کو جلا حاصل ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں اہل ایمان کی ایک صفت یہ بتائی گئی ہے: وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِفُوا عَلَيْهَا حَتًّا وَ عُمِيَانًا ۝ (۲۵-۴۳)

ترجمہ: جب انہیں ان کے رب کی آیات سمجھائی جاتی ہیں تو ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے۔ مقصود یہ کہ آیاتِ قرآنی کو دھیان سے سن کر ان میں فکر و تدبیر کرنا چاہیے۔ کسی کام کو اندھا دھند شروع نہ کیا جائے۔ عبادات میں بھی آداب و شروط کا خوب دھیان رہے۔ مثلاً وضو میں عجلت کر کے ایڑی کا ہی ایک حصہ خشک رہتے دیا تو نماز نہ ہوگی۔ نماز کے اشاد

میں دھیان جس قدر اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگا اتنا ہی زیادہ ثواب ہوگا۔

عقل و تدبیر ہی سے انسان میں درستی اعمال کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ لہذا جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آخرت میں جزاء عقل کے موافق ملے گی۔ یہاں عقل سے مراد عقل کا استعمال ہے یعنی انسان کو جس قدر بھی عقل ملی ہے اسے صرف میں لائے۔

تدبیر کا تقاضا ہے کہ اسے عمل کی دنیا سے جدا نہ رکھا جائے۔ فک کی ایسی شہدہ بازیاں جن کا عمل سے کوئی واسطہ نہ ہو ہلاکت کے دروازے پر لاکھڑا کرتی ہیں۔ ذہنی عیاشی سے حذر چاہیے صرف اس تدبیر کی رائے کا احترام کرنا چاہیے جس نے زندگی کے نشیب و فراز دیکھے ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ لَا حَكِيمٍ إِلَّا ذُو تَجْرِبَةٍ۔ ترجمہ: صرف تجربہ کار شخص ہی صاحب حکمت ہوتا ہے۔

### حدیث (۵۵)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ابو ہریرہ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

لَا يَدْخُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ مُتَّفِقٍ عَلَيْهِ

مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں کاٹا جاتا متفق علیہ ہے

### تشریح حدیث (۵۵)

ابوغرہ نام ایک شاعر بدر کی جنگ میں مشرکین کی طرف سے گرفتار ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وعدے پر اسے آزاد فرما دیا کہ دوبارہ مشرکین کو اہل اسلام کے خلاف نہیں بھڑکانے گا۔ وہ واپس جا کر باز نہ آیا۔ اُحد کی جنگ میں پھر اسیر ہوا اور حضور سے رہائی کی درخواست کی حضور نے فرمایا: لَا يَدْخُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ۔ اس حدیث میں حذر کی تاکید ہے۔ اس عنوان پر مفصل بحث تمہیدی مقالہ میں گزر چکی ہے۔

# بَابُ الرَّفْقِ وَالْحَيَاءِ وَحُسْنِ الْخُلُقِ

رفق

رفق کے معنی ہیں: نرمی، ملائمت — مثلاً کسی شاخ کا نرم اور لچک دار ہونا۔ انسان کا رفق یہ ہے کہ اس کے مزاج میں اکڑ، ضد اور ہیٹ دھرمی نہ ہو، احباب و اعزہ کے مزاج سے جہاں تک ہو سکے موافقت کرے، تلخی نہ کرے اس کے خیالات میں لچک ہو یعنی اپنی غلطی پر جان بوجھ کر اصرار نہ کرے اور بموجب فرمانِ نبوی خذْ مَا صَفَا دُوسَرُوں کے ہاں جو حق بات دیکھے اسے اختیار کرے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مندرجہ ذیل حدیث میں رفق کے یہی معنی کام کر رہے ہیں۔

ایمان والے بُرد بار اور نرم مزاج ہوتے ہیں فرماں بردار اونٹ کی طرح۔ اگر اسے (نکیل سے) کھینچا جائے تو چلنے لگتا ہے اور اگر اسے چٹان پر بٹھایا جائے تو بیٹھ جاتا ہے۔

(۲) قول کی لطافت — زبان میں دلاویزی ہو، لہجہ کرخت نہ ہو، الفاظ میں سادگی اور شیرینی ہو۔

(۳) فعل کی لطافت — ہر کام کو سکون و اطمینان کے ساتھ عمدہ ترین، سہل ترین اور سادہ ترین طور سے انجام دے مثلاً ڈاکٹر مرضی کا علاج دوائے کر کے تو آپریشن سے پرہیز کرے اور اگر آپریشن لابدی ہو تو نہایت سنبھل کر مکمل حزم و احتیاط کے ساتھ نشتر چلائے۔ زندگی کے جتنے امور ہیں مثلاً ناخن تراشنے سے دل کے آپریشن تک اور بچوں کی پرورش سے لے کر عالمی سیاست تک سب میں لطافت آمیز احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ حتی الوسع ایسے ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں جن سے اپنی یاد دہی کی طبع کو ناگواری نہ ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد ہے کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو باتیں پیش ہوتیں تو آپ آسان تر کو اختیار فرماتے بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہوتا (الترغیب والترہیب)

(۴) آسانی کرنا — یعنی کسی پر طاقت سے زیادہ بوجھ یا مشقت نہ ڈالنا، جہاں تک ہو سکے دوسروں سے تکلیف دور کرنا، بے جا پابندیاں نہ لگانا۔ حدیث نبوی ہے:

يَسْرُوْا وَلَا تَعْسِرُوْا

ترجمہ: آسانی پیدا کرو، تنگی نہ کرو۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک دیہاتی نے جو نیا نیا اسلام لایا تھا مسجد النبی میں پیشاب کر دیا۔ لوگ اسے مارنے دوڑنے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اسے کچھ نہ کہو اور پیشاب پر ایک ڈول پانی بہا دو۔ تمہیں آسانی کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے ہمت ڈالنے کے لیے نہیں بھیجا گیا۔

### حیاء

حیاء لغت میں اس عار اور انکار کو کہتے ہیں جو کسی قابلِ مذمت فعل سے طاری ہو جائے یا اس کے خوف سے آدمی بدی سے گریزاں رہے۔ شرع میں حیاء اس طبعی خاصہ کو کہتے ہیں جو بُرائی سے دور رکھتا ہے اور حق دار کا حق پہچاننے میں کوتاہی نہیں کرنے دیتا۔

شرعی نقطہ نگاہ سے صحیح معنی میں حیاء وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی خاطر ہو۔ اس کے کئی مدارج ہیں۔ بلند ترین درجہ یہ ہے کہ آدمی کو خلوت و جلوت ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے حیاء ہو۔ آدمی تنہائی میں بھی گناہ کا خیال کرے تو یہ سوچ کر فوراً باز آجائے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔

### خلق

مُخَلَّقٌ يٰمُخَلَّقُ كَيْفَ مَعْنَى هِيَ :

۱۔ طبع۔ مزاج

۲۔ ایمان کا معنوی جوہر

۳۔ وہ طبعی بلکہ جس سے حمیدہ اعمال اور پسندیدہ آداب کا از خود ظہور ہوتا ہے۔

۴۔ باطنی اوصاف و میلانات اور طبعی اعمال و آداب کا مجموعہ۔ اس کے لیے خلق کی جمع یعنی اخلاق کا لفظ بھی لاتے ہیں۔

خلق طبعی بھی ہوتا ہے اور اکتسابی بھی۔ لیکن اکتسابی خلق کو ہم اسی صورت میں خلق کہہ سکتے ہیں کہ وہ طبعی کا درجہ اختیار کرے یعنی مزاج میں ایسا گھل مل جائے کہ اس میں تکلیف باقی نہ رہے۔

مُخَلَّقٌ ظَاهِرِي صُوْرَتٍ اَوْ خَلْقٌ بَاطِنِي صُوْرَتٍ كَا نَامِ هِيَ۔



## حُسنِ خَلق

عام مفہوم: حُسنُ الخُلُق کے لغوی معنی ہیں: خَلق کی عمدگی، خوبی اور نفاست یا بالفاظِ دیگر رذائل سے بچنا اور فضائل سے آراستہ ہونا۔

شرع میں حُسنِ خُلُق سے مراد ہے، قرآن و سنت کا اتباع۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ جناب رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق کیسا تھا؟ آپ نے سائل سے پوچھا، کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ جواب دیا، پڑھتا ہوں۔ فرمایا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ نیکی حُسنِ خلق ہے۔

خاص مفہوم: شرعی مفہوم کے اعتبار سے حُسنِ خلق کا دائرہ پورے اسلام کا دائرہ ہے لیکن خاص استعمال میں یہ لفظ حُسنِ سلوک اور حُسنِ معاملہ کے معنی میں آتا ہے اور اسے عبادت وغیرہ سے ممتاز سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً ایک حدیث ہے کہ مومن اپنے حُسنِ خلق کے ذریعے رات بھر کے نماز گزار اور دن بھر کے روزہ دار کا درجہ پالیتا ہے۔ اس حدیث میں حُسنِ خلق کو عبادت سے متمیز کیا گیا ہے۔ ایک اور حدیث ہے کہ حُسنِ خلق یہ ہے کہ تو رشتہ توڑنے والے سے تعلق قائم رکھے، زیادتی کرنے والے کو معاف کرے اور جو تجھ سے بخل کرے اس سے کشادہ دستی کرے۔ علامہ خازنؒ نے اپنی تفسیر میں وَ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلِقْتَ عَزِيْمًا کی تفسیر کرتے ہوئے حُسنِ خلق کے بعض نمایاں اجزاء شمار کئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

لوگوں سے محبت

معاملات کی درستی

خوشی و بیگانہ سے اچھے روابط رکھنا اور تباہ و تعلق سے بچنا۔

سخاوت

بخل اور حرص سے پرہیز

فراخ دلی

ادنیٰ و اعلیٰ کی ایذا رسانی پر صبر کرنا

حُسنِ آداب

امام غزالی رقم طراز ہیں کہ حُسنِ الخلق کا ثمرہ الفت ہے اور سُوءُ الخلق کا ثمرہ بیگانگی ہے۔ اس کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ حُسنِ الخلق وہ سلوک ہے جس سے دوسرے کے دل میں الفت پیدا ہو۔ اس کی تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

۱۔ مشکوٰۃ باب زیر نظر ۲۔ احیاء العلوم ج ۲۔ ۳۔ احیاء العلوم جلد ۲ کتاب آداب الالفة... الخ

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حسنِ خلق

سورۃ القلم میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ارشاد ہے: **وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خَلْقٍ عَظِيمٍ**  
(ترجمہ) اور آپ یقیناً خلقِ عظیم پر ہیں۔

اس کی تفسیر میں حضرت شبیر احمد صاحب عثمانی نے خلق کی شرح یوں فرمائی ہے: ”آپ کی زبان قرآن ہے اور آپ کے اعمال و اخلاق قرآن کی خاموش تفسیر قرآن جس نیکی، جس خوبی اور بھلائی کی طرف دعوت دیتا ہے وہ آپ میں فطرۃً موجود اور جس بدی و درستی سے روکتا ہے آپ طبعاً اس سے نفور و بیزار ہیں۔ پیدائشی طور پر آپ کی ساخت اور تربیت ایسی واقع ہوئی ہے کہ آپ کی کوئی حرکت اور چیز حدِ تناسب و اعتدال سے ایک انچ ادھر ادھر ہٹنے نہیں پاتی۔“ (تفسیر عثمانی)

### حدیث (۵۶)

**وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ**

اور نواس بن سمانؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا

**سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ**

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کی بابت پوچھا

**فَقَالَ الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ**

تو فرمایا، نیکی حسنِ خلق ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکا

**وَكِرْهُتَ أَنْ يَطَّلَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ**

اور۔ تو نے نہ چاہا کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔ اس کی روایت مسلم نے کی

الفاظ کے معانی

الْبِرُّ: نیکی - الْإِثْمُ: گناہ - حَاكَ: کھٹکا۔

كِرْهُتَ: تو نے ناپسند کیا۔ كِرْهُ: اس نے ناپسند کیا۔

اطَّلَعَ: باخبر ہوا۔ يَطَّلَعُ: باخبر ہوتا ہے۔

## تشریح حدیث (۵۶)

مُحْسِنُ الْخُلُقِ کی شرح سابقہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ ذیل میں اِثْمٌ وِبَرٍّ کے فرق پر مزید بحث ہوگی۔

### نیکی اور گناہ کی کسوٹی

قرآن و حدیث میں گناہ اور نیکی کے بارے میں واضح احکام ہیں۔ لیکن بعض صورتیں لاعلمی یا اشتباہ کی وجہ سے ایسی پیش آجاتی ہیں کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ فلاں کام کیا جائے تو گناہ ہوگا یا ثواب۔ صاحبِ ایمان شخص ایسے مواقع پر ٹھٹک جاتا ہے اور تامل کر کے قدم اٹھاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسی حالت میں وہ کس بنا پر فیصلہ کرے۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ بالا حدیث میں اس کی ایک عمدہ کسوٹی بیان فرمائی ہے یعنی دل سے پوچھا جائے۔ اگر دل میں کوئی کھٹکانہ ہو اور اسے کام کی طرف رغبت ہو تو کام انجام دیا جائے ورنہ رک جانا چاہیے۔

اسی موضوع پر حضرت والی بن عبد ریح رضی اللہ عنہ کی بھی ایک روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا، تو نیکی کے بارے میں سوال کرنے آیا ہے۔ میں نے کہا، ہاں۔ آپ نے فرمایا، اپنے دل سے پوچھو۔ نیکی وہ ہے جس پر روح مطمئن ہوئی اور دل بھی مطمئن ہو۔ اور گناہ وہ ہے جو جی میں کھٹکا اور اس فیصلے میں تردد کیا۔ (اربعین نووی بحوالہ احمد بن حنبل و دارمی)

قرآن حکیم سے واضح ہے کہ انسان کی فطرت صاف اور صالح ہوتی ہے۔ اس کا نیکی کی طرف میلان ہوتا ہے لیکن دنیا کی رنگینیاں اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچنے لگتی ہیں اور وہ گناہوں کی وادی میں بھٹک جاتا ہے۔ تاہم جب تک اس کا دل بالکل مردہ نہ ہو جائے اندر ہی اندر سے اسے بار بار نیکی کی پکار سنائی دیتی ہے۔ گناہوں کا احساس اسے بلول اور متانت سے کرتا رہتا ہے۔

قرآن حکیم میں انسان کی روح کے بارے میں ارشاد ہے:

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۚ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۗ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۗ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ۗ (۹۱: الشمس: ۱۰)

ترجمہ: قسم ہے جان کی اور جس نے اسے درست کیا پھر اس کو بدی اور نیکی سمجھائی۔

جس نے اپنی روح کو پاک کیا وہ کامیاب رہا اور جس نے اسے آلودہ کیا وہ ناکام ہوا۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ روح کو نیکی اور بدی کا فطری طور سے علم ہوتا ہے لیکن روح کے آئینہ پر صحیح عکس اسی صورت میں پڑتا ہے کہ یہ صاف ہو۔ اگر اس پر زنگار چھا جائے تو اسے ٹھیک طور سے کچھ بھی سمجھائی نہیں دیتا۔ دل پر بدی کے غلاف یکے بعد دیگرے چڑھتے جاتے ہیں۔ بالآخر ایسا وقت آتا ہے کہ ان تہ بہ تہ غلافوں سے نیکی کی شعاعوں کا گزرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ گویا دل نیکی کے سفیر کے لیے ایک بند کمرہ ہو جاتا ہے جس پر قفل پڑے ہوں۔ مومن کے دل کی کیفیت اور ہے۔ اس کا آئینہ گناہوں سے داغدار بھی ہو جائے تو اس کی سطح کی صیقل کلیتہً ختم نہیں ہوتی۔ وہ نیکی کی شعاعوں اور بدی کے اندھیروں میں تمیز کرنے کی اہلیت کبھی نہیں کھوتا۔ صاحب ایمان شخص اگر گناہ کر بھی بیٹھے تو اس کے دل میں ہر گناہ کے ساتھ ایک کانٹا گڑ جاتا ہے جس کی خلش اسے بے چین رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اگر نیکی کی توفیق دے تو اسے مسرت ہوتی ہے اور اس کے دل میں اطمینان کی موج اٹھتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ سچائی اطمینان ہے اور جھوٹ بے اطمینانی۔ مومن کے لیے نیکی اور بدی دونوں کے رستے واضح ہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اسے یہ معرفت عطا فرمائی۔ شکر کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اس معرفت سے فائدہ اٹھائے اور نیکی کی راہ پر چلے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

إِنَّا هَدَيْنَا السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا (۶۶) : الدھر : ۳

یعنی ہم نے انسان کو نیکی کا صحیح راستہ بتا دیا ہے۔ اب وہ چاہے تو شکر گزار ہو (اور نیکی پر چلے) اور چاہے تو ناشکر ہو (اور بدی کی راہ اختیار کرے)

### حدیث (۵۷)

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ

اور عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے انہوں نے کہا،

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

تم میں سے مجھے سب سے پیارے (وہ ہیں جو تم میں اخلاقاً خوب ترین ہیں۔ اس کی روایت بخاری نے کی

## تشریح حدیث (۵۷)

### حُسنِ خُلُقٍ

حُسنِ خُلُقٍ کا دائرہ اتنا ہی وسیع ہے جتنا اسلام کا لیکن عموماً باہمی حسن سلوک ارتباب کے معنی دیتا ہے کیونکہ مجلسی اور معاشرتی زندگی ہی میں انسان کا اصل جوہر سامنے آتا ہے۔ یہیں اس کا امتحان بھی ہوتا ہے اور اسی میدان میں اسے تربیت بھی ملتی ہے۔ یہیں اس بات کا بھی کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے نماز روزہ اور دیگر عبادات میں کس حد تک خلوص ہے۔ ایک عورت بہت عبادت گزار تھی لیکن اس کی زبان سے سارا محمّد نالال تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائے گی۔ خُلُقِ النَّبِیِّتِ کا جوہر ہے اس لیے اسلام نے اسے نکھارنے اور حسن و جمال کی رفعتوں پر پہنچانے کا حکم دیا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

بُعِثْتُ لِأَتِمَّ صَالِحِ الْأَخْلَاقِ۔

ترجمہ: مجھے اچھے اخلاق کو درجہ کمال تک پہنچانے کے لیے بھیجا۔

سابقہ امتوں میں بھی اخلاقی نفاستیں تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آخری اور کامل ترین صورت عطا فرمائی۔ اہل اسلام کا فرض ہے کہ بہترین اخلاق کا ثبوت دیں۔ اس سے نہ صرف ان کی اپنی صفوں میں محبت اور اتحاد کی قوت پیدا ہوگی بلکہ اغیار بھی مسحور ہو کر اسلام سے وابستہ ہو جائیں گے۔

اخلاق کی اہمیت اور فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث ہیں جن میں سے بعض اس باب کی دوسری اور تیسری فصل میں مذکور ہیں۔

## بَابُ الْغَضَبِ وَالْكِبْرِ

### غضب

جب بھی انسان کی کسی خواہش کی مزاحمت کی جاتی ہے یا اس کی تسکین میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو وہ نزاع پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ نزاع کے ساتھ ناراضی کا جذبہ ضرور وابستہ ہوتا ہے۔ یہ جذبہ گاہے ضعیف اور گاہے قوی ہوتا ہے۔ قوی ہو تو عوامی لغت میں اسے غضب یا غصہ کہتے ہیں لیکن اصل لغت اور شرعی مفہوم کے اعتبار سے ناراضی کا جذبہ ضعیف ہو یا قوی اسے غضب ہی کہا جاتا ہے۔ لہذا غضب رضاء کی ضد اور ناراضی کا ہم معنی ہے۔ لسان العرب میں بھی اسے نقیض الرضاء اور سخط کا ہم معنی بتایا گیا ہے۔ اس کے کئی مدارج ہیں۔ معمولی غصہ سے لے کر عنیظ اور طیش تک اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔

### غصہ پر قابو رکھنا

اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبع میں کوئی چیز بے کار و دیعت نہیں فرمائی۔ ہر جبلت اور ہر طبعی جذبہ انسان کی شخصیت اور بقا کے لیے از بس لازم ہے۔ اگر وہ مخالفت اور تم شعار قوتوں سے نزاع کرنے کی جبلت سے محروم ہو جائے تو اس کی زندگی کو حرفت انسان یا خون خوار درندے یا بیماریوں کے جراثیم یا آتش و آب و خاک و باد کی مائتس یورشیں دیکھتے ہی دیکھتے حرقت غلط کی طرح بے نشان کر دیں۔ لیکن یہ احتیاط اب انسان کے ذمے ہے کہ اپنی جبلتوں اور جذبات کو صحیح رستوں پر لگائے۔ مثلاً غضب کے جذبہ ہی کو بیچھے۔ اس سے ضرر دور ہو جاتے ہیں اور بدی کی مدافعت ہوتی ہے۔ شرعی امور کی محافظت کے لیے اس کا استعمال عین مستحب بلکہ بعض دفعہ واجب اور فرض ہو جاتا ہے لیکن آدمی اسے قابو میں نہ رکھے اور بات بات پر بھڑکتا الجھتا رہے تو نہ صرف اپنی زندگی کو جہنم کی زندگی بنا لے گا بلکہ دوسروں کا جینا بھی دو بھر کرے گا۔

غصہ یا ناراضی کے جذبہ کو سبایا نہیں جا سکتا، لیکن دبایا جا سکتا ہے۔ اسے جائز حدود میں رکھ کر اس سے بڑے بڑے کام لیے جا سکتے ہیں لہذا قرآن حکیم نے بھی..... کا ظہیر الغیظ یعنی غصہ دہانے والوں کی نہ کہ اس کو فنا کرنے والوں کی نصیحت بتائی ہے۔ غصہ کو قابو میں رکھنا حوصلہ مندی، استقامت اور مردانگی کی دلیل ہے جلد بھر کر اٹھنا

اعصابی مریضوں کا خاصہ ہے۔ تندرست جذبات اور صحت مند اعصاب کے لوگ مغلوب الغضب نہیں ہوتے۔ حدیث ہے کہ پہوان وہ نہیں جو پچھاڑ دینے والا ہو۔ پہوان تو وہ ہے جو غصہ کے وقت خود پر قابو پاتا ہے۔

### غصہ فرو کرنے کے طریقے

- ۱۔ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ کا ورد غصہ کو دور کرتا ہے۔
- ۲۔ غصہ کی بھڑک پانی سے ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔ آدمی پانی پیے یا وضو کرے تو افاقہ ہو جاتا ہے۔
- ۳۔ ہیجان کا بدنی حالت سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ بیٹھنے یا لیٹ جانے سے غصہ دھیم پڑ جاتا ہے۔
- ۴۔ ٹھنڈی زمین پر لیٹ جانا رفع غضب کے لیے بہت مفید ہے بشرطیکہ کوئی اور عرج نہ ہو جس طرح مٹی سے بجلی کا اثر زائل ہوتا ہے اسی طرح غصہ بھی دور ہو جاتا ہے۔
- ۵۔ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لی جائے تو اس سے بھی غصہ جاتا رہتا ہے۔

## غصہ دبانے کے ثمرات

### ۱۔ معاشرہ کی سالمیت

انسانی معاشرہ اسی صورت میں سالم رہ سکتا ہے کہ اس کے افراد باہمی تعلقات نہ توڑیں۔ یہ جی بھی ممکن ہے کہ ایک دوسرے کی فرو گذاشتوں اور کوتاہیوں کو دل میں جگہ نہ دی جائے۔ کون ہے جس سے غلطیاں اور خطائیں سرزد نہیں ہوتیں۔ اگر ہر شخص دوسرے کی خطا پر دل میں گرہ ڈال لے تو کشیدگی بڑھتی رہے گی اور اصلاح کی صورت نظر نہیں آئے گی۔

عفو کے چھینٹے کینے کی آگ کو بجھا دیتے ہیں۔ معلم برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک دوسرے کو معاف کرو۔ تمہارے باہمی کینے رفع ہو جائیں گے۔

(کنز العمال ج ۲۔ باب العفو)

عفو کے دم سے محبت کی دنیا میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ دشمن دوست ہو جاتے ہیں پہلے ان کی یاد اور ملاقات سے رنج و ملال کی تلخی تھنی اب راحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ غصہ کا دباننا زہر کے گھونٹ پینے کے برابر ہے لیکن اس زہر کے گھونٹ کا بعد میں اتنا میٹھا اثر ہوتا ہے کہ عمر بھر اس کی شیرینی کا مزہ نہیں جاتا۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ دودھ یا شہد کے ہر گھونٹ سے غصہ کا گھونٹ بہتر ہوتا ہے۔

(کنز العمال ج ۲)

غصہ کے بدولت ایثار کا جذبہ قوت مند ہوتا ہے۔ ایثار وہ جذبہ ہے جس کے ہوتے ہوئے معاشرہ کی صفوں میں ضعف پیدا نہیں ہوتا۔

### ۲۔ عزم و حوصلہ کی تربیت

اقوام کی کامرانی اور ظفر مندی کی پہلی شرط عزم و حوصلہ ہے۔ عزم و حوصلہ انسانی قوتوں کا ایک بہت بڑا سرچشمہ ہے۔ اس سے انسان کی استقامت اور شانِ مردانہ میں کمال پیدا ہوتا ہے جو انسانی شرف اور اعزاز کا مدار ہے۔ حوصلہ کی قوت کا ایک سرچشمہ عفو کی صفت ہے بلکہ عفو عزم و حوصلہ کا دوسرا نام ہے۔ قدرتی بات ہے کہ جس اخلاقی صفت کو جنبا برؤئے کار لایا جائے وہ اتنی قوی ہوتی جاتی ہے۔ عفو سے جس قدر کام لیا جائے فراخ حوصلگی کی اتنی ہی تربیت ہوتی ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں ارشاد ہے :

وَلَكِنْ صَبْرًا وَغَفْرًا إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (۴۳: ۴۲)

ترجمہ: اور جس نے تحمل کیا اور معاف کیا تو بے شک یہ عزم کے کام ہیں۔

### ۳۔ اللہ تعالیٰ کی مغفرت

قرآن حکیم سے ثابت ہوتا ہے کہ غصہ کو دبانے والے اور دیگر لوگوں کو معاف کرنے والے لوگوں کے لیے بڑا اجر ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جس نے اپنا غصہ روک لیا اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنا عذاب روک لیا۔ (بلوغ المرام)

کبر | کبر کے معنی ہیں :  
(۱) بڑا ہونا۔ عظمت

(۲) احساس برتری

### احساس برتری کے مدارج

احساس برتری کے کئی مدارج ہیں: مثلاً،

- ۱۔ خود کو اچھا یا بڑا سمجھنا لیکن کسی اور کو پست نہ سمجھنا۔
- ۲۔ خود کو دوسروں کے مقابل بڑا اور افضل سمجھنا اور یہ خیال کرنا کہ جو حق میرا ہے دوسروں کا نہیں۔ لیکن اس خود فریبی کو اپنے تک ہی محدود رکھنا۔
- ۳۔ خود فریبی کا دوسروں پر اظہار کرنا اور اکڑ اور سرکشی دکھانا۔ اسے بالعموم تکبر یا استکبار کہتے ہیں۔ تخیل اور خیال کے بھی یہی معنی ہیں۔ یہ تواضع کی ضد ہے۔
- ۴۔ خود ستائی اور خود رانی میں آکر حق سے انکار کر دینا۔ یہ ایمان کی ضد ہے اور کسی صورت و انہیں۔

۵۔ بے پر زبیر ہو تو معنی ہوں گے، عمر میں بڑا ہونا۔



احساس برتری کا جذبہ جبلتِ خود نمائی سے وابستہ ہے۔ یہ طبعی خاصہ ہے اس لیے اس میں بجائے خود کو ٹی عیب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے کرام نے اسی کبر کو برا بتایا ہے جو خلافتِ واقع اور ناحق ہو۔ بعض حالات میں مثلاً کفار کے مقابل تبحر روا ہوتا ہے لیکن اسی صورت میں جب کہ ان کا تبحر توڑنا مقصود ہو اور خود عین اسی وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں سراپا عجز ہو۔

انسان میں خود نمائی کی جبلت نہ ہو تو وہ کوئی کارِ نمایاں انجام نہ دے سکے۔ نااہل افراد چھا جائیں اور دنیا نفاست اور ثقافت سے محروم ہو جائے مثلاً خود نمائی کا ایک شعبہ زیبائش ہے۔ یہ عین مستح ہے قرآن حکیم میں آیا ہے :

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذْ يَخُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

ترجمہ: اے اولادِ آدم! ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو۔

جبلتِ خود نمائی اور احساسِ برتری کو اپنی جائز حدود کے اندر پابند رکھنا از بس ضروری ہے ورنہ تبحرِ انسان کو خود بینی اور خود رانی کے نشہ میں اس حد تک بدمست کر دیتا ہے کہ وہ حق و ناحق کی تیز بالکل کھو بیٹھتا ہے۔ دیگر انسانوں کو قابلِ توجہ اور لائق التفات ہی نہیں سمجھتا اور ان کے حقوق کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ انکارِ حق اور تحقیرِ آدم کی نوبت آجاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انسان کے لیے اتنی ہی جہالت کافی ہوتی ہے کہ وہ اپنی رائے کو پسند کرتے لگے (اوسطِ طبرانی - بیہقی)۔ اس بارے میں آپ کا ایک اور ارشاد ہے کہ جس نے کہا میں عالم ہوں وہ جاہل ہے (طبرانی)۔ مراد یہ ہے کہ جس نے فخر سے علم کا دغوی کیا وہ درحقیقت جاہل ہے کیونکہ وہ فقور سے علم پر نازاں ہو کر مزید تحصیل سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ تبحرِ انسان کو تلاشِ حق سے روک دیتا ہے۔ وہ اپنی ذات میں گھر کر رہ جاتا ہے۔ نام و نمود پر جہان چھڑکتا ہے اور بلند و بالا محلات، پرشکوہ لباس اور فخر کے سامانوں پر بے دھڑک دولت اڑائے جاتا ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کے لیے اس کے پاس گنجائش ہی نہیں رہتی۔ انفاق فی سبیل اللہ اور تبحر میں سخت تضاد ہے۔ ارشادِ نبوی ہے کہ مسلمان کا صدقہ عمر کو بڑھاتا ہے اور بری موت کو روکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے کبر اور فخر کو دور کر دیتا ہے (طبرانی - ترمذی)۔

تبحرِ انسان کو آہستہ آہستہ نیکی کی راہ سے دور لے جاتا ہے اور اس کے نامہ اعمال میں

لہ الترغیب والترہیب کتاب العلم ۱۷۰ ایضاً ۱۷۱ الترغیب والترہیب جزء ۲ - ابواب الصدقات

حق فراموشی، جباریت اور انسانیت کشتی کے سوا اور کچھ نہیں رہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مملکت میں شمار فرمایا ہے۔ تکبر اور شیخی بازی کی سزا جہنم ہے۔

### حدیث (۵۸)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ان سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

لَيْسَ الْبَهْلَوَانُ الشَّدِيدُ بِالصَّرْعَةِ

پهلوان وہ نہیں جو پچھاڑ پچھاڑ دینے والا ہے

إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ

پهلوان تو صرف وہ ہے جو غصہ کے وقت خود پر قابو پاتا ہے متفق علیہ ہے

### الفاظ کے معانی

شديد : پهلوان سخت پکڑ رکھنے والا۔

صرعہ : وہ شخص جو دوسروں کو بہت پچھاڑے۔ صریح جسے پچھاڑا گیا ہو۔

عند : بوقت

### تشریح حدیث (۵۸)

مفصل شرح کے لیے تمبیدی مقالہ دیکھا جائے۔

### حدیث (۵۹)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ان سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعُظْمَةُ إِزَارِي

اللہ تعالیٰ کہتا ہے، کبریا میری چادر ہے اور عظمت میرا تہ بند ہے

۱۰ حضرت ابوہریرہ سے

فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا ادْخُلْتَهُ النَّارَ

اور جس نے ان دونوں میں سے ایک بھی مجھ سے چھیننا چاہی تو میں اسے آگ میں داخل کروں گا

وَفِي رِوَايَةٍ قَدْفَتْهُ فِي النَّارِ رِوَاةٌ مَسْلُومَةٌ

اور ایک روایت میں ہے: اسے آگ میں پھینکوں گا۔ اس کی روایت مسلم نے کی

### تشریح حدیث (۵۹)

کِبْرُ يَلٍ اور عِظْمَةٌ ہم معنی ہیں۔ البتہ کبر یا کبریا کا لفظ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت کے لیے آتا ہے۔ اس میں عظمت کے مقابلہ میں مبالغہ زیادہ ہے۔  
رِوَاءٌ اور ازار سے یہاں مراد لباس ہے۔ یعنی میری کبریا و عظمت میری ذات کا صفاتی لباس ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کا عکس بندے کو خود میں اتارنا چاہیے لیکن تجرّ محض صرف اسی ذات بے ہمتا کو روا ہے۔ متکبر کملانے کا شرف اسی کا حق ہے۔ جو آدمی اپنے کمال کو کمال ذاتی سمجھ کر تجرّ کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی کبریا کو چیلنج کرتا ہے۔ اس کی سزا جہنم ہوگی۔

## بَابُ الظُّلْمِ

ظلم  
اصل لغت کے اعتبار سے ظلم کے معنی ہیں :  
کسی شے کو اصل حالت میں نہ رہنے دینا چاہے اس میں کمی یا زیادتی کر کے چاہے  
اس کا وقت یا ٹھکانہ بدل کر۔  
عام استعمال میں ظلم کا لفظ حدود فراموشی اور عدم اعتدال کے معنی دیتا ہے۔

مثلاً

حق و ناحق میں تمیز نہ کرنا : مثلاً بت پرستی  
کسی کا حق کم کرنا یا نہ دینا : مثلاً اس کا مرتبہ نہ پہچاننا، اس کا  
جائزہ احترام نہ کرنا۔

بے جا کام کرنا  
بے وقت کام کرنا  
بے محل کام کرنا  
کام کو ادھورا انجام دینا  
کام کو بے ضرورت بڑھا دینا  
سیدھی چیز کو ٹیڑھا کرنا۔

مندرجہ ذیل بھی ظلم میں شامل ہیں :

ظالم کا ساتھ دینا  
تظالم یعنی جوابی ظلم مثلاً بجائے عدالتی چارہ جوئی کے خود انتقام پر اتر آنا اور  
جواب میں ظالم کے ظلم سے بھی بڑھ جانا۔

مدارج

ظلم کے کئی مدارج ہیں۔ یہ ادنیٰ بے راہی سے لے کر شرک تک کو محیط ہے۔

## قسمیں

بعض علماء کے نزدیک ظلم کی تین قسمیں ہیں:

(اول) ظلم اللہ کی بابت :- کفر یا شرک

ب۔ عبادات میں کوتاہی یا بے اعتدالی۔

(ثانی) ظلم لوگوں کی بابت :- ان کا حق نہ پہچاننا۔ ملک اور معاشرہ کو ضرر دینا۔

(ثالث) ظلم اپنی بابت :- اپنا روحانی، اخلاقی اور مادی نقصان کرنا۔

## طریقے

ظلم کے عموماً دو طریقے ہوتے ہیں:

(۱) قوت سے (۲) فریب سے

## اثرات

۱۔ روحانی کرب

ظلم کی زہر انسان روح کو چاٹ لیتی ہے۔

جن لوگوں نے ظلم سے دولت جمع کی ہے ان کی زندگیوں کو قریب سے دیکھا جائے

توصاف نظر آئے گا کہ ان کے دل راحت سے یکسر خالی ہیں۔ روحانی کرب کی آگ ان کی ہڈیوں تک کو سدکاٹے رکھتی ہے۔

۲۔ دنیا میں گرفت

اللہ تعالیٰ ظالم کو بارہا ڈھیل دیتا ہے کہ رجوع یا توبہ کر لے لیکن جب گردن پہ

ہاتھ رکھ دیتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ ظلم کی عقوبت جیتے جی پیچھا نہیں چھوڑتی۔

۳۔ آخرت میں گرفت

جب تک مظلوم ظالم کو نہیں بخشے گا اللہ تعالیٰ ظالم کی مغفرت نہیں فرمائے گا۔

۴۔ آخرت میں نیکیوں سے محرومی

آخرت میں ظالم سے قصاص لینے کی ایک صورت یہ ہوگی کہ اس کی نیکیاں اس کے

ظلم کے اندازہ سے مظلوم کے حساب میں ڈال دی جائیں گی اور اگر اس کی کل نیکیاں بھی

ظلم کی کفایت نہیں کر سکیں گی تو مظلوم کے گناہ ظالم کی گردن پر لاد دیے جائیں گے۔ اس

نے عمر بھر جس قدر نیکیاں کی ہوں گی ان سے تھی دامن ہر جائے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے ایسے ہی ایک شخص کو حقیقی معنی میں مفلس بتایا ہے۔

## ۵۔ نحوست

ظلم کی نحوست بعض دفعہ اس قدر وسیع اور دیرپا ہوتی ہے کہ پورے رقبہ وقوع پر چھا جاتی ہے اور ایک غصہ تک باقی رہتی ہے۔ سماوی آفات کی مصیبت میں اس رقبہ کے انسان درکنار چرند و پرند بھی مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس نحوست کے ٹالنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی ظالموں کا مقابلہ کرے اور ان کے انجام سے درسِ عبرت حاصل کرے۔

## حدیث (۶۰)

وَعَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

أَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ قَالَوا الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ

کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ (صحابہ نے) کہا ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ کوئی درہم ہے

وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي

نہ سامان آپ نے فرمایا، میری امت میں سے مفلس وہ ہوگا

مَنْ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ

جو قیامت کے روز نماز، صیام اور زکوٰۃ لائے گا

وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هَذَا وَأَكَلَ مَالَ هَذَا

اور آئے گا تو اس کو بُرا کہا ہوگا اور اس پر بہتان لگایا ہوگا اور اس کا مال کھایا ہوگا

وَسَفَكَ دَمَ هَذَا وَضَرَبَ هَذَا فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ

اور اس کا خون بہایا ہوگا اور اسے پیٹا ہوگا تو کچھ اسے اس کی نیکیوں سے دیا جائے گا

وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ

اور کچھ اسے اس کی نیکیوں سے (دیا جائے گا) پھر اگر اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی

۱۔ حضرت ابو ہریرہ سے

قَبْلَ أَنْ يَقْضَىٰ مَا عَلَيْهِ أَخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ

اس سے پہلے کہ چکایا جائے جو اس کی گردن پر ہے تو ان کی خطائیں لے کر

فَطَرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طَرِحَ فِي النَّارِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اس پر ڈال دی جائیں گی اور وہ آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ اس کی روایت مسلم نے کی

الفاظ کے معانی

آتَى : آیا۔ آتَى بِهِ : لایا۔ يَأْتِيُ آتَى : يَأْتِيُ بِهِ لاتا ہے۔  
مَشْتَمٌ : بُرَا كَمَا - کالی دی۔ قَذَفَ : بَتَان لُكَايَا - تہمت لگائی۔  
سَفَلًا : خون بہایا۔

أَعْطَى : دیا۔ يُعْطَى دے گا۔ يُعْطَى اسے دیا جائے گا۔

فَنِي : فنا ہوا۔ فَنِيَتْ اس سے مَوْنَتَا کا صیغہ ہے۔

قَضَى : چکایا۔ يُقْضَى چکایا جاتا ہے۔

خَطَايَا : جمع ہے خَطِيئَةٍ کی۔ خطائیں۔

## تشریح حدیث (۶۰)

ہر عبادت سے مقصود تقویٰ پیدا کرنا ہے۔ قرآن حکیم میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ تمام عبادات کا مقصد تقویٰ بتایا گیا ہے۔ تقویٰ سے مراد دل کی ایسی کیفیت ہے جو انسان کو ایک طرف تو بدی کے ارتکاب سے بچاتی ہے اور دوسری جانب اسے نیکی کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اگر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سے تقویٰ پیدا نہ ہو سکا تو گویا ان عبادات کا مقصد حاصل نہ ہو سکا، یہ عبادات بے مقصد رہیں۔ سب سے بڑی نیکی دوسرے انسان کی خدمت کرنا، اسے فیض پہنچانا اور اس کے دل کو خوشی دینا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ، "لوگوں میں سب سے اچھا وہ ہے جو انہیں فائدہ پہنچاتا ہے" سب سے بڑی بدی دوسرے انسان کو اذیت دینا ہے۔

ایذا کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اس حدیث شریف میں اس کی ان صورتوں کا ذکر

کیا گیا ہے؛ بُرا کنا۔ گالی دینا۔ تہمت لگانا۔ دوسرے کا ناحق مال کھانا۔ خون بہانا، یعنی جان پر حملہ کرنا۔ پیٹنا۔ ان میں سے ہر صورت سے انسان کو بہت دکھ اور نقصان پہنچاتا ہے، جس کے نہایت بھیانک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ان سے باہمی نفرت اور بغض و عداوت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جو معاشرتی امن و سکون کو تباہ کر کے اس میں سخت بگاڑ کا سبب کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جو معاشرتی امن و سکون کو تباہ کر کے اس میں سخت بگاڑ کا سبب بنتے ہیں ویسے بھی کتنے کتم کی بات ہے کہ ایک تو انسان قدرتی مصائب و آلام (آفاتِ سماویہ، بیماریوں و عجزہ) کا سامنا کرے اور اس کے علاوہ خود اپنے ہی بنی نوع کے ہاتھوں بھی دکھ اٹھائے۔ اس طرح تو زندگی اجیرن ہو جائے گی۔

اذیت دینے والا شخص دنیا میں بھی اپنے کیے کی سزا بھگتتا ہے، مثلاً دوسروں کی محبت سے محروم ہو جاتا ہے۔ روحانی بالیدگی پانے سے قاصر رہتا ہے بلکہ اس کی شخصیت مسخ ہو جاتی ہے اور وہ روحانی کرب میں مبتلا رہتا ہے۔ آخرت میں بھی وہ سخت سزا کا حق دار ہوگا، اس کی عبادات، نماز، روزہ، زکوٰۃ اس کی نجاتِ اُخروی کا ضامن نہ ہو سکیں گی اس کی نیکیاں لے کر مظلوم کو دے دی جائیں گی، پھر بھی اس کے مظالم کا حساب بقیاق نہ ہو تو مظلوم کے گناہ اس کے کھاتے میں ڈال دیے جائیں گے۔ یوں وہ یوم حساب کو بالکل تہی دامن ہو جائے گا اور ایسے شخص کو حضورؐ نے اس حدیث میں حقیقی مفلس قرار دیا ہے۔ مختصر یہ کہ حقوق العباد کی پاسداری اور ادائیگی آخرت میں کامیابی کے لیے اشد ضروری ہے۔



# کتاب المختصر للقُدوری

---

کتاب الصلوة

## تعارُف

پیشتر اس کے کہ قدوری کی ”المختصر“ کی کتاب الصلوٰۃ کا متن مع ترجمہ و ضروری تشریحات پیش کیا جائے مناسب ہوگا کہ فقہ، حنفی فقہ اور قدوری کا مختصر تعارف کرا دیا جائے۔

### فقہ کی تعریف

فقہ کا لغوی معنی سمجھ بوجھ ہے۔ اسلامی علوم میں فقہ ایک نہایت ہی اہم اور بلند پایہ علم کا نام ہے اور اس معنی میں اس کا مفہوم ایک ایسے علم کا ہے جس میں منصوص (جو نص سے ثابت ہے) کا حکم غیر منصوص (جو نص میں مذکور نہیں) پر اجتہاد کے ذریعے، جس کے قواعد مقرر ہیں، منطبق کیا جاتا ہے۔ یہ اصول سے فروع کے استنباط کا علم ہے۔ فقہ کے دائرہ کار میں درج ذیل شعبے شامل ہیں:

- ۱- عبادات، عیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج۔
- ۲- شخصی قوانین (نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ سے متعلق)۔
- ۳- مالی معاملات، جیسے خرید و فروخت، شراکت، مضاربت، تقسیم جائداد، غصب وغیرہ۔
- ۴- سزائیں، جیسے قتل، چوری، رہزنی، تہمت، زنا وغیرہ کی سزائیں۔
- ۵- عدالتی مسائل، جیسے دعویٰ، شہادت وغیرہ۔
- ۶- جہاد، مالِ غنیمت وغیرہ۔
- ۷- حکومتی امور، جیسے حکمران، وزراء، عمال و حکام کا تقرر وغیرہ، محاصل، جیسے خراج، غنم، جزیہ وغیرہ۔
- ۸- غیر اقوام کے ساتھ معاملات۔

### فقہ کے ماخذ

فقہ کے اصل اور اہم ترین ماخذ تو کتاب اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ کسی بھی مسئلے کا حکم معلوم کرنے کے لیے سب سے پہلے قرآن حکیم کی طرف رجوع کرتے ہیں، وہاں اس کا حکم نہ ملے تو پھر سنت کے لیے ہیں۔ اگر ان دونوں بنیادی ماخذ میں حکم

نہ ملے تو اس کے بعد دو اور ماخذ ہیں: اجماع اور قیاس۔ اجماع سے مراد یہ ہے کہ کسی زمانے میں تمام علمائے مجتہدین کسی فیصلہ پر متفق ہو جائیں۔ اس ضمن میں سب سے پہلے اجماع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا درجہ ہے۔ چوتھا ماخذ قیاس ہے۔ اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے جس کا حل نہ کتاب و سنت میں موجود ہو اور نہ اس کے بارے میں اجماع ہو تو اس کا حل قیاس کے ذریعے (یعنی اپنی عقل اور رائے سے کام لے کر) تلاش کیا جاتا ہے۔ قیاس کے بھی کچھ قواعد و ضوابط ہیں (فقہ اس میں مکمل طور پر آزاد نہیں ہوتا)۔ قیاس کا جواز قرآن حکیم اور حدیث نبوی سے ثابت ہے (اگرچہ اس کے عدم جواز کے بارے میں بھی قرآن و حدیث سے دلائل دیے جاتے ہیں)۔ چاروں مذاہب فقہ میں سے حنفی فقہ میں قیاس کا سب سے زیادہ استعمال کیا گیا ہے۔ اسی لیے احناف کو اہل الرائے بھی کہا جاتا ہے اور یہی بات غالباً حنفی فقہ کی اس قدر مقبولیت کا سبب ہے۔

قیاس کی بنیاد یہ نظریہ ہے کہ شریعت کے تمام احکام مخصوص اغراض و مصالح کے حصول کے لیے صادر ہوئے ہیں چنانچہ یہ اغراض و مصالح ان احکام کی علل غائیہ (اصل اسباب) ہیں پس فقہاء شرعی حکم کی مخصوص غرض و مصلحت معلوم کرتے ہیں جو اس کی علت غائیہ ہے پھر اگر ایک مسئلہ کے حکم کی علت غائیہ دوسرے مسئلہ میں پائی جائے تو چونکہ دونوں مسئلوں کی علت غائیہ مشترک یعنی ایک ہے اس لیے جس مسئلہ کا حکم نص سے معلوم ہے دوسرے مسئلہ پر جس کا حکم نص میں مذکور نہیں، لاگو کر دیا جائے گا۔ مثلاً خمر (شراب) کو قرآن حکیم میں حرام قرار دیا گیا ہے اور اس کی حرمت کا سبب اس کا نشہ آور ہونا ہے۔ پس اس پر قیاس کرتے ہوئے ہر وہ مشروب وغیرہ حرام ٹھہرے گا جس میں خمر کی حرمت کا یہ سبب (علت غائیہ) یعنی نشہ آور ہونا پایا جائے۔ فقہانے قیاس کے صحیح ہونے کے لیے کچھ شرائط مقرر کی ہیں، ان کے بغیر قیاس درست نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا چار دلائل شرعیہ (یا مصادر فقہ) کے علاوہ حنفی فقہاء امتحان کو اور مالکیہ مصالح مرسلہ کو بھی دلیل شرعی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ امتحان سے مراد یہ ہے کہ قیاس کو ترک کر کے ایسی صورت اختیار کی جائے جو لوگوں کے لیے زیادہ منفعت بخشنے ہو یا بہتر طور پر مشقت کو رفع کرنے والی ہو۔ مصالح مرسلہ سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی مصلحت عامہ کے لیے نص میں حکم موجود نہ ہو اور وہ مصلحت شریعت کی روح کے مطابق ہو تو اسے اختیار کرنے کا حکم دے دیا جائے۔ مصالح مرسلہ کی دلیل کو صرف معاملات میں استعمال کیا جاتا ہے عبادات میں ہرگز نہیں۔ مصلحت عامہ کا شریعت کی منشا کے مطابق ہونا بھی شرط ہے۔ اس کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ مصلحت عامہ کا تعلق ضروریات زندگی (یعنی جو امور مذہب، جان، مال، آبرو، نسل کی حفاظت

کے لیے ضروری ہوں) یا ایسے امور سے ہو جو معاش کی بہتری کے لیے ضروری ہوں اور ان کا تعلق ایسے امور سے نہ ہو جو تعیش اور زیب و زینت کی ذیل میں آتے ہیں۔ استحسان اور مصالحِ مرسلہ کی بنیاد یہ نظریہ ہے کہ شریعت کا مقصد رفاهِ عامہ کا حصول، انسان کی زندگی کو سہل بنانا اور اس سے بے جا مشقت کو دور کرنا ہے۔

### فقہ کی ضرورت و اہمیت

انسانی فکر اور تہذیب و ثقافت ہمیشہ سے ارتقاء پذیر ہیں اور رہیں گے۔ انسانی معاشرہ کبھی جامد نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ متحرک ہو کر آگے بڑھتا رہتا ہے اور جو معاشرہ متحرک نہ رہے اور جمود کا شکار ہو جائے وہ زوال پذیر ہو کر صفحہ ہستی سے مٹ جاتا ہے۔ معاشرہ زندگی کے ہر شعبے میں مسئلہ، ارتقائی منازل طے کرتا رہتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے اور اس کے ثبوت میں دلائل اور مثالیں دینا محض وقت کا ضیاع ہے۔ اس ارتقاء کی وجہ سے نئے نئے حالات اور مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، جنہیں حل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ شریعتِ اسلامی میں ابتداء میں ہی قیامت تک پیش آنے والے تمام مسائل کے احکام بتا دیے جاتے۔ اس سے پہلے بھی بہت سی شریعتیں انسان کو عطا ہوئیں، ہر نئی شریعت سابقہ شریعت سے مختلف اور اس کی ناسخ ہوتی تھی اور شریعتِ اسلامی نے کچھلی تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا (اگرچہ دین تمام انبیاء و رسل کا ایک ہی رہا)۔ سابقہ شریعتوں کے اختلاف و نسخ کا سبب یہی تھا کہ انسانی معاشرے کے حالات تبدیل ہو جاتے تھے، نئے نئے مسائل اور تقاضے پیدا ہو جاتے تھے جو ایک نئی شریعت کے متقاضی ہوتے۔ شریعتوں کو نازل کرنے والی ذاتِ الہیہ تو ایک ہی تھی لیکن جن کے لیے شریعت نازل کی جاتی تھی ان کے حالات بدل جاتے تھے۔ حالات میں تبدیلی کا یہ سلسلہ اسلامی شریعت کے نازل ہونے کے بعد منقطع تو نہیں ہو گیا البتہ شریعتوں کے نزول اور انبیاء کی بعثت کا سلسلہ ضرور منقطع ہو گیا ہے۔ تو اب نئے نئے پیش آمدہ مسائل کے احکام کیونکر معلوم کیے جائیں؟ سی سوال کا جواب علمِ فقہ ہے۔ فقہائے کرام نے اجتہاد کے ذریعے نئے مسائل کے احکام مستنبط کیے اور آئندہ کرتے رہیں گے۔ اجتہاد کا یہ عمل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مصلح کے فوراً بعد ہی شروع ہو گیا تھا اور آج تک جاری ہے۔

## حنفی فقہ

فقہ کے چار مذاہب نے شہرتِ دوام پائی ہے: حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی فقہ۔ یہ چاروں مذاہب اپنے بانیوں کے اسمائے گرامی، امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل سے موسوم ہیں۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کی غالب اکثریت انہی مذاہبِ اربعہ کی پیروکار رہی ہے۔ اور سب سے زیادہ مقبولیت حنفی فقہ کو حاصل رہی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اس وقت دنیا بھر کے مسلمانوں کی دو تہائی تعداد حنفی فقہ کی پیروکار ہے۔ خلافتِ عباسیہ اور سلطنتِ عثمانیہ کے زمانے میں حنفی فقہ کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل تھی۔ حنفی فقہ کے بانی ابو حنیفہؒ امام اعظم کے لقب سے مشہور ہیں۔

امام اعظمؒ (۸۰ھ تا ۱۵۰ھ) نے اپنے مولد کوفہ میں، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دار الخلافہ رہنے کے بعد علماء کا مرکز بن گیا تھا، حماد بن ابی سلیمانؒ، عبدالرحمن بن ہرمزؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، عمرو بن دینارؒ اور عامر بن جلیسے مشہور بزرگوں سے علوم متداولہ (علم کلام، کتاب و سنت اور فقہ کا علم) کی تعلیم پائی۔ آپ کے شاگردوں میں عبداللہ بن مبارکؒ، وکیع بن جراحؒ، یحییٰ بن سعید القطانؒ، عبدالرزاق بن ہمامؒ، داؤد طائیؒ، یزید بن ہارونؒ، زفر، ابو یوسفؒ اور محمد بن حسن شیبانیؒ ایسے مشہور ائمہ شامل ہیں۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ آپ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ حنفی فقہ کی تدریس کا زیادہ تر کام امام محمدؒ نے انجام دیا۔ امام محمدؒ کی تدوین کردہ کتابوں میں سے جن کی روایت ثقہ راویوں نے امام محمدؒ سے کی ہے انہیں کتب ظاہر الروایۃ کہا جاتا ہے اور یہ چھ ہیں: المبسوط، الجامع البکیر، الجامع الصغیر، کتاب السیر البکیر، ... کتاب السیر الصغیر اور التزیادات۔ بعد میں متعدد علماء نے امام محمدؒ کی ان کتابوں پر (شرح و حاشیہ) کام کیا۔ چونکہ حنفی فقہ عباسی خلافت اور عثمانی سلطنت میں سرکاری مذہب رہا ہے اس لیے بے شمار علمائے کبار نے حنفی فقہ پر کام کیا اور اس کے لٹریچر کا ایک عظیم ذخیرہ تیار ہو گیا۔

## قدوریؒ

متاخر علماء میں سے جن کی کتابوں کو بہت قبولِ عام حاصل ہوا ان میں سرخسی (مؤلف کتاب المبسوط)، کرخی (مؤلف خزائنہ الاکمل)، کاسانی (مؤلف بدائع الصنائع)، قدوری (مؤلف کتاب المختصر)، مرغینانی (مؤلف ہدایۃ)، محمود محبوبی (مؤلف وقایۃ مختصر الہدایۃ)، ابن الساعانی (مؤلف مجمع البحرین)، نسفی (مؤلف کنز الدقائق)

شامل ہیں۔ قدوریؒ کی المختصر، مرغینانیؒ کی ہدایۃ اور نسفی کی کنز الدقائق کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہے۔ قدوریؒ کا پورا نام ابو الحسن احمد بن محمد تھا۔ آپ بغداد کے محلہ قدور (کہار محلہ) قدور جمع ہے قدور کی، ہنڈیا کے رہنے والے تھے اس نسبت سے قدوری کہلائے۔ آپ پانچویں صدی ہجری کے مشہور علماء میں سے ہیں۔ آپ کی مولفہ کتاب المختصر کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ مرغینانیؒ کی بہت ہی مشہور کتاب ہدایۃ قدوریؒ کی المختصر اور امام محمدؒ کی الجامع الصغیر کی شرح ہے۔

## بَابُ أَوْقَاتِ الصَّلَاةِ

أَوَّلُ وَقْتِ الْفَجْرِ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ الثَّانِي

فجر (کی نماز) کا پہلا وقت تب ہوتا ہے جب صبح صادق طلوع ہو جائے

وَهُوَ الْبَيَاضُ الْمُعْتَرِضُ فِي الْأُفُقِ وَآخِرُ وَقْتِهَا

اور وہ ہے افق میں پھیلنے والا سپیدہ اور اس کا آخری وقت (اس وقت تک ہے)

مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ لَهُ وَأَوَّلُ وَقْتِ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ

جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے۔ اور ظہر (کی نماز) کا پہلا وقت تب ہوتا ہے جب کہ سورج ڈھل جائے

وَآخِرُ وَقْتِهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى

اور اس کا آخری وقت ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تب ہوتا ہے

إِذَا صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلِيهِ سِوَى فَيْءِ الزَّوَالِ

جب ہر چیز کا سایہ اس (چیز) سے دوگنا ہو جائے، زوال کے سائے کو چھوڑ کر

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ إِذَا صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ

اور ابو یوسف اور محمد رحمہما اللہ نے فرمایا کہ جب ہر چیز کا سایہ اس (چیز) کے برابر ہو جائے

وَأَوَّلُ رَقَّتِ الْعَصْرِ إِذَا خَرَجَ وَقْتُ الظُّهْرِ عَلَى الْقَوْلَيْنِ

اور عصر (کی نماز) کا پہلا وقت تب ہوتا ہے جب کہ مذکورہ دونوں اقوال کے مطابق ظہر کا وقت نکل جائے

وَآخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ تَغْرِبِ الشَّمْسُ لَهُ وَأَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ

اور اس کا آخری وقت تب تک ہے جب تک سورج غروب نہ ہو جائے اور مغرب (کی نماز) کا پہلا وقت

إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَأَخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ تَغِبِ الشَّفَقُ

جب سورج غروب ہو جائے اور اس کا آخری وقت تب تک ہوتا ہے جب تک شفق غائب ہو جائے

وَهُوَ الْبَيَاضُ الَّذِي يُرَى فِي الْأَفْقِ بَعْدَ الْحُمْرَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ

اور وہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ پسیدہ ہے جو افق میں سرخی کے بعد دکھائی دیتا ہے

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ هُوَ الْحُمْرَةُ

اور ابو یوسف اور محمد رحمہما اللہ نے فرمایا کہ وہ (یعنی شفق) سرخی ہے

وَأَوَّلُ وَقْتِ الْعِشَاءِ إِذَا غَابَ الشَّفَقُ وَأَخِرُ وَقْتِهَا

اور عشاء کی نماز کا اول وقت تب ہوتا ہے جب شفق غائب ہو جائے اور اس کا آخری وقت

مَا لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ الثَّانِي هُوَ وَأَوَّلُ وَقْتِ الْوُتْرِ

تب تک ہوتا ہے جب تک صبح صادق طلوع نہ ہو جائے۔ اور وتر (کی نماز) کا اول وقت

بَعْدَ الْعِشَاءِ وَأَخِرُ وَقْتِهَا مَا لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ

عشاء کے بعد ہے اور اس کا آخری وقت تب تک ہے جب تک فجر طلوع نہ ہو جائے

وَيُسْتَحَبُّ الْإِسْفَارُ بِالْفَجْرِ وَالْإِبْرَادُ بِالظُّهْرِ فِي الصَّيْفِ

اور مستحب ہے فجر کی نماز کو دن کی روشنی میں پڑھنا اور ظہر کو موسم گرما میں ٹھنڈا کر کے (یعنی دیر سے) پڑھنا

وَتَقْدِيمُهَا فِي الشِّتَاءِ وَتَأْخِيرُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَتَّغَيَّرِ الشَّمْسُ

اور موسم سرما میں اسے جلدی پڑھنا اور عصر کو اس وقت تک مؤخر کرنا جب تک سورج متغیر نہ ہو جائے

وَتَعْجِيلُ الْمَغْرِبِ وَتَأْخِيرُ الْعِشَاءِ إِلَى مَا قَبْلَ ثُلُثِ اللَّيْلِ

اور نماز مغرب کو جلدی پڑھنا اور نماز عشاء کو رات کے تیسرے حصے سے پہلے تک مؤخر کرنا

وَيُسْتَحَبُّ الْوُتْرُ مَنْ يَأْتِي صَلَاةَ اللَّيْلِ أَنْ يُؤَخَّرَ الْوُتْرُ

اور جو شخص تہجد کا عادی ہو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ مؤخر کر دے وتر کو



إِلَىٰ آخِرِ اللَّيْلِ وَإِنْ لَّمْ يَثِقْ بِإِدْتِبَاهِهِ أَوْ تَرَ قَبْلَ النَّوْمِ كِه

رات کے پچھلے حصے تک اور اگر بیداری کا وثوق نہ ہو تو سونے سے پہلے وتر پڑھ لے

## تشریحات

### عبارت ۱

**الْفَجْرُ**: اصل معنی پھاڑنا چیرنا ہے۔ صبح کو فجر اس لیے کہتے ہیں کہ اس وقت دن کا نور رات کی تاریکی کو چیر کر نمودار ہوتا ہے۔ **الْفَجْرُ الْأَوَّلُ** صبح کا ذب کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد وہ روشنی ہے جو ایک مستطیل سفید دھاری کی شکل کی ہوتی ہے جس کے دونوں طرف تاریکی ہوتی ہے۔ یہ روشنی پھیلتی نہیں۔ یہ کالے بھڑیے کی دم سے مشابہ ہوتی ہے کیونکہ کالے بھڑیے کی دم کا پخلا حصہ سفید ہوتا ہے اور اس کے اطراف کالے ہوتے ہیں۔

**الْفَجْرُ الثَّانِي**: اس سے مراد صبح صادق ہے یعنی سورج کی وہ روشنی جو اس کے طلوع ہونے سے پہلے مشرق میں نمودار ہوتی ہے اور پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ تمام آسمان پر پھیل جاتی ہے۔

**الْبَيَاضُ**: سپیدہ۔ **الْمُعْتَرِضُ**: پھلنے والا۔

**مَا لَمْ تَطْلُعْ**: جب تک کہ طلوع نہ ہو (ما تو قسمیہ ہے)۔

اس عبارت میں فجر کی نماز کا وقت بتایا گیا ہے۔ اس کا اول وقت (یعنی جس سے پہلے یہ نماز پڑھنا درست نہیں) صبح صادق کے طلوع ہونے کا وقت ہے اور آخر وقت (یعنی جس کے بعد یہ نماز پڑھنا درست نہیں) اس وقت تک ہے جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے۔ یعنی نماز فجر کا وقت صبح صادق کے طلوع ہونے سے لے کر سورج کے طلوع ہونے سے ذرا پہلے تک ہے۔ اس دوران میں فجر کی نماز ادا کرنا درست ہے۔

### عبارت ۲

**زَالَتْ**: ڈھل گئی، زائل ہو گئی۔ **زَوَالُ** مصدر ہے۔ سورج کے زوال سے مراد ہے سورج کا وسط آسمان سے مغرب کی طرف کو جھکنا۔

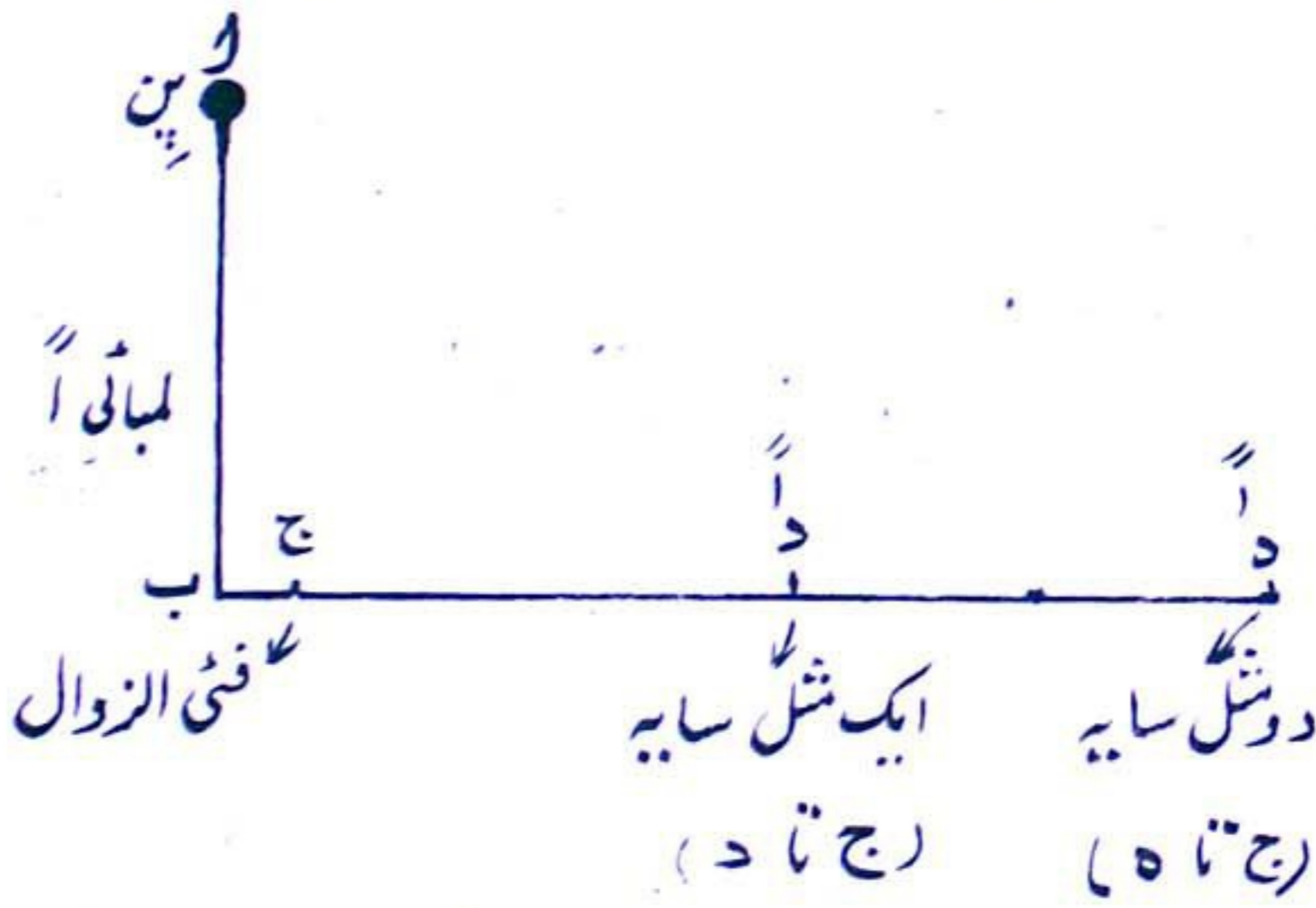
**صَارَ**: ہو گیا۔ **ظِلٌّ**: سایہ

**مِثْلِيهِ**: اس سے دوگنا۔ اس میں ۵ کی ضمیر شئی کی طرف رجوع کر رہی ہے۔ یعنی جب

۱۷ تشریحات میں سہولت کی خاطر متن کو اجزا میں اس طرح تقسیم کیا گیا ہے

ہر چیز کا سایہ اس چیز کی اپنی لمبان سے دوگنا ہو جائے۔

یسوی فنی والزوال: زوال کے سائے کے سوا۔ فنی کا معنی ہے سایہ۔ عین دوپہر کے وقت سایہ سب سے چھوٹا ہوتا ہے یا بالکل نیچے چھپ جاتا ہے اس کے بعد پھر آہستہ آہستہ بڑھنے لگتا ہے۔ جب سایہ بڑھنے لگے تو جان نیچے کہ سورج ڈھلنے لگا۔ نماز کے اوقات کا حساب لگاتے وقت سورج کے زوال سے پہلے کے اس سب سے چھوٹے سائے کو شمار نہیں کرتے۔ مثلاً جب یہ کہا جائے کہ نماز ظہر کا آخری وقت تب تک ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ اس کی اپنی لمبان کے برابر ہو جائے تو لمبان کے برابر کا یہ سایہ دوپہر کے سائے کو منہا کر کے نکالا جائے گا۔ اس کی وضاحت نیچے شکل سے ہو جائے گی۔



نماز ظہر کا اول وقت تب ہوتا ہے جب سورج ڈھل جائے یعنی آسمان کے وسط سے جھک جائے۔ اس کے آخر وقت کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ یعنی امام ابوحنیفہؒ کے دو شاگردوں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز ظہر کا آخر وقت اس وقت تک ہے جب تک ہر چیز کا سایہ، فنی الزوال کو منہا کر کے اس کی اپنی لمبان سے دوگنا نہ ہو جائے جب کہ صاحبین کے نزدیک آخر وقت وہ ہے جب ہر چیز کا سایہ اس کی اپنی لمبان کے برابر نہ ہو جائے۔ (فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے)

### عبارت ۳

خروج: نکل گیا۔ باہر ہو گیا۔

عَلَى الْقَوْلَيْنِ: دو قولوں کی بنا پر۔ یعنی نماز ظہر کے آخری وقت کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے دو قولوں کی بنا پر۔ امام صاحب کا قول یہ ہے کہ آخری وقت اس وقت تک ہوتا ہے جب تک ہر چیز کا سایہ اس کی اپنی لمبان سے دوگنا نہ

نہ ہو جائے اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ جب تک ہر چیز کا سایہ اس کی اپنی لمبان کے برابر نہ ہو جائے۔

مَا لَمْ تَغْرُبْ : جب تک غروب نہ ہو جائے۔ (مَا تَوْقِيتِيہ ہے) اس عبارت میں نماز عصر کا وقت بتایا گیا ہے۔ اس کا اول وقت وہ ہے کہ جب نماز ظہر کا آخری وقت اختتام کو پہنچ جائے، یعنی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس وقت جب ہر چیز کا سایہ، زوال کے سائے کو چھوڑ کر، اس چیز کی اپنی لمبان سے دوگنا ہو جائے اور صاحبین کے نزدیک تب جب ہر چیز کا سایہ اس چیز کی اپنی لمبان کے برابر ہو جائے۔ یہ نماز ظہر کا آخری وقت ہے۔ اس کے بعد نماز عصر کا اول وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اور نماز عصر کا آخری وقت سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے تک ہے۔ یعنی جب کسی چیز کا سایہ اس کی اپنی لمبان سے زیادہ ہو جائے (اور امام صاحب کے قول کے مطابق دوشل سے بڑھ جائے) تو نماز عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور سورج کے غروب ہونے پر نماز عصر کا وقت جاتا رہتا ہے۔

### عبارت ۷

مَا لَمْ تَغِبْ : جب تک غائب نہ ہو۔

السَّيْقُ : سورج کے ڈوبنے کے بعد اس کی روشنی  
الْبَيَاضُ : سپیدہ۔ الْحُمْرَةُ : سرخی۔

مُوسَى : دیکھا جاتا ہے۔

اس عبارت میں مغرب کی نماز کا وقت بتایا گیا ہے جو سورج کے غروب ہونے سے لے کر شفق کے غائب ہونے تک ہے۔ شفق سے مراد کیا ہے؟ اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ امام صاحب کے نزدیک شفق سے مراد ہے وہ سپیدہ جو افق میں سرخی کے بعد دکھائی دیتا ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک افق میں سرخی کو شفق کہتے ہیں۔

### عبارت ۸

اس عبارت میں عشاء کی نماز کا وقت بتایا گیا ہے۔ اس کا اول وقت تب ہے جب شفق (امام صاحب کے نزدیک افق میں نظر آنے والی سفیدی اور صاحبین کے نزدیک افق میں سرخی) غائب ہو جائے۔ اور اس کا آخری وقت صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے تک ہے۔

### عبارت ۹

نماز وتر کا اول وقت نماز عشاء کے بعد ہے اور اس کا آخری وقت صبح کے طلوع

ہونے سے پہلے تک ہے۔

### عبارت کہ

يُسْتَحَبُّ : پسند کیا جاتا ہے۔ ترجیح دیا جاتا ہے۔ اِسْتَحَبَّهٗ : اسے پسند کیا۔  
اسے ترجیح دی۔ يَسْتَحِبُّ : وہ پسند کرتا ہے، ترجیح دیتا ہے۔ يَسْتَحَبُّ اس سے  
مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ اس سے اسم مفعول کا صیغہ مُسْتَحَبُّ ہے، پسندیدہ  
ترجیح دیا ہوا۔ شرع میں اس کا مُسْتَحَبُّ کہتے ہیں جس کے کرنے کی شارع نے  
ترغیب دی ہو مگر اسے واجب قرار نہ دیا ہو۔

الْاِسْفَارُ : ظاہر کرنا۔ روشن کرنا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ روشنی نمایاں ہو جائے۔  
الْاِبْرَادُ : ٹھنڈا کرنا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ موسم گرما کی سخت گرمی میں ظہر کی نماز ٹھنڈا  
وقت کر کے پڑھی جائے یعنی اتنی دیر تک انتظار کیا جائے کہ دھوپ کی تپش کم ہو جائے۔  
الصَّيْفُ : موسم گرما۔ تَقْدِيمُ : مقدم کرنا۔ آگے بڑھانا۔ النَّسَاءُ : موسم سرما۔  
تَعْجِيلُ : عجلت کرنا۔ جلدی کرنا۔

يَأْتُ : مانوس ہونا۔ عادی ہونا۔

صَلَاةُ اللَّيْلِ : رات کی نماز یعنی تہجد کی نماز۔

يُؤَخِّرُ : مؤخر کرنا۔ پیچھے ہٹانا۔

كَمْ يَتَّقُ : وثوق نہ ہوا۔ مجبور و سہیا یقین نہ ہوا۔

الْاِدْنِيَابُ : بیدار ہونا۔ جاگنا۔

اَوْ تَرَّ : وتر نماز پڑھی۔ اَلنَّوْمُ : نیند۔

اس عبارت میں جملہ فرض نمازوں کے مستحب اوقات بیان کیے گئے ہیں جو اس طرح  
ہیں : (۱) فجر کی نماز روشنی نمایاں ہونے پر۔ (۲) ظہر کی نماز موسم گرما میں ٹھنڈا وقت کر کے  
اور موسم سرما میں مقدم کر کے۔ (۳) عصر کی نماز اول وقت سے تاخیر کر کے لیکن اتنی تاخیر  
نہ کی جائے کہ سورج کا رنگ بدل جائے۔ (۴) مغرب کی نماز اول وقت میں ادا کرنا۔  
(۵) عشاء کی نماز میں ایک تہائی رات گزرنے سے پہلے تک تاخیر کرنا مستحب ہے۔ (۶)  
دتر کی نماز کو رات کے آخری حصے تک مؤخر کرنا مستحب ہے اس شخص کے لیے  
جو تہجد کی نماز کا عادی ہو البتہ اگر اسے بیدار ہونے کا یقین نہ ہو تو سونے سے  
پہلے وتر کی نماز پڑھ لے۔

## مَسَائِل

اس باب میں فرض نمازوں کے اوقات کے بارے میں مسائل بیان کیے گئے ہیں جو درج ذیل ہیں :

### ۱۔ فجر کی نماز

فجر کی نماز کا اول وقت تب ہوتا ہے جب صبح صادق طلوع ہو جائے اور صبح صادق سے مراد ہے افق میں پھیلنے والی سفیدی۔ یعنی سورج کے طلوع ہونے سے پہلے جب سورج کی روشنی تمام افق پر چھا جائے اور پورے آسمان پر پھیل جائے۔ فجر کی نماز کا آخر وقت اس وقت تک ہے جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے۔ گویا فجر کی نماز صبح صادق کے طلوع ہونے سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک کے درمیانی عرصے میں پڑھی جاسکتی ہے۔ صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے اور سورج کے طلوع ہونے کے بعد نماز فجر ادا کرنا درست نہیں۔

### ۲۔ ظہر کی نماز

ظہر کی نماز کا وقت سورج ڈھلنے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے یعنی جس وقت بھی سورج وسط آسمان سے ٹھکے اسی وقت ظہر کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک ہر چیز کا سایہ، زوال کے سائے کو شامل کیے بغیر اس کی لمبان کے برابر ہے جب اس سے بڑھ جائے گا ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا۔ یہ موقف صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد) کا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ظہر کا وقت اس وقت تک ہے جب ہر چیز کا سایہ زوال کے سائے کو شامل کیے بغیر اس کی اپنی لمبان سے دوگنا ہو جائے، اس کے بعد ظہر کا وقت نہ رہے گا۔

### ۳۔ عصر کی نماز

ظہر کی نماز کے آخر وقت کے اختتام کے بعد سے ہی عصر کی نماز کا اول وقت شروع ہو جاتا ہے اور نماز ظہر کا آخر وقت امام ابو حنیفہ کے نزدیک دوگنا سائے تک ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک برابر کے سائے تک ہے۔ اور عصر کی نماز کا آخر وقت اس وقت تک ہے جب تک سورج غروب نہیں ہو جاتا۔

### ۴۔ مغرب کی نماز

اس کا اول وقت تب ہوتا ہے جب سورج غروب ہو جائے۔ یعنی سورج کی پوری ٹکیا غائب ہو جائے اور اس کا آخر وقت شفق کے غائب ہونے تک ہے۔

شفق سے مراد امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک افق میں سرخی کے بعد دکھائی دینے والی سفیدی ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک اس سے مراد سرخی ہے جو افق میں نظر آتی ہے۔

### ۵۔ عشاء کی نماز

عشاء کی نماز کا وقت تب شروع ہوتا ہے جب شفق غائب ہو جائے (اور شفق سے مراد امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک افق میں سرخی کے بعد نظر آنے والی سفیدی ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک سرخی ہے) اور صبح صادق کے طلوع ہونے تک رہتا ہے۔

### ۶۔ وتر کی نماز

اس کا وقت عشاء کے بعد شروع ہوتا ہے اور صبح کے طلوع ہونے تک رہتا ہے۔

### ۷۔ مستحب اوقات

شریعت نے ہر فرض نماز کے وقت کا دورانیہ اچھا خاصا رکھا ہے تاکہ امت کو سہولت رہے۔ ہر نماز کے اول وقت اور آخر وقت کے درمیان خاصا لمبا وقت ہوتا ہے۔ تاہم شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر نماز کا مستحب وقت بھی بیان فرما دیا ہے یعنی آپؐ نے اس وقت نماز پڑھنے کی ترغیب دی ہے اور اس وقت نماز ادا کرنا پسندیدہ ہے۔ یہ مستحب اوقات حسب ذیل ہیں:

(i) فجر کی نماز کا مستحب وقت تب ہے جب سورج طلوع ہونے سے پہلے سورج کی روشنی اچھی طرح نمایاں ہو جائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

أَسْفِرُ وَإِبْلُفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ، یعنی نماز فجر کے لیے روشنی پھیلنے دیا کرو کیونکہ اس کا اجر سب سے عظیم ہے۔

(ii) ظہر کی نماز کا موسم گرما میں مستحب وقت تب ہے جب دھوپ کی نمازات ہلکی پڑ جائے اور قدرے ٹھنڈا وقت ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

أَبْرُدُوا بِالظُّهْرِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ قَيْحِ جَهَنَّمَ، یعنی نماز ظہر کے لیے وقت کو ذرا ٹھنڈا ہو جانے دیا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی جھلسا ہٹ ہے۔

(iii) عصر کی نماز اول وقت سے تاخیر کر کے ادا کرنا مستحب ہے لیکن یہ تاخیر اس قدر نہ ہو کہ سورج کا رنگ بدل جائے۔

(iv) مغرب کی نماز اول وقت میں ادا کرنا مستحب ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

إِنَّ أُمَّتِي لَأَيُّنَ الْوَابِخَيْرِ مَا لَمْ يُؤَخَّرْ وَالْمَغْرِبُ إِلَى

اَسْتَبَاكَ الذُّجُومَ مُضَاهَاةً لِلْيَهُودِ، یعنی یقیناً میری امت کے لوگ اچھے  
 رہیں گے جب تک نمازِ مغرب میں یہودیوں کے مانند اتنی تاخیر نہ کریں گے کہ ستاروں  
 کا ہجوم ہو جائے۔

(۷) عشاء کی نماز کی ادائیگی میں ایک تہائی رات گزرنے سے پہلے تک تاخیر کرنا  
 مستحب ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :  
 لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلَيَّ اُمَّتِي لَوَجَّهْتُ الْعِشَاءَ اِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ اَوْ  
 نِصْفِهِ، یعنی اگر میری امت پر اس امر کے گراں ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں عشاء کی  
 نماز کو ایک تہائی یا نصف رات تک مؤخر کر دیتا۔

(۷۱) جو شخص نمازِ تہجد پڑھنے کا عادی ہو اس کے لیے وتر پڑھنے کا مستحب  
 وقت رات کا پچھلا حصہ ہے البتہ اگر یہ بھروسہ نہ ہو کہ اس وقت بیدار ہو جائے گا  
 تو سونے سے پہلے ہی وتر کی نماز پڑھ لے۔

## بَابُ الْاِذَانِ

اَلْاِذَانُ سُنَّةٌ لِّلصَّلَاةِ الْخَمِيْسِ وَالْجُمُعَةِ دُوْنَ مَا سِوَاهَا

اذان پانچوں نمازوں اور جمعہ کے لیے سنت ہے ان کے سوا اور کسی نماز کے لیے سنت نہیں ہے

وَلَا تُرْجِعُ فِيْهِ وَيَزِيْدُ فِيْ اِذَانِ الْفَجْرِ بَعْدَ الْفَلَاحِ

اور اس میں ترجیع نہیں۔ اور فجر کی نماز میں حتیٰ علی الفلاح کے بعد اضافہ کرے

الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ لَهُ وَالْاِقَامَةُ مِثْلُ الْاِذَانِ

دو مرتبہ الصلوٰۃ خیر من النوم کا۔ اور اقامت بھی اذان کے مانند ہے

اِلَّا اَنَّهٗ يَزِيْدُ فِيْهَا بَعْدَ حَتَّى عَلٰى الْفَلَاحِ

البتہ اس میں حتیٰ علی الفلاح کے بعد اضافہ کرے

قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ مَرَّتَيْنِ لَهٗ وَيَتْرَسَلُ فِي الْاِذَانِ

دو مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کا۔ اور اذان کو ٹھٹھ کر پڑھے

وَيَحْدِرُ فِي الْاِقَامَةِ وَيَسْتَقْبِلُ بِهَا الْقِبْلَةَ فَاِذَا

اور اقامت کو تیزی سے کہے اور ان دونوں میں قبلہ رخ ہو۔ پھر جب

بَلَغَ اِلَى الصَّلَاةِ وَالْفَلَاحِ حَوْلَ وَجْهَيْ يَمِيْنًا وَشِمَالًا

حتیٰ علی الصلوٰۃ اور حتیٰ علی الفلاح پر پہنچے تو اپنا چہرہ دائیں اور بائیں پھیرے

وَيُوْذَنُ لِّلْفَائِتَةِ وَيُقِيْمُهُ فَاِنْ فَاتَتْهُ صَلَاةٌ

اور فوت شدہ نماز کے لیے اذان و اقامت کہے اور اگر اس کی کئی نمازیں فوت ہو گئی ہوں



أَذِّنَ لِلأُولَىٰ وَأَقَامَ وَكَانَ مُخْبِرًا فِي الثَّانِيَةِ

تو پہلی کے لیے اذان و اقامت کہے اور دوسری میں اسے اختیار ہے

إِنْ شَاءَ أَذِّنَ وَأَقَامَ وَإِنْ شَاءَ أَقْتَصِرَ عَلَىٰ إِقَامَةِ كَه

چاہے تو اذان و اقامت کہے اور چاہے تو صرف اقامت پر اقتصار کر لے

وَيَنْبَغِي أَنْ يُؤَذِّنَ وَيُقِيمَ عَلَىٰ طَهْرٍ فَإِنْ أَذَّنَ عَلَىٰ غَيْرِ وُضُوءٍ

اور مناسب یہی ہے کہ حالت پاکیزگی میں اذان و اقامت کہے اگر بے وضو اذان کہے

جَازَ وَيَكْرَهُ أَنْ يُقِيمَ عَلَىٰ غَيْرِ وُضُوءٍ أَوْ يُؤَذِّنَ وَهُوَ جُنُبٌ

تو جائز ہے اور بے وضو اقامت کہنا یا حالت جنابت میں اذان کہنا مکروہ ہے

وَلَا يُؤَذِّنُ لِصَلَاةٍ قَبْلَ دُخُولِ وَقْتِهَا إِلَّا فِي الْفَجْرِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ

اور کسی نماز کے لیے اس کے وقت کے داخل ہونے سے پہلے اذان نہ کہے سوائے فجر کے ابو یوسف کے نزدیک

## تشریحات

### عبارت لہ

الأَذَانُ : اس کے لغوی معنی اعلان کرنے، اطلاع دینے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں

اس کا معنی نماز کا وقت آجانے کی اطلاع دینا ہے جس کے لیے خاص الفاظ ہیں جو

حسب ذیل ہیں :

اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ

إِلَّا اللَّهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ،

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ،

حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔

فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد دو مرتبہ الصلوة خیر من النوم بھی

کہا جاتا ہے۔

اذان ہجرت مدینہ کے پہلے سال شروع ہوئی۔ لوگوں کے لیے مسجد میں باجماعت

نماز کے اوقات کا جاننا مشکل تھا اس لیے انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے جس سے لوگوں کو ان اوقات کا پتہ چل جائے تاکہ کوئی شخص عبادت سے محروم نہ رہے۔ ناقوس، بگل یا ڈھول بجانے، آگ جلانے وغیرہ کی تجاویز پیش کی گئیں جنہیں حضورؐ نے پسند نہ فرمایا کیونکہ ناقوس نصاریٰ استعمال کرتے تھے، بگل بجانا یہودیوں کا شیوہ تھا، ڈھول بجانا رومیوں کا دستور تھا اور آگ جلانا مجوسیوں کا طریقہ تھا۔ بعض نے نماز کے وقت جھنڈا بند کرنے کی رائے دی مگر حضورؐ نے اسے بھی پسند نہ فرمایا، کسی فیصلہ پر پہنچے بغیر مجلس اختتام کو پہنچی۔ رات کو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو ایک فرشتہ خواب میں نظر آیا جس نے ان کو اذان اور اقامت سکھائی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو وحی ہوئی وہ ان کے خواب والی اذان کے مطابق تھی۔ پس اذان کا یہ طریقہ اختیار کر لیا گیا۔ داحد، ابو داؤد اور ابن ماجہ نے اس مضمون کی احادیث روایت کی ہیں۔ صحیحین میں حضرت انسؓ کی ایک روایت میں بھی لوگوں کی مذکورہ بالا تجاویز کا ذکر موجود ہے۔

**ترجیع** : لغوی معنی لوٹانا، دہرانا، اعادہ کرنا ہیں۔ اصطلاح شرح میں

شہادتین کو دہرانا ترجیع ہے۔ یعنی دو مرتبہ "اشہد ان لا الہ الا اللہ" ہلکی آواز میں کہنا اور پھر دو مرتبہ اسے اونچی آواز میں کہنا اسی طرح دو مرتبہ "اشہد ان محمد رسول اللہ" ہلکی آواز میں کہنا اور پھر دو مرتبہ اونچی آواز میں کہنا۔ گویا ہر شہادت کل چار مرتبہ کہی جائے۔ مالکیہ اور شافعیہ ترجیع کے قائل ہیں جبکہ حنفیہ اور حنابلہ اس کے قائل نہیں۔

اذان نماز پنجگانہ اور جمعہ کی نماز کے لیے سنت مؤکدہ کفایہ ہے۔ ان کے سوا اور کسی نماز مثلاً نماز جنازہ، عیدین کی نماز، نماز کسوف، نماز خسوف، نماز استسقاء وغیرہ کے لیے اذان نہیں دی جاتی۔ حنفیہ کے نزدیک اذان میں ترجیع نہیں ہے نماز فجر کی اذان میں حتیٰ علی الفلاح کے بعد دو مرتبہ الصلوٰۃ خیر من النوم بھی کہا جاتا ہے۔

**عبارت ۳**

**الْإِقَامَةُ** : مصدر ہے اَقَامَ يُقِيمُ کا، قائم کرنا، کھڑا کرنا۔ اصطلاحاً مراد ہے باجماعت نماز قائم کرنے کی اطلاع دینے کا جس کے لیے مخصوص الفاظ ہیں۔  
الْإِقَامَةُ مِثْلُ الْإِذَانِ : اقامت بھی اذان ہی کے مانند ہے یعنی اس کے متعلق احکامات بھی وہی ہیں جو اذان سے متعلق ہیں۔



پر پہنچے تو اپنا چہرہ دائیں بائیں پھیر دے۔ یعنی حتیٰ علی الصلوة کہتے وقت چہرہ دائیں طرف پھیر لے اور حتیٰ علی الفلاح پر بائیں طرف۔ صرف چہرہ دائیں بائیں پھیرنے سینہ قبلہ کی طرف ہی رہے اور قدم بھی نہ مڑیں۔ دائیں بائیں چہرہ پھیرنے سے مقصود یہ ہے کہ دونوں اطراف کے لوگوں کو اطلاع ہو جائے اور وہ الفاظ سن لیں۔ (اقامت میں چہرہ دائیں بائیں پھیرنے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ یہ تو باجماعت نماز ادا کرنے کے لیے حاضر لوگوں کی اطلاع کے لیے ہوتی ہے)۔

### عبارت گم

يُؤذِنُ : اذان کے۔ اَذَّنَ : اذان کہی۔

الْفَائِتَةُ : فوت ہونے والی۔ اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے فَاتَتْ يَفُوتُ فُوتًا سے۔ فَاتَ الْأَمْرُ کا معنی ہے کہ کام کا وقت گزر گیا اور اسے انجام نہ دیا گیا فَاتَ الْأَمْرُ فَلَانَا کا معنی ہے کہ وہ اسے نہ پاسکا، وہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

يُقِيمُ : اقامت کے۔ اقام : اقامت کہی۔

مُخَيَّرًا : جسے اختیار دیا گیا۔ خَيَّرَ يُخَيِّرُ (اختیار دینا) سے اسم مفعول کا صیغہ۔

اِقْتَصَرَ : اقتصار کرے۔ یعنی اختصار کرتے ہوئے اسی کو کافی سمجھے۔

يُؤذِنُ لِلْفَائِتَةِ وَيُقِيمُ قضا نماز اگر جماعت کے ساتھ پڑھی جا رہی ہو تو اس کے لیے اذان و اقامت کہی جائے۔ دگھر سے باہر صحرا، میدان وغیرہ میں فوت شدہ نماز باجماعت پڑھی جائے تو اس کے لیے بلند آواز سے اذان دینا سنت ہے، اگر گھر میں پڑھی جائے تو بلند آواز سے اذان نہ دی جائے۔ اور اگر مسجد میں پڑھی جائے تو اذان مطلقاً نہ دی جائے۔

فَإِنْ فَاتَتْهُ . . . اِقْتَصَرَ عَلَى الْإِقَامَةِ : اگر کسی نمازیں قضا ہو گئی ہوں

اور ان سب کو اکٹھا باجماعت پڑھنا ہو تو پہلی نماز کے لیے اذان و اقامت دونوں کسی جائیں۔ باقی قضا نمازوں کے لیے اختیار ہے۔ چاہے تو ہر قضا نماز کے لیے الگ سے اذان اور اقامت دونوں کہے یا پھر صرف اقامت کہہ لے اور اذان نہ کہے۔

يُنْبَغِي : مستحب ہے، پسندیدہ ہے۔ اچھا ہے۔ مناسب ہے۔

يُكْرَهُ : ناپسندیدہ ہے۔ مکروہ ہے۔

مُجْتَنِبٌ : جنبی۔ جس شخص پر غسل واجب ہو۔

وَيُنْبَغِي أَنْ يُؤذِنَ وَيُقِيمَ عَلَى طَهْرٍ : یہ مستحب ہے کہ حالت پاکیزگی

میں اذان اور اقامت کہے۔ یعنی اذان دینے والا اور اقامت کہنے والا دونوں ناپاکوں سے پاک ہوں۔

فَاِنَّ اَذَانَ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ جَازٌ : وضو کے بغیر اذان دینا جائز ہے۔  
وَيُكْرَهُ اَنْ يُقِيْمَ . . . . وَهُوَ جُنْبٌ : بغیر وضو کے اقامت کہنا مکروہ ہے۔  
روضو کے بغیر اقامت کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگوں کو نماز میں کھڑا کر کے خود وضو کے لیے باہر نکل جائے گا اور یہ بات ناپسندیدہ ہے۔ جنابت کی حالت میں اذان کہنا مکروہ ہے۔  
رجنابت کی حالت میں اقامت کہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس حالت میں تو مسجد میں داخل ہونا ہی حرام ہے۔

### عبارت ۷

وَلَا يُؤَذِّنُ . . . . اَبِيْ يُوسُفَ : کسی نماز کے لیے اذان اس کا وقت آنے سے پہلے نہ دی جائے۔ چنانچہ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز کے لیے اگر وقت سے پہلے اذان دی گئی ہو تو وہ صحیح نہ ہوگی (اور وقت آنے پر دوبارہ اذان کہنا ہوگی)۔  
اس پر تینوں حنفی ائمہ یعنی امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا اتفاق ہے البتہ فجر کی نماز کی اذان کے بارے میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا قول تو وہی ہے جو بقیہ چار نمازوں کی اذان سے متعلق ہے لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک فجر کی نماز کی اذان وقت سے پہلے بھی دی جائے تو صحیح ہوگی۔ فتاویٰ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے قول پر ہی ہے یعنی حنیفہ کے نزدیک فجر کی نماز کی اذان بھی وقت سے پہلے دینا صحیح نہیں ہے۔

## مسائل

بَابُ الْاِذَانِ : میں اذان اور اقامت کے متعلق درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

### ۱۔ اذان سنت ہے

پنجگانہ نمازوں اور جمعہ کی نماز کے لیے اذان سنت ہے۔ ان نمازوں کے لیے اذان کے سنت مؤکدہ ہونے پر تمام فقہاء متفق ہیں۔ ان کے سوا کسی اور نماز، مثلاً عید تراویح، وتر، جنازہ، کسوف، خسوف، خوف، استسقاء وغیرہ کسی نماز کے لیے اذان نہیں ہے۔

### ۲۔ ترجیح نہیں ہے

اذان میں ترجیح نہیں ہے، یعنی اذان میں شہادتین کو پہلے عام آواز میں کہے اور

پھر اس سے بلند تر آواز میں (یا پہلے بلند تر آواز میں اور پھر عام آواز میں)۔

### ۳۔ اذانِ فجر

فجر کی نماز کی اذان میں حیّ علی الفلاح کہنے کے بعد دو دفعہ الصّلوة خیر من التّوم کے الفاظ بھی کہے جاتے ہیں۔ یہ اضافہ ہے دوسری چار نمازوں کے لیے کسی جانے والی اذان میں۔

### ۴۔ اقامت کے الفاظ

اقامت بھی اذان کے مانند ہے، سوائے اس کے کہ اقامت میں حیّ علی الفلاح کے بعد دوبارہ قَدْ قَامَتِ الصّلوة بھی کہا جاتا ہے۔

### ۵۔ اذان میں ترسل

اذان کے جملوں کے درمیان اتنی دیر کا سکوت اختیار کرنا کہ جس میں کہے ہوئے جملے کا جواب دیا جاسکے مستحب ہے۔ لہذا اذان کے الفاظ بھٹ بھٹ کر ادا کرنے چاہئیں۔ تکبیروں میں یہ سکوت ہر دو تکبیر کے بعد ہونا چاہیے نہ کہ ہر ایک تکبیر کے بعد)۔

### ۶۔ اقامت میں سرعت

اقامت کے الفاظ کی ادائیگی جلدی اور تیزی سے کرنی چاہیے۔

### ۷۔ قبلہ رخ ہونا

مؤذن کا رخ قبلہ کی طرف ہونا چاہیے۔ دالبنتہ اگر وہ منارے پر کھڑے ہو کر اذان دے تو چاروں طرف منہ پھیر پھیر کر اذان دینا سنت ہے)۔ مؤذن جب حیّ علی الصّلوة کہے تو اپنا رخ دائیں طرف پھیر دے اور حیّ علی الفلاح پر بائیں طرف پھیر دے۔ دالبنتہ نہ اپنے سینہ کو قبلہ کی طرف سے ہٹائے اور نہ ہی اپنے قدم موڑے)۔

### ۸۔ قضا نماز کے لیے اذان و اقامت

اگر قضا نماز باجماعت پڑھی جائے تو اس کے لیے اذان و اقامت دونوں کسی جائیں۔ اور اگر قضا نمازیں کئی ہوں تو ان سب کو اکٹھے اور باجماعت پڑھنا ہو تو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو ہر قضا نماز کے لیے اذان اور اقامت دونوں کہے اور چاہے تو صرف پہلی نماز کے لیے اذان و اقامت دونوں کہے اور بقیہ نمازوں کے لیے صرف اقامت کہے۔

### ۹۔ مؤذن و مقیم کا حالتِ پاکیزگی میں ہونا۔

مستحب یہ ہے کہ مؤذن اور مقیم (اقامت کہنے والا) ہر دو حالتِ پاکیزگی میں ہوں

تاہم بغیر وضوء کے اذان دینا جائز ہے لیکن بغیر وضوء کے اقامت کہنا مکروہ ہے جنابت کی حالت میں اذان دینا بھی مکروہ ہے (جنابت کی حالت میں اقامت کہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)۔

۱۰۔ وقت سے پہلے اذان نہ دی جائے۔

نماز کا وقت آنے سے پہلے اس کے لیے اذان نہ دی جائے۔ چنانچہ اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کسی نماز کے لیے وقت سے پہلے اذان دی تو صحیح نہ ہوگی اور وقت آنے پر دوبارہ اذان دینا ہوگی۔ البتہ فجر کی نماز کی اذان کے بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک فجر کی نماز کی اذان بھی، بقیہ چار نمازوں کی طرح اگر وقت سے پہلے دی گئی تو صحیح نہ ہوگی لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فجر کی نماز کی اذان اس حکم سے مستثنیٰ ہے یعنی نماز فجر کے لیے اذان وقت سے پہلے دی جائے تو صحیح ہے۔ (حنفیہ کا فتویٰ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے قول پر ہے)۔

# بَابُ شُرُوطِ الصَّلَاةِ الَّتِي تَقْدَمُهَا

(نماز سے پہلے کی شرائط کا باب)

يَجِبُ عَلَى الْمُسْلِمِ أَنْ يُقَدِّمَ الطَّهَارَةَ مِنَ الْأَحْدَاثِ وَالْإِنِّجَاسِ

نمازی پر واجب ہے کہ (نماز سے) پہلے ناپاکیوں اور پلیدگیوں سے پاکی حاصل کرے

عَلَى مَا قَدَّمَ مِنْهُ وَكَسَتْ عَوْرَتَهُ وَالْعَوْرَةُ مِنَ الرَّجُلِ

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ کہ وہ اپنا ستر ڈھانکے اور مرد کا ستر

مَا تَحْتَ السُّرَّةِ إِلَى الرَّكْبَةِ وَالرَّكْبَةُ عَوْدَةٌ دُونَ السُّرَّةِ

زیر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے اور گھٹنا ستر (میں داخل) ہے نہ کہ ناف۔

وَبَدَنُ الْمَرْأَةِ الْحُرَّةِ كُلُّهُ عَوْرَةٌ إِلَّا وَجْهَهَا وَكَفَّيْهَا

اور آزاد عورت کا سارا بدن ستر ہے سوائے اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کے

وَمَا كَانَ عَوْرَةً مِنَ الرَّجُلِ فَهُوَ عَوْرَةٌ مِنَ الْأُمَّةِ

اور جو (حصہ جسم) مرد کا ستر ہے وہی لونڈی کا ستر ہے

وَبَطْنُهَا وَظَهْرُهَا عَوْرَةٌ وَمَا سِوَايَ ذَلِكَ مِنْ بَدَنِهَا

اور اس کا پیٹ اور اس کی پیٹھ ستر (میں داخل) ہے اور اس کے بدن کا اس کے سوا حصہ

لَيْسَ بِعَوْرَةٍ - وَمَنْ لَمْ يَجِدْ مَا يُزِيلُ بِهِ الْإِنِّجَاسَ

ستر نہیں ہے۔ اور جسے ایسی چیز نہ ملے کہ جس سے وہ پلیدگی کو دور کرے۔

صَلَّى مَعَهَا وَلَمْ يُعِدْ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ ثَوْبًا

تو وہ اس (پلیدگی) کے ساتھ نماز پڑھے اور اسے نہ لوٹائے۔ اور جسے کپڑا نہ ملے



صَلَّىٰ عُرْيَانًا فَاعِدًا يُؤْمِي بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

وہ تنگاہی بیٹھ کر نماز پڑھے رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے

فَإِنْ صَلَّى قَائِمًا اجْزَأَهُ وَالْأَوَّلُ أَفْضَلُهُ

اور اگر کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا تو یہ اس کے لیے کافی ہوگا اور پہلی صورت افضل ہے

وَيَنْوِي لِلصَّلَاةِ الَّتِي يَدْخُلُ فِيهَا بِنِيَّةٍ

اور وہ جس نماز کو شروع کرے اس کی نیت اس طرح کرے کہ

لَا يَفْصِلُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ التَّحْرِيمَةِ بِعَمَلٍ تَهْتِكُ وَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ

اس (نیت) کے اور تکبیر تحریمہ کے درمیان کسی عمل سے فاصلہ نہ کرے اور وہ قبلہ کی طرف رخ کرے

إِلَّا أَنْ يَكُونَ خَائِفًا فَيُصَلِّي إِلَىٰ أَيْ جِهَةٍ قَدَرَهُ

البتہ اگر وہ خوفزدہ ہو تو جس سمت بھی قدرت پائے (اس سمت منہ کرے) نماز پڑھے

فَإِنْ اشْتَبَهَتْ عَلَيْهِ الْقِبْلَةُ وَكَانَ بِحَضْرَتِهِ

اور اگر اس پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور اس کے پاس کوئی ایسا شخص نہ ہو

مَنْ يَسْأَلُ عَنْهَا اجْتَمَدَ وَصَلَّىٰ

جس سے اس کے متعلق وہ پوچھ سکے تو اجتہاد کرے اور نماز پڑھے

فَإِنْ عَلِمَ أَنَّهٗ أَخْطَأَ بَعْدَ مَا صَلَّى فَلَا إِعَادَةَ عَلَيْهِ

پھر اگر نماز پڑھ چکنے کے بعد اسے معلوم ہو کہ اس نے (قبلہ کا رخ جاننے میں) غلطی کی تو اس پر اعادہ لازم نہیں

وَإِنْ عَلِمَ ذَلِكَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ اسْتَدَارَ إِلَى الْقِبْلَةِ

اور اگر حالت نماز میں ہی اسے اس کا علم ہو جائے تو قبلہ کی طرف پھر جائے

وَبَيْنَ عَلَيْهَا

اور (جب نماز وہ پڑھ چکا ہو) اس پر بنیاد رکھے (یعنی ادا شدہ نماز کو بحال رکھے)

## تشریحات

شُرُوط: جمع ہے شَرْط کی۔ شَرْط کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ پائی جائے تو مشروط کا پایا جانا ممکن ہے اور اگر شرط نہ پائی جائے تو مشروط بھی لازماً نہیں پایا جائے گا۔  
تَتَقَدَّمُ: تَقَدَّمَ يَتَقَدَّمُ تَقَدَّمَ مَّا سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ۔ پہلے ہونا۔  
مقدم ہونا۔

شُرُوطُ الصَّلَاةِ الَّتِي تَتَقَدَّمُهَا: نماز کی شرطیں جو اس پر مقدم ہیں یعنی نماز شروع کرنے سے پہلے ان شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے وگرنہ نماز صحیح نہ ہوگی۔

### عبارت لہ

يَجِبُ: واجب ہے۔ لازم ہے۔ (ماضی وَجَبَ)  
الْمُصَلِّي: نماز پڑھنے والا۔ صَلَّى يُصَلِّي سے اَم فاعل کا صیغہ۔  
يُقَدِّمُ: آگے کرے۔ پہلے کرے۔ آگے بڑھائے (مصدر تقدیم ہے)  
الْأَحْدَاثُ: جمع ہے حَدَثٌ کی۔ عارضی کیفیت۔ مراد ہے ناپاکی کی عارضی کیفیات جو انسان میں پیدا ہو جائیں۔ احداث وضوء اور غسل کرنے سے دور ہو جاتے ہیں۔ حدث اصغر بے وضوء ہونا اور حدث اکبر غسل کے واجب ہونے کی کیفیت۔  
الْأَنْجَاسُ: جمع ہے نَجَسٌ کی۔ گندگی۔ پلیدگی جیسے پیشاب، پاخانہ، خون، شراب وغیرہ ہیں۔

عَلَى مَا قَدَّمَ مَنَاهُ: جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ مصنف قدوری نے احداث<sup>۳</sup> الانجاس سے پاکی حاصل کرنے کے مسائل کتاب الصلوة سے پہلے کتاب الطہارة کے باب الانجاس میں بیان کیے ہیں یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

يَجِبُ عَلَى الْمُصَلِّي... قَدَّمَ مَنَاهُ: نمازی پر لازم ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے احداث اور انجاس سے پاکی حاصل کرے۔ یعنی: (۱) اس کا جسم پاک ہو۔ اس کے بدن پر کسی قسم کی کوئی نجاست نہ لگی ہو۔ حالت جنابت میں ہو تو غسل کر لے اور کوئی نجاست لگی ہو تو اسے دور کر لے، اور وضوء کر لے۔ (۲) اس کے کپڑے پاک ہوں۔ (۳) نماز کی جگہ پاک ہو۔

اس عبارت میں صحت نماز کی تین شرطیں بیان کی گئی ہیں: بدن کا پاک ہونا، کپڑوں کا

پاک ہونا اور نماز کی جگہ کا پاک ہونا۔

### عبارت ۳

يَسْتُرُ : ڈھانپنے۔ سَتْرٌ : ڈھانپنا۔

عَوْرَةٌ : انسان شرم و حیا کی وجہ سے جو حصّہ بدن ڈھانپتا ہے وہ عورت ہے۔ جسم کا

وہ حصّہ جس کو ڈھانپنا شرعاً لازم ہے۔

السُّرَّةُ : ناف۔ الرُّكْبَةُ : گھٹنا۔

وَيَسْتُرُ... دُونَ السُّرَّةِ : نماز شروع کرنے سے پہلے اپنے جسم کے تنگ

یعنی ستر کو ڈھانپنا صحت نماز کے لیے شرط ہے۔ مرد کا ستر زیرِ ناف حصّہ جسم سے لے کر

گھٹنے تک کا بدن ہے یعنی مرد کے ستر میں ناف داخل نہیں جبکہ گھٹنا داخل ہے۔

### عبارت ۴

الْمَرْءَةُ : عورت۔ الْحُرَّةُ : آزاد عورت ( لونڈی کے بالمقابل)

وَجْهٌ : چہرہ۔

كَفَّيْهَا : اس کی دو ہتھیلیاں۔ كَفٌّ : ہتھیلی۔

الْأَمَةُ : لونڈی۔ بَطْنٌ : پیٹ۔ ظَهْرٌ : پشت۔

آزاد عورت کا سارا بدن ستر ہے سوائے چہرہ اور ہتھیلیوں کے۔ ( پاؤں کا ستر

میں داخل نہ ہونا چونکہ بالکل ظاہر اور معدوم ہے اس لیے اس کا ذکر نہیں کیا گیا)۔ لونڈی

کا ستر وہی ہے جو مرد کا ہے سوائے اس کے کہ لونڈی کے ستر میں پیٹ اور پیٹھ بھی

شامل ہے۔ اس کے سوا اس کے بدن کا کوئی حصّہ ستر میں داخل نہیں۔

### عبارت ۵

لَمْ يَجِدْ : نہ پایا۔ (ماضی وَجَدَ)

يُنْزِلُ : ہٹائے۔ دور کرے۔ زائل کرے۔ (ماضی أزال۔ مصدر إزالة)

النَّجَاسَةُ : گندگی۔ پلیدگی۔

لَمْ يُعِدْ : اعادہ نہ کیا۔ نہ لوٹایا۔ (أعاد ماضی، يُعيد مضارع، إعادة مصدر)۔

اگر نجاست دور کرنے کے لیے ضروری سامان یعنی پانی دستیاب نہ ہو اور اس نجاست

کے ساتھ ہی نماز پڑھ لی تو نماز ادا ہو جائے گی اور بعد ازاں پانی ملنے پر اس نماز کا اعادہ

کرنے کی ضرورت نہیں۔

## عبارت ۷

تَوْبًا : کپڑا۔ عُرْيَانًا : ننگا۔ بے لباس۔ قَاعِدًا : بیٹھے ہوئے۔

يَوْمِي : اشارہ کرے۔ (ماضی اَوْحَى، اَوْمَأُ مصدر اِيْمَاءُ)

قَائِمًا : کھڑے ہوئے۔ اَجْزَأُ : اس کے لیے کافی ہے، پورا ہے۔

اگر کپڑا میسر نہ ہو ستر ڈھانپنے کے لیے تو ننگے بدن بیٹھ کر نماز پڑھ لے اور اشارے سے رکوع اور سجدہ کر لے۔ اگر وہ ننگے بدن کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی لیکن افضل یہی ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھے۔ شریعت نے انسان کے لیے سہولتیں رکھی ہیں اور اس کی حالتِ مجبوری کا ہر معاملے میں لحاظ کیا ہے۔ ننگے بدن نماز پڑھنے کو روا کرنا بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ بیٹھ کر نماز پڑھنے کو افضل اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ اس میں کھڑے ہونے کی نسبت ستر کا لحاظ زیادہ ہے۔

## عبارت ۸

يَنْوِي : نیت کرے۔ (ماضی نَوَى۔ نِيَّةٌ مصدر)

لَا يَفْصِلُ : فاصلہ نہ کرے۔

التَّحْرِيمَةُ : مراد ہے تکمیر تحریمہ۔ اسے تکمیر تحریمہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے کہنے کے بعد نمازی پر اعمالِ صلوٰۃ کے سوا تمام کام حرام ہو جاتے ہیں۔ تکمیر تحریمہ اس طرح ہے کہ جو شخص نماز پڑھنے لگے وہ نماز کے شروع میں کہے "اللَّهُ أَكْبَرُ"۔ یہ کہنے کے بعد وہ نماز میں داخل ہو جاتا ہے۔

نماز کی نیت (سختہ ارادہ) کرنا بھی صحت نماز کے لیے شرط ہے۔ اور نماز کی نیت اس طرح کرنی چاہیے کہ نیت کرنے اور تکمیر تحریمہ کے درمیان کوئی اور عمل نہ کیا جائے، ورنہ نیت صحیح نہ ہوگی اور نیت صحیح نہ ہوگی تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ یہ عام ضمیمہ بات ہے کیونکہ جب نیت نماز کی کر لی تو اس کے بعد اس نیت پر عمل پیرا ہونا چاہیے یعنی نماز شروع کرنے اور نماز شروع ہوتی ہے تکمیر تحریمہ کہنے سے۔ لہذا نماز کی نیت کر لینے کے بعد متصلًا تکمیر تحریمہ کہنی چاہیے کوئی اور عمل نہیں کرنا چاہیے۔ اگر نماز کی نیت کرنے کے بعد کوئی اور عمل کرے تو نیت تو ٹوٹ گئی۔

نیت کا تعلق دل سے ہے، لہذا دل میں نماز کا سختہ ارادہ کرنا چاہیے۔ زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنا ضروری نہیں بلکہ حنفیہ کے نزدیک ایسا کرنا بدعت ہے تاہم دوسرے مٹانے کے لیے نیت کے الفاظ زبان سے ادا کیے جائیں تو یہ صحیح ہے۔ تمام فرض

(فرض عین اور فرض کفایہ) اور واجب نمازوں کی نیت کے لیے ضروری ہے کہ نماز کی نوعیت اور اس کا وقت وغیرہ ذہن میں ہو، مثلاً چار رکعت نماز ظہر، دو رکعت نماز فجر وغیرہ۔ نفل نماز کا تعین نیت کی صحت کے لیے شرط نہیں ہے۔

### عبارت ۸

يَسْتَقْبِلُ : سامنا کرے۔ رُخ کرے۔

قَدَرَ : اسے قدرت ہوئی۔ وہ قادر ہوا۔ اسے طاقت ہوئی۔

ہر قسم کی نماز میں نمازی کا قبلہ رُخ ہونا نماز کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے اگر کسی شرعی عذر کے بغیر قبلہ کے بجائے کسی اور طرف رُخ کیا تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ البتہ اگر نمازی کو کوئی حقیقی خوف لاحق ہو کہ اگر قبلہ کی طرف رُخ کیا تو اسے نقصان پہنچے گا تو اس صورت میں جس طرف بھی وہ رُخ کر سکے کر لے نماز ہو جائے گی۔ یہ خوف دشمن کا ہو سکتا ہے یا مثلاً وہ کسی ایسی جگہ پر بیٹھا ہو کہ وہاں اگر وہ حرکت کر کے قبلہ رُخ ہونے کی کوشش کرے تو نیچے سمندر یا گہری کھاٹی وغیرہ میں گرنے کا خطرہ ہو یا اس حالت کا مریض ہو کہ اگر وہ جسم کو حرکت دے کر قبلہ رُخ ہو تو اس کے مرض کے شدید ہونے کا ڈر ہو۔ یہاں بھی شریعت نے انسان کی مجبوری کا لحاظ کیا ہے۔

### عبارت ۹

اِسْتَبْهَتَ : مشتبہ ہوئی۔ مشکوک ہو گئی۔

حَضْرَةً : پاس۔ سامنے

اِجْتَهَدَ : اجتہاد کیا۔ کوشش کی۔

اگر قبلہ نمازی پر مشتبہ ہو، اس کی جہت اسے معلوم نہ ہو اور اس کے آس پاس کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو کہ جس سے وہ قبلہ کی جہت کے بارے دریافت کر سکے تو اجتہاد کر لے یعنی اپنی معلومات کے مطابق اندازہ لگا لے اور اس طرف رُخ کر کے نماز پڑھ لے، نماز صحیح ہو جائے گی۔ شریعت نے انسان کو اس کی استطاعت کے بقدر ہی مکلف کیا ہے اس سے بڑھ کر نہیں۔

### عبارت ۱۰

اَخْطَا : اس نے خطا کی۔ غلطی کی۔

اِسْتَدَارَ : گھوم کیا۔ پھر گیا۔

بَنَى : بنیاد رکھی۔ بنا کی۔

اگر قبلہ مشتبہ ہو اور اجہٹا کر کے نماز پڑھ لے اور نماز پڑھ چکنے کے بعد اسے معلوم ہو کہ اس سے قبلہ کی جہت متعین کرنے میں غلطی ہوئی تھی تو دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں اس کی پہلی نماز ہی صحیح ہے۔ اگر حالت نماز ہی میں غلطی کا پتہ چل جائے تو اسی وقت قبلہ کی طرف رخ پھیر لے۔ اس سے پہلے جتنی نماز وہ پڑھ چکا ہے صحیح ہے باقی ماندہ نماز وہ قبلہ رخ ہو کر پڑھ لے۔ ادا شدہ نماز کو نئے سرے سے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

## مسائل

”بَابُ شُرُوطِ الصَّلَاةِ الَّتِي تَتَقَدَّمُ بِهَا“ میں نماز کی شرطیں بیان کی گئی ہیں۔ نمازی پر لازم ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے ان شرطوں کو پورا کر لے اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی پوری نہ کی تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ نماز کی یہ شرطیں درج ذیل ہیں :

### ۱۔ نمازی کا جسم پاک ہو

نماز شروع کرنے سے پہلے نمازی کے جسم کا پاک ہونا شرط ہے۔ اس پر لازم ہے کہ اپنے جسم کو تمام ناپاکیوں سے پاک کرے۔ اگر اس پر غسل واجب ہے تو غسل کرے۔ نماز سے پہلے وضو کر کے طہارت حاصل کرے۔

### ۲۔ کپڑے پاک ہوں

نمازی پر لازم ہے کہ نماز سے پہلے پاک کپڑے پہنے۔ اگر اس کے کپڑے کسی نجاست کی وجہ سے ناپاک ہوں تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی۔

### ۳۔ نماز کی جگہ پاک ہو

نماز پاک جگہ پر پڑھنی چاہیے لہذا نماز پڑھنے سے پہلے نماز کی جگہ (اگر مسجد کے سوا ہو، کیونکہ مسجد تو پاک ہی ہوتی ہے) کے بارے میں یقین حاصل کر لے۔

### ۴۔ ستر ڈھانپنا

نمازی پر واجب ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے اپنا ستر ڈھانپ لے۔ مرد کے لیے ستر میں ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ بدن داخل ہے۔ ستر میں گھٹنا داخل ہے مگر ناف داخل نہیں۔ آزاد عورت کا سارا بدن ستر ہے سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے

لنڈی کا ستر وہی ہے جو مرد کا ہے سوائے اس کے کہ اس کا پیٹ اور پشت بھی ستر میں داخل ہے جبکہ مرد کے ستر میں پیٹ اور پشت داخل نہیں۔

### ۵۔ نیت

نماز شروع کرنے سے پہلے، اس کی نیت کرنا ضروری ہے۔ نیت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان کوئی اور عمل نہیں ہونا چاہیے بلکہ نیت کے بعد متصلاً تکبیر تحریمہ کہنی چاہیے۔

### ۶۔ قبلہ رخ ہونا

نماز کا قبلہ رخ ہونا لازم ہے۔ قبلہ رخ ہونا ہر نماز کے لیے ضروری ہے۔

### مجبوری کی حالتیں

شریعت اسلامیہ نے ہر معاملے میں انسان کی مجبوری کی حالت کا لحاظ کر کے نرمی اور سہولت دی ہے۔ نماز کی شرطوں کے بارے میں بھی شریعت نے اسے ملحوظ رکھا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے :

۱۔ اگر سجاست دور کرنے کے لیے پانی وغیرہ میسر نہ ہو اور سجاست کے ساتھ ہی نماز پڑھ لے تو نماز صحیح ہوگی اور بعد میں پانی وغیرہ مل جانے کی صورت میں اس نماز کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ اگر ستر ڈھانپنے کے لیے کپڑا میسر نہ ہو تو ننگے بیٹھ کر نماز پڑھ لے اور اشارے سے رکوع اور سجدہ کر لے۔ اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی لیکن بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے۔

۳۔ اگر قبلہ مشتبہ ہو اور پاس کوئی ایسا آدمی نہ ہو جو قبلہ کی صحیح جہت بتا سکے اور نماز اپنے اجتہاد سے قبلہ کی جہت کا تعین کر کے نماز پڑھ لے تو نماز صحیح ہوگی۔ اگر نماز پڑھ چکنے کے بعد پتا چلے کہ اس نے قبلہ کے تعین کے بارے میں غلطی کی تھی تو نماز کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

اگر حالت نماز میں ہی غلطی کا پتا چل جائے تو صحیح جہت کی طرف رخ پھیر لے اور باقی نماز اس طرف منہ کر کے پڑھ لے۔ اس سے پہلے جتنی نماز وہ پڑھ چکا ہو اسے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اگر قبلہ کی طرف رخ کرنے سے کسی امر کا (مثلاً جان جانے کا، مرض بڑھنے کا) خوف ہو تو جس طرف رخ کرنے کی قدرت رکھتا ہو اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لے، نماز صحیح ہو جائے گی۔

## بَابُ صِفَةِ الصَّلَاةِ

فَرَائِضُ الصَّلَاةِ سِتَّةٌ : التَّحْرِيمَةُ وَالْقِيَامُ وَالْقِرَاءَةُ

نماز کے فرائض چھ ہیں : (تکبیر) تحریمہ اور قیام اور قراءت

وَالرُّكُوعُ وَالسُّجُودُ وَالْقَعْدَةُ الْأَخِيرَةُ مِقْدَارُ الشَّهْدِ

اور رکوع اور سجدہ اور تشہد کی مقدار کے برابر آخری قعدہ

وَالْخُرُوجُ مِنَ الصَّلَاةِ بِصَنِيعِ الْمُصَلِّي فَرَضٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

اور نمازی کے عمل سے نماز سے باہر آنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک فرض ہے

وَلَيْسَ بِفَرَضٍ عِنْدَهُمَا وَمَا زَادَ عَلَى ذَلِكَ فَهُوَ سُنَّةٌ

اور صاحبین کے نزدیک فرض نہیں ہے اور جو اس سے زائد ہے سنت ہے

وَإِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ فِي صَلَاتِهِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ مَعَ التَّكْبِيرِ

اور جب آدمی اپنی نماز شروع کرے تو تکبیر کے اور تکبیر کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھائے

حَتَّىٰ يَحَاطِيَ بِأَيْدِيهِ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ

یہاں تک کہ انہیں اپنے کانوں کی ٹوہم لے جائے

وَالْمَرْأَةُ تَرْفَعُ يَدَيْهَا حِذَاءَ مَنْكَبَيْهَا إِجْمَاعًا

اور عورت اپنے ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر لائے اس پر اجماع ہے

فَإِنْ قَالَ بَدَلًا مِنَ التَّكْبِيرِ اللَّهُ أَجَلٌ أَوْ أَعْظَمُ أَوْ

اور اگر اللہ اکبر کے بجائے کہے، اللَّهُ أَجَلٌ يَا أَعْظَمُ يَا



الرَّحْمَنُ الْكَبِيرُ وَاجْزَأَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى

الرحمن اکبر تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ اس کے لیے کافی ہے

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى لَا يَجُوزُ

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے کہ یہ جائز نہیں

إِلَّا أَنْ يَقُولَ اللَّهُ أَكْبَرُ أَوْ اللَّهُ الْكَبِيرُ

سوائے اس کے کہ وہ کہے، اللہ اکبر یا اللہ الکبیر

وَيَعْتَمِدُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى وَيَضَعُهَا تَحْتَ السُّرَّةِ

اور وہ اپنا دایاں ہاتھ بائیں (ہاتھ) پر جمادے اور انہیں نان کے نیچے رکھے

ثُمَّ يَقُولُ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ

پھر کہے، اے اللہ پاکیزگی تیرے ہی لیے ہے اور تعریف تیرے ہی لیے ہے اور تیرا نام برکت والا ہے

وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ وَيَسْتَعِينُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

اور تیری شان ادنیٰ ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ کی پناہ مانگے شیطان مردود سے

وَيَقْرَأُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَيُسِرُّ بِهِمَا ثُمَّ

اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے اور ان دونوں کو آہستہ پڑھے پھر

يَقْرَأُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةً مَعَهَا أَوْ ثَلَاثَ آيَاتٍ قِصَارٍ

سورہ فاتحہ پڑھے اور اس کے ساتھ ایک سورت پڑھے یا تین چھوٹی آیتیں

أَوْ آيَةً طَوِيلَةً مِثْلَ آيَةِ الْكُرْسِيِّ وَآيَةِ الْمَدَائِنِ

یا ایک لمبی آیت جیسے آیت الکرسی ہے اور آیت مدینت ہے

مِنْ أَمْرِ سُورَةِ شَاءَ وَإِذَا قَالَ الْإِمَامُ وَلَا الضَّالِّينَ

جس سورت سے چاہے - اور جب امام دلائل الضالین کہے

قَالَ آمِينَ وَيَقُولُهَا الْمُؤْتَمِرُ وَيُخْفِيهَا ثُمَّ يَكْبِرُ

تو آمین کہے اور مقتدی بھی (آمین) کہے اور پوشیدہ کہے پھر وہ اللہ اکبر کہے

وَيَرْكَعُ وَيَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَيَفْرِجُ أَصَابِعَهُ

اور رکوع کرے اور اپنے ہاتھوں سے اپنے گھٹنے تھام لے اور اپنی انگلیوں کو کشادہ کرے

وَيَبْسُطُ ظَهْرَهُ وَلَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَلَا يَنْكِسَهُ

اور اپنی پشت کو پھیلا دے اور اپنے سر کو نہ اوپر اٹھائے اور نہ ہی اسے جھکائے

وَيَقُولُ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثَلَاثًا وَذَلِكَ أَدْنَاهُ

اور اپنے رکوع میں تین بار سبحان ربی العظیم کہے اور یہ اس کی کم از کم تعداد ہے

ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمَدَهُ

پھر وہ اپنا سر اوپر اٹھائے اور کہے ، سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمَدَهُ

وَيَقُولُ الْمُؤْتَمِرُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَإِذَا اسْتَوَى قَائِمًا

اور مقتدی کہے ، رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔ پھر وہ جب سیدھا کھڑا ہو

كَبَّرَ وَسَجَدَ وَأَعْتَمَدَ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ

تو اللہ اکبر کہے اور سجدہ کرے اور اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دے

وَوَضَعَ وَجْهَهُ بَيْنَ كَفْيَيْهِ وَسَجَدَ عَلَى أَنْفِهِ وَجَبْهَتِهِ

اور اپنا چہرہ اپنی ہتھیلیوں کے درمیان رکھ دے اور اپنی ناک اور اپنی پیشانی پر سجدہ کرے

فَإِنْ اقْتَصَرَ عَلَى أَحَدِهِمَا جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى

پس اگر وہ ان دونوں میں سے ایک پر اقتصار کرے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے

وَقَالَ لَا يَجُوزُ إِذْ قُصِّرَ عَلَى الْأَنْفِ إِلَّا مِنْ عَذْرَاءٍ

اور صاحبین کا کہنا ہے کہ بنیر عذر کے ناک پر اقتصار کرنا جائز نہیں

فَإِنْ سَجَدَ عَلَى كُورِ عَمَامَتِهِ، أَوْ عَلَى فَاضِلٍ تُوِيَهُ جَازَ

پس اگر وہ اپنی پچڑی کے تیج پر یا اپنے فالٹو کپڑے پر سجدہ کرے تو جائز ہے

وَيُبَدِي ضَبْعَيْهِ وَيَجَافِي بَطْنَهُ عَنْ فِخْدَيْهِ

اور اپنے دونوں پہلوؤں کو ظاہر کرے اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے الگ رکھے

وَيُوجِّهُ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ نَحْوَ الْقِبْلَةِ وَيَقُولُ فِي سُجُودِهِ

اور اپنے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف رکھے اور اپنے سجدے میں کہے،

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ثَلَاثًا وَذَلِكَ أَدْنَاهُ كَمَا

تین بار سبحان ربی الاعلیٰ اور یہ کم از کم تعداد ہے

ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَكْبِرُ وَإِذَا اطْمَأَنَّ جَالِسًا

پھر اپنا سر اٹھائے اور تکبیر کہے اور جب بیٹھ کر مطمئن ہو جائے

كَبَّرَ وَسَجَدَ فَإِذَا اطْمَأَنَّ سَاجِدًا كَبَّرَ وَاسْتَوَى قَائِمًا

تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے پھر جب سجدہ کی حالت میں اطمینان ہو جائے تو تکبیر کہے اور سیدھا کھڑا ہو جائے

عَلَى صَدْرٍ وَقَدَمَيْهِ وَلَا يَقْعُدُ وَلَا يِعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ

اپنے پیروں کے سچوں پر نہ تو بیٹھے اور نہ ہی زمین پر اپنے ہاتھوں سے سہارا لے

وَيَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ مَا فَعَلَ فِي الْأُولَى إِلَّا أَنَّهُ

اور دوسری رکعت میں بھی ویسا ہی کرے جیسا کہ پہلی میں کیا تھا سوائے اس کے کہ (دوسری رکعت میں)

لَا يَسْتَفِثِحُ وَلَا يَتَعَوَّذُ وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي التَّكْبِيرِ الْأُولَى

نہ ثنا پڑھے اور نہ تعوذ کرے اور پہلی تکبیر کے سوا اپنے ہاتھ نہ اٹھائے

فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ

پھر جب دوسری رکعت میں دوسرے سجدے سے اپنا سر اٹھائے

اِفْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى فَوَجَسَ عَلَيْهَا وَنَصَبَ الْيُمْنَى نَصْبًا

تو اپنا بائیں پاؤں بچھا دے اور اس پر بیٹھ جائے اور دائیں پاؤں سیدھا کھڑا کر دے

وَوَجَّهَ أَصَابِعَهُ نَحْوَ الْقِبْلَةِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى فِخْذَيْهِ

اور اپنی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کرے اور اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر رکھے

وَيَبْسُطُ أَصَابِعَهُ ثُمَّ يَتَشَهَّدُ <sup>عنده</sup> وَالتَّشَهُدُ أَنْ يَقُولَ

اور اپنی انگلیوں کو پھیلا دے پھر تشهد پڑھے اور تشهد یہ ہے کہ وہ کہے

التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ

اللہ ہی کے لیے ہیں تمام زبانی عبادتیں اور بدنی عبادتیں اور مالی عبادتیں اے نبی آپ پر سلام ہو

وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ

اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً محمد

عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَزِيدُ عَلَي هَذِهِ فِي الْقَعْدَةِ الْاُولَى اللَّهُ

اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور پہلے قعدہ میں اس سے زیادہ کچھ نہ کرے

وَيَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاَوْخَرَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَاصَّةً

اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ ہی پڑھے

فَاذَا جَلَسَ فِيْ اٰخِرِ الصَّلَاةِ كَمَا جَلَسَ فِي الْاُولَى وَتَشَهُدَ

پھر جب نماز کے آخر میں بیٹھے جیسے پہلے (قعدہ) میں بیٹھا تھا اور تشهد پڑھے

وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوة بھیجے

وَدَعَا بِمَا يَشْبَهُهُ الْفَاطَظَ الْقُرْآنِ وَالْأَدْعِيَةَ الْمَأْتُورَةَ

اور دعائیں مانگے جو مشابہ ہوں قرآن کے الفاظ اور منقول دعاؤں کے

وَلَا يَدْعُو بِمَا يَشْبَهُهُ كَلَامَ النَّاسِ ۗ ثُمَّ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ

اور ایسے الفاظ میں دعا نہ مانگے جو لوگوں کے کلام کے مشابہ ہوں پھر اپنے دائیں طرف سلام کہے

وَيَقُولُ السَّلَامَ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبِسَلَامِهِ عَنْ يَسَارِهِ مِثْلَ ذَلِكَ ۗ

اور کہے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور اپنے بائیں طرف بھی اسی طرح سلام کہے۔

## تشریحات

صِفَةٌ: توصیف - DESCRIPTION - کیفیت، حالت، ہیئت وغیرہ کا بیان  
اس باب میں جیسا کہ اس کے نام صِفَةُ الصَّلَاةِ سے ظاہر ہے نماز کی ہیئت بیان  
کی گئی ہے۔

### عبارت لے

فَرَاغٌ: جمع ہے فَرَاغٌ کی۔ فَرَاغٌ - وہ اعمال جن کی بجا آوری کو اللہ تعالیٰ  
نے اپنے بندوں کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ فَرَاغٌ الصَّلَاةِ سے مراد نماز  
کے وہ اعمال ہیں جن کے بغیر سرے سے نماز ہوتی ہی نہیں۔ ان فَرَاغٌ میں سے اگر ایک  
فرض بھی رہ جائے تو ایسے ہے کہ جیسے نماز مطلقاً پڑھی ہی نہیں۔

سِنَّةٌ: چھ۔ التَّحْرِيمَةُ: مراد ہے تکبیر تحریمیہ۔

الْقِرَاءَةُ: پڑھنا۔ مراد ہے قرآن حکیم کی تلاوت۔ السُّجُودُ: سجدہ کرنا۔

الْقَعْدَةُ: بیٹھنا۔ التَّشَهُدُ: گواہی دینا۔ نماز کی اصطلاح میں ایک مخصوص عمل

میں توجید و رسالت کی گواہی دی جاتی ہے۔

زَادَ: زیادہ ہوا۔ زَائِدٌ ہوا۔

نماز کے فرض جنہیں ارکانِ صلوٰۃ بھی کہتے ہیں چھ ہیں:

۱۔ تکبیر تحریمیہ - ۲۔ قیام - ۳۔ قنوت - ۴۔ رکوع - ۵۔ سجدہ - ۶۔ آخری قعدہ۔  
تشہد کی مقدار پر، ان چھ فرائض میں سے کوئی ایک بھی رہ جائے تو نماز سرے سے ادا

نہیں ہوتی اور ایسے ہے کہ جیسے نماز پڑھی ہی نہیں۔ نماز کی نیت کرنے کے متصل ہی اللہ اکبر کہنا تکبیر تحریمیہ ہے۔ اس تکبیر کے کہنے کے بعد نمازی پر اعمالِ صلوٰۃ کے سوا تمام اعمالِ حرام ہو جاتے ہیں اسی لیے اسے تکبیر تحریمیہ یعنی حرام کر دینے والی تکبیر کہتے ہیں۔

دوسرا فرض قیام ہے۔ قیام کا معنی ہے کھڑے ہونا۔ تکبیر تحریمیہ کہنے کے بعد ہاتھ کے اوپر ہاتھ جما کر کھڑے ہونا قیام ہے۔ قراءت سے مراد ہے قرآن حکیم کا پڑھنا۔ رکوع جھکنے کو کہتے ہیں۔ نماز میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھکنے کے مخصوص عمل کو رکوع کہتے ہیں۔ سجدہ بھی نماز میں ایک مخصوص عمل کے لیے اصطلاح ہے۔ قعدہ کا معنی ہے بیٹھنا۔ نماز میں دو رکعت پر ایک مخصوص طریقے سے بیٹھنے کو قعدہ کہتے ہیں۔ تشہد پڑھنے یعنی التحیات للہ .... وَ أَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ پڑھنے تک جو قعدہ ہے وہ فرض ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نمازی کا اپنے عمل سے نماز سے باہر آنا بھی نماز کے فرائض میں شامل ہے۔ گویا ان کے نزدیک نماز کے فرائض سات ہیں۔ لیکن صاحبین دینی امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ فرض نہیں۔ صاحبین کے نزدیک نماز کے فرض وہی چھ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔ ان چھ فرائض کے سوا نماز کے جو اعمال ہیں وہ سنت ہیں۔ یہاں سنت سے مراد یہ ہے کہ وہ فرض نہیں البتہ ان کا کیا جانا سنت سے ثابت ہے۔ سنت کے تحت نماز کے وہ اعمال بھی آئیں گے جو حنفی فقہ کی رو سے واجب کہلاتے ہیں۔

### عبارت ۷

دَخَلَ : داخل ہوا۔ اِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ فِي صَلَاتِهِ جب آدمی اپنی نماز

میں داخل ہو یعنی جب وہ اپنی نماز شروع کرے۔

كَبَّرَ : تکبیر کسی یعنی اللہ اکبر کہا۔

رَفَعَ : اوپر اٹھایا۔ يَدَيْهِ : اپنے دو ہاتھ۔ يَدُ لِيَمِينِهِ

يَمِينِهِ : برابر لائے۔ مَقَابِلَ لِيَسْرَائِيلَ : (حَادِي يَمِينِهِ مَحَادَاةً وَحِدَاءً)

اِبْهَامَيْهِ : اس کے دو انگوٹھے۔ اِبْهَامُ : انگوٹھا۔

شَحْنَةً : کان کا انتہائی نچلا حصہ۔ کان کی کو۔

اُذُنَيْهِ : اس کے دو کان۔ اُذُنٌ : کان۔

مَنْكَبَيْهَا : اس عورت کے دو کندھے۔ مَنْكَبٌ : کندھا۔

اَجْزَأُهَا : اسے کافی ہو گیا۔ لَا يَجُوزُ : جائز نہیں ہے۔

يَعْتَمِدُ : ٹکا دے۔ سہارا دے۔ جھادے۔

الْيُمْنَى : دایاں ہاتھ۔ الْيُسْرَى : بائیں ہاتھ۔

يَضَعُ : رکھے (ماضی وَضَعَ)۔ السُّرَّةُ : ناف

نمازی نماز شروع کرے تو تکبیر کہے جسے تکبیر تحریمیہ کہتے ہیں اور تکبیر کہتے وقت اپنے ہاتھوں کو اوپر اٹھائے اس طرح کہ اس کے ہاتھوں کے انگوٹھے اس کے کانوں کی لو کے برابر آجائیں۔ عورت اپنے ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر لائے۔ اس پر سب ائمہ فقہاء کا اجماع ہے۔ مرد اپنے ہاتھ ناف کے نیچے اس طرح باندھے کہ اس کا دایاں ہاتھ اس کے بائیں ہاتھ پر جم جائے۔ عورت اپنے ہاتھ سینے پر باندھے۔

نمازی اگر اللہ اکبر کہنے کے بجائے اللَّهُ أَجَلُّ يَا اللَّهُ أَكْبَرُ یا الرَّحْمَنُ أَكْبَرُ کہ لے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کی نماز ہو جائے گی جبکہ امام ابو یوسفؒ کا کہنا ہے کہ اللہ اکبر یا اللہ اکبیر کہے بغیر نماز نہ ہوگی۔

### عبارت ۳

سُبْحَانَ : پاکی۔ پاکیزگی۔ سُبْحَانَتْ : نیری پاکی۔

اللَّهُمَّ : اے اللہ۔ يَا اللَّهُ تھا یا کو ہٹا کر اس کی جگہ آخر میں هَمَّ لَكَ دیا۔

تَبَارَكَ : بابرکت ہوا۔ تَعَالَى : بلند ہوا۔ اونچا ہوا۔

جَدُّ : مقام، مرتبہ، شان۔

يَسْتَعِينُ : پناہ مانگے۔ (ماضی اسْتَعَاذَ)

الرَّحِيمُ : مردود۔ راندہ درگاہ۔ راسم مفعول ہے رَجَمَ يَرْجُمُ سے بروزن فِئِل

مَرْجُوم اور رَجِيم ہم معنی ہیں۔

بِسْمِ : اصل میں بِ اِسْمِ تھا، الف کو حذف کر دیا گیا۔ نام کے ساتھ۔

الرَّحْمَنُ : بڑا مہربان۔ رحم سے نکلا ہے۔ اسم مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یہ صفت مردود

اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے کسی اور کے لیے اس صفت کا استعمال جائز نہیں۔

الرَّحِيمُ : نہایت رحم کرنے والا۔ یہ بھی رحم سے نکلا ہے۔

يُسْرًا : چھپائے۔ مراد ہے آہستہ کہے۔ (ماضی اَسْرًا۔ يَسْرًا مبنی بھید مادہ ہے)۔

فَاتِحَةُ الْكِتَابِ : سورہ فاتحہ۔ سورہ الحمد۔ چونکہ قرآن حکیم کی سب سے پہلی سورت

ہے اس لیے اسے فاتحہ الکتاب کہتے ہیں۔

قِصَارًا : جمع ہے قَصِيرَةٌ کی۔ چھوٹی۔

الْمُدَايِنَةُ: قرض کا لین دین کرنا۔ (ماضی داین، مضارع يداین)۔۔۔۔۔  
 آيَةُ الْمُدَايِنَةِ وہ آیت جس میں قرض کے لین دین کے سائل بیان کیے گئے ہیں  
 اور یہ ہے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲۔

تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھنے کے بعد نمازی ثنا پڑھے جس کے الفاظ یہ ہیں:  
 سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ  
 وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔ اس کے بعد اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ  
 پڑھے۔ پھر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھے۔ اَعُوذُ بِاللّٰهِ اور بِسْمِ اللّٰهِ  
 آہستہ سے پڑھے۔ اس کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھے جو اس طرح ہے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مَا لِكِ يَوْمَ الدِّينِ اِنَّكَ  
 نَعْبُدُكَ وَابْتَلٰكَ نَسْتَعِينُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ  
 اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ؕ آمِينَ  
 سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد قرآن حکیم کی کوئی ایک سورت پڑھے یا کسی سورت کی تین چھوٹی  
 آیات پڑھ لے یا آیت الکرسی اور آیتۃ المداینۃ کی طرح کی کوئی ایک لمبی آیت  
 پڑھ لے۔ (سورہ فاتحہ کے بعد کم از کم اتنی قرأت ضروری ہے)۔

### عبارت ۴

اٰمِیْنُ : قبول کر۔ اسم فعل ہے امر کے معنی میں۔  
 اَلْمُوْتَةُ : پیروی کرنے والا۔ مقتدی (اَنْتُمْ یَاْتُمْ سے اسم فاعل)  
 یُخْفِیُّ : چھپائے۔ (اَخْفٰی ماضی۔ اِخْفَاءٌ مصدر)۔

امام جب سورہ فاتحہ کے آخری الفاظ وَلَا الضَّالِّیْنَ کہے تو اس کے بعد آمین  
 کہے، جس کا معنی قبول کر۔ سورہ فاتحہ کے آخر میں نمازی اللہ تعالیٰ سے اس صراطِ مستقیم  
 کی ہدایت کی دعا کرتا ہے جس پر چلنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں نازل ہوئیں اور اس  
 راہ پر نہ چلانے کی دعا بھی کرتا ہے جس پر چلنے والوں پر اللہ کا غضب نازل ہو اور جو  
 گمراہ تھے اس لیے اس دعا کے بعد اللہ جلّ شانہ سے مزید یہ التجا کرنے کی تعلیم دی گئی  
 ہے کہ وہ اس دعا کو قبول فرمائے۔ امام کے ساتھ ساتھ مقتدی بھی آمین کہے اور آہستہ  
 سے کہے۔

### عبارت ۵

رُكْبَتَيْهِ: اس کے دو گھٹنے۔ رُكْبَةٌ گھٹنا۔



يُفْرِجُ : کھول دے۔ کشادہ کر دے۔

أَصَابِعُ : انگلیاں۔ واحد إصْبَعٌ

يَبْسُطُ : پھیلا دے۔ ہموار کر دے۔ ظَهْرٌ : پیٹھ۔ پشت۔

لَا يُنْكِسُ : نہ جھکائے۔ أَدْنَاهُ : اس کا کم از کم

قرابت کے اختتام پر نمازی تکبیر کہے اور رکوع کرے۔ رکوع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ گھٹنوں کے بل جھک کر اپنے گھٹنوں کو اپنے ہاتھوں سے تھام لے، اپنی انگلیوں کو کشادہ کر دے اور اپنی پشت کو پھیلا کر ہموار کر دے۔ وہ اپنے سر کو نہ اوپر اٹھائے اور نہ ہی نیچے جھکائے۔

رکوع کی حالت میں وہ کم از کم تین دفعہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ کہے۔ پھر اپنا سر اوپر اٹھائے یعنی سیدھا کھڑا ہو جائے اور امام کہے سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ الرَّسُّنَةُ سے سن لیا جس نے اس کی تعریف کی۔ اور مقتدی کہے رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ (اے ہمارے رب تعریف تیرے لیے ہے)۔

### عبارت ۱۰

إِسْتَوَى : سیدھا ہوا۔ اِسْتَوَى قَائِمًا سیدھا کھڑا ہوا۔

اعْتَمَدَ بِيَدَيْهِ : اپنے دونوں ہاتھ ٹیک دے۔ عَلَى الْأَرْضِ : زمین پر۔

كَفَّيْهِ : اس کی دو ہتھیلیاں۔ كَفٌّ : ہتھیلی۔

أُنْفٌ : ناک۔ جَبْهَةٌ : پیشانی۔

اِقْتَصَرَ : اقتصار کیا۔ اکتفا کیا۔

جَازٌ : جائز ہوا۔ لَا يَجُوزُ : جائز نہیں ہے۔

رکوع کرنے کے بعد نمازی جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کہے اور پھر سجدے میں چلا جائے۔ سجدہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دے اور اپنا چہرہ اپنی ہتھیلیوں کے درمیان رکھ دے اور ناک اور پیشانی پر سجدہ کرے یعنی ناک اور پیشانی کو سجدہ کی جگہ پر ٹکا دے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر وہ صرف ناک یا پیشانی پر اکتفا کرے تو جائز ہے جبکہ صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک بغیر کسی عذر کے اگر صرف ناک پر اکتفا کرے تو جائز نہیں۔ یعنی صرف پیشانی پر اکتفا کرے تو یہ جائز ہے۔

### عبارت ۱۱

كُوْرٌ : پیچ خم۔ عِمَامَةٌ : گری۔ عمامہ

فَاضِلٌ : فالتو۔ زائد۔ ثَوْبٌ : کپڑا۔

يُبْدِي : ظاہر کرے۔ (ماضی اَبْدَى)۔

ضَبْعِيَّةٌ : اپنے دونوں پہلوؤں کو۔ واحد : ضَبْعٌ۔

رُجَائِيٌّ : الگ رکھے۔ علیحدہ کرے۔ بَطْنٌ : پیٹ۔

فَخَذِيئُهُ : اپنی دونوں رانوں کو۔ واحد : فَخَذٌ۔

يُوجِّهُ : متوجہ کرے۔ رخ کرے۔

أَصَابِعُ : انگلیاں۔ واحد : إِصْبَعٌ۔ رِجْلِيَّةٌ : اس کے دو پاؤں۔ واحد : رِجْلٌ۔

أَدْنَاهُ : اس کا کم از کم۔

اگر نمازی اپنی پگڑی کے پیچ پر (جو اس کی پیشانی پر آیا ہوا ہو) سجدہ کرے یا سجدہ کی جگہ پر اپنا فالٹو کپڑا رکھ کر اس پر سجدہ کرے تو جائز ہے۔ یعنی تنگی زمین پر سجدہ کرنا ضروری نہیں اس کے اوپر کپڑا رکھ کر اس پر سجدہ کرنا بھی جائز ہے۔ سجدے کی حالت میں اپنے دونوں پہلوؤں کو ظاہر کرے اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے الگ رکھے۔ اپنے پیروں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کرے۔

نمازی سجدے میں کم از کم تین بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ (پاک ہے میرے

برترین پروردگار کی) کہے۔

### عبارت ۷

يَرْفَعُ : اٹھائے۔ رَأْسَهُ : اپنا سر۔

أَظْمَأَنَّ : مطمئن ہوا۔ تسلى ہولی۔ جَالِسًا : بیٹھے ہوئے۔

سَاجِدًا : سجدہ کرتے ہوئے۔ اِسْتَوَى : سیدھا ہوا

صَدُورٌ : واحد صَدْرٌ۔ کسی بھی چیز کا سامنے کا حصہ۔ صَدُورٌ قَدَمَيْهِ

اس کے پیروں کے نیچے۔

لَا يَقْعُ : نہ بیٹھے۔ لَا يَعْتَمِدُ : نہ ٹکائے۔ نہ سہارا لے۔

نمازی سجدے میں کم از کم تین بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ کہنے کے بعد اپنا سر اٹھالے

اور تکبیر کہے اور جب تسلی سے بیٹھ چکے تو پھر تکبیر کہے اور سجدہ کرے۔ پھر جب تسلی سے

سجدہ کر لے تو تکبیر کہہ کر سیدھا کھڑا ہو جائے اپنے پیروں کے پنجوں پر۔ دوسرا سجدہ کرنے

کے بعد سجدہ کی حالت سے سیدھا کھڑا ہو جائے نہ تو بیٹھے اور نہ زمین پر اپنے ہاتھوں کا

سہارا لے۔ (یہ پہلی رکعت اور تیسری رکعت کے سجدوں کے بعد کے لیے حکم ہے)۔

عبارت ۹

لَا يَسْتَفْتَحُ : شروع نہ کرے۔ مراد ہے ثناء نہ پڑھے۔

لَا يَتَعَوَّذُ : تعوذ نہ کرے یعنی اَعُوذُ بِاللّٰهِ... الخ نہ پڑھے۔

نمازی دوسری رکعت میں بھی وہی کچھ کرے جو پہلی رکعت میں کیا تھا صرف اتنا فرق ہے کہ دوسری رکعت میں نہ ثناء پڑھنی ہے اور نہ ہی اَعُوذُ بِاللّٰهِ... الخ پڑھنا ہے۔ ثناء اور تعوذ صرف پہلی رکعت کے لیے ہیں۔ یعنی دوسری رکعت میں بھی اسی طرح سورۃ فاتحہ پڑھے۔ پھر قرآن حکیم کی کوئی سورت یا کم از کم تین آیات یا کوئی ایک لمبی آیت (جیسے آیت الکرسی یا آیت المدایتہ ہے) پڑھے۔ پھر اسی طرح رکوع اور سجود کرے۔ رفع یدین دانتھ اور اٹھا کر کالوں کی ٹوٹک لے جانا، صرف پہلی تکبیر میں کرنا ہے اس کے بعد کسی تکبیر میں نہیں کرنا۔

عبارت ۱۰

اَقْتَرَسَتْ : بچھا دیا۔ رَجَلَهُ : اپنا پاؤں۔ رَجُلُ پاؤں۔

اَلْبَيْسُ : باہاں۔ اَلْيَمْنَى : دایاں۔

نَصَبَ : گاڑ دیا۔ كَهْرًا : متوجہ کیا۔ رُخ : رخ کیا۔

اَصَابِعُ : انگلیاں۔ وَاَحَدٍ اِصْبَعٌ : وَضَعَ : رکھا۔

فَخَذَّيْهِ : اس کی دورانیں۔ يَدْبِطُ : پھیلائے۔

نمازی جب دوسری رکعت میں دوسرے سجدے سے سر اٹھائے تو اپنا باہاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دائیں پاؤں کو اچھی طرح کھڑا کر دے اپنی انگلیوں کو اپنی رانوں کے اوپر رکھ کر پھیلا دے اور ان کا رخ قبلہ کی طرف کر دے۔ اس کے بعد تشہد پڑھے۔

عبارت ۱۱

اَلتَّحِيَّاتُ : جمع ہے تَحِيَّةٌ کی۔ مراد ہے زبانی عبادات۔ اللہ کی حمد و ثناء وغیرہ۔

اَلصَّلَوَاتُ : جمع ہے صَلَوَةٌ کی۔ مراد ہے بدنی عبادتیں۔

اَلطَّيِّبَاتُ : جمع ہے طَيِّبَةٌ کی۔ پاکیزہ چیزیں۔ مراد ہے مالی عبادتیں۔

تشہد میں اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ... وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

پڑھنا ہے پہلے قعدہ میں صرف یہی تشہد ہی پڑھنا ہے اس سے زائد کچھ نہیں پڑھنا۔ زمین اور چار رکعت والی نماز میں دو قعدے ہوتے ہیں۔ ان دو قعدوں میں سے پہلے

قعدے میں صرف مذکورہ تشہد پڑھنا ہے۔

### عبارت ۳

الْأَخْرِيَّيْنِ: پچھلی دو۔ تثنیہ ہے اُخْرٰی کا۔ خَاصَّةً: خاص طور پر۔  
تَشَهَّدَ: تشہد پڑھا۔ صَلَّى: صلوٰۃ بھیجی۔ درود شریف پڑھا۔  
دَعَا: دعا مانگی۔ يَشْبَهُ: ملتا جلتا ہے۔ مشابہ ہے۔  
الْاُدْعِيَّةُ: جمع ہے دُعَاءُ کی۔ دعائیں۔

الْمَأْتُوْرَةُ: منقول۔ روایت کردہ۔ اثر (نشان) سے اہم مفعول مؤنث

کا صیغہ۔

پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنی ہے۔ نمازی جب چوتھی رکعت میں دو سجدے کرنے کے بعد قعدہ کرے (بیٹھے) تو تشہد پڑھے پھر درود شریف پڑھے اور ایسے الفاظ میں دعائیں مانگے جو قرآن مجید کے الفاظ اور منقول دعاؤں کے مانند ہوں۔ لوگوں کے کلام کے مانند الفاظ میں دعا نہ مانگے۔ آخری قعدہ میں تشہد فریض نماز میں داخل ہے باقی اعمال مسنون ہیں۔

### عبارت ۳

يُسَلِّمُ: سلام کہے۔ يَمِيْنُ: دایاں

يَسَارٌ: بائیں۔ عَنْ يَسَارٍ: اپنے بائیں طرف۔

نمازی آخری قعدہ میں جب تشہد، درود شریف اور دعاؤں سے فارغ ہو جائے تو پہلے اپنے دائیں طرف سلام کہے جو ان الفاظ میں ہو: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ۔ پھر اپنے بائیں جانب سلام کہے اور انہی الفاظ میں کہے۔

## مسائل

بَابُ صِفَةِ الصَّلَاةِ فِي نَمَازِ كَرَّانٍ ان کی ادائیگی کا طریقہ اور متعلقہ مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ فرائض نماز یہ ہیں:

۱۔ تکبیر تحریمیہ۔ ۲۔ قیام۔ ۳۔ قراءت۔ ۴۔ رکوع۔ ۵۔ سجود۔ ۶۔ آخری قعدہ (تشہد کی مقدار پر)۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نمازی کا اپنے ارادے اور عمل سے نماز سے باہر آنا بھی فرائض نماز میں داخل ہے لیکن صاحبین (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) کے نزدیک یہ فرائض نماز

میں داخل نہیں ہے۔ بہر حال حنفیہ کے نزدیک فرائض صلوٰۃ صرف مذکورہ چھ ہیں۔ ان چھ فرائض میں سے اگر کوئی ایک بھی رہ جائے تو نماز سرے سے نہیں ہوگی۔ ان چھ فرائض صلوٰۃ کے حسب ذیل مسائل اس باب میں بیان کیے گئے ہیں:

### ۱۔ تکبیر تحریمیہ

(۱) نمازی نماز شروع کرے تو نیت سے متصلاً تکبیر (اللہ اکبر) کہے۔ اس تکبیر کو تکبیر تحریمیہ کہتے ہیں کیونکہ یہ تکبیر اعمال صلوٰۃ کے سوا دوسرے ہر عمل کو نمازی پر حرام کر دیتی ہے۔ (۲) تکبیر کتنے وقت مرد نمازی اپنے ہاتھوں کو اتنا اوپر اٹھائے کہ اس کے ہاتھوں کے انگوٹھے اس کے کانوں کی لو کے برابر ہو جائیں۔ (۳) عورت اپنے ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر لے جائے۔ اس پر تمام ائمہ فقہاء کا اتفاق ہے۔ (۴) رفع یدین صرف تکبیر تحریمیہ پر کرنا ہے۔ (۵) اگر نمازی تکبیر کے بجائے اللہ اجل یا اللہ اعظم یا الرحمن اکبر کہے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک یہ بھی ٹھیک ہے لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک صرف اللہ اکبر یا اللہ اکبر کہنا جائز ہے اس کے سوا کچھ اور کہنا جائز نہیں۔

### ۲۔ قیام

(۱) تکبیر تحریمیہ کے بعد نمازی کھڑا رہے اور اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر جمادے۔ (۲) وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھے۔ (۳) عورت اپنے ہاتھ اپنے سینے پر رکھے۔ (۴) اس کے بعد وہ ثناء (سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ... الخ) پڑھے۔ (۵) پھر آہستہ سے اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ اور اس کے بعد بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھے۔ (۶) پھر سورہ فاتحہ پڑھے اور اس کے بعد قراءت بہر رکعت کے اختتام پر وہ قیام کرے۔ (۷) ثناء صرف پہلی رکعت میں پڑھے۔ (۸) اسی طرح تَعَوَّذُ اور بِسْمِ اللّٰهِ الخ بھی پہلی رکعت میں پڑھے۔

### ۳۔ قراءت

(۱) پہلی اور دوسری رکعت میں نمازی سورہ فاتحہ کے بعد قرآن مجید کی کوئی سورت یا کسی بھی سورت کی کم از کم تین چھوٹی آیات یا آیتہ الحوسی اور آیتہ المداینہ ایسی کوئی ایک لمبی آیت کی قراءت کرے۔ (۲) تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورہ فاتحہ پڑھے۔ (۳) سورہ فاتحہ کے اختتام پر (وَلَا الضَّالِّیْنَ کے بعد) امام آمین کہے اور اس کے ساتھ ہی مفندی بھی آمین کہے۔ مفندی آمین پوشیدہ طور پر کہے۔

## ۴۔ رکوع

(۱) قرات کے بعد نمازی تکبیر کے اور رکوع کرے۔ (۲) وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھٹنے تھام لے۔ (۳) انگلیوں کو کشادہ کرے۔ (۴) اپنی پشت کو پھیلا دے (۵) اور اپنا سر نہ اوپر اٹھائے اور نہ نیچے جھکائے۔ (۶) رکوع میں کم از کم تین بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ پڑھے۔ (۷) پھر اپنا سر اوپر اٹھالے اور اس وقت سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ پڑھے اور مقتدی رَبَّنَا كَمَا الْحَمْدُ كَمَا اس کے بعد وہ بیدھا کھڑا ہو جائے۔

## ۵۔ سجود

(۱) رکوع کے بعد نمازی جب بیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کے اور سجدہ کرے۔ سجدہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ (۲) وہ اپنے ہاتھ زمین پر رکھ دے۔ (۳) اپنے چہرے کو اپنی سبیلوں کے درمیان رکھ دے۔ (۴) اور اپنی ناک اور پیشانی پر سجدہ کرے۔ (۵) امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر وہ صرف ناک یا صرف پیشانی پر سجدہ کرے تو بھی ٹھیک ہے لیکن صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک صرف پیشانی پر سجدہ کرنا تو ٹھیک ہے لیکن بغیر عذر کے صرف ناک پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ (۶) اپنی پگڑی کے تیج یا اپنے کسی فالتو کپڑے پر سجدہ کرنا بھی جائز ہے (یعنی ناک اور پیشانی کو زمین پر ہی رکھنا ضروری نہیں)۔ (۷) سجدے کی حالت میں وہ اپنے پیروں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کرے۔ (۸) سجدے میں وہ کم از کم تین دفعہ سبحان ربی الاعلیٰ پڑھے۔ (۹) پھر وہ اپنا سر اوپر اٹھائے اور تکبیر کے۔ (۱۰) آرام سے بیٹھ جانے کے بعد پھر تکبیر کے اور دوسرے سجدے میں چلا جائے۔ (۱۱) جب اطمینان سے دوسرا سجدہ کر چکے تو تکبیر کے۔ (۱۲) اور اپنے پیروں کے پتوں پر کھڑا ہو جائے۔ (۱۳) پہلی رکعت کے سجدوں کے بعد نہ وہ بیٹھے اور نہ زمین پر اپنے ہاتھوں سے سہارے۔ (۱۴) دوسری رکعت میں دوسرا سجدہ کرنے کے بعد وہ جب اپنا سر اٹھائے تو اپنا بائیں پاؤں بچھا دے اور اس کے اوپر بیٹھ جائے اور اپنے دائیں پیر کو اچھی طرح کھڑا کر لے۔ (۱۵) اور اپنی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کر دے۔ (۱۶) اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر رکھے۔ (۱۷) اور اپنی انگلیوں کو پھیلا دے۔ (۱۸) اس کے بعد وہ تَشَهُدٌ پڑھے۔ تَشَهُدٌ میں یہ پڑھے: التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ... اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔ تین یا چار رکعت کی نماز کی صورت میں یہ پہلا قعدہ ہے۔ (البتہ دو رکعت کی نماز میں یہ پہلا اور آخری قعدہ ہے)۔ پہلے قعدے میں صرف مذکورہ تَشَهُدٌ ہی پڑھنا ہے اور مزید کچھ نہیں پڑھنا۔

### ۶۔ آخری قعدہ

(۱) آخری قعدہ (دو رکعت نماز میں دوسری رکعت کے سجدوں کے بعد تین رکعت نماز میں تیسری رکعت کے سجدوں کے بعد اور چار رکعت نماز میں چوتھی رکعت کے سجدوں کے بعد) تشہد کی مقدار کے برابر چھ فرائض صلوٰۃ میں شامل ہے۔ (۲) آخری قعدہ میں تشہد کے بعد دو دشریف پڑھے۔ (۳) اور قرآن وحدیث سے ثابت دعائیں مانگے۔ (۴) دو دشریف پڑھنا اور دعائیں مانگنا مسنون اعمال ہیں۔ (۵) دعاؤں کے الفاظ لوگوں کے کلام کے مانند نہ ہوں بلکہ قرآن مجید کے الفاظ سے مشابہ ہوں یا حدیث میں روایت شدہ ہوں۔

### سلام پھیرنا

آخری قعدہ میں دعائیں مانگ چکنے کے بعد نمازی دائیں طرف منہ کر کے سلام کہے جس کے الفاظ یہ ہوں: **السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ**۔ پھر بائیں طرف منہ کر کے سلام کہے اور وہی الفاظ کہے **(بِنِي السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ)**

## بَابُ الْقِرَاءَةِ

وَيُجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْفَجْرِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

اور نماز فجر میں اور مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں قرائت اونچی آواز سے کرے

إِنْ كَانَ إِمَامًا - وَيُخْفَى الْقِرَاءَةُ فِيمَا بَعْدَ الْأُولَيَيْنِ

اگر وہ امام ہو۔ اور پہلی دو رکعتوں کے بعد آہستہ قرائت کرے

وَإِنْ كَانَ مُنْفَرِدًا فَهُوَ مُخَيَّرٌ إِنْ شَاءَ جَهْرًا وَأَسْمَعَ نَفْسَهُ

اور اگر وہ اکیلا ہو تو اسے اختیار ہے چاہے تو اتنی آواز سے پڑھے کہ اپنے آپ کو سنا لے

وَإِنْ شَاءَ خَافَتْ وَيُخْفَى الْإِمَامُ الْقِرَاءَةَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ

اور اگر چاہے تو آہستہ پڑھے۔ اور امام ظہر اور عصر میں قرائت کو پوشیدہ رکھے

وَالْوُتْرُ ثَلَاثُ رَكَعَاتٍ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِسَلَامٍ

اور وتر کی تین رکعتیں ہیں جن میں وہ سلام کا فاصلہ نہ کرے

وَيَقْنَتُ فِي الثَّلَاثَةِ قَبْلَ الرَّكُوعِ فِي جَمِيعِ السَّنَةِ

اور سارا سال تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھے

وَيَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ مِنَ الْوُتْرِ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةً مَعَهَا

اور وتر کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ ایک سورت پڑھے

فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَقْنَتَ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ

پھر جب قنوت پڑھنے کا ارادہ کرے تو تکبیر کہے اور رفع یدین کرے



شَهْرًا قَنْتَ وَلَا يَقْنُتُ فِي صَلَاةٍ غَيْرِهَا ۝

پھر تہنوت بڑھے اور اس (یعنی وتر) کے سوا کسی اور نماز میں تہنوت نہ بڑھے

وَلَيْسَ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلَاةِ قِرَاءَةُ سُورَةٍ بِعَيْنِهَا

اور کسی نماز میں کسی مہین سورت کی تلاوت مقرر نہیں کہ

لَا يَجُوزُ غَيْرُهَا. وَيُكْرَهُ أَنْ يَتَّخِذَ قِرَاءَةَ سُورَةٍ بِعَيْنِهَا لِلصَّلَاةِ

اس کے سوا جائز نہ ہو اور مکروہ ہے کہ کسی مہین سورت کو نماز کے لیے مقرر کر لے

لَا يَتْرَأُ فِيهَا غَيْرَهَا. وَأَدْنَى مَا يَجْزِي عَنْ قِرَاءَةِ فِي الصَّلَاةِ

کہ اس میں اس کے سوا (کوئی اور سورت) نہ بڑھے۔ اور نماز میں کم از کم جو قراءت کافی ہے

مَا يَتَنَاوَلُهُ اسْمُ الْقُرْآنِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى

وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جس پر قرآن کے نام کا اطلاق ہو جائے

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى

اور ابو یوسف اور محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا

لَا يَجُوزُ أَقْلٌ مِنْ ثَلَاثِ آيَاتٍ قِصَارًا أَوْ آيَةٍ طَوِيلَةٍ ۝

تین چھوٹی آیتوں یا ایک لمبی آیت سے کمتر جائز نہیں ہے

وَلَا يَقْرَأُ الْمُؤْتَمُّ خَلْفَ الْإِمَامِ ۝ وَمَنْ أَرَادَ الدُّخُولَ فِي صَلَاةٍ غَيْرِهَا

اور مقتدی امام کے پیچھے قراءت نہ کرے۔ اور جو شخص کسی اور کی نماز میں داخل ہونے کا ارادہ کرے

يَحْتَاجُ إِلَى نِيَّتَيْنِ نِيَّةِ الصَّلَاةِ وَ نِيَّةِ الْمُتَابَعَةِ ۝

وہ دو نیتوں کا محتاج ہے، ایک تو نماز کی نیت اور دوسرے اقتداء کی نیت۔

عبارت ۱۰

يَجْهَرُ: (جہر، ماضی، جہر مصدر) اونچی آواز میں بولنا۔

الْأُولَيَيْنِ: (تینہ ہے) اُولَى کا۔ پہلی دو۔

يُخْفِي : (أَخْفَى ماضِي، إِخْفَاءً مصدر) چھپانا۔ پوشیدہ رکھنا  
مَنْفَرْدٌ : اکیلا۔ تنہا۔

مُخَيَّرٌ : جسے اختیار دیا گیا ہو (اکم مفعول کا صیغہ)۔

أَسْمَعُ : سنا یا۔ رَسِمِعَ سَمًا۔

خَافَتْ : پوشیدہ رکھا۔

نماز باجماعت میں امام فجر کی نماز اور مغرب اور عشاء کی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت ادنیٰ آواز میں کرے اور پہلی دو رکعتوں کے بعد مغرب کی تیسری رکعت اور عشاء کی تیسری اور چوتھی رکعت میں قرأت پوشیدہ کرے۔ ظہر اور عصر کی نماز میں امام قرأت پوشیدہ کرے۔ اگر نمازی اکیلے نماز پڑھے تو اسے اختیار ہے چاہے تو اتنی ادنیٰ آواز میں قرأت کرے کہ اپنے آپ کو سناٹے اور چاہے تو قرأت کو پوشیدہ کرے۔

### عبارت ۲

لَا يَفْصِلُ : فاصلہ نہ کرے۔

يَقْنُتُ : دعائے قنوت پڑھے۔ الْمَسْنَةُ : سال

نماز وتر کی تین رکعتیں ہیں۔ ان تین رکعتوں کے درمیان سلام کا فاصلہ نہیں ہے۔ تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے ہمیشہ دعائے قنوت پڑھنی چاہیے اور رفع یدین کرنا چاہیے، اس کے بعد دعائے قنوت پڑھنی چاہیے۔ وتر کے سوا کسی اور نماز میں دعائے قنوت نہیں پڑھنی چاہیے۔

### عبارت ۳

لَا يَجُوزُ : جائز نہیں ہے۔

يُكْرَهُ : ناپسند کیا جاتا ہے۔ كَرِهًا ناپسند کیا۔ يَكْرَهُ ناپسند کرتا ہے۔

يَتَّخِذُ : پکڑتا ہے۔ لیتا ہے۔ (اتَّخَذَ ماضِي)

نماز میں قرأت کے لیے قرآن حکیم کی کوئی سورت مقرر نہیں ہے کہ اس کے سوا کوئی اور سورت پڑھنا جائز نہ ہو۔ پورے قرآن پاک میں سے کہیں سے کسی بھی حصے کی قرأت کی جاسکتی ہے۔ قرآن حکیم کی کسی ایک سورت کو قرأت کے لیے مقرر کر لینا مکروہ ہے۔

### عبارت ۴

أَدْنَى : کم از کم۔ کم ترین

يُجْزَى : کافی ہوتا ہے۔ کفایت کرتا ہے۔

يَتَنَاوَلُ : پکڑتا ہے، لیتا ہے، شامل کرتا ہے۔

قِصَارٌ : جمع ہے قِصِيْرَةٌ کی۔ چھوٹی۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قراءت کی کم از کم مقدار اس قدر ہے کہ جسے قرآن کا نام دیا جاسکے۔ جبکہ صاحبین (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) کے نزدیک تین چھوٹی آیات یا ایک لمبی آیت سے کم کی قراءت جائز نہیں۔

عبارت ۵

لَا يَقْرَأُ : قراءت نہ کرے۔ نہ پڑھے۔

الْمُؤْتَمُّ : مقتدی۔

مقتدی کو امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے قراءت نہیں کرنی چاہیے۔

عبارت ۶

مقتدی نماز کی دو نیتیں کرے ایک نماز کی اور دوسری متابعت (پیروی) کی۔

## مسائل

باب الْقِرَاءَةِ میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں :

- ۱۔ نماز باجماعت میں امام کو قراءت بالجہر (یعنی اونچی آواز میں قراءت) صرف فجر کی نماز اور ..... مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں کرنی چاہیے۔ مغرب کی تیسری رکعت اور عشاء کی تیسری اور چوتھی رکعت میں قراءت پوشیدہ کرے۔
- ۲۔ ظہر اور عصر کی نماز باجماعت میں امام قراءت پوشیدہ کرے۔
- ۳۔ اکیلے نماز پڑھنے والے نمازی کو اختیار ہے کہ چاہے تو اس قدر بلند آواز میں قراءت کرے کہ اپنے آپ کو سنا لے چاہے تو قراءت کو پوشیدہ کرے۔
- ۴۔ وتر کی تین رکعتیں ہیں جن کے درمیان سلام کا فاصلہ نہیں۔ (یعنی سلام صرف تیسری رکعت کے اختتام پر ہے)۔
- ۵۔ وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے سال بھر (یعنی ہمیشہ) دعائے قنوت پڑھے۔

۱۔ اگر امتحان میں باب صفة الصلوة کے مسائل کا خلاصہ لکھنے کو کہا جائے تو باب القراءۃ کے یہ مسائل بھی اس باب کے مسائل کے آخر میں بیان کیجئے کیونکہ قدوری کے بعض نسخوں میں باب القراءۃ والی عبارت باب صفة الصلوة کے ساتھ ہی ملحق ہے۔

- ۶۔ دعائے قنوت شروع کرنے سے پہلے تکبیر کہے اور رفع یدین کرے۔
- ۷۔ وتر کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور ایک سورت اس کے ساتھ پڑھے۔
- ۸۔ وتر کے سوا کسی اور نماز میں دعائے قنوت نہ پڑھے۔
- ۹۔ قرأت کے لیے کوئی سورت خاص طور پر مقرر نہیں ہے۔ (قرآن مجید کی کسی بھی سورت کی قرأت کسی بھی نماز میں کرنا درست ہے)۔ کسی نماز کے لیے کسی ایک سورت کو خاص طور پر مقرر کر لینا مکروہ ہے۔
- ۱۰۔ نماز میں قرأت کی کم از کم مقدار امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس قدر ہے کہ جس پر قرآن کا نام صادق آجائے جبکہ صاحبین (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) کے نزدیک یہ مقدار تین چھوٹی آیات یا ایک لمبی آیت (جیسے آیت الکرسی یا آیت المداینہ) ہے۔
- ۱۱۔ مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے۔
- ۱۲۔ مقتدی دو نیتیں کرے۔ ایک نماز کی اور دوسری متابعت (یعنی امام کی پیروی کی)۔

## بَابُ الْجَمَاعَةِ

وَالْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ وَأَوْلَى النَّاسِ بِالْإِمَامَةِ

اور جماعت سنت مؤکدہ ہے اور لوگوں میں امامت کے لیے سب سے زیادہ حقدار وہ ہے جو

أَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ تَسَاوَوْا فَاقْرَأَهُمْ فَإِنْ تَسَاوَوْا

ان میں سنت کا سب سے بڑا عالم ہے۔ پس اگر وہ سب برابر ہوں تو ان میں سب اچھا قاری پس اگر سب برابر ہوں

فَأَوْرَعُهُمْ فَإِنْ تَسَاوَوْا فَاسْتَمِعُوا وَيُكْرَهُ تَقْدِيمُ الْعَبْدِ

تو ان میں سب سے زیادہ پرہیزگار پس اگر سب برابر ہوں تو ان میں سب سے زیادہ عمر والا اور مکروہ ہے امام بنانا غلام کو

وَالْأَعْرَابِيَّ وَالْفَاسِقَ وَالْأَعْمَى وَوَلَدِ الزَّانَا فَإِنْ تَقَدَّمَ مُوَاجِزًا

اور بدو کو اور فاسق کو اور نابینا کو اور حرامی کو لیکن اگر یہ امامت کریں تو جائز ہے

وَيَنْبَغِي لِلْإِمَامِ أَنْ لَا يَطُولَ بِهِمُ الصَّلَاةُ وَيُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ

اور امام کو چاہیے کہ انہیں لمبی نماز نہ پڑھائے اور مکروہ ہے عورتوں کے لیے

أَنْ يُصَلِّيَنَّ وَحْدَهُنَّ بِجَمَاعَةٍ فَإِنْ فَعَلْنَ

کہ وہ اکیلے (یعنی مردوں کے بغیر) جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں لیکن اگر وہ ایسا کریں

وَقَفَّتِ الْإِمَامَةُ وَسَطَهُنَّ كَالْعُرَاةِ وَمَنْ صَلَّى مَعَ وَاحِدٍ

تو امامہ (امام عورت) ان کے درمیان کھڑی ہو جائے جیسے شکوں کی جماعت ہوتی ہے اور جو آدمی ایک امام ہو

أَقَامَهُ عَنْ يَمِينِهِ وَإِنْ كَانَا ثَلَاثَيْنِ تَقَدَّمَ مَهُمَا

وہ اسے اپنے دائیں طرف کھڑا کرے اور اگر دو مقتدی ہوں تو ان سے آگے کھڑا ہو

وَلَا يَجُوزُ لِلرِّجَالِ أَنْ يَقْتَدُوا بِامْرَأَةٍ أَوْ صَبِيٍّ

اور مردوں کو عورت یا بچے کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں

وَيَصِفُ الرِّجَالُ ثُمَّ الصَّبِيَّانِ ثُمَّ الْخُنْثَى ثُمَّ النِّسَاءَ

اور پہلے مرد صنف بناٹیں پھر بچے پھر مخنث پھر عورتیں

فَإِنْ قَامَتْ امْرَأَةٌ إِلَى جَنْبِ رَجُلٍ وَهِيَ مُشْتَرِكَةٌ فِي صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ

اگر کوئی عورت کسی مرد کے پہلو میں کھڑی ہو اور وہ دونوں ایک نماز میں شریک ہوں

فَسَدَّتْ صَلَاتُهُ - وَيُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ حُضُورُ الْجَمَاعَةِ

تو اس مرد کی نماز ٹوٹ گئی۔ اور عورتوں کو جماعت میں آنا مکروہ ہے

وَلَا بَأْسَ بِأَنْ تَخْرُجَ الْعَجُوزُ فِي الْفَجْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

اور کوئی عرج نہیں کہ بڑھیا فجر، مغرب اور عشاء کی نماز میں آئے

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اور کہا امام ابو یوسف

وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ يَجُوزُ خُرُوجُ الْعَجُوزِ فِي سَائِرِ الصَّلَاةِ

اور امام محمد رحمہما اللہ نے کہ بڑھیا کو سب نمازوں میں آنا جائز ہے

وَلَا يُصَلِّي الطَّاهِرُ خَلْفَ مَنْ بِهِ سَلْسُ الْبَوْلِ

اور نماز نہ پڑھے طہارت کرنے والا اس کے پیچھے جسے مسلسل پیشاب آتا رہتا ہو

وَلَا الطَّاهِرَاتُ خَلْفَ الْمُسْتَحَاضَةِ وَلَا الْقَارِيَةُ خَلْفَ الْأُرْحَى

اور نہ طہارت والی عورتیں حیض والی کے پیچھے اور نہ پڑھنے والا ان پڑھ کے پیچھے

وَلَا الْمُكْتَسِبِيُّ خَلْفَ الْعُرْيَانِ - وَيَجُوزُ أَنْ يُؤْتَمَّ الْمُتِمِّمُ

اور نہ کپڑا پہنا ہوا شخص ننگے کے پیچھے۔ اور جائز ہے کہ امامت کرے تیمم کرنے والا

الْمُتَوَضِّئِينَ وَالْمَاسِحَ عَلَى الْخَفِيِّنَ الْغَاسِلِينَ

وضو والوں کی اور موزوں پر مسح کرنے والا (پاؤں) دھونے والوں کی

وَيُصَلِّي الْقَائِمُ خَلْفَ الْقَاعِدِ وَلَا يُصَلِّي الَّذِي يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ

اور کھڑا ہونے والا بیٹھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے اور رکوع و سجدہ کرنے والا نماز نہ پڑھے

خَلْفَ الْمُؤَمِّيِّ وَلَا يُصَلِّي الْمُفْتَرِضُ خَلْفَ الْمُتَنَفِّلِ

اشارہ کرنے والے کے پیچھے اور نہ فرض نماز والا نفل نماز والے کے پیچھے نماز پڑھے

وَلَا مَنْ يُصَلِّي فَرَضًا خَلْفَ مَنْ يُصَلِّي فَرَضًا آخَرَ

اور نہ ایک فرض نماز پڑھنے والا اس کے پیچھے نماز پڑھے جو کوئی دوسری فرض نماز پڑھا ہو

وَيُصَلِّي الْمُتَنَفِّلُ خَلْفَ الْمُفْتَرِضِ وَمَنِ اقْتَدَى بِإِمَامٍ

اور نفل نماز والا فرض نماز والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے اور جس نے کسی امام کے پیچھے نماز پڑھی

ثُمَّ عَلِمَ أَنَّ عَلَى غَيْرِ طَهَارَةٍ أَعَادَ الصَّلَاةَ

پھر اسے معلوم ہوا کہ وہ پاک نہ تھا تو وہ نماز کو دہرائے

وَيُكْرَهُ لِلْمُصَلِّيِّ أَنْ يَعْثَبَ بِتُوبِهِ أَوْ بِجَسَدِهِ وَلَا يُقَلِّبُ الْحَصَى

اور نمازی کے لیے اپنے کپڑے یا اپنے جسم سے کھینا کردہ ہے اور وہ کنگریوں کو الٹ پلٹ نہ کرے

إِلَّا أَنْ لَا يُمَكِّنُهُ السُّجُودُ عَلَيْهِ فَيَسُوِّيهِ مَرَّةً وَاحِدَةً

ہاں اگر اس کے لیے ان پر سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو وہ انہیں ایک ہی مرتبہ ہموار کر لے

وَلَا يُفْرِقِعُ أَصَابِعَهُ وَلَا يُشَبِّكُ وَلَا يَتَخَصَّرُ وَلَا يَسْدُلُ تُوْبَهُ

اور وہ اپنی انگلیاں نہ چٹھائے اور نہ انہیں ایک دوسری میں ڈالے اور نہ کوکھ پر ہاتھ رکھے اور نہ اپنا کپڑا ٹکائے

وَلَا يَكْفُهُ وَلَا يَقْصُ شَعْرَهُ وَلَا يُلْتَفِتُ يَمِينًا وَشِمَالًا

اور نہ اسے سمیٹے اور نہ اپنے بال گوندھے اور نہ دائیں بائیں منہ موڑے

وَلَا يَقْبَعِي كَاقْتَعَاءِ الْكَلْبِ وَلَا يَرُدُّ السَّلَامَ بِلِسَانِهِ وَلَا يَبِيدُهُ

اور نہ کتے کی مانند بیچھے اور نہ اپنی زبان سے اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے سلام کا جواب دے

وَلَا يَتْرَبِعُ إِلَّا مِنْ عُدْرٍ وَلَا يَأْكُلُ وَلَا يَشْرَبُ

اور عذر کے بغیر چوکرپی نہ مارے اور نہ کھائے اور نہ پیے

فَإِنْ سَبَقَهُ الْحَدَثُ الْأَصْرَفُ وَتَوَضَّأَ وَبَنَى عَلَى صَلَوَتِهِ

پس اگر اس کا وضو جاتا رہے تو وہ واپس چلا جائے اور وضو کرے اور اپنی (پہلی) نماز پر بنا دے

إِنْ لَمْ يَكُنْ إِمَامًا فَإِنْ كَانَ إِمَامًا اسْتُخْلِفَ وَتَوَضَّأَ

بشرطیکہ وہ امام نہ ہو اور اگر وہ امام تھا تو وہ (کسی کو) اپنا نائب بنا جائے اور وضو کرے

وَبَنَى عَلَى صَلَوَتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ وَالِاسْتِيْنَابُ أَفْضَلُ

اور جب تک بات چیت نہ کرے اپنی (پہلی) نماز پر بنا دے اور نئے سرے پڑھنا افضل ہے

وَإِنْ نَامَ فَاحْتَلَمَ أَوْ جَنَّ أَوْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ أَوْ قَهَقَهُ

اور اگر وہ سو گیا اور اسے احتلام ہو گیا یا وہ مجنون ہو گیا یا بے ہوش ہو گیا یا زور سے ہنس دیا

اسْتَأْنَفَ الْوُضُوءَ وَالصَّلَاةَ وَإِنْ تَكَلَّمَ فِي صَلَوَتِهِ سَاهِيًا أَوْ عَامِدًا

تو وضو اور نماز دونوں نئے سرے سے کرے اور اگر وہ اپنی نماز میں بھول کر یاد النہ بات کرے

بَطَلَتْ صَلَوَتُهُ وَإِنْ سَبَقَهُ الْحَدَثُ بَعْدَ مَا قَعَدَ قَدَّرَ التَّشَهُدَ

تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر تشهد کی مقدار کے برابر بیٹھنے کے بعد اس کا وضو جاتا ہے

تَوَضَّأَ وَسَلَّمَ وَإِنْ تَعَمَّدَ الْحَدَثَ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ

تو وہ وضو کرے اور سلام کہے اور اگر اس حالت میں وہ جان بوجھ کر وضو توڑ دے

أَوْ تَكَلَّمَ أَوْ عَمِلَ عَمَلًا يَنَافِي فِي الصَّلَاةِ تَمَّتْ صَلَوَتُهُ

یا بات کرے یا کوئی ایسا کام کرے جو نماز کے منافی ہو تو اس کی نماز تمام ہو گئی



وَإِنْ رَأَى الْمُتَيْمِمُ الْمَاءَ فِي صَلَوَتِهِ بَطَلَتْ صَلَوَتُهُ

اور اگر تیسیم کرنے والا اپنی نماز میں پانی دیکھ لے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی

وَإِنْ رَأَاهُ بَعْدَ مَا قَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ أَوْ كَانَ مَا سِجًّا

اور اگر وہ اسے تشہد کی مقدار کے برابر بیٹھنے کے بعد دیکھے یا اس نے مسح کیا تھا

فَانْقَضَتْ مَدَّةُ مَسْحِهِ أَوْ كَانَ صَاحِبَ الْعُذْرِ فَانْقَطَعَ عُذْرُهُ

اور اس کے مسح کی مدت ختم ہو جائے یا وہ معذور تھا اور اس کا عذر جاتا رہے

أَوْ خَلَعَ حُفْيَهُ بِعَمَلٍ قَلِيلٍ أَوْ كَانَ أُمِّيًّا فَتَقَلَّهَ سُورَةٌ

یا اس نے تھوڑے سے عمل سے اپنے موزے اتار دیے یا وہ ان پڑھ تھا پھر وہ کوئی سورت پکھلے

أَوْ عُرِيَ يَأْنًا فَوَجَدَ ثَوْبًا أَوْ مَوْمِيًّا فَقَدَرَ عَلَى الرَّكُوعِ وَالسُّجُودِ

یا وہ نکاتھا پھر اسے کپڑا مل جائے یا وہ اشارہ کرنے والا تھا پھر اسے رکوع و سجدہ کرنے کی قدرت ہو جائے

أَوْ تَذَكَّرَ أَنَّ عَلَيْهِ صَلَاةٌ قَبْلَ هَذِهِ أَوْ أَحَدَثَ الْإِمَامُ الْقَارِيءُ

یا اسے یاد آ جائے کہ اس نماز سے پہلے اس کے ذمے ایک نماز ہے یا قاری امام کا وضو جاتا ہے

فَاسْتَحَلَفَ أُمِّيًّا أَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ

اور وہ کسی ان پڑھ کو اپنا نائب بنا دے یا فجر کی نماز میں سورج طلوع ہو جائے

أَوْ دَخَلَ وَقْتُ الْعَصْرِ فِي الْجُمُعَةِ أَوْ كَانَ مَا سِجًّا عَلَى الْجَبِيْرَةِ

یا جمعہ (کی نماز) میں عصر کا وقت آ جائے یا اس نے پیٹی پر مسح کیا ہو

فَسَقَطَتْ عَنْ بُرءٍ أَوْ كَانَتْ مُسْتَحَاضَةً فَبَرَأَتْ

پھر زخم ٹھیک ہونے کی وجہ سے پیٹی گر جائے یا وہ حالت حیض میں تھی پھر اس حالت سے باہر آ جائے

بَطَلَتْ صَلَوَاتُهُمْ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ

تراہم ابو حنیفہ کے قول کی رو سے ان سب کی نماز باطل ہو گئی اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا کہنا ہے کہ

## تَمَّتْ صَلَاتُهُمْ فِي هَذِهِ الْمَسَائِلِ بِه

ان مسائل میں ان کی نماز تمام ہو گئی۔

### تشریحات

#### عبارت لم

مُؤَكَّدَةٌ: اسم مفعول مؤنث کا صیغہ اُكَّدَ يُؤَكِّدُ تَاكِيْدًا سے۔ تائید کی ہوئی۔  
پختہ کی ہوئی۔

أُولَى: زیادہ حقدار۔ أَهْلَهُ: زیادہ علم والا۔ أَقْرَأُ: زیادہ اچھا قاری۔ أَوْرَعُ:  
زیادہ پرہیزگار۔ أَسَنُّ: زیادہ سن (عمر) والا۔ یہ سب اسم تفضیل کے صیغے ہیں۔  
تَسَاوُوا: وہ سب برابر ہوئے۔

تَقْدِيْمٌ: آگے کرنا۔ آگے بڑھانا۔ مراد ہے امام بنانا کیونکہ امام مقتدیوں کے آگے ہوتا ہے۔  
الْأَعْرَابِيُّ: بدو۔ دیہاتی۔ الْفَاسِقُ: گنہگار۔ احکام شرعیہ کی کھلی خلاف رزی کرنے والا۔  
الْأَعْمَى: نابینا۔ وَكَذَلِكَ: حرامی۔

تَقَدَّمُوا: وہ آگے ہوئے۔ مراد ہے وہ امام بنے۔ انہوں نے امامت کی۔

نماز باجماعت سنت مؤکدہ ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سنت مؤکدہ کا درجہ واجب  
کے برابر ہے۔ حنابلہ کے نزدیک جماعت فرض عین جبکہ شافعیہ کے نزدیک فرض کفایہ  
ہے۔ مالکیہ کے اس بارے میں دو قول ہیں، ایک قول کی رو سے جماعت فرض کفایہ ہے  
اور دوسرے قول کے مطابق سنت مؤکدہ ہے۔

جماعت کی اہمیت اور فضیلت کے بارے میں متعدد آیات اور احادیث ملتی  
ہیں۔ قرآن حکیم میں تو اس وقت بھی جماعت قائم کرنے کا ذکر ہے جب مسلمان حالت جنگ  
میں ہوں اور دشمن کے حملہ کا خطرہ ہو۔ (دیکھیے سورۃ النساء، آیت ۱۰۳)۔ صحیحین میں حضرت  
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث شریف روایت کی گئی ہے جو اس طرح ہے:  
(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ  
لیندھن کی لکڑیوں کا حکم دوں پس لکڑیاں جمع کر لی جائیں پھر نماز کا حکم دوں پس اس کے لیے

اذان دے دی جائے پھر ایک آدمی کو حکم دوں پس وہ لوگوں کی امامت کرے پھر ان لوگوں کے پاس جاؤں جو جماعت میں حاضر نہیں ہوئے اذان کے سامنے ان کے گھر جلا دوں۔“  
 ابو داؤد نے ایک حدیثِ اسنادِ حسن کے ساتھ اس طرح روایت کی ہے :  
 ”حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: کسی بستی یا ویرانے میں تین مسلمان ہوں اور وہ نماز یا جماعت نہ پڑھیں تو ان پر شیطان حاوی ہو جاتا ہے اس لیے تم پر جماعت لازم ہے کیونکہ ریوڑ سے بچھڑی ہوئی بکری کو بھیر یا کھا جاتا ہے۔“

امامت کرنے کا سب سے زیادہ حق دار وہ ہے جو سنت کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ اگر اس علم میں لوگ برابر ہوں تو پھر جو سب سے اچھا قاری ہے، اگر قرأت میں بھی لوگ برابر ہوں تو جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے اور اگر پرہیزگاری میں بھی سب برابر ہوں تو پھر جو سب سے زیادہ عمر والا ہے۔ غلام، بدو، فاسق، نابینا اور ولد الزنا کو امام بنانا مکروہ ہے لیکن اگر یہ نماز پڑھا دیں تو نماز ہو جائے گی۔ امامت نہایت ذمے داری اور عزت و تکریم کا منصب ہے اس لیے کسی محترم اور باوقار شخص کو ہی امامت کرانی چاہیے۔ مسئلے میں امامت کے استحقاق کی جو ترتیب بتائی گئی ہے اس میں اسی امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اور جن لوگوں کے امام بنانے کو مکروہ بتایا گیا ہے اس میں بھی یہی حکمت کارفرما ہے۔

### عبارت لے

يَتَّبِعِي : مستحب ہے۔ اچھا ہے۔ مناسب ہے۔  
 اِلْمَامَةُ : مؤنث ہے امام کی۔ امام عورت۔  
 الْعَرَاةُ : جمع ہے الْعَارِي کی۔ ننگے۔  
 تَقَدَّمَ : آگے ہوا۔ آگے بڑھا۔ مراد ہے امامت کی۔  
 اَنْ يَّقْتَدُوا : کہ پیروی کریں۔ اِقْتَدَى ماضی يَقْتَدِي مضارع اِقْتَدَاءُ مصدر۔  
 يَصِفُ : قطار بنانا ہے۔ صفت باندھنا ہے۔  
 الصَّبِيَانُ : بچے۔ جمع ہے صَبِي کی۔  
 الْخُنْثَى : مخنث۔ ہیچڑا۔ جمع خُنْثَى۔  
 لَا بَأْسَ : کوئی حرج نہیں۔  
 الْعَجُوزُ : بڑھیا۔  
 سَائِرٌ : سب۔ تمام۔

اس عبارت میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

۱- امام نماز کو طول نہ دے۔ باجماعت نماز میں جوان اور بوڑھے، کمزور اور قوی، تندرست اور مریض ہر قسم کے آدمی ہوتے ہیں اس لیے امام کو چاہیے کہ ان سب کی رعایت کرتے ہوئے نماز کو مختصر رکھے۔

۲- تنہا عورتوں کا باجماعت نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اگر وہ باجماعت نماز پڑھیں تو امام عورت ان کے وسط میں کھڑی ہو (نہ کہ ان کے آگے) جیسے ننگوں کی باجماعت نماز میں ہے۔ ننگوں کو اول تو الگ الگ بیٹھ کر منفرد طور پر نماز پڑھتی چاہیے اور اگر وہ باجماعت نماز پڑھیں بھی تو امام ان کے وسط میں کھڑا ہو۔

۳- اگر مقتدی ایک ہی ہو تو وہ امام کے داہنے ہاتھ کھڑا ہو۔ اور اگر دو مقتدی ہوں تو پھر امام آگے کھڑا ہو۔

۴- مردوں کو عورت یا بچے کی امامت میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔

۵- صف بندی اس ترتیب سے ہونی چاہیے کہ سب سے آگے مرد ہوں، پھر بچے، پھر محنت اور پھر عورتیں۔

۶- اگر امام عورت کو مقتدی بنائے، اس کی امامت کی نیت کرے، دونوں کی نماز ایک ہی ہو اور مقتدی عورت امام کے پہلو میں کھڑی ہو تو مرد کی نماز ٹوٹ جائے گی۔

۷- عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بڑھیا کے فجر، مغرب اور عشاء کی نماز میں جماعت میں آنے میں کوئی عرج نہیں جب کہ صاحبین کے نزدیک سبھی نمازوں کی جماعت میں اس کا آنا جائز ہے۔

### عبارت ۳

سَلَسُ الْبَوْلِ : پیشاب کا قطرہ قطرہ کر کے آتے رہنا اور نہ رگنا۔ سَلَسٌ  
يَسَلَسُ سَلَسًا۔

الْمُسْتَحَاضَةُ : حیض کی حالت میں عورت۔

الْأُمِّيُّ : اُن پڑھ۔ جسے نہ پڑھنا آتا ہو اور نہ لکھنا۔

الْمُكْتَسِيُّ : جس نے لباس پہن رکھا ہو۔ راکم فاعل ہے اِكْتَسَى يَكْتَسِيُّ

اِكْتَسَا سَعًا۔

الْمُرْيَانُ : ننگا۔ يَوْمٌ : امامت کرتا ہے۔ (اُمٌّ ماضی)۔

الْمُتَيَّمِمُ : تیمم کرنے والا۔ اَلْمُنَوِّضِيْنُ : وضو کرنے والے۔

الْمَاسِحُ: مسح کرنے والا۔ الْخُفَّيْنِ: موزے۔ جوتے۔  
 الْغَاسِلِينَ: دھونے والے۔ الْقَاعِدُ: بیٹھا ہوا۔  
 الْمَوْحِي: اشارہ کرنے والا۔ (اسم فاعل ہے اَوْحَى يُوحِي اِيْمَاءُ سے) <sup>لہ</sup>  
 الْمُفْتَرِضُ: مراد ہے فرض نماز پڑھنے والا۔ (اسم فاعل ہے اِفْتَرَضَ  
 يَفْتَرِضُ سے)۔

الْمُتَنَفِّلُ: مراد ہے نفل نماز پڑھنے والا (اسم فاعل تَنَفَّلَ يَتَنَفَّلُ سے)۔  
 اَعَادَ: دہرایا۔ لوٹایا۔

اس عبارت میں مندرجہ ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

- ۱۔ پاک شخص اس آدمی کے پیچھے نماز نہ پڑھے جسے مسلسل پیشاب آنے کی بیماری ہو
- ۲۔ پاک عورتیں استحاضہ والی عورت کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔
- ۳۔ قاری ان پڑھ کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔
- ۴۔ لباس والا ننگے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔
- ۵۔ تیمم والا وضو والوں کی امامت کر سکتا ہے۔
- ۶۔ موزوں پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والوں کی امامت کر سکتا ہے۔
- ۷۔ کھڑا شخص بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔
- ۸۔ رکوع و سجدہ کرنے والا اشاروں سے نماز پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔
- ۹۔ فرض نماز پڑھنے والا نفل نماز والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔
- ۱۰۔ مقتدی کی فرض نماز امام کی فرض نماز سے مختلف ہو تو اس امام کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔  
 (مثلاً مقتدی عصر کی نماز پڑھے جبکہ امام ظہر کی نماز پڑھے)۔
- ۱۱۔ نفل نماز والا فرض نماز والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔
- ۱۲۔ اگر کوئی شخص ایک امام کے پیچھے نماز پڑھے پھر معلوم ہو کہ امام پاک نہ تھا تو مقتدی نماز دہرائے۔

ان مسائل کے پیچھے جو اصول کار فرما ہے وہ یہ ہے کہ امام مقتدیوں کی نماز کا ذمہ دار ہے (حدیث کے الفاظ میں: اَلِدِّمَامُ حَضَامِنٌ)۔ معذور شخص جسے سجالت مجبوی عذر سمیت نماز پڑھنے کی شرع نے اجازت دی ہے تندرست مقتدیوں کی نماز کا ذمہ دار نہیں بن سکتا۔ البتہ بدل کی صورت مختلف ہے۔ جن امور میں شریعت نے بدل کو روا رکھا ہے ان میں بدل اپنے اصل کے قائم مقام ہے، بدل اسی طرح کافی ہے <sup>لہ</sup> اَوْحَى يُوحِي اور اَوْمَأُ يُؤْمِئُ دونوں طرح آتا ہے۔

جیسے اصل۔ مثلاً تیمم وضو کا بدل ہے، بیٹھ کر نماز پڑھنا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا بدل ہے اس لیے بدل والا شخص امامت کر سکتا ہے مگر عذر والا نہیں۔

### عبارت ۷

يُعْبَثُ : کھینتا ہے۔ چھڑ چھاڑ کرتا ہے۔

يُكْرَهُ : ناپسند کیا جاتا ہے۔ مکروہ ہے۔

يُقَلَّبُ : الٹ پلٹ کرتا ہے۔ (قَلْبًا يَقْلِبُ قَلْبًا کا معنی بھی الٹا پلٹنا ہے)۔

الْحَصَى : کنکریاں۔ واحد الْحَصَاةُ۔

يُسَوَّى : برابر کرتا ہے۔ سہوار کرتا ہے۔ (سَوَّى ماضی)۔

لَا يُفَرِّقُ : نہ چٹھائے۔ (فَرَّقَ ماضی)

أَصَابِعُ : انگلیاں۔ واحد : إصْبَعٌ، أُصْبَعٌ۔

لَا يُشَبِّهُ : انگلیوں میں انگلیاں نہ ڈالے۔ پنجنہ نہ بناٹے۔ ایک چیز کو دوسری

چیز میں داخل کرنا۔

لَا يَتَخَصَّرُ : کوکھ پر ہاتھ نہ رکھے۔ (خَاصِرَةٌ کوکھ)۔

لَا يَسْدُلُ : نہ لٹکائے۔ سَدَلٍ ثَوْبٍ سے مراد ہے کندھے پر چادر لٹکانا۔

لَا يَكْفُ : نہ سمیٹے۔ مراد یہ ہے کہ سجدے کی حالت میں اپنے کپڑے کو آگے سے

یا پیچھے سے سمیٹ کر نہ سنبھالے۔

لَا يَعْقُصُ : نہ گوندھے۔ شَعْرٌ : بال۔

لَا يَلْتَفِتُ : چہرہ نہ پھیرے۔ مَنْتَنٌ : پھیرے۔ يَمِينًا : دائیں۔ شِمَالًا : بائیں۔

لَا يَقْعِي : گھٹنے کھڑے کر کے گولہوں پر نہ بیٹھے (أَقْعَى ماضی)۔ (إِقْعَاءٌ مصدر)۔

الْكَلْبُ : گتا۔ لَا يَرُدُّ : نہ لوٹائے۔ جواب نہ دے۔

لَا يَتْرَبِعُ : چوڑھی نہ مارے۔

لَا يَأْكُلُ : نہ کھائے۔ لَا يَشْرَبُ : نہ پیئے۔

### مکروہات نماز

اس عبارت میں وہ افعال بتائے گئے ہیں جن کو نماز کی حالت میں کرنا مکروہ ہے۔

مکروہات نماز درج ذیل ہیں :

۱۔ اپنے کپڑے یا اپنے جسم سے کھیلنا۔

۲۔ کنکریاں الٹ پلٹ کرنا۔ البتہ اگر سجدہ کرنے کی جگہ پر کنکریاں اس طرح بکھری پڑی ہوں کہ سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو نمازی کو چاہیے کہ ایک ہی دفعہ انہیں ٹھیک کر لے۔ بار بار انہیں نہ الٹ پلٹ کرے۔

۳۔ انگلیاں چٹھانا۔

۴۔ کوکھ پر ہاتھ رکھنا

۵۔ کپڑا کندھے پر لٹکانا اور کپڑے کو سمیٹ کر سنبھالنا۔

۶۔ اپنے بال گوندھنا۔

۷۔ دائیں بائیں چہرہ پھیرنا۔ رسیبہ کو قبلہ کی طرف ہٹاٹے بغیر۔

۸۔ کتے کی طرح کو لھے زمین پر ٹسکا کے اور گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھنا۔

۹۔ زبان یا ہاتھ کے اشارے سے سلام کا جواب دینا۔

۱۰۔ بغیر عذر کے چوکڑی مارنا۔

۱۱۔ کھانا اور پینا۔

نماز اللہ کی عبادت ہے۔ نماز میں نمازی کی حالت مکمل خشوع و خضوع اور عاجزی

کی ہونی چاہیے۔ حکم خداوندی ہے :

وَقَوْمًا لِلَّهِ قَانِتِينَ (البقرہ، ۲۰: ۲۳۸)

اور اللہ کے لیے مکمل عاجز بنے ہوئے کھڑے ہو کر۔

لہذا تمام وہ افعال نماز کے دوران میں مکروہ ہیں جو خشوع و خضوع اور عاجزی کے منافی ہوں۔ دل میں خشوع ہو تو دیگر تمام اعضاء بھی عاجز و ساکن ہوتے ہیں۔ اس لیے ہر عضو سے عجز کا اظہار مطلوب ہے۔ ان افعال کی ممانعت میں متعدد احادیث بھی روایت کی گئی ہیں۔ پس نمازی و ... کے دوران ان افعال سے اجتناب کرنا چاہیے۔

### عبارت

سَبَقَ : غالب آنا۔ ہو جانا۔ باقی ہونا۔ آگے نکلنا۔ سبقت لینا۔

الْحَدَثُ : چھوٹی عمر والا۔ نیا واقعہ۔ فقہی اصطلاح میں وہ حکمی نجاست جو وضو کرنے

(یا تیمم کرنے یا بدن کو دھونے) سے دور ہو جائے۔

انْصَرَفَ : لوٹ گیا۔ واپس چلا گیا۔ پھر گیا۔

بَنَى : بنیاد رکھی۔ بنا رکھی۔

اسْتَخْلَفَ : نائب بنایا۔ قائم مقام بنایا۔ جانشین بنایا۔

مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ : جب تک وہ بات نہ کرے۔ (اس میں ما تو قیاتیہ ہے)۔  
 اِلَّا سِتِيْنًا فُ : نئے سرے سے کرنا۔ (ماضی اسْتَأْنَفَ مَضَارِعَ يَسْتَأْنِفُ)۔  
 حُنَّ : وہ مجنون ہو گیا۔ اس کی عقل جاتی رہی۔

اُعْمِيَ عَلَيْهِ : وہ بے ہوش ہو گیا۔ قَهْقَهَ : زور سے ہنسا۔

سَاهِيًا : بھول کر کرنے والا۔ نادانسنہ کرنے والا۔ (اسم فاعل ہے سَهَا يَسْهُو سَهْوًا)۔  
 عَامِدًا : جان بوجھ کر کرنے والا۔ عَمَدًا : جان بوجھ کر کیا۔  
 بَطَلَتْ : باطل ہو گئی۔ مِرِطَ گئی۔

يُنَافِي : منافی ہے۔ خلاف ہے۔ نفی کرتا ہے۔ (نافی ماضی مُنَافَاةٌ مصدر)۔  
 تَمَّتْ : تمام ہو گئی۔ پوری ہو گئی۔ (تَمَّ يَتَمُّ تَمًّا وَ تَمَامًا)۔

مندرجہ بالا عبارت میں یہ مسائل بیان کیے گئے ہیں :

۱۔ اگر نماز کے دوران وضو ٹوٹ جائے تو نمازی جا کر دوبارہ وضو کر لے اور واپس آ کر بقیہ نماز پڑھے۔

۲۔ اگر دوران نماز امام کا وضو ٹوٹ جائے تو امام کسی مقتدی کو اپنا نائب بنا کر خود چلا جائے اور دوبارہ وضو کرے اور آ کر بقیہ نماز پڑھے۔

۳۔ وضو ٹوٹنے کے بعد دوبارہ وضو کر کے نماز میں آنے تک اگر کسی سے بات نہ کرے تو وہ اپنی پہلی پڑھی ہوئی نماز پر بنا کر رکھ سکتا ہے یعنی صرف باقیماندہ نماز پڑھ لے، تاہم نئے سرے سے نماز کو پڑھنا افضل ہے۔ اور اگر وہ بات کر لے تو پھر نئے سرے سے نماز پڑھے۔

۴۔ اگر نماز کے دوران نیند آ جائے اور احتلام ہو جائے یا مجنون ہو جائے یا بیہوش ہو جائے یا زور سے ہنس دے تو وضو اور نماز دونوں نئے سرے سے کرے۔ پہلا وضو اور پہلی نماز دونوں باطل ہوں گے۔

۵۔ اگر نماز کے دوران بھول کر یا عمدًا بات کرے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

۶۔ اگر تشہد کی مقدار کے برابر بیٹھنے کے بعد وضو ٹوٹ جائے تو وہ وضو کر کے سلام کہے۔ اور اگر تشہد کی مقدار کے برابر بیٹھنے کے بعد جان بوجھ کر وضو توڑے یا بات کرے یا کوئی ایسا کام کرے جو نماز کے منافی ہو تو اس کی نماز پوری ہو گئی۔

تشہد کی مقدار کے برابر بیٹھنے سے نماز کے تمام فرائض (ارکان) ادا ہو چکے اور صرف سلام کنارہ گیا جو واجب ہے۔ اگر از خود وضو ٹوٹ جائے تو دوبارہ وضو



کر کے پہلی نماز پر بنا رکھی جاسکتی ہے پس وہ دوبارہ وضو کر کے اس واجب کو پورا کرے لیکن اگر جان بوجھ کر وضو توڑے یا بات کرے یا نماز کے منافی کوئی عمل کرے تو وہ نماز سے یا ہر سو گیا، اب پہلی نماز پر بنا نہیں رکھی جاسکتی اور نماز کا کوئی فرض اس کے ذمے باقی نہیں لہذا اس کی نماز مکمل ہوگئی۔ تاہم اس نے سنت کی خلاف ورزی ضرور کی ہے اور اپنی نماز کو مسنون طریقے سے ختم نہیں کیا۔

### عبارت ۱۴

الْمُتَيَّمُ : تیسیم کرنے والا۔ الماء : پانی  
بَطَلَتْ : باطل ہوگئی۔ مٹ گئی۔ مراد ہے نماز از سر نو پڑھنا ہوگی۔  
مَاسِحًا : مسح کرنے والا۔ انْقَضَتْ : ختم ہوگئی۔ پوری ہوگئی۔  
انْقَطَعَ : منقطع ہو گیا۔ ختم ہو گیا۔ خَلَعَ : اُتارا۔  
خُفِّيهِ : اس کے دموزے۔ خُفٌّ سے تشبیہ خُفَّانِ / خُفَّيْنِ۔  
عُرْيَانًا : ننگا۔ ثَوْبًا : کپڑا۔  
مُؤْمِيًا : اشارہ کرنے والا (اسم فاعل ہے، اَرَّهِيَ يُوْمِيَّ سے)۔  
تَذَكَّرَ : یاد کیا۔ یاد آیا۔

أَحْدَثَ : حدث ہو گیا۔ بے وضو ہو گیا۔ سجاست حکمی لاحق ہوگئی۔

اسْتَخْلَفَ : خلیفہ بنایا۔ نائب بنایا۔

طَلَعَتْ : طلوع ہوئی۔

الشَّمْسُ : سورج (عربی میں شمس کو مونث باندھتے ہیں)۔

الْجَبِيْرَةُ : پٹی۔ سَقَطَتْ : گر گئی۔

بُرْمَةٌ : تندرستی۔ بیماری وغیرہ سے نجات۔

مُسْتَحَاضَةٌ : عورت جو حیض کی حالت میں ہو۔

بَرِيْرَةٌ : ٹھیک ہوگئی۔ تندرست ہوگئی۔ بَرِيْرَةٌ يَبْرَأُ بَرِيْرًا۔

تَمَّتْ : پوری ہوگئی۔ مکمل ہوگئی۔

مندرجہ ذیل صورتوں میں تشہد کی مقدار کے برابر بیٹھنے کے بعد امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی اور از سر نو دوبارہ پڑھنا ہوگی جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک نماز مکمل ہو جائے گی اور نمازی کے ذمے مزید کچھ نہ ہوگا:

۱۔ اگر تیسیم کر کے نماز پڑھنے والا نماز کے دوران پانی دیکھ لے۔

۲۔ اگر اس نے دموزوں پر مسح کیا ہو اس کے مسح کی مدت ختم ہو جائے۔ (دموزوں پر مسح

- کی مدت مقیم کے لیے ایک دن رات اور مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں ہیں۔
- ۳- صاحبِ عذر ہو اور عذر جلتا رہے۔
  - ۴- اپنے موزے تھوڑے عمل سے یعنی آہستہ آہستہ عمل سے اتار دے۔ (عمل کثیر سے تو ویسے ہی وہ نماز سے باہر ہو جاتا ہے)۔
  - ۵- اُن پڑھ ہو اور کوئی سورت سیکھ لے۔
  - ۶- سنگا ہو پھر اسے کپڑا مل جائے۔
  - ۷- اشاروں سے نماز پڑھنے والا ہو پھر اسے رکوع اور سجدہ کرنے کی قدرت حاصل ہو جائے۔
  - ۸- اسے یاد آ جائے کہ اس کے ذمے اس سے پہلے ایک نماز واجب الادا ہے۔
  - ۹- امام قاری کا وضو جاتا رہے اور وہ کسی اُمّی کو اپنا نائب بنا دے۔
  - ۱۰- فجر کی نماز میں سورج طلوع ہو جائے۔
  - ۱۱- جمعہ کی نماز کے دوران عصر کی نماز کا وقت ہو جائے۔
  - ۱۲- اس نے پٹی پر مسح کیا ہو اور زخم ٹھیک ہونے سے پٹی گر جائے۔
  - ۱۳- وہ حالتِ حیض میں تھی پھر ٹھیک ہو گئی۔

مذکورہ بالا مسائل میں امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کے موقف میں اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک نمازی کا اپنے ارادہ و عمل سے نماز سے باہر آنا بھی نماز کے فرائض میں شامل ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک یہ فرائض صلوٰۃ میں شامل نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چونکہ تشہد کی مقدار کے برابر بیٹھنے کے بعد بھی نمازی کے ذمے ایک فریضہ باقی ہے (سلام کہہ کر نماز سے باہر آنا) اور اسی ساتویں فریضہ کو پورا کرنے سے پہلے ہی مذکورہ تیرہ صورتوں میں سے کوئی صورت پیش آگئی اس لیے اس کی نماز باطل ہو گئی اور اب وہ نئے سرے سے نماز پڑھے گا۔ صاحبین کے موقف کے مطابق چونکہ نمازی کے تمام چھ کے چھ فرائض صلوٰۃ ادا ہو چکے اور کوئی فریضہ اس کے ذمے باقی نہیں رہا اس لیے اس کی نماز مکمل ہو چکی۔

## مسائل

بَابُ الْجَمَاعَةِ فِي دَرَجِ ذِيلِ مَسْأَلِ بَيَانِ كَيْفَ كُنْتُمْ هِيَ :

۱۔ جماعت کی حیثیت

جماعت سنت مؤکدہ ہے۔ (اور حنیفیہ کے ہاں سنت مؤکدہ کی حیثیت واجب کی

ہے۔ حنفیہ کے نزدیک جماعت نہ فرض عین ہے اور نہ فرض کفایہ۔

## ۲۔ امامت کا حق دار

نماز باجماعت میں امامت کا سب سے زیادہ حق دار وہ ہے جو لوگوں میں سنت کا سب سے بڑا عالم ہو۔ اگر اس صفت میں لوگ (دو یا دو سے زیادہ آدمی) برابر ہوں تو ان میں سے قرآن حکیم کا جو سب سے بڑا قاری (مبغنی عالم) ہو۔ اگر اس میں بھی لوگ برابر ہوں تو پھر جو ان میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ اس صفت میں بھی اگر برابر ہوں تو پھر جو ان میں سب سے زیادہ عمر والا ہو وہ سب سے زیادہ حق دار ہے امامت کرنے کا۔

## ۳۔ ان کی امامت مکروہ ہے

غلام، بدو (ان پڑھ دیہاتی)، فاسق، نابینا اور ولد الزنا (حرامی) کو امام بنانا مکروہ ہے۔ تاہم اگر یہ امامت کریں تو ان کی امامت میں نماز ہو جائے گی۔

## ۴۔ امام نماز کو طویل نہ کرے

امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ نماز کو لمبانا نہ کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز باجماعت میں بوڑھے، کمزور اور بیمار مقتدی بھی ہوتے ہیں۔ طویل نماز ان کے لیے تکلیف کا موجب ہو سکتی ہے۔ لہذا باجماعت نماز میں امام کو قدرے اختصار سے کام لینا چاہیے اور بالخصوص لمبی قراءت نہیں کرنی چاہیے۔

## ۵۔ عورتوں کی جماعت

تنہا عورتوں کا باجماعت نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اگر تنہا عورتیں باجماعت نماز پڑھیں تو امام عورت ان کے وسط میں کھڑی ہو جیسے سنگین کی باجماعت نماز میں ہے۔

## ۶۔ امام کی جگہ

اگر مقتدی دو یا دو سے زیادہ ہوں تو امام ان کے آگے کھڑا ہو اور اگر مقتدی صرف ایک ہو تو امام اسے اپنے دائیں جانب کھڑا کرے۔

## ۷۔ عورت پانچے کی امامت

مردوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ عورت پانچے کی امامت میں نماز پڑھیں۔

## ۸۔ صفت بندی

صفت بندی اس ترتیب سے کی جائے کہ پہلے مرد صفت بنائیں پھر بچے پھر ہیٹھے اور پھر عورتیں۔

## ۹۔ مرد کے ساتھ عورت

اگر مرد کے پہلو میں عورت کھڑی ہو جائے اور وہ دونوں ایک ہی نماز پڑھ رہے ہوں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

### ۱۰۔ عورتوں کا جماعت میں آنا

مردوں کی نماز باجماعت میں عورتوں کا آنا مکروہ ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بوڑھی عورت فجر، مغرب اور عشاء کی نماز میں مردوں کی جماعت میں آئے تو اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک بوڑھی عورت پانچوں نمازوں میں مردوں کی جماعت میں آ سکتی ہے۔

### ۱۱۔ کون کس کے پیچھے نماز نہ پڑھے

(۱) طہارت والا (با وضو شخص) اس کے پیچھے نماز نہ پڑھے جسے مسلسل پیشاب آنے کا عارضہ ہو۔

(۲) طہارت والی عورتیں استحاضہ والی کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔

(۳) قاری (یعنی عالم)، اُمّی (ان پڑھ) کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔

(۴) لباس والا ننگے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔

(۵) رکوع و سجدہ کرنے والا اشاروں سے نماز پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔

(۶) فرض نماز والا اس شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھے جو اس سے مختلف فرض نماز پڑھے۔

(۷) فرض نماز والا نفل نماز والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔

(۸) اگر نماز پڑھ لینے کے بعد معلوم ہو کہ امام طہارت سے نہ تھا تو نماز دہرائی جائے۔

### ۱۲۔ کون کس کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے

(۱) تیمم والا وضو والوں کی امامت کر سکتا ہے۔ وضو والے تیمم والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔

(۲) موزوں پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والوں کی امامت کر سکتا ہے۔

(۳) کھڑے ہو کر پڑھنے والا بیٹھ کر پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔

(۴) نفل نمازوں والا فرض نماز والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔

### ۱۳۔ مکروہاتِ صلوة

نمازی کے لیے مکروہ ہے کہ وہ نماز کی حالت میں :

(۱) اپنے کپڑے یا اپنے جسم سے کھیلے۔

(۲) کنکریاں الٹ پلٹ کرے۔ اگر کنکریوں پر سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو اسے چاہیے کہ انہیں ایک ہی بار درست کرے۔

(۳) اپنی انگلیاں چٹھائے۔

(۴) انگلیاں انگلیوں میں ڈالے (یعنی پنجہ بناٹے)۔

(۵) کوکھ پر ہاتھ رکھے۔

(۶) کندھے سے کپڑا لٹکائے۔

(۷) کپڑا سمیٹ کر سنبھالے۔ کپڑا چھنے۔

(۸) بال گوندھے۔

(۹) دائیں بائیں گردن موڑے (سینہ کو قبلہ کی طرف سے ہٹائے بغیر۔ گردن موڑے بغیر دائیں بائیں دیکھنا مکروہ نہیں ہے)۔

(۱۰) کتے کی طرح بیٹھے۔ (دونوں چوڑے زین پر رکھ دے اور گھٹنے کھڑے کر دے)۔

(۱۱) زبان یا ہاتھ سے سلام کا جواب دینا۔

(۱۲) بغیر عذر کے چوکڑی مارنا۔

(۱۳) کھانا پینا۔

## ۱۲۔ وضو ٹوٹ جانا

نماز کے دوران وضو ٹوٹ جائے تو نمازی کو چاہیے کہ جا کر دوبارہ وضو کرے۔ پھر آکر اپنی پہلی ادا شدہ نماز پر بنا رکھ کر باقی ماندہ نماز پڑھے۔ اگر امام کا وضو جاتا رہے تو وہ کسی نمازی کو اپنا نائب بنائے، دوبارہ وضو کرے اور اپنی پہلی ادا شدہ نماز پر بنا رکھ کر باقی ماندہ نماز ادا کرے۔ پہلی نماز پر بنا رکھنے کی اجازت اس وقت تک ہے جب تک وہ بات نہ کرے (بات کر لے تو پھر از سر نو نماز پڑھے)۔ تاہم نئے سرے سے نماز پڑھنا افضل ہے۔ اگر بقدر تشدد بیٹھنے کے بعد وضو جاتا رہے تو وہ وضو کرے اور سلام کہے اور بقدر تشدد بیٹھنے کے بعد اگر جان بوجھ کر وضو توڑے یا بات کرے یا نماز کے منافی کوئی کام کرے تو اس کی نماز مکمل ہوگئی۔

اگر نماز کے دوران سو جائے اور پھر احتلام ہو جائے یا بے ہوش ہو جائے یا زور سے ہنس دے تو وہ وضو دوبارہ کرے اور نماز بھی دوبارہ از سر نو پڑھے۔

اگر نماز میں بھول کر باجان بوجھ کر بات کرے تو اس کی نماز باطل ہوگئی (یعنی از سر نو دوبارہ پڑھنا ہوگی)۔

### ۱۵۔ بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد جن صورتوں میں نماز مکمل ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک فرائضِ صلوٰۃ چھے ہیں جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نمازی کا اپنے ارادہ و عمل سے نماز سے باہر آنا نماز کا ساتواں فریضہ ہے۔ اس اختلاف کی بناء پر تشہد کی مقدار کے برابر بیٹھنے کے بعد درج ذیل صورتوں میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز باطل ہوگی جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نماز مکمل ہو جائے گی۔ (کیونکہ نمازی چھے کے چھے فرائضِ صلوٰۃ ادا کر چکا ہے اور اس کے ذمے اب کوئی فریضہ باقی نہیں رہا۔ جب تمام فرائضِ صلوٰۃ ادا ہو گئے تو نماز ادا ہو گئی۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چونکہ ابھی ایک فریضہ صلوٰۃ یعنی نمازی کا اپنے ارادہ و عمل سے باہر آنا باقی ہے لہذا اس کی نماز باطل ہو گئی)۔

(۱) اگر تیمم کرنے والا پانی دیکھ لے۔

(۲) موزوں پر مسح کرنے والے کی مدت مسح ختم ہو جائے (مدت مسح مقیم کے لیے

ایک دن رات اور مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں)۔

(۳) اگر وہ صاحبِ عذر ہو اور عذر جاتا رہے۔

(۴) تھوڑے عمل سے اپنے موزے اتارے۔

(۵) اُمتی ہو اور کوئی سورت سیکھ لے۔

(۶) ننگا ہو اور اسے کپڑا مل جائے۔

(۷) اشاروں سے نماز پڑھنے والا ہو پھر اسے رکوع و سجدہ پر قدرت حاصل ہو جائے۔

(۸) اسے یاد آ جائے کہ اس سے پہلے اس کے ذمے ایک نماز ہے (یعنی اسے اپنی فوت شدہ

نماز یاد آ جائے)۔

(۹) امام قاری وضو ٹھٹھنے پر کسی اُمتی کو نائب بنائے۔

(۱۰) فجر کی نماز کے دوران میں سورج طلوع ہو جائے۔

(۱۱) جمعہ کی نماز کے دوران میں عصر کا وقت ہو جائے۔

(۱۲) پٹی پر مسح کیا ہو اور زخم ٹھیک ہو نے سے سچی گر جائے۔

(۱۳) استیضہ والی عورت ٹھیک ہو جائے۔

اگر یہ ساری صورتیں بقدر تشہد بیٹھنے سے پہلے پیدا ہوں تو تینوں ائمہ کے نزدیک نماز

باطل ہو جائے گی۔

## بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ

(فوت شدہ نمازیں ادا کرنے کا باب)

وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةٌ قَضَاهَا إِذَا ذَكَرَهَا

اور جس کی کوئی نماز فوت ہو جائے تو جب یاد آجائے وہ اسے قضا کرے

وَقَدَّمَهَا عَلَى صَلَاةِ الْوَقْتِ إِلَّا أَنْ يَخَافَ فَوْتَ صَلَاةِ الْوَقْتِ

اور اسے وقت کی نماز پر مقدم کرے۔ ہاں! اگر اسے وقت کی نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو

فَيُقَدِّمُ صَلَاةَ الْوَقْتِ عَلَى الْفَائِتَةِ ثُمَّ يَقْضِيهَا

تو وہ وقت کی نماز کو فوت ہونے والی نماز پر مقدم کرے پھر اسے قضا کرے

وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ رَتَّبَهَا فِي الْقَضَاءِ كَمَا

اور جس کی کئی نمازیں فوت ہو جائیں تو وہ انہیں اسی ترتیب سے قضا کرے جس سے

وَجَبَتْ فِي الْأَصْلِ إِلَّا أَنْ تَزِيدَ الْفَوَائِتُ عَلَى خَمْسِ صَلَوَاتٍ

وہ اصل میں فرض تھیں البتہ اگر فوت ہونے والی نمازیں پانچ نمازوں سے زیادہ ہوں

فَيَسْقُطُ التَّرْتِيبُ فِيهَا

تو ان میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے

الفاظ کے معانی

قَضَاءٌ: پورا کرنا۔ ادا کرنا۔ انجام دینا۔ (قَضَى ماضی، يَقْضِي ماضی، قَضَاءٌ مصدر)۔

الْفَوَائِتُ: فوت ہونے والیاں۔ جمع ہے فَائِتَةٌ، جو اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے

فَاتَ يَفُوتُ فَوْتًا سے۔ فَوْتًا کا معنی ہے چھوٹ جانا، چلے جانا۔ فَائِتٌ چلی گئی۔

قَدَّمَ: آگے کیا۔ مقدم کیا۔ پہلے کیا۔

يَخَافُ: ڈرتا ہے۔ خَافَ ماضی ڈرا، خَوْفًا مصدر۔

رَتَبٌ : مرتب کیا۔ ترتیب دیا۔ وَجَبْتُ : واجب ہوئی۔ فرض ہوئی۔  
 تَزِيدٌ : زیادہ ہو۔ بڑھے۔ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے زَادَ يَزِيدُ سے۔  
 يَسْقُطُ : گر جائے گا۔ ساقط ہو جائے گا۔ ذرے نہ رہے گا۔ (سَقَطَ ماضی)۔

## مسائل

بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ میں فوت ہونے والی نمازوں کے مسائل بیان کیے گئے ہیں

جو درج ذیل ہیں:

- ۱۔ فوت ہونے والی نماز یاد آ جائے تو اسے قضا کرنا فرض ہے۔
- ۲۔ فوت ہونے والی نماز کو پہلے پڑھا جائے اور وقت کی نماز کو بعد میں۔ البتہ اگر یہ اندیشہ ہو کہ اگر فوت ہونے والی نماز پہلے پڑھی تو وقت کی نماز فوت ہو جائے گی تو وقت کی نماز کو مقدم کر لے اور فوت ہونے والی نماز کو بعد میں پڑھ لے۔
- ۳۔ جس شخص کی کسی نماز میں فوت ہوگئی ہوں وہ انہیں اسی ترتیب سے قضا کرے جس ترتیب سے اصل میں واجب تھیں (مثلاً پہلے فجر کی، پھر ظہر کی... وغیرہ)۔
- ۴۔ اگر فوت ہونے والی نمازوں کی تعداد پانچ سے زیادہ ہو تو پھر ترتیب ساقط ہو جائے گی۔ اس صورت میں بغیر ترتیب کے ہی جس طرح چاہے فوت ہونے والی نمازوں کو قضا کرے۔



# بَابُ الْأَوْقَاتِ الَّتِي تَكْرَهُ فِيهَا الصَّلَاةُ

ان اوقات کا باب جن میں نماز مکروہ ہے

لَا تَجُوزُ الصَّلَاةُ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوبِهَا

سورج کے طلوع اور اس کے غروب کے وقت نماز (پڑھنا) جائز نہیں

إِلَّا عَصْرَ يَوْمِهِ وَلَا عِنْدَ قِيَامِهَا فِي الظَّهِيرَةِ

ہاں! اس دن کی عصر جائز ہے اور نہ دوپہر میں سورج کے قیام کے وقت جائز ہے

وَلَا يُصَلِّي عَلَى جَنَازَةٍ وَلَا يَسْجُدُ لِلتَّلَاوَةِ

اور (ان وقتوں میں) نہ نماز جنازہ پڑھے اور نہ ہی سجدہ تلاوت کرے

وَيُكْرَهُ أَنْ يَتَنَفَّلَ بَعْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ

اور نماز فجر کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے

وَبَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ

نیز عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک ( نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔)

وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُصَلِّيَ فِي هَذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ الْفَوَائِتَ

اور ان دو وقتوں میں فوت ہونے والی نمازیں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں

وَيُكْرَهُ أَنْ يَتَنَفَّلَ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ بِأَكْثَرِ مِنْ رَكْعَتَيْ الْفَجْرِ

اور طلوع فجر کے بعد فجر کی دو رکعتوں (یعنی دو سنتوں) سے زیادہ نفل پڑھنا مکروہ ہے

وَلَا يَتَنَفَّلُ قَبْلَ الْمَغْرِبِ

اور (نماز) مغرب سے پہلے نفل نہ پڑھے

## الفاظ کے معانی

لَا تَجُوزُ، جاز نہیں۔ ماضی جاز مضارع يَجُوزُ۔ تَجُوزُ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے کیونکہ اس فعل کا فاعل الصَّلَاةُ مؤنث ہے۔

الظَّهِيرَةُ: دوپہر۔ نصف النہار کا وقت۔ ظہر۔

قِيَامُهَا فِي الظَّهِيرَةِ: سورج کا ظہیرہ میں ٹھہرنا۔ یہ ٹھیک دوپہر کا وقت ہے۔  
يُكْرَهُ: ناپسند کیا جاتا ہے۔ کُرُوہ ہے۔ کِرْهُ ماضی يَكْرَهُ مُضارع۔ يَكْرَهُ مُضارع مجہول۔

يَتَنَقَّلُ: نفل نماز پڑھتا ہے۔ ماضی تَنَقَّلَ۔

لَا بَأْسَ: کوئی حرج نہیں۔ کوئی مضائقہ نہیں۔

الْفَوَائِتُ: فوت ہونے والیاں۔ جمع ہے الْفَائِتَةُ کی۔

أَكْثَرُ: زائد۔ زیادہ۔

رُكْعَتِي الْفَجْرِ: فجر کی دو رکعتیں یعنی دو سنتیں۔ اصل میں رُكْعَتَيْنِ تھا۔

## مسائل

اس باب میں وہ اوقات بیان کیے گئے ہیں جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ وہ اوقات جن میں نماز مطلقاً ممنوع ہے

تین اوقات ایسے ہیں جن میں کسی قسم کی نماز نہیں ہو سکتی اور وہ اوقات یہ ہیں:

(۱) طلوع آفتاب کا وقت (۲) غروب آفتاب کا وقت

(۳) دوپہر کا وقت یعنی جس وقت سورج بالکل نصف النہار میں ہوتا ہے۔

(یہ تین اوقات وہ ہیں کہ جن میں آگ اور سورج کی پوجا کرنے والے مشرک بطور خاص عبادت کیا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ مشابہت سے بچنے کے لیے ان اوقات میں کسی بھی قسم کی نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور حدیث میں ان اوقات میں نماز پڑھنے کو شیطانی فعل قرار دیا گیا ہے۔)

۲۔ وہ اوقات جن میں نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

دو وقت ایسے ہیں کہ جن میں نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ ان میں نفل کے سوا دیگر نمازیں مثلاً فوت

ہونے والی نماز کی قضا کرنا، نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت جائز ہیں۔ یہ دو وقت ہیں:

(۱) فجر کی نماز کے ابتدائی وقت سے لے کر طلوع آفتاب تک۔

(۲) عصر کی نماز کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک۔

(ان اوقات میں نفل پڑھنے کو مکروہ اس لیے قرار دیا گیا ہے تاکہ فرض نماز کی ادائیگی کے لیے

وقت تنگ نہ پڑ جائے۔)

## بَابُ السُّنَنِ وَالنَّوَافِلِ

السُّنَّةُ فِي الصَّلَاةِ أَنْ يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ

نماز میں سنت یہ ہے کہ طلوع فجر کے بعد دو رکعت پڑھے

وَأَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَأَرْبَعًا قَبْلَ الْعَصْرِ

اور ظہر سے پہلے چار رکعت اور اس کے بعد دو رکعتیں اور عصر سے پہلے چار رکعتیں

وَإِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ

اور اگر چاہے تو دو رکعتیں اور مغرب کے بعد دو رکعتیں

وَأَرْبَعًا قَبْلَ الْعِشَاءِ وَأَرْبَعًا بَعْدَهَا وَإِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ لَهُ

اور عشاء سے پہلے چار رکعتیں اور اس کے بعد چار رکعتیں اور اگر چاہے تو دو رکعتیں

وَنَوَافِلُ النَّهَارِ إِنْ شَاءَ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ بِتَسْلِيمَةٍ وَاحِدَةٍ

اور دن کے نفلوں کو اگر چاہے تو ایک سلام کے ساتھ دو رکعت پڑھے

وَإِنْ شَاءَ أَرْبَعًا وَتَكَرَّرَهُ الزِّيَادَةُ عَلَى ذَلِكَ فَأَمَّا نَوَافِلُ اللَّيْلِ

اور چاہے تو چار رکعت پڑھے اور اس پر زیادتی کرنا مکروہ ہے۔ رہے رات کے نفل

فَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ إِنْ صَلَّى ثَمَانِي رَكَعَاتٍ بِتَسْلِيمَةٍ وَاحِدَةٍ جَازٍ

تو امام ابو حنیفہ کا کہنا ہے کہ اگر آٹھ رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھے تو جائز ہے

وَتَكَرَّرَهُ الزِّيَادَةُ عَلَى ذَلِكَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ

اور اس پر زیادتی مکروہ ہے اور ابو یوسف اور محمد کا قول ہے کہ

لَا يَزِيدُ بِاللَّيْلِ عَلَى رَكَعَتَيْنِ بِتَسْلِيمَةٍ وَاحِدَةٍ ۝

رات کو ایک سلام کے ساتھ دو رکعتوں سے زیادہ نہ کرے

وَالْقِرَاءَةُ فِي الْفَرَائِضِ وَاجِبَةٌ فِي الرَّكَعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ

اور فرضوں میں پہلی دو رکعتوں میں قراءت فرض ہے

وَهُوَ مَخِيرٌ فِي الْأُخْرَيَيْنِ إِنْ شَاءَ قَرَأَ الْفَاتِحَةَ

اور پچھلی دو رکعتوں میں اسے (یعنی نمازی کو) اختیار ہے، اگر چاہے تو سورہ فاتحہ پڑھے

وَإِنْ شَاءَ سَكَتَ وَإِنْ شَاءَ سَبَّحَ وَالْقِرَاءَةُ وَاجِبَةٌ

اور اگر چاہے تو خاموش رہے اور چاہے تو تسبیح کرے۔ اور قراءت فرض ہے

فِي جَمِيعِ رَكَعَاتِ النَّفْلِ وَجَمِيعِ الْوُتْرِ ۝

نفل کی سب رکعتوں میں اور وتر کی سب رکعتوں میں

وَمَنْ دَخَلَ فِي صَلَاةِ النَّفْلِ ثُمَّ أَفْسَدَهَا قَضَاهَا

اور جس نے نفل نماز شروع کی پھر اسے فاسد کر دیا وہ اسے قضا کرے

فَإِنْ صَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَقَعَدَ فِي الْأُولَيَيْنِ

پھر اگر اس نے چار رکعتیں پڑھیں اور پہلی دو رکعتوں میں قعدہ کیا

ثُمَّ أَفْسَدَ الْأُخْرَيَيْنِ قَضَى رَكَعَتَيْنِ ۝

پھر پچھلی دو رکعتوں کو فاسد کر دیا تو وہ دو رکعتیں قضا کرے

وَيُصَلِّي النَّافِلَةَ قَاعِدًا مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْقِيَامِ

اور قیام پر قدرت کے باوجود نفل بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے

وَإِنْ افْتَحَهَا قَائِمًا ثُمَّ قَعَدَ جَازِعًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى

اور اگر نفل کھڑے ہو کر شروع کیے پھر بیٹھ گیا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے

وَقَالَ لَا يُجُوزُ إِلَّا مِنْ عُدْرٍ شَهٍ وَمَنْ كَانَ خَارِجَ الْمِصْرِ

اور صاحبین نے کہا عذر کے بغیر جائز نہیں اور جو شہر سے باہر ہو

يَتَنَفَّلُ عَلَى دَابَّتِهِ إِلَى أَيِّ جِهَةٍ تَوَجَّهَتْ يَوْمَئِذٍ أَيَّمَاءُ

وہ اپنی سواری پر اسی سمت نفل پڑھ لے جس سمت بھی سواری کا رخ ہو اور اشارہ کرے

## تشریحات

### عبارت لے

السَّنَّةُ: رَجْعُ السَّنَنِ ۱۔ یہاں اس سے مراد فرض نماز کے علاوہ وہ نفل رکعتیں ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ادا فرمایا کرتے تھے۔ جن نوافل کو حضور نے اکثر ادا فرمایا وہ سنت مؤکدہ ہیں جنہیں کبھی کبھی ادا فرمایا وہ مستحب ہیں۔

النَّوَافِلُ: (وَاحِدُ النَّافِلَةِ) لَفْظِي مَعْنَى فَرَضٍ، حَقٌّ يَأْتِي سَعَةً زَائِدًا۔ یہاں ان سے

مراد فرض نماز پر زائد نمازیں ہیں۔

نماز میں سنت کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ فجر کی نماز کی دو رکعت فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں۔ یہ طلوع فجر کے بعد پڑھی جائیں۔ یہ سنتیں بالاتفاق سب سے افضل ہیں اور احادیث میں ان کی بہت تاکید آئی ہے۔ صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کبھی ترک نہیں کیا نہ سفر میں اور نہ حضر میں اور آپ سنت الفجر سے بڑھ کر سخت نگہداشت کسی نفل نماز کی نہیں فرماتے تھے۔ ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہ سے ایک حدیث روایت کی گئی ہے، حضور نے فرمایا، تم ان کو نہ چھوڑنا خواہ سواروں کے گھوڑے تمہیں رزند ڈالیں۔ کوئی سنت جب وقت سے پہلے جاتی رہے تو اس کی قضا نہیں سوائے سنت فجر کے کہ اگر مع فرض کے فوت ہوں تو بعد طلوع آفتاب زوال تک فرض کے ساتھ قضا کرے۔ اگر فرض کے بعد فوت ہوں تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک قضا نہیں جبکہ امام محمد کے نزدیک قضا ہے۔

۲۔ ظہر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعتیں اور فرض نماز کے بعد دو رکعتیں۔ یہ دونوں یعنی پہلے چار اور بعد میں دو سنت مؤکدہ ہیں۔ اگر جماعت کی وجہ سے پہلے والی

چار رکعتیں رہ جائیں تو فرض نماز کے بعد دو گناہ سے پہلے پڑھ لے۔

۳۔ عصر سے پہلے چار رکعتیں۔ یہ سنت غیر مؤکدہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور کبھی دو رکعتیں۔ اسی لیے یہاں یہ کہا گیا ہے کہ اگر چاہے تو دو رکعت پڑھ لے۔

۴۔ مغرب کی فرض نماز کے بعد دو رکعتیں۔ یہ سنت مؤکدہ ہیں۔

۵۔ اور عشاء کی فرض نماز سے پہلے چار رکعتیں۔ یہ مستحب ہیں۔ اور عشاء کی فرض نماز کے بعد چار رکعتیں اور اگر چاہے تو دو رکعتیں۔ یہ سنت مؤکدہ ہیں۔

نماز پنج گانہ میں بارہ رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں اور اس مسئلے کی اصل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہے: مَنْ ثَابَرَ عَلَى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رُكْعَةً فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ، جس نے دن اور رات میں بارہ رکعتوں پر موافقت کی اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دے گا۔ اور ان بارہ رکعتوں کی تفصیل صحیح مسلم، ابو داؤد ابن ماجہ کی روایت میں اس طرح ہے: چار رکعات قبل ظہر اور دو رکعات بعد ظہر، دو رکعتیں بعد مغرب، دو رکعتیں بعد عشاء اور دو رکعات قبل فجر۔

### عبارت ۲

نَوَافِلُ: (واحد نَافِلَةٌ) فرض پر زائد نمازیں۔

الْأَلْيَلُ: رات۔

تَسْبِيحًا: مراد ہے نماز سے باہر پکھنے کے لیے سلام کہنا۔

تُكْرَهُ: مضارع مجہول واحد مؤنث غائب کا صیغہ۔ ناپسند کی جاتی ہے۔ مکروہ ہے۔

الزِّيَادَةُ: اضافہ۔ زیادتی۔ ثَمَانِي: آٹھ۔

دن کے نوافل ایک ہی سلام کے ساتھ دو دو رکعت اور چار چار رکعت کر کے پڑھے

جاسکتے ہیں۔ چار رکعتوں سے زیادہ رکعتیں مکروہ ہیں۔ رات کے نوافل کے بارے میں

امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ اگر آٹھ رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھے تو جائز ہے اور اس

پر زیادتی مکروہ ہے جبکہ صاحبین کا قول ہے کہ ایک سلام کے ساتھ دو رکعتوں سے زیادہ

نہ پڑھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل سے رات کو آٹھ رکعات ایک سلام کے ساتھ

پڑھنا بھی ثابت ہے اور چھ رکعات بھی۔ تاہم افضل یہ ہے کہ نفل دو دو رکعت کر کے

پڑھے جائیں۔ کتب حدیث (ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ) میں حضور کا

ارشاد روایت کیا گیا ہے کہ صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنِي مَثْنِي "رات اور دن کی نفل نماز

دو دو رکعت ہے" ایک اور حدیث میں ہے: الصَّلَاةُ مَثْنِي مَثْنِي تَشْرَهُ فِي كُلِّ رُكْعَةٍ

”نفل نماز دو رکعت ہے، ہر دو رکعت پر تشہد ہے۔“

### عبارت ۳

الْأُولَىٰ يَتَيْنِ: تثنیہ ہے الْأُولَىٰ کا، پہلی دو۔ (اڈل کا مؤنث اُولَىٰ)۔  
مُخَيَّرٌ: جسے اختیار دیا گیا۔ اسم مفعول ہے خَيَّرَ يُخَيِّرُ سے۔  
الْآخِرَ يَتَيْنِ: تثنیہ ہے الْآخِرَىٰ کا، پچھلی دو (اخر کا مؤنث اُخْرَىٰ)  
سَكَتًا: خاموش ہوا۔ سَبَّحَ: تسبیح کی۔ سبحان اللہ کہا۔

اس عبارت میں نماز میں قراءت سے متعلق درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:  
(۱) فرض نمازوں میں پہلی دو رکعتوں میں قراءت واجب ہے اور پچھلی دو رکعتوں میں  
نمازی کو اختیار ہے کہ چاہے سورہ فاتحہ پڑھے اور چاہے خاموش رہے اور چاہے  
تسبیح کرے۔

(۲) نفل اور وتر کی تمام رکعتوں میں قراءت واجب ہے۔

### عبارت ۴

دَخَلَ: داخل ہوا۔ أَفْسَدَ: فاسد کر دیا۔ مراد ہے نماز توڑ دی۔

قَضَىٰ: پورا کیا۔ ادا کیا۔ قَعَدَ: بیٹھا۔ قعدہ کیا۔

نفل نماز شروع کر لینے کے بعد اس کو پورا کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ اس لیے مسئلہ یہ  
ہے کہ اگر نمازی نفل نماز شروع کرے اور پھر اسے توڑ دے تو اسے قضا کرے۔ اور  
اگر چار نفل رکعتوں کی نیت کی پہلی دو رکعتوں پر قعدہ کیا پھر پچھلی دو کو توڑ دیا تو وہ دو  
رکعتیں قضا کرے۔ پہلی دو رکعتوں کی قضا نہیں کیونکہ قعدہ سے دو مکمل ہو گئیں اور صرف  
پچھلی دو رکعتوں کی قضا ہے، یہ اس لیے ہے کہ نفل کی ہر دو رکعات ایک کامل نماز  
ہیں کیونکہ نماز کی کم از کم مقدار دو رکعتیں ہیں۔ اسی لیے حنفیہ نفل کی تیسری رکعت کو  
بھی ثنائی سے شروع کرنے کو اور ہر قعدہ میں تشہد کے ساتھ درود اور دعا پڑھنے کو کہتے ہیں۔

### عبارت ۵

قَاعِدًا: بیٹھ کر۔ قَاعِدًا اسم ناعل ہے قَعَدَ يَقْعُدُ سے۔

إِفْتَتَحَ: شروع کیا قَائِمًا: کھڑے ہو کر۔

قَالَ: ان دونے کہا۔ مراد ہے امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا۔

لَا يَجُوزُ: جائز نہیں۔ جَازًا: ماضی۔

نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے خواہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی قدرت رکھنا ہو۔

یعنی بغیر عذر کے بھی نفل نماز بیٹھ کر پڑھی جاسکتی ہے (جبکہ دوسری نماز بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں)۔

اگر نفل نماز کھڑے ہو کر پڑھنی شروع کرے پھر بیٹھ جائے تو یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک بغیر عذر کے ایسا کرنا جائز نہیں۔

### عبارت لے

المِصْرُ : شہر      يَتَنَفَّلُ : نفل پڑھے

دَابَّةٌ : سواری۔      تَوَجَّهْتُ : منہ کیا۔ متوجہ ہوئی۔

يَوْمِي : اشارہ کرتا ہے۔ اِيْمَاءٌ مصدر ہے اشارہ کرنا۔

اگر شہر سے باہر سواری پر ہو تو اسی حالت میں جدھر بھی سواری کا رخ ہو اشاروں سے نفل پڑھ لے۔ اس حال میں قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں۔

## مسائل

بَابُ السُّنَنِ وَالنَّوَافِلِ فِي دَرَجَاتٍ زَيْلِ مَسْأَلِ بَيَانِ كَيْفَ كُنْتُمْ هِيَ :

### ۱۔ سنت

نماز میں سنت کی رکعتوں کی تفصیل اس طرح ہے :

- (۱) فجر کی نماز میں طلوع فجر کے بعد اور فرض نماز سے پہلے دو رکعت۔ یہ سنت مؤکدہ ہے اور حدیث شریف میں اس کی سب سے زیادہ تاکید آئی ہے۔
- (۲) ظہر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعات اور فرض نماز کے بعد دو رکعات۔ یہ دونوں سنت مؤکدہ ہیں۔

(۳) عصر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعتیں یا دو رکعتیں۔ یہ مستحب ہیں۔

(۴) مغرب کی فرض نمازوں کے بعد دو رکعتیں۔ یہ سنت مؤکدہ ہے۔

- (۵) عشاء کی نماز سے پہلے چار رکعتیں اور اس کے بعد چار یا دو رکعتیں۔ پہلی چار رکعتیں مستحب ہیں اور بعد کی دو رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں۔

### ۲۔ نوافل

- (۱) دن کے نوافل اگر چاہے تو ایک سلام کے ساتھ دو رکعتیں اور چاہے چار رکعتیں پڑھ لے۔ چار سے زیادہ رکعتیں مکروہ ہیں۔

- (۲) رات کے نوافل کے بارے میں حنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ ایک سلام کے ساتھ آٹھ



رکعتیں پڑھنا جائز ہے اور اس سے زیادہ مکروہ ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ  
 کہتا ہے کہ رات کو ایک سلام کے ساتھ دو رکعتوں سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں۔

### ۳۔ قراءت

(۱) فرض نمازوں میں پہلی دو رکعتوں میں قراءت واجب ہے اور پہلی دو رکعتوں میں  
 نمازی کو اختیار ہے کہ چاہے سورہ فاتحہ پڑھے اور چاہے۔ دوش رہے اور  
 چاہے تسبیح کرے۔

(۲) نفل اور وتر کی سب رکعتوں میں قراءت واجب ہے۔

### ۴۔ نوافل کی قضا

(۱) نفل شروع کرنے تک نفل ہیں اور جب شروع کر لے تو جتنی رکعتوں کی نیت کی ان  
 کو پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ لہذا اگر نفل نماز شروع کرنے کے بعد اسے  
 توڑ دے تو اسے تنہا کرے۔

(۲) اگر چار رکعت نفل کی نیت کی اور پہلی دو رکعتوں کے بعد تعدہ کیا پھر پچھلی دو  
 رکعتوں میں نماز توڑ دی تو وہ دو رکعتیں قضا کرے۔ ہر دو نفل نماز اپنی جگہ مکمل  
 نماز ہے۔ تعدہ نماز کے فرائض میں سے آخری فریضہ ہے لہذا دو رکعتوں پر تعدہ  
 کرنے کے بعد دو رکعت نفل نماز مکمل ہو گئی اس لیے صرف آخری دو رکعت کی  
 قضا واجب ہوگی۔

(۳) نفل نماز کھڑے ہو کر پڑھنے کی قدرت رکھنے کے باوجود بیٹھ کر پڑھی جاسکتی ہے۔  
 اگر نفل نماز کھڑے ہو کر پڑھنا شروع کرے اور پھر بیٹھ جائے تو امام ابو حنیفہؒ کے  
 نزدیک ایسا کرنا جائز ہے جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک بغیر عذر کے  
 ایسا کرنا جائز نہیں۔

(۴) شہر سے باہر سواری پر بیٹھ کر جس سمت بھی سواری کا رخ ہو اسی سمت منہ کر کے  
 اشاروں سے نفل پڑھے (یعنی سواری کا قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں)۔

## بَابُ سُجُودِ السَّهْوِ

سُجُودُ السَّهْوِ وَاجِبٌ فِي الزِّيَادَةِ وَالنَّقْصَانِ

سجدہ سہو (نماز میں) زیادتی یا کمی کی صورت میں واجب ہے

بَعْدَ السَّلَامِ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَتَشَهَّدُ وَيُسَلِّمُ

سلام کے بعد دو سجدے کرے پھر تشهد پڑھے اور سلام کہے

وَيُلْزَمُ سُجُودَ السَّهْوِ إِذَا زَادَ فِي صَلَاتِهِ فِعْلًا مِنْ جَنْسِهَا

اور اس کو سجدہ سہو لازم ہے جب وہ اپنی نماز میں اس کی جنس سے کوئی فعل بڑھادے

كَيْسَرَ مِنْهَا أَوْ تَرَكَ فِعْلًا مَسْنُونًا أَوْ تَرَكَ

جو اس نماز میں سے نہیں یا کوئی مسنون فعل چھوڑ دے یا چھوڑ دے

قِرَاءَةَ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ أَوِ الْقُنُوتِ أَوِ الشَّهَادَةِ أَوْ تَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ

سورہ فاتحہ کی قراءت یا دعائے قنوت یا تشهد یا عیدین کی تکبیریں

أَوْ جَهَرَ أَوْ مَامَ فِيمَا يَخَافُ أَوْ خَافَتْ فِيمَا يَجْهَرُ

یا اہم سہری نماز میں جہر کرے یا جہری نماز میں پوشیدہ پڑھے

وَسَهْوًا أَوْ مَامَ يُوجِبُ عَلَى الْمُؤْتَمِّرِ السُّجُودَ فَإِنْ

اور امام کا سہو مقتدی پر سجدہ واجب کر دیتا ہے پھر اگر

لَمْ يَسْجُدِ أَوْ مَامَ لَمْ يَسْجُدِ الْمُؤْتَمِّرُ فَإِنْ سَهَا الْمُؤْتَمِّرُ

امام سجدہ نہ کرے تو مقتدی بھی سجدہ نہ کرے اور اگر مقتدی سہو کرے

لَمْ يَلْزِمِ الْإِمَامَ وَلَا الْمُؤْتَمِرَ السُّجُودَ

تو امام پر اور مقتدی پر سجدہ واجب نہیں ہوتا

وَمِنْ سَهَا عَنِ الْقَعْدَةِ الْأُولَىٰ ثُمَّ تَذَكَّرَ وَهُوَ

اور جو پہلے قعدہ کو بھول جائے پھر اسے یاد آئے جبکہ وہ

إِلَىٰ حَالِ الْقُعُودِ أَقْرَبُ عَادَ فَجَلَسَ وَتَشَهَّدَ

قعود کی حالت کے زیادہ قریب ہو تو وہ لوٹ آئے اور بیٹھ جائے اور تشهد پڑھے

وَإِنْ كَانَ إِلَىٰ حَالِ الْقِيَامِ أَقْرَبَ لَمْ يَعُدَّ وَيَسْجُدُ لِلْسَّهْوِ

اور اگر وہ قیام کی حالت کے زیادہ قریب ہو تو نہ لوٹے اور سجدہ نہ کرے (آخر میں)

وَإِنْ سَهَا عَنِ الْقَعْدَةِ الْأَخِيرَةِ فَقَامَ إِلَىٰ الْخَامِسَةِ

اور اگر آخری قعدہ بھول گیا اور پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا

رَجَعَ إِلَىٰ الْقَعْدَةِ مَالَهُ يَسْجُدُ وَالغَى الْخَامِسَةَ

تو جب تک سجدہ نہ کیا ہو قعدہ کی طرف واپس آجائے اور پانچویں رکعت منسوخ کرے

وَسَجَدَ لِلْسَّهْوِ وَإِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ تَبَطَّلَ فَرَضَتَهُ

اور سجدہ نہ کرے اور اگر وہ پانچویں رکعت کو سجدہ سے مقید کرے تو اس کا فرض جاتا رہا

وَتَحَوَّلَتْ صَلَوَتُهُ نَفْلًا وَكَانَ عَلَيْهِ أَنْ يَضُمَّ إِلَيْهَا رُكْعَةً سَادِسَةً

اور اس کی نماز نفل میں بدل گئی اور اس پر لازم ہے کہ اس کے ساتھ چھٹی رکعت ملائے

وَإِنْ قَعَدَ فِي الرَّابِعَةِ ثُمَّ قَامَ وَلَمْ يَسِلِّمْ بِبَطْنِهَا الْقَعْدَةَ الْأُولَىٰ

اور اگر وہ چوتھی رکعت میں بیٹھا پھر اٹھ کھڑا ہوا اور سلام نہ کہی یہ گمان کر کے کہ یہ پہلا قعدہ ہے

عَادَ إِلَىٰ الْقُعُودِ مَالَهُ يَسْجُدُ لِلْخَامِسَةِ وَسَلَّمْ وَسَجَدَ لِلْسَّهْوِ

تو جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے قعود کی طرف لوٹ آئے اور سلام کہے اور سجدہ نہ کرے

وَإِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ ضَمَّ إِلَيْهَا رُكْعَةً أُخْرَى

اور اگر وہ پانچویں رکعت کو سجدہ سے مقید کر دے تو اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملا لے

وَقَدْ تَمَّتْ صَلَوَتُهُ وَالرُّكْعَتَانِ نَافِلَةٌ لَهُ

اور اس کی نماز پوزی ہو چکی اور دو رکعتیں نفل ہیں

وَمَنْ شَكَّ فِي صَلَوَتِهِ فَلَمْ يَدْرِ أَثَلَاثًا صَلَّى أَمْ أَرْبَعًا

اور جسے اپنی نماز میں شک ہو جائے اور نہ جانے کہ تین رکعتیں پڑھیں یا چار

وَذَلِكَ أَوَّلُ مَا عَرَضَ لَهُ اسْتَأْنَفَ الصَّلَاةَ فَإِنْ

اور یہ پہلے پہل اسے پیش آیا ہو تو نماز از سر نو پڑھے اور اگر

كَانَ يَعْزِضُ لَهُ كَثِيرًا بَنِي عَلِيٍّ غَالِبٍ ظَنَّهُ إِنْ كَانَ لَهُ ظَنٌّ

یہ اسے بکثرت پیش آتا ہو تو اپنے غالب ظن پر بنا رکھے بشرطیکہ اس کا کوئی ظن ہو

وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ ظَنٌّ بَنِي عَلِيٍّ الْيَقِينِ - هـ

اور اگر اس کا کوئی ظن نہ ہو تو یقین پر بنا رکھے۔

## تشریحات

### عبارت ۱

السَّهْوُ: غفلت۔ سہما ماضی، یسہو مضارع، سہوا اور سہوا مصدر۔

سہما فی الصَّلَاةِ، نماز کی کوئی چیز بھول گیا۔ سہما عن الصَّلَاةِ، ترک کر دیا

اور نہ پڑھا۔ اس سے اعم فاعل سہا (ساہی) سہی یسہی سہوا کا بھی یہی منہ ہے۔

الزِّيَادَةُ: زیادتی۔ اضافہ۔ النقصان: کمی۔

نماز میں کمی بیشی پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ سلام کہنے کے

بعد نمازی دو سجدے کرے پھر تشهد پڑھے اور سلام کہے۔

### عبارت ۲

يَلْزَمُهُ: اس پر لازم ہے۔ اس پر واجب ہے۔ لزم ماضی۔ لزوم مصدر۔

جَهْرًا : اونچی آواز میں بولا۔ نماز میں جہر سے مراد اونچی آواز میں قراءت کرنا۔  
يَجْهَرُ مَضَارِعَ اور يُجْهَرُ مَضَارِعَ مجہول، صیغہ واحد مذکر غائب۔  
خَافَتَ : آواز کو پست کیا۔ نماز میں چپکے قراءت کرنا۔ يُخَافِتُ مَضَارِعَ ہے۔  
يُخَافِتُ مَضَارِعَ مجہول۔

نمازی پر درج ذیل صورتوں میں سجدہ سہولاً لازم ہے :

۱۔ نماز میں کسی ایسے فعل کا اضافہ جو ہو تو جنس نماز سے لیکن جو نماز پڑھ رہا ہے اس کا حصہ نہ ہو۔ (کسی ایسے فعل کا اضافہ کرنے سے جو جنس نماز سے نہ ہو نماز ٹوٹ جاتی ہے، اس پر سجدہ سہو واجب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)۔

۲۔ کسی مسنون فعل کو چھوڑ دے۔

۳۔ سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔

۴۔ دعائے قنوت نہ پڑھے۔

۵۔ تشهد نہ پڑھے۔

۶۔ عیدین کی تکبیریں نہ کہے۔

۷۔ امام سبزی نماز میں اونچی آواز میں قراءت کرے یا جہری نماز میں پوشیدہ قراءت کرے۔

### عبارت ۳

يُوجِبُ : واجب کر دیتا ہے۔ اَلْمُؤْتَمِّمُ : مقتدی

لَمْ يَلْزَمُ : لازم نہ ہوا۔

باجماعت نماز میں مقتدی امام کے تابع ہوتا ہے۔ لہذا امام سے سہو ہو جائے تو مقتدی پر سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ امام سجدہ سو کرے تو اس کی متابعت میں مقتدی بھی سجدہ سو کرے۔ اگر امام سجدہ سہو نہ کرے تو مقتدی بھی سجدہ سہو نہ کرے۔ اگر مقتدی سے سہو ہو جائے تو امام پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا اور نہ ہی مقتدی پر ہوتا ہے۔

### عبارت ۴

سَمَاعِنِ الْقَعْدَةِ الدُّوَلِي : پہلا قعدہ ترک کر دیا۔

تَذَكَّرَ : یاد کیا۔ يَادَا : اَلْقُعُودُ : بیٹھا۔

أَقْرَبُ : قریب تر۔ زیادہ قریب۔ عَادَ : لوٹا۔

جَلَسَ : بیٹھا۔ تَشَهَّدَ : تشهد پڑھا۔

لَمْ يَعُدَّ : نہ لوٹا  
 الْخَامِسَةُ : پانچویں۔ مراد ہے پانچویں رکعت  
 رَجَعَ : واپس آیا رجوع کیا۔  
 مَا لَمْ يَسْجُدْ : جب تک سجدہ نہ کرے۔ (مَا تو قیاتیہ ہے)۔  
 أَلْفِي : منسوخ کر دیا۔ لغو کر دیا۔ ضائع کر دیا۔  
 قَيَّدَ : پابند کر دیا۔ مقید کر دیا۔ بَطَلَ : باطل ہوا۔ جاتا رہا۔  
 تَحَوَّلَتْ : بدل گئی۔ يَضُمُّ : شامل کرے۔ ضم کرے۔  
 الرَّابِعَةُ : چوتھی۔ مراد ہے چوتھی رکعت۔  
 لَمْ يُسَلِّمْ : سلام نہ کی۔ ظَنَّ : گمان۔ خیال۔  
 تَمَّتْ : پوری ہو گئی۔ مکمل ہو گئی۔

اس عبارت میں سجدہ سہو سے متعلق درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں :

(۱) اگر پہلا قعدہ نہ کیا پھر یاد آیا اس حال میں کہ وہ ابھی پوری طرح اٹھانہ تھا بلکہ قعود کے زیادہ قریب تھا تو وہ قعود کی طرف لوٹ جائے اور بیٹھ کر تشدد پڑھے۔ اور اگر وہ قیام کے زیادہ قریب ہو گیا ہو تو پھر قعود کی طرف نہ لوٹے اور سجدہ سہو کرے یعنی نماز باری رکھے اور آخر میں سجدہ سہو کرے۔ اقرب کا حکم شرع میں وہی ہے جو اصل کا ہے۔ قعود سے اقرب ہے تو قعود کرے اور اگر قیام سے اقرب ہے تو قیام کرے۔ قعود سے اقرب ہونے کی صورت میں تو قعود کرے بغیر سجدہ سہو نماز کی اصلاح ہو گئی لیکن قیام سے اقرب ہونے کی صورت میں قیام کرے اور چونکہ اس نے قعدہ اولیٰ ترک کیا جو واجب ہے اس لیے سجدہ سہو کرے اس کی اصلاح کرے۔

(۲) آخری قعدہ نماز کے فرائض میں سے ایک فرض ہے اس کو ادا کرنے سے نماز مکمل ہو جاتی ہے اور اگر یہ رہ جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے اور از سر نو پڑھنا لازم ہے۔ چنانچہ اگر نمازی آخری قعدہ چھوڑ دے اور پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے قعدہ کی طرف رجوع کر لے اور پانچویں رکعت کو ضائع کر دے اور سجدہ سہو کرے۔ اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لے (تو چونکہ رکعت مکمل ہو گئی اس لیے) اس کا فرض جاتا رہا اور اس کی نماز نفل میں بدل گئی۔ اب اس پر لازم ہے کہ تھپی رکعت بھی پڑھے کیونکہ نماز کم از کم دو رکعت کی ہوتی ہے ایک رکعت کی کوئی نماز نہیں)۔ اور فرض نماز دوبارہ پڑھے۔

اگر چوتھی رکعت میں قعدہ کیا اور سلام نہ کہا اور اسے قعدہ اولیٰ گمان کر کے کھڑا ہو گیا تو اس صورت میں جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے دوبارہ بیٹھ جائے اور سلام کہے اور سجدہ سہو کرے۔ اور اگر پانچویں رکعت کو سجود سے پابند کر دیا تو پھر وہ ایک اور رکعت پڑھے۔ اس طرح اس کی فرض نماز پوری ہو گئی اور زائد دو رکعتیں نفل ہو گئیں۔ (آخری قعدہ نماز کے چھہ فرائض میں سے آخری فرض ہے اور اس کے ادا ہونے سے نماز کا کوئی فرض نمازی کے ذمے باقی نہیں رہتا اور نماز مکمل ہو جاتی ہے)۔

### عبارت ۵

شك : شك کیا۔ شك کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کے اثبات اور نفی کے دونوں پہلو برابر ہوں اور کسی ایک پہلو کو ترجیح حاصل نہ ہو۔

لَمْ يَدْرِ : نہ جانا۔ معلوم نہ ہوا۔ ذری ماضی پَدْرِ مِ مَضَارِعِ دِرَايَةً مُصَدَّر۔  
عَرَضَ : پیش آیا۔ يَعْرِضُ مَضَارِعَ - اسْتَأْنَفَ : نئے سرے سے کیا۔  
بَنَى : بنا دی۔ بِنَاءٌ رَكْعَى -

ظَنَ : شك کے دو پہلوؤں میں سے اگر ایک کو ترجیح حاصل ہو اور وہ پہلو درست ہو تو وہ ظَنَ (گمان) ہے۔

اگر نمازی رکعتوں کی تعداد کے بارے شک میں پڑ جائے اور معلوم نہ ہو کہ آیا تین رکعتیں پڑھیں یا چار تو اگر اسے یہ پہلے پہل پیش آیا ہو (یعنی اسے اکثر سب ہونے کی عادت نہ ہو) تو نماز از سر نو پڑھ لے اور اگر اسے اکثر شک ہو جاتا ہو تو اپنے دل سے ٹھیک بات معلوم کرنے کی کوشش کرے (اسے تحریر کہتے ہیں) اور جس پر دل جم جائے (اسے غالب ظن یا اکبر رائے کہتے ہیں) اس کے مطابق نماز پوری کرے اور اگر دل نہ جمے تو پھر جتنی رکعتوں کا یقین ہے (مذکورہ صورت میں تین رکعتوں کا تو یقین ہے) سا تو چوتھی کے باقی میں ہے) اس پر نماز کی بنا کرے (مذکورہ صورت میں تین کا تو یقین ہے پس اس پر بنا کرے اور چوتھی رکعت پڑھے)۔

## مسائل

”بَابُ سُجُودِ السُّهُوِّ“ میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

۱- وَجُوبُ سُجُودِ السُّهُوِّ

نماز میں کسی بیٹھی ہونے پر سجود سہو واجب ہے۔

## ۲۔ سجودِ سہو کا طریقہ

سجودِ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ سلام پھیر کر دو سجدے کرے پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیرے۔  
 ۳۔ کن صورتوں میں سجودِ سہو واجب ہے

سجودِ سہو درج ذیل صورتوں میں واجب ہوتا ہے :-

(۱) نماز میں کسی ایسے نفل کی زیادتی کرے جو ہو تو جنسِ نماز سے لیکن جو نماز پڑھ رہا ہے اس کا حصہ نہ ہو کسی ایسے نفل کی زیادتی سے جو جنسِ نماز سے نہ ہو نماز ٹوٹ جاتی ہے اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔

(۲) کسی مستون نفل کو چھوڑ دے۔

(۳) سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔

(۴) دعائے قنوت نہ پڑھے۔

(۵) تشہد نہ پڑھے۔

(۶) عیدین کی تکبیریں نہ کہے۔

(۷) امامِ سرّی نماز میں قراءتِ بالجہر کرے یا جہری نماز میں پوشیدہ قراءت کرے۔

## ۴۔ سجودِ سہو میں امام کی متابعت

امام سے سہو ہو جائے تو اس کی متابعت میں مقتدی پر سجودِ سہو واجب ہوتا ہے۔ اگر امام سجودِ سہو کرے تو اس کی پیروی میں مقتدی بھی سجودِ سہو کرے۔ اگر امام سجودِ سہو نہ کرے تو مقتدی بھی نہ کرے (خواہ مقتدی سے سہو ہو گیا ہو)۔ اگر مقتدی سے سہو ہو جائے تو امام پر سجودِ سہو واجب نہیں ہوتا اور نہ ہی مقتدی پر واجب ہوتا ہے۔

## ۵۔ قعدہ سے سہو

ا۔ اگر پہلا قعدہ نہ کیا اور اس حال میں یاد آیا کہ وہ پوری طرح اٹھ کھڑا نہ ہوا بلکہ قعود کے قریب تر تھا تو وہ قعود کی طرف لوٹ جائے اور بیٹھ کر تشہد پڑھے اور اگر قیام کے قریب تر ہو گیا تو پھر قعود کی طرف نہ لوٹے بلکہ نماز جاری رکھے اور آخر میں سجودِ سہو کرے۔

ب۔ اگر آخری قعدہ چھوڑ دے اور پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو جب تک پانچویں رکعت کا سجود نہ کرے قعدہ کی طرف لوٹ جائے اور پانچویں رکعت کو ضائع کر دے اور سجودِ سہو کرے اور اگر پانچویں رکعت کا سجود کر لے تو اس کا فرض فوت ہو گیا اور اس کی فرض نماز نفل میں بدل گئی۔ اب اس پر لازم ہے کہ چھٹی رکعت بھی پڑھے اور



فرض نماز دوبارہ پڑھے۔

ج۔ اگر چوتھی رکعت میں قعدہ کیا اور سلام نہ کہا اور اسے پہلا قعدہ گمان کر کے کھڑا ہو گیا تو جب تک پانچویں رکعت کا سجود نہ کرے دوبارہ بیٹھ جائے اور سلام کہے اور سجودِ سہو کرے اور اگر پانچویں رکعت کا سجود کر لیا تو پھر ایک رکعت اور پڑھے۔ اس طرح اس کی فرض نماز پوری ہوگئی اور زائد دو رکعتیں نفل ہوگئیں۔

### ۶۔ رکعتوں کی تعداد میں شک

اگر نمازی رکعتوں کی تعداد کے متعلق شک میں پڑ جائے اور یہ نہ جانے کہ کتنی رکعتیں پڑھیں یا چار تو اگر اسے یہ شک پہلے پہل ہو (یعنی اسے اکثر شک ہونے کی عادت نہ ہو) تو از سر نو نماز پڑھے اور اگر اسے اکثر شک ہو جاتا ہو تو اپنے دل سے ٹھیک بات معلوم کرنے کی کوشش کرے اور جس پر دل جم جائے (اس کیفیت کو **غالب ظن** یا **اکبر رأی** کہتے ہیں) اس کے مطابق نماز پوری کرے اور اگر دل نہ جمے تو پھر صحتی رکعتوں کا یقین ہے اس پر نماز کی بناء کرے۔

## بَابُ صَلَاةِ الْمَرِيضِ

إِذَا تَعَذَّرَ عَلَى الْمَرِيضِ الْقِيَامُ صَلَّى قَاعِدًا أَيْرُكْعُ وَيَسْجُدُ

جب بیمار پر قیام دشوار ہو تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھے لے رکوع کرے اور سجدہ کرے

فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ أَوْ هِيَ إِيْمَاءٌ وَجَعَلَ السُّجُودَ

اور اگر رکوع و سجدہ کی طاقت نہ ہو تو اشارے سے (نماز پڑھے) اور سجدہ کو کرے

أَخْفَضَ مِنَ الرُّكُوعِ وَلَا يَرْفَعُ إِلَى وَجْهِهِ شَيْئًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ

رکوع سے پست تر اور سجدہ کرنے کے لیے اپنے چہرے کی طرف کوئی چیز نہ اٹھائے

فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْقُعُودَ اسْتَلْقَى عَلَى قَفَاهُ وَجَعَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْقِبْلَةِ

پھر اگر وہ بیٹھنے کی طاقت نہ رکھے تو اپنی گدھی کے بل لیٹ جائے اور اپنے پاؤں قبلہ کی طرف کرے

وَأَوْهَى بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَإِنْ اضْطَبَّحَ عَلَى جَنْبِهِ وَوَجْهَهُ

اور رکوع و سجدہ اشارے سے کرے اور اگر وہ اپنے پہلو پر لیٹ جائے اور اس کا رخ

إِلَى الْقِبْلَةِ وَأَوْهَى جَازٍ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْإِيْمَاءَ بِرَأْسِهِ

قبلہ کی طرف ہو اور اشارہ کرے تو جائز ہے۔ اور اگر وہ اپنے سر سے اشارہ نہ کر سکے تو

آخِرَ الصَّلَاةِ وَلَا يُؤْمِي بِعَيْنَيْهِ وَلَا بِحَاجِبِيهِ وَلَا بِقَلْبِهِ

نماز کو مؤخر کر دے اور اپنی آنکھوں یا اپنے ابروؤں یا اپنے دل سے اشارہ نہ کرے

فَإِنْ قَدَرَ عَلَى الْقِيَامِ وَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

اور اگر وہ قیام کی قدرت رکھتا ہے لیکن رکوع و سجدہ کی قدرت نہیں رکھتا

لَمْ يَلْزِمُهُ الْقِيَامُ وَجَازَ أَنْ يُصَلِّيَ قَاعِدًا يَوْمِي إِيْمَاءً لَهُ

تو اسے قیام لازم نہیں اور بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھنا جائز ہے

فَإِنْ صَلَّى الصَّحِيحُ بَعْضَ صَلَوَاتِهِ قَائِمًا ثُمَّ حَدَّثَتْ بِهِ مَرَضٌ

پس اگر تندرست آدمی نے اپنی کچھ نماز کھڑے ہو کر پڑھی پھر وہ اچانک بیمار ہو گیا

أَتَمَّهَا قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ وَيَوْمِي إِيْمَاءً إِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ

تو بیٹھ کر نماز کو رکوع و سجود کے ساتھ پورا کرے اور اگر رکوع و سجود کی طاقت نہ ہو تو اشارہ کرے

أَوْ مُسْتَقْبِلًا إِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْقُعودَ

اور اگر بیٹھنے کی طاقت نہ ہو تو لیت کر (پورا کرے)

وَمَنْ صَلَّى قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ لِمَرَضٍ ثُمَّ صَحَّ

اور جس نے کسی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھی پھر تندرست ہو گیا

بَنِي عَلَى صَلَوَاتِهِ قَائِمًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَابْنِ يَوْسُفَ

تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک کھڑے ہو کر اپنی نماز پر بنا کرے

وَقَالَ مُحَمَّدٌ اسْتَأْنَفَ الصَّلَاةَ فَإِنْ صَلَّى بَعْضَ صَلَوَاتِهِ بِإِيْمَاءٍ

اور امام محمد نے کہا کہ اگر اس نے اپنی کچھ نماز اشارے سے پڑھی

ثُمَّ قَدَرَ عَلَى الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ اسْتَأْنَفَ الصَّلَاةَ

پھر وہ رکوع و سجود پر قادر ہو گیا تو از سر نو نماز پڑھے

وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فَمَادَ وَنَهَا قَضَاهَا إِذَا صَحَّ

اور جو پانچ نمازوں یا اس سے کتر مدت تک بے ہوش رہا تندرست ہونے پر وہ انہیں قضا کرے

وَإِنْ فَاتَتْهُ بِالْأَعْمَاءِ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ لَمْ يَقْضِ كَه

اور اگر بیہوشی کی وجہ سے اس کی اس سے زیادہ نمازیں فوت ہو جائیں تو وہ قضا نہ کرے

## تشریحات

### عبارت ۱

تَعَدَّرَ: دشوار ہوا۔ مشکل ہوا قَاعِدًا: بیٹھ کر  
لَمْ يَسْتَطِعْ: اسے طاقت نہ ہوئی۔ وہ نہ کر سکا۔ اسْتَطَاعَ ماضی، يَسْتَطِيعُ  
مضارع، اسْتَطَاعَةَ مصدر۔

أَوْحَى: اشارہ کیا = أَوْمَأَ (اشارہ کیا)، يُؤمِي، يُؤمِي مضارع۔ إِيمَاءٌ مصدر۔  
جَعَلَ: کیا۔ بنایا۔ رکھا۔ أَخْفَضَ: پست تر۔ زیادہ ملامت، زم  
لَا يَرْفَعُ: نہ اٹھائے۔ بلند نہ کرے۔

اس عبارت میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ اگر نمازی کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے معذور ہو تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور  
رکوع و سجود کرے۔

۲۔ اگر اس میں رکوع و سجود کرنے کی طاقت نہ ہو تو وہ اشارے سے رکوع و سجود  
کر لے۔ سجدے کے لیے اشارہ رکوع کی بہ نسبت پست تر ہونا چاہیے۔ سجدہ  
کرنے کے لیے کوئی چیز اٹھا کر اپنے چہرے کی طرف تہ لے جائے۔ ایسا کرنا ممنوع  
ہے۔ صرف سر سے اشارہ کرے، بس یہی کافی ہے۔

### عبارت ۲

اسْتَلْقَى: لیٹ گیا۔ قَفَا: گڈی

رَجَلَيْهِ: اس کے دو پاؤں۔ رَجُلٌ پاؤں۔ رَجُلَيْنِ دو پاؤں۔

اصْطَبَحَ: پہلو کے بل لیٹ گیا۔ جَنْبٌ: پہلو

۱۔ اگر بیٹھنے کی طاقت نہ ہو تو گڈی کے بل یعنی چپت لیٹ جائے اور اپنے  
پاؤں قبلہ کی طرف کر دے اور اشارے سے رکوع و سجود کرے۔

۲۔ اگر پہلو کے بل لیٹے اور اس کا چہرہ قبلہ کی طرف ہو اور اشارے سے نماز پڑھے  
تو جائز ہے۔

۳۔ اگر وہ اپنے سر سے اشارہ کرنے کی طاقت نہ رکھے تو نماز کو مؤخر کر دے۔  
اور اپنی آنکھوں یا ابروؤں یا اپنے دل سے اشارہ نہ کرے۔

## عبارت ۴

قَدَرَ : قادر ہوا۔ طاقت ہوئی۔ یَقْدِرُ مضارع۔ كَمْ يَقْدِرُ : قادر نہ ہوا۔  
 كَمْ يَلْزَمُ : لازم نہ ہوا۔ كَزِمَ ماضی۔ يَلْزَمُ مضارع۔  
 اگر نمازی قیام کی قدرت رکھتا ہو لیکن رکوع و سجد پر قادر نہ ہو تو اس پر قیام لازم  
 نہیں اور بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے تو جائز ہے۔

## عبارت ۵

الصَّحِيحُ : تندرست۔ حَدَثٌ : واقع ہوا۔ پیدا ہوا۔  
 أَنْتُمْ : پورا کیا۔ مکمل کیا۔  
 مُسْتَلْقِيًا : لیٹ کر۔ اسم فاعل ہے اسْتَلْقَى بَيَسْتَلْقَى سے۔  
 اگر تندرست آدمی نے اپنی کچھ نماز کھڑے ہو کر پڑھی پھر دوران نماز اسے کوئی  
 بیماری لاحق ہو جائے تو بیٹھ کر نماز پوری کرے، رکوع و سجد کرے۔ اگر رکوع و سجد کی طاقت  
 نہ ہو تو اشارے سے رکوع و سجد کرے۔ اور اگر بیٹھنے کی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر نماز مکمل کرے۔

## عبارت ۶

صَحَّ : تندرست ہو گیا۔ بِنَى : بناد کی۔ بنایا  
 اسْتَأْنَفَ : نئے سرے سے کیا۔ از سر نو کیا۔  
 ۱۔ اگر کسی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع و سجد کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ دوران نماز  
 تندرست ہو گیا تو تندرست ہونے کے بعد امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک  
 اپنی باقی ماندہ نماز کھڑے ہو کر پڑھے جبکہ امام محمدؒ کے قول کے مطابق از سر نو نماز پڑھے۔  
 ائمہ ثلاثہ کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف کی بنیاد ان کا اقتداء کے مسئلے میں  
 اختلاف ہے اور وہ یہ کہ اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھے اور اس کے پیچھے مقتدی کھڑے ہو کر  
 نماز پڑھیں تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے جبکہ امام محمدؒ کے  
 نزدیک جائز نہیں۔ اصول یہ ہے کہ جو عمل اقتداء میں جائز ہے وہ انفرادی طور پر نماز  
 پڑھنے میں جائز ہے اور جو اقتداء میں جائز نہیں وہ انفرادی طور پر جائز نہیں۔  
 ۲۔ اگر اپنی کچھ نماز اشارے سے پڑھے پھر رکوع و سجد کی قدرت ہو جائے تو نئے سرے  
 سے نماز پڑھے۔ اس پر تینوں ائمہ کا اتفاق ہے۔

اس مسئلے کی بنیاد بھی مسئلہ ۱ میں مذکورہ اصول ہے۔ اشارے سے نماز پڑھنے والے  
 امام کی اقتداء میں رکوع و سجد کرنے والوں کی نماز بالاتفاق جائز نہیں۔ اکیلے نماز پڑھنے والا

بھی اشارے سے پڑھی ہوئی نماز پر رکوع و سجد کے ساتھ نماز کی بنا نہیں کر سکتا۔

### عبارت کے

اُعْمِيْ عَلَيْهِ: اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ وہ بے ہوش ہو گیا۔ اُعْمَاء: بے ہوشی۔

دُوْن: کمتر۔ فَاتَتْ: فوت ہو گئی۔ گزر گئی۔

قَضَى: پورا کیا۔ ادا کیا۔ يَقْضِيْ مَضَارِعَ: کمربقض پورا نہ کیا۔ قضا نہ کیا۔ اگر بے ہوشی کی حالت میں پانچ یا اس سے کم نمازیں فوت ہو جائیں تو تندرست ہونے پر ان کی قضا کرے اور اگر پانچ سے زیادہ نمازیں بے ہوشی کی حالت میں فوت ہو جائیں تو قضا نہ کرے یعنی اس صورت میں اس پر ان نمازوں کی قضا واجب نہیں۔

## مسائل

شرعیات اسلامی کے تمام احکام اس بنیادی اصول پر مبنی ہیں کہ ہر نفس کے لیے تکلیف شرعی اس کی استطاعت کے مطابق ہے، استطاعت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ، ۲۸۶) یعنی اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔ لہذا تمام اوامر و نواہی میں انسان کی معذوریوں کو ملحوظ رکھ کر اسے رعایتیں اور سہولتیں دی گئی ہیں۔ نماز ارکان اسلام میں شامل ہے اور اہم ترین عبادت ہے، بیماری کی صورت میں اس میں بھی سہولتیں رکھی گئی ہیں اور استطاعت کے مطابق تکلیف دی گئی ہے۔ بیمار کی نماز کے مسائل جو باب صلوة المریض میں بیان کیے گئے ہیں درج ذیل ہیں:

### ۱۔ قیام سے عاجز

اگر نمازی بیمار ہو اور قیام سے عاجز ہو تو وہ بیٹھ کر رکوع و سجد کے ساتھ نماز پڑھے۔

### ۲۔ رکوع و سجد سے عاجز

اگر مریض رکوع و سجد کرنے سے بھی عاجز ہو تو وہ سر کے اشارے سے نماز پڑھے۔ سجد کا اشارہ رکوع کے اشارے سے پست تر ہو۔ سجدہ کرنے کے لیے کوئی چیز اپنے چہرے کی طرف اٹھا کر نہ لے جائے نہ اس کی ضرورت ہے اور نہ اجازت۔

### ۳۔ قعود سے عاجز

اگر بیمار قعود (بیٹھنے) سے بھی عاجز ہو تو وہ گدھی کے بل لیٹ جائے، اپنے پاؤں

کو قبلہ رخ کرے اور اشارے سے رکوع و سجدہ کرے۔ اگر وہ پہلو کے بل بیٹھے اور اس کا چہرہ قبلہ کی طرف ہو اور اشارے سے نماز پڑھے تو جائز ہے۔

۴۔ سر سے اشارہ کرنے سے عاجز۔

اگر مریض سر سے اشارہ نہ کر سکتا ہو تو نماز کو ملتوی کر دے اور آنکھوں یا ابروؤں یا دل سے اشارہ کرنا جائز نہیں۔

۵۔ قیام پر قادر لیکن رکوع و سجدہ سے عاجز۔

اگر بیمار قیام کی قدرت رکھتا ہو لیکن رکوع و سجدہ کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس پر قیام لازم نہیں بلکہ اس کے لیے جائز ہے کہ بیٹھ کر اشاروں سے نماز پڑھ لے۔

۶۔ دوران نماز بیمار ہو جانا

اگر نمازی تندرست ہو، اس نے اپنی کچھ نماز پڑھ لی ہو اور پھر اچانک بیمار پڑ جائے تو معذوری کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع و سجدہ کے ساتھ نماز پڑھ لے اور اگر رکوع و سجدہ نہ کر سکتا ہو تو اشاروں سے نماز پڑھ لے۔ اور اگر بیٹھنے کی طاقت بھی نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھ لے۔

۷۔ دوران نماز بیمار کا تندرست ہونا

اگر کسی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع و سجدہ کے ساتھ نماز پڑھی پھر تندرست ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے مطابق وہ کھڑے ہو کر اپنی نماز پر بنا کرے یعنی اپنی باقی ماندہ نماز کھڑے ہو کر پڑھے جبکہ امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ نئے سرے سے نماز پڑھے۔ اور اگر اس نے اپنی کچھ نماز اشارے سے پڑھی پھر رکوع و سجدہ پر قادر ہو گیا تو بالاتفاق نماز از سر نو پڑھے۔

۸۔ بے ہوشی کی حالت میں

اگر پانچ نمازوں یا اس سے کمتر مدت تک بے ہوشی رہی تو تندرست ہونے پر ان نمازوں کی قضا کرے اور اگر بے ہوشی کی حالت میں اس (یعنی پانچ) سے زیادہ نمازیں فوت ہو جائیں تو قضا نہ کرے، پھر قضا واجب نہیں (کیونکہ پانچ یا اس سے کم نمازوں کی قضا میں حرج اور تکلیف نہیں جبکہ اس سے زیادہ میں حرج ہے اور دین حرج نہیں چاہتا)۔

## بَابُ سُجُودِ التَّلَاوَةِ

فِي الْقُرْآنِ أَرْبَعٌ عَشْرَةَ سَجْدَةً فِي آخِرِ الْأَعْرَافِ وَفِي الرَّعْدِ

قرآن میں چودہ سجدے ہیں، آخر الاعراف میں اور الرعد میں

وَفِي النَّحْلِ وَفِي بَنِي إِسْرَائِيلَ وَمَرْيَمَ وَالْأُولَى فِي الْحَجِّ وَالْفُرْقَانِ

اور النحل میں اور بنی اسرائیل میں اور مریم میں اور الحج میں پہلا سجدہ اور الفرقان

وَالنَّمْلِ وَالْمُتَزِيلِ وَصَلِّ وَحَمَّ السَّجْدَةِ وَالنَّجْمِ وَالْإِنْشِقَاقِ وَالْعَلَقِ

اور النمل اور المہ تنزیل اور صل اور حمہ السجدہ اور النجم اور الانشقاق اور العلق میں

وَالسُّجُودِ وَاجِبٌ فِي هَذِهِ الْمَوَاضِعِ عَلَى التَّالِيِ وَالسَّامِعِ

اور ان جگہوں میں تلاوت کرنے والے اور سننے والے پر سجدہ کرنا واجب ہے

سَوَاءٌ قَصَدَ سَمَاعَ الْقُرْآنِ أَوْ لَمْ يَقْصِدْ فَإِذَا

چاہے اس نے قرآن سننے کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو پس جب

تَلَا الْإِمَامُ آيَةَ السَّجْدَةِ سَجَدَ هَا وَسَجَدَ الْمَأْمُومُ مَعَهُ

امام آیت سجدہ تلاوت کرے تو اس کا سجدہ کرے اور اس کے ساتھ مقتدی بھی سجدہ کرے

فَإِنْ تَلَا الْمَأْمُومُ لَمْ يَلْزِمِ الْإِمَامَ وَلَا الْمَأْمُومَ السُّجُودَ

اور اگر مقتدی تلاوت کرے تو امام اور مقتدی کسی پر سجدہ لازم نہیں

وَإِنْ سَمِعُوا وَهُمْ فِي الصَّلَاةِ آيَةَ سَجْدَةٍ مِنْ رَجُلٍ

اور اگر وہ نماز میں کسی ایسے شخص سے آیت سجدہ سُنیں



لَيْسَ مَعَهُمْ فِي الصَّلَاةِ لَمْ يَسْجُدُوا فِي الصَّلَاةِ

جو ان کے ساتھ نماز میں شامل نہیں تو نماز میں اس کا سجدہ نہ کریں

وَسَجَدُوا وَهَابَعْدَ الصَّلَاةِ فَإِنْ سَجَدُوا فِي الصَّلَاةِ لَمْ تَجْزِهِمْ

اور نماز کے بعد اس کا سجدہ کریں۔ اور اگر وہ نماز میں اس کا سجدہ کریں تو انہیں کافی نہ ہوگا

وَلَمْ تَفْسُدْ صَلَاتِهِمْ وَمَنْ تَلَا آيَةَ سَجْدَةٍ خَارِجَ الصَّلَاةِ

اور ان کی نماز بھی فاسد نہ ہوگی۔ اور جو آیت سجدہ کی تلاوت نماز سے باہر کرے

وَلَمْ يَسْجُدْ هَا حَتَّى دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ فَتَلَاهَا وَسَجَدَ لَهَا

اور اس کا سجدہ نہ کرے حتیٰ کہ نماز شروع کرے پھر اسی کی تلاوت کرے اور وہیں کیلئے سجدہ کرے

أَجْزَأُ أَتَى السَّجْدَةَ عَنِ التَّلَاوَتَيْنِ وَإِنْ تَلَاهَا فِي غَيْرِ الصَّلَاةِ

تو یہ سجدہ اسے دونوں تلاوتوں کے لیے کافی ہے۔ اور اگر نماز کے علاوہ اس کی تلاوت کرے

فَسَجَدَ هَاتِمًا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ فَتَلَاهَا سَجَدَ هَا ثَانِيًا

اور اس کا سجدہ کرے پھر نماز شروع کرے اور اس (آیت) کی تلاوت کرے تو دوبارہ سجدہ کرے

وَلَمْ تَجْزِهِ السَّجْدَةُ الْاُولَىٰ - وَمَنْ كَرَّرَ تِلَاوَةَ سَجْدَةٍ وَاحِدَةٍ

اور اسے پہلا سجدہ کافی نہ ہوگا۔ اور جو ایک ہی آیت سجدہ بار بار تلاوت کرے

فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ أَجْزَأُ أَتَى سَجْدَةً وَاحِدَةً - وَمَنْ أَرَادَ السُّجُودَ

ایک ہی مجلس میں تو اسے ایک ہی سجدہ کافی ہے۔ اور جو سجدہ کرنے کا ارادہ کرے

كَبَّرَ وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ وَسَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ وَرَفَعَ رَأْسَهُ

وہ تکبیر کے اور اپنے ہاتھ اوپر نہ اٹھائے اور سجدہ کرے پھر تکبیر کہے اور اپنا سر اٹھالے

وَلَا تَشْهَدُ عَلَيْهِ وَلَا سَلَامٌ لَهُ

اور اس پر نہ تشهد لازم ہے اور نہ ہی سلام

# تشریحات

## عبارت لہ

أَرْبَعٌ عَشْرَةً: چودہ

سَجْدَةٌ: (سِجْدَةٌ بھی درست ہے) ایک سجدہ۔

اس عبارت میں ان سورتوں کے نام بیان کیے گئے ہیں جن میں آیاتِ سجدہ آئی ہیں۔

سورہ بنی اسرائیل کا نام سورہ الاسراء، سورہ آلہ تَنْزِيلُ کا نام سورہ السجدہ، سورہ ....  
حَمَّ السَّجْدَةِ کا نام سورہ فَصَّلَتْ اور سورہ الْاِنْشِقَاقِ کا نام اِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ  
بھی ہے۔ ان سورتوں میں آیاتِ سجدہ حسب ذیل ہیں:

۱- الاعراف، سورہ نمبر ۷، آیت نمبر ۲۰۶ (سورت الاعراف کی آخری آیت)۔

۲- الرَّعْد، سورہ نمبر ۱۳، آیت نمبر ۱۵

۳- النَّحْل، سورہ نمبر ۱۶، آیت نمبر ۵۰ (پچاسویں آیت)

۴- بنی اسرائیل، سورہ نمبر ۱، آیت نمبر ۱۰۹

۵- مرید، سورہ نمبر ۱۹، آیت نمبر ۵۸

۶- الحج، سورہ نمبر ۲۲، آیت نمبر ۱۸۔ دوسرا سجدہ آیت ۷،

۷- الفرقان، سورہ نمبر ۲۵، آیت نمبر ۶۰ (ساتھویں آیت)۔

۸- النمل، سورہ نمبر ۲۷، آیت نمبر ۲۶

۹- آلہ تَنْزِيلِ، سورہ نمبر ۳۲، آیت نمبر ۱۵

۱۰- ص، سورہ نمبر ۳۸، آیت نمبر ۲۲

۱۱- حَمَّ السَّجْدَةِ، سورہ نمبر ۴۱، آیت نمبر ۳۸

۱۲- النجم، سورہ نمبر ۵۳، آیت نمبر ۶۲ (سورہ النجم کی آخری آیت)۔

۱۳- الانشقاق، سورہ نمبر ۸، آیت نمبر ۲۱۔

۱۴- العلق، سورہ نمبر ۹۶، آیت نمبر ۱۹ (سورہ العلق کی آخری آیت)۔

قرآنِ کریم کے نسخوں میں حاشیے پر اور آیت کے نشان (۵) کے نیچے السجدہ کا لفظ  
لکھا ہوتا ہے جس سے تلاوت کرنے والے کو آسانی سے پتا چل جاتا ہے کہ یہاں سجدہ تلاوت  
ہے مصحف کے بغیر زبانی پڑھنے والے کو مقاماتِ سجدہ (جو کل ۱۴ ہیں) ذہن میں رکھنا پڑتے ہیں۔  
احناف کے نزدیک سورہ الحج کی آیت نمبر ۱۸ میں سجدہ تلاوت ہے جبکہ آیت نمبر ۱۷ میں نہیں۔

چونکہ بعض روایات میں سورہ الحج کے دوسرے مقام پر بھی سجدہ تلاوت کا ذکر آیا ہے اس لیے علمائے احناف نے اس دوسرے مقام پر سجدہ تلاوت کر لینے کو مستحب قرار دیا ہے (واجب نہیں)۔

### عبارت ۳

السُّجُودُ: سجدہ کرنا مصدر ہے۔ الْمَوَاحِشُ: جمع ہے مَوْضِعٍ کی جگہیں۔ مَقَامَاتُ التَّلَاقِي: تلاوت کرنے والا۔ اسم فاعل ہے تَلَا (ماضی) يَتْلُو (مضارع) سے۔ السَّمِيعُ: سننے والا۔ اسم فاعل ہے سَمِعَ يَسْمَعُ سے۔ سَوَاءٌ: برابر۔ قَصِدٌ: قصد کیا۔ ارادہ کیا۔ يَقْصِدُ ارادہ کرتا ہے۔ لَمْ يَقْصِدْ ارادہ نہیں کیا۔ الْمَأْمُومُ: جس کی پیشوائی کی گئی۔ اسم مفعول ہے أَمَرَ يَأْمُرُ سے۔ لَمْ يَلْزَمْ: لازم نہ ہوا۔ لَزِمَ لازم ہوا۔ يَلْزَمُ لازم ہوتا ہے۔ (۱) قرآن حکیم کے مذکورہ چودہ مقامات پر سجدہ تلاوت واجب ہے، سننے والے اور تلاوت کرنے والے دونوں پر۔ سننے والے نے سننے کا ارادہ نہ بھی کیا ہو تو بھی سجدہ تلاوت اس پر واجب ہوگا۔

(۲) باجماعت نماز میں امام اگر آیت سجدہ تلاوت کرے تو سجدہ کرے اور اس کی پیروی میں مقتدی بھی سجدہ کریں۔

(۳) مقتدی آیت سجدہ کی تلاوت کرے تو اس پر سجدہ واجب نہ ہوگا اور نہ ہی امام پر۔ (بہ ایسے ہی ایک فرضی مسئلہ بیان کر دیا گیا ہے ورنہ مقتدی تو قرائت کرتا ہی نہیں، کراتا بھی ہے تو صرف سورہ فاتحہ کی۔ اور مقتدی کے قرائت بالجہر کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جب قرائت بالجہر کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تو اس کا سامع بھی کوئی نہ ہوگا)۔

### عبارت ۴

سَمِعُوا: انہوں نے سنا۔ سَمِعَ: اس نے سنا۔ رَجُلٌ: آدمی۔ مرد۔

سَجَدَ: اس نے سجدہ کیا۔ سَجَدُوا: انہوں نے سجدہ کیا۔ يَسْجُدُ وہ سجدہ کرتا ہے۔ يَسْجُدُونَ: وہ سجدہ کرتے ہیں۔ لَمْ يَسْجُدُوا انہوں نے سجدہ نہیں کیا۔ أَجْزَأُ: کافی ہوا۔ يُجْزِئُ کافی ہوتا ہے۔ تُجْزِئُ کافی ہوئی۔ لَمْ تُجْزِئْ کافی نہ ہوئی۔ لَمْ تَفْسُدْ: فاسد نہ ہوئی۔ فَسَدَ فاسد ہوا۔ يَفْسُدُ فاسد ہوتا ہے۔

اگر لوگ نماز پڑھ رہے ہوں اور کوئی ایسا شخص آیتِ سجدہ تلاوت کرے جو ان کے ساتھ نماز نہیں پڑھ رہا تھا تو نمازی دورانِ نماز سجدہ تلاوت نہ کریں بلکہ نماز کے بعد سجدہ تلاوت کریں۔ اگر وہ نماز کے دوران سجدہ تلاوت کریں گے تو وہ ادا نہ ہوگا، بعد میں پھر کرنا پڑے گا البتہ نماز فاسد نہ ہوگی۔

### عبارت ۴

تَلَا، تلاوت کی۔ یَتْلُو تلاوت کرتا ہے۔ تِلَاوَةٌ مصدر۔ التَّلَاؤَاتَيْنِ دو تلاوتیں۔  
خَارِجٌ : باہر۔

أَجْزَأْتُ : کافی ہوئی۔ لَمْ تُجْزِءْ کافی نہ ہوئی۔

دَاخِلٌ : داخل ہوا۔ ثَانِيًا : دوسری بار۔

- (۱) کوئی شخص نماز سے باہر آیتِ سجدہ تلاوت کرے مگر سجدہ تلاوت نہ کرے پھر وہ نماز شروع کرے اور آیتِ سجدہ تلاوت کرے، ماوردہ ان دونوں تلاوتوں کے لیے ایک سجدہ تلاوت کرے تو یہ ایک سجدہ تلاوت ان دونوں تلاوتوں کو کافی ہوگا۔
- (۲) اگر کوئی شخص نماز سے باہر آیتِ سجدہ تلاوت کرے اور سجدہ تلاوت کر لے پھر وہ نماز شروع کرے اور نماز میں آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو اب وہ دوبارہ سجدہ تلاوت کرے، پہلا سجدہ تلاوت کافی نہ ہوگا۔

### عبارت ۵

كَرَّرَ : بار بار کیا۔ أَجْزَأْتُ : کافی ہوئی۔

اگر کوئی شخص ایک ہی آیتِ سجدہ کو ایک ہی مجلس (نشست) میں بار بار تلاوت کرے (مثلاً متعلم اور معلم) تو ایک ہی بار سجدہ کرنا کافی ہے۔

### عبارت ۶

سجدہ تلاوت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تکبیر کہے اور سجدہ کرے پھر تکبیر کہے اور اپنا سر اٹھائے۔ سجدہ تلاوت میں نہ تکبیر کہنے وقت رفع یدین ہے نہ تشهد ہے اور نہ سلام ہے۔

## مسائل

بَابُ سُجُودِ التَّلَاوَةِ فِي ان سورتوں کے اسماء بتائے گئے ہیں جن میں آیاتِ سجدہ آئی ہیں۔ یہ سورتیں درج ذیل ہیں:

الدُّعْرَافِ - الرَّعْدِ - النَّحْلِ - بَنِي إِسْرَائِيلَ (الْأَسْرَاءِ) - مَرْيَمَ -

الحج - الفرقان - النمل - ألم تَنْزِيل (السجده) ص - حم السجده  
رُفِصِلَتْ (النجم) - الانشقاق - العلق -

سورہ الحج میں دو آیات سجدہ ہیں لیکن قدوری نے پہلی آیت سجدہ کا ذکر کیا ہے اور حنفیہ کے نزدیک اسی آیت کی تلاوت پر سجدہ کرنا واجب ہے۔ دوسری آیت سجدہ پر سجدہ کرنا واجب نہیں۔

سجدہ تلاوت کے بارے میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

۱- آیت سجدہ کی تلاوت پر سجدہ واجب ہوتا ہے۔ سننے والے پر بھی سجدہ واجب ہوتا ہے خواہ اس کا سننے کا ارادہ تھا یا نہ تھا۔

۲- امام آیت سجدہ تلاوت کرے تو وہ سجدہ کرے اور اس کی پیروی میں مقتدی بھی سجدہ کرے مقتدی آیت سجدہ تلاوت کرے تو نہ اس پر سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے اور نہ امام پر (یہ محض فرضی مسئلہ ہے)۔

۳- نمازی نماز پڑھ رہے ہوں اور نماز سے باہر کوئی شخص آیت سجدہ تلاوت کرے تو نمازی نماز میں سجدہ تلاوت نہ کریں بلکہ نماز کے بعد کریں۔ اگر وہ نماز کے دوران ہی سجدہ تلاوت کریں تو یہ کافی نہ ہوگا بلکہ انہیں نماز کے بعد پھر سجدہ تلاوت کرنا ہوگا، تاہم نماز میں یہ سجدہ کرنے سے ان کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

۴- کوئی شخص نماز سے آیت سجدہ تلاوت کرے اور سجدہ تلاوت نہ کرے پھر نماز شروع کر دے اور نماز میں آیت سجدہ تلاوت کرے اور ان دونوں تلاوتوں کے لیے ایک سجدہ تلاوت کرے تو وہ دونوں تلاوتوں کے لیے کافی ہے۔

۵- اگر کوئی شخص نماز سے باہر آیت سجدہ تلاوت کرے اور سجدہ تلاوت کر لے پھر نماز شروع کرے اور آیت سجدہ تلاوت کرے تو وہ دوبارہ سجدہ تلاوت کرے۔ اس کو پہلا سجدہ تلاوت کافی نہ ہوگا۔

۶- اگر کوئی شخص ایک ہی مجلس میں ایک ہی آیت سجدہ بار بار تلاوت کرے تو اسے ایک بار سجدہ تلاوت کافی ہے۔

۷- سجدہ تلاوت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تکبیر کہے، سجدہ کرے پھر تکبیر کہے اور اپنا سر اٹھالے۔ اس سے زائد کچھ نہیں ہے۔ سجدہ تلاوت میں نہ رفع یدین ہے نہ تشہد اور نہ سلام۔

## بَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِ

السَّفَرُ الَّذِي يَتَغَيَّرُ بِهِ الْأَحْكَامُ هُوَ أَنْ يَقْصِدَ الْإِنْسَانُ مَوْضِعًا

جس سفر سے احکام بدلتے ہیں وہ یہ ہے کہ انسان کسی ایسی جگہ کا ارادہ کرے

بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمَقْصِدِ مَسِيرَةٌ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ سَبِيرًا أَوْ يَلِيَّ وَمَشْيُ الْأَقْدَامِ

کہ اس کے اور اس مقصد و جگہ کے درمیان اونٹ کے چلنے اور پیدل چلنے سے تین دن کا فاصلہ ہو

وَلَا مُعْتَبَرٌ فِي ذَلِكَ بِالسَّيْرِ فِي الْمَاءِ لِهُ وَقَرُصُ الْمُسَافِرِ عِنْدَنَا

اور اس بارے پانی میں چلنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور ہمارے نزدیک مسافر کا فرض

فِي كُلِّ صَلَاةٍ رُبَاعِيَّةٍ رُكْعَانِ وَلَا يَجُوزُ لَهُ الزِّيَادَةُ عَلَيْهِمَا

ہر چار رکعت والی نماز میں دو رکعت ہے اور ان دو پر اضافہ اس کے لیے جائز نہیں

فَإِنْ صَلَّى أَرْبَعًا وَقَدْ قَعَدَ فِي الثَّانِيَةِ مِقْدَارَ التَّشَهُدِ

پھر اگر اس نے چار رکعت پڑھ لیں اور دوسری (رکعت) میں تشہد کی مقدار کے برابر بیٹھا ہو

أَوْ دَعَا دَعْوَةَ الرُّكْعَانِ عَنْ فَرْضِهِ وَكَانَتْ الْاٰخِرِيَّانِ لَهُ نَافِلَةً

تو دو رکعتیں اسے اس کے فرض کے لیے کافی ہو گئیں اور پچھلی دو رکعتیں اس کے نفل ہو گئیں

وَإِنْ لَمْ يَقْعُدْ فِي الثَّانِيَةِ مِقْدَارَ التَّشَهُدِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ

اور اگر وہ پہلی دو رکعتوں میں سے دوسری رکعت میں تشہد کی مقدار کے برابر نہ بیٹھا ہو

بَطَلَتْ صَلَاتُهُ وَتَحَوَّلَتْ صَلَاتُهُ نَفْلًا

تو اس کی نماز باطل ہو گئی اور اس کی نماز نفل میں بدل گئی

وَمَنْ خَرَجَ مَسَافِرًا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ إِذَا فَرَغَ مِنْ بَيْتِ الْمَصْرِ

اور جو شخص سفر کو نکلے وہ دو رکعت اس وقت پڑھے گا جب وہ شہر کے گھر سے جدا ہو جائے

وَلَا يَزَالُ عَلَى حُكْمِ الْمَسَافِرِ حَتَّى يَنْوِيَ الْإِقَامَةَ فِي بَلَدَةٍ

اور وہ برابر مسافر کے حکم میں رہے گا حتیٰ کہ وہ کسی شہر میں اقامت کی نیت کرے

خَمْسَةَ عَشْرَ يَوْمًا فَصَاعِدًا فَيُلْزِمُهُ الْإِتْمَامُ فَإِنْ نَوِيَ الْإِقَامَةَ

پندرہ دن یا اس سے زیادہ کے لیے تو اسے پوری نماز پڑھنا لازم ہے اور اگر وہ نیت کرے اقامت کی

أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ لَمْ يُتِمَّ وَمَنْ دَخَلَ وَلَمْ يَنْوَأَنْ يُقِيمَ فِيهِ

اس سے کم مدت کی تو پوری نماز نہ پڑھے اور جو شخص کسی جگہ آیا اور یہ نیت نہ کی کہ اس میں اقامت کرے گا

خَمْسَةَ عَشْرَ يَوْمًا وَإِنَّمَا يَقُولُ غَدًا أَوْ بَعْدَ غَدٍ أَخْرَجَ

پندرہ دن اور کتنا رہا کہ کل نکل جاؤں گا یا پرسوں نکل جاؤں گا

حَتَّى بَقِيَ عَلَى ذَلِكَ سِنِينَ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَإِذَا دَخَلَ الْعَسْكَرَ

حتیٰ کہ اس حال پر کئی سال رہا تو دو رکعت پڑھتا رہے گا اور جب لشکر داخل ہو

فِي أَرْضِ الْحَرْبِ فَنَوُوا الْإِقَامَةَ خَمْسَةَ عَشْرَ يَوْمًا لَمْ يَتِمَّ وَالصَّلَاةُ

دار الحروب میں اور وہ پندرہ دن اقامت کی نیت کر لیں تو بھی پوری نماز نہ پڑھیں گے

وَإِذَا دَخَلَ الْمَسَافِرُ فِي صَلَاةِ الْمُقِيمِ مَعَ بَقَاءِ الْوَقْتِ

اور جب مسافر مقیم کے پیچھے نماز پڑھے اور نماز کا وقت ابھی باقی ہو

أَتَمَّ الصَّلَاةَ وَإِنْ دَخَلَ مَعَهَا فِي فَائِتَةٍ لَمْ تَجْزِ صَلَاتُهُ خَلْفَهُ

تو پوری نماز پڑھے اور اگر کسی فوت شدہ نماز میں اس کے پیچھے پڑھے تو اس کے پیچھے اس کی نماز جائز نہ ہوگی

وَإِذَا صَلَّى الْمَسَافِرُ بِالْمُقِيمِينَ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَسَلَّمَ

اور جب مسافر مقیم لوگوں کو نماز پڑھائے تو دو رکعت پڑھ کر سلام کرے

ثُمَّ آتَمَ الْمُقِيمُونَ صَلَاتَهُمْ وَيُسْتَحَبُّ لَهُ إِذَا سَلَّمَ

پھر مقیم لوگ اپنی نماز پوری کریں اور اس (امام) کے لیے مستحب یہ ہے کہ جب وہ سلام کہے

أَنْ يَقُولَ لَهُمْ آتَمُوا صَلَاتَكُمْ فَإِنَّا قَوْمٌ سَفَرٌ

تو ان سے کہے، اپنی نماز پوری کر لو کیونکہ ہم تو مسافر لوگ ہیں۔

وَإِذَا دَخَلَ الْمُسَافِرُ مِصْرًا أْتَمَّ وَإِنْ لَمْ يَنْوِ الْإِقَامَةَ فِيهِ

اور جب مسافر اپنے شہر میں آجائے تو پوری نماز پڑھے چاہے اس نے اس میں اقامت کی نیت نہ کی ہو

وَمَنْ كَانَ لَهُ وَطَنٌ فَأَنْتَقَلَ عَنْهُ وَاسْتَوَطِنَ غَيْرَهُ ثُمَّ سَافَرَ

اور جس کا کوئی وطن ہو اور وہ اس سے منتقل ہو جائے اور کسی اور جگہ کو اپنا وطن بنا لے پھر سفر کرے

فَدَخَلَ وَطَنَهُ الْأَوَّلَ لَمْ يُنِيْمِ الصَّلَاةَ وَإِذَا نَوَى الْمَسَافِرُ

اور اپنے پہلے وطن میں آئے تو نماز پوری نہ پڑھے اور جب مسافر نیت کرے

أَنْ يُقِيمَ بِمَكَّةَ وَمِنِّي خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا لَمْ يُنِيْمِ الصَّلَاةَ

مکہ اور منیٰ میں پندرہ دن کھڑنے کی تو نماز پوری نہ پڑھے

وَالْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ لِلْمَسَافِرِ يُجُوزُ فِعْلًا وَلَا يُجُوزُ وَقْتًا

اور مسافر کے لیے دو نمازیں جمع کرنا فعل کے لحاظ سے جائز ہے مگر وقت کے لحاظ سے جائز نہیں

وَتَجُوزُ الصَّلَاةُ فِي سَفِينَةٍ قَاعًا عَلَى كُلِّ حَالٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک کشتی میں ہر حال میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے

وَعِنْدَهُمَا لَا تَجُوزُ إِلَّا بِعُذْرٍ وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةٌ فِي السَّفَرِ

اور صاحبین کے نزدیک بے عذر جائز نہیں۔ اور جس کی سفر میں کوئی نماز فوت ہو جائے

فَضَاهَا فِي الْحَضْرِ رَكْعَتَيْنِ وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةٌ فِي الْحَضْرِ

وہ اسے حضر میں دو رکعت قضا کرے اور جس کی حضر میں کوئی نماز فوت ہو جائے



تَضَاهَا فِي السَّفَرِ أَرْبَعًا وَالْمَطِيْعُ وَالْمَطِيْعُ فِي السَّفَرِ فِي الرَّخْصَةِ سَوَاءٌ ۝

وہ اسے سفر میں چار رکعت قضا کرے اور سفر میں رخصت میں گنہگار اور مطیع برابر ہیں

## تشریحات

### عبارت ۱

يَتَغَيَّرُ : تبدیل ہوتا ہے۔ بدلتا ہے۔  
 الْمَقْصِدُ : قصد یا ارادہ کی جگہ  
 مَسِيرَةٌ : چلنا۔ سَيْرٌ : چلنا  
 الْإِدْبَلُ : اونٹ۔ مَشْيٌ : پیدل چلنا  
 مُعْتَبَرٌ : اعتبار

جس سفر سے نماز کے احکام بدلتے ہیں وہ یہ ہے کہ انسان جس جگہ سے سفر شروع کرے اس کے اور منزل مقصود کے درمیان اونٹ کی چال یا پیدل چلنے سے تین دن کی مسافت ہونی چاہیے۔ اس ضمن میں پانی کے سفر یعنی کشتی یا بحری جہاز کے ذریعے سفر کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی طرح آج کل کے تیز رفتار ذرائع مثلاً ہوائی جہاز، موٹر کار وغیرہ کے ذریعے سفر کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔

### عبارت ۲

رُبَاعِيَّةٌ : چار والی۔ قَعَدٌ : بیٹھا۔ يَقْعُدُ : بیٹھتا ہے۔  
 أَجْزَأْتُ : کافی ہوئی۔ أَجْزَأٌ : کافی ہوا۔  
 الْاُخْرِيَانِ : پچھلی دو۔ دو کا صیغہ ہے۔ وَاحِدًا اَلْاُولَى :  
 تَحَوَّلَتْ : بدل گئی۔ تَحَوَّلَ : بدل گیا۔

حنفیہ کے نزدیک چار رکعت والی ہر نماز یعنی ظہر، عصر اور عشاء کی نماز سفر میں آدھی یعنی دو رکعت رہ جاتی ہے اور اس پر اضا نہ کرنا جائز نہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے سہولت دی ہے تو اسے ٹھکرانا اور اس سے فائدہ نہ اٹھانا درست نہیں)۔ اگر مسافر نے چار رکعت پڑھ لیں اور دوسری رکعت میں وہ تشہد کی مقدار بیٹھا تو پہلی دو رکعت تو اس کی فرض نماز ہو گئیں جبکہ پچھلی دو نفل ہو گئیں کیونکہ اس پر فرض تو دو رکعت تھیں اور تشہد کی مقدار کے برابر بیٹھنا نماز کا آخری فریضہ ہے لہذا اس کی فرض نماز مکمل ہو گئی اور آخری دو رکعتیں نفل ہو گئیں۔

اور اگر وہ پہلی دو رکعتوں میں تشہد کی مقدار کے برابر نہ بیٹھا تو اس کی فرض نماز ادا نہ ہوئی اور چاروں رکعات نفل ہو گئیں لہذا فرض نماز دوبارہ پڑھے۔

### عبارت ۳

فَارَقَ، جَدَا ہوا۔ بچھا۔ الگ ہوا۔

بَيُوتٌ : جمع ہے بَيْتٍ کی۔ گھر۔ الْمِصْرُ : شہر۔

لَا يَزَالُ : زائل نہیں ہوتا ہوگا۔ زَالٌ زائل ہوا۔ ہٹ گیا۔

يُؤْتِي : نیت کرنا ہے۔ نُؤْتِي : نیت کی۔ لَمْ يُؤْتِ اس نے نیت نہ کی۔ نُؤُوا

انہوں نے نیت کی۔

بَلَدٌ : شہر۔ بَتِي : خَمْسَةَ عَشَرَ : پندرہ۔

صَاعِدًا : ادا پر چڑھنے والا۔ اِسْمٌ فَا س ہے صَعَدَ لِيَصْعَدَ صُعُودًا سے۔

غَدًا : آنے والا کل۔ سِنِينَ جمع ہے سَنَةٍ کی سال۔

جب کوئی شخص سفر کی نیت سے اپنی آبادی کے آخری گھروں سے باہر نکل آئے

تو نماز میں قصر کرنا واجب ہو جائے گا اور جب تک وہ کسی بستی میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ

مدت کے لیے مقیم ہونے کی نیت نہ کرے وہ قصر کرنے کا۔ اگر پندرہ دن یا اس سے زائد

عرصہ کے لیے اقامت کا ارادہ کر لے تو پوری نماز پڑھے گا۔ پندرہ روز سے کمتر مدت کے لیے

اقامت کی نیت کرے تو قصر کرے گا۔ غیر یقینی صورت میں وہ قصر کرتا رہے گا خواہ سالہا سال

مقیم رہے۔

اسلامی لشکر اگر دار الحرب میں داخل ہو اور وہ پندرہ یوم کے لیے وہاں مقیم ہونے

کا ارادہ بھی کریں تو بھی وہ قصر کریں گے اور پوری نماز نہیں پڑھیں گے۔

### عبارت ۴

الْمُقِيمُ : اقامت کرنے والا۔ اِسْمٌ فَاعِلٌ ہے اَقَامَ يُقِيمُ اِقَامَةً سے۔

اَتَمَّ : پورا کیا۔ یہاں مراد ہے، پوری نماز پڑھی۔

فَائِنَةٌ : فوت ہونے والی۔ لَمْ تَجُزْ : جائز نہ ہوئی۔

مسافر اگر اقامت والے (یعنی غیر مسافر) امام کے پیچھے وقتی نماز پڑھے تو پوری نماز

پڑھے (قصر نہ کرے)۔ اگر امام کوئی فوت شدہ نماز پڑھا رہا ہو تو اس کے پیچھے مسافر کا

نماز پڑھنا جائز نہیں۔

عبارت ۵

الْمُقِيمِينَ : جمع ہے مقیم کی۔ اقامت کرنے والے۔ المقيمون بھی مقیم کی جمع ہے۔  
يُسْتَحَبُّ : مستحب ہے۔ پسند کیا جاتا ہے۔  
أَتَمُّوا : پورا کرو۔

سَفَرٌ : مسافر۔ مسافرین (واحد اور جمع دونوں کے لیے آتا ہے)۔  
اگر مسافر لوگوں کو نماز پڑھانے (امامت کرے) تو وہ قصر کر کے دو رکعتیں پڑھے اور سلام  
کہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے مقیم مقتدی مزید دو رکعت پڑھ کر نماز پوری کریں۔ امام  
کے لیے مستحب ہے کہ سلام کہنے کے بعد مقتدیوں سے کہے کہ اپنی نماز پوری کرو ہم تو مسافر  
لوگ ہیں۔

عبارت ۶

لَمْ يَبُوءْ نَيْتَ نَكِي - اِنْتَقَلَ : منتقل ہوا۔  
اِسْتَوْدَطْنَ : وطن بنا لیا۔ لَمْ يَتِمَّ : پورا نہ کیا۔  
مسافر اپنے شہر میں داخل ہو جائے تو پوری نماز پڑھے خواہ وہ اس میں اقامت کی  
نیت نہ بھی کرے۔ اگر کوئی شخص اپنے وطن کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کو وطن بنا لے پھر سفر  
کر کے اپنے سابقہ وطن میں آئے تو قصر کرے اور پوری نماز نہ پڑھے۔

عبارت ۷

اگر مسافر مکہ اور منیٰ میں پندرہ روز اقامت کرنے کی نیت کرے تو بھی قصر کرے اور  
پوری نماز نہ پڑھے۔

عبارت ۸

دو نمازوں کو بالفعل جمع کیا جاسکتا ہے لیکن وقت کی حیثیت میں نہیں۔ مثلاً ظہر کی نماز  
اس کے آخر وقت میں پڑھے اور عصر کی نماز اس کے اول وقت میں پڑھے تو اس نے ان  
دو نمازوں کو بالفعل یکجا کر دیا اور ایسا کرنا جائز ہے۔ لیکن یہ جائز نہیں کہ ظہر کے وقت ظہر اور  
عصر کی نماز اکٹھے پڑھ لے۔

عبارت ۹

تَجَوُّزٌ : جائز ہے۔ فعل مضارع واحد مؤنث غائب کا صیغہ  
سَفِينَةٌ : کشتی قَاعِدًا : بیٹھ کر  
امام ابو حنیفہ کے نزدیک کشتی میں ہر حال میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے جب کہ

امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک کشتی میں بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔

### عبارت نہ

فَاتَتْ : فوت ہوئی۔ گزر گئی۔ چھوٹ گئی۔

الْحَضْرَ : سفر کی ضد ہے۔ اقامت کی حالت۔

تَضَى : انجام دیا۔ اَرْبَعًا : چار

الْعَاصِي : نافرمان۔ گنہگار۔ الْمُطِيع : اطاعت کرنے والا۔

نماز اگر سفر کی حالت میں فوت ہو اور حضر میں اس کی قضا کرے تو دو رکعت پڑھے  
یعنی قصر کے ساتھ، اور اگر حضر میں نماز فوت ہو اور سفر میں اس کی قضا کرے تو چار رکعت  
پڑھے۔ یعنی قضا موافق ہوا داکے۔

سفر میں قصر کی سہولت گنہگار اور نیکو کار دونوں کے لیے یکساں ہے۔ سفر خواہ  
گناہ کے کسی کام کے لیے کرے یا نیکی کے کام کے لیے ہر دو صورتوں میں قصر کی سہولت  
ہے۔ امام مالک، امام احمد اور امام شافعی کے نزدیک قصر کی رخصت گناہ کے کام کے لیے  
کیے جانے والے سفر میں حاصل نہیں۔ چونکہ قرآن حکیم اور حدیث شریف میں بغیر کسی  
شرط کے سفر میں قصر کی رخصت کا حکم ہے اس لیے حنفیہ نے بھی ہر قسم کے سفر میں  
قصر کی رخصت رکھی ہے۔

## مسائل

باب صَلَوةَ الْمَسَافِرِ میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

### ۱۔ موجب قصر سفر

جس سفر سے نماز میں قصر واجب آتا ہے وہ ہے اونٹ کی چال یا پیدل چلنے  
سے تین دن کا سفر اور اس میں پانی میں سفر کا کوئی اعتبار نہیں۔ (اور نہ ہی آج کل  
کے ذرائع سفر موٹر کار، ریل گاڑی ہوائی جہاز وغیرہ کا اعتبار ہے)۔ یہاں دن  
کے سفر سے مراد دن کا اکثر حصہ ہے، یعنی دوپہر کے آرام اور کھانے وغیرہ پر  
جو وقت صرف ہوتا ہے اسے چھوڑ کر عام طور پر ایک دن میں جتنا سفر ہوتا ہے وہ مراد ہے۔  
گویا حنفی فقہ میں مسافت سفر کا اندازہ سفر میں صرف ہونے والے وقت سے لگایا گیا  
ہے نہ کہ پیمائش سے۔ مالکی، حنبلی اور شافعی فقہ میں اس کا اندازہ پیمائش سے لگایا گیا  
ہے اور وہ ہے سولہ فرسخ اور ایک فرسخ برابر ہے تین عربی میلوں کے (عربی میل انگریزی

میل سے چھوٹا ہے)۔ بعض متأخر حنفی فقہانے اس کا تعین  $\frac{3}{8}$ ، ۵، انگریزی میل ۵، ۵ میل  
۳ فرلانگ کیا ہے اور بعض نے ۴، ۸ میل ہے

### ۲۔ قصر الصلوة اور اس کا وجوب

سنہ میں نماز میں قصر یہ ہے کہ چار رکعات کے بجائے دو رکعت پڑھے (یعنی ظہر،  
عصر اور عشاء کی چار رکعتوں کی جگہ دو رکعتیں)۔ حنفیہ کے نزدیک قصر کرنا واجب  
ہے اور دو رکعتوں سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں۔ مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین  
و قصر ہا، باب ۱۱) میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث روایت  
کی گئی ہے، آپ نے فرمایا: **صَدَقْتُهُ تَصَدَّقَ اللهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوا  
صَدَقْتُهُ**، ”یہ ایک صدقہ ہے جو اللہ نے تم پر کیا ہے سو تم اس کا صدقہ قبول کرو۔“  
اس حدیث شریف میں اقبلوا فعل امر کا صیغہ ہے جو قصر کے وجوب کو ثابت  
کرتا ہے۔ لہذا اگر مسافر نے چار رکعات پڑھیں اور دوسری رکعت میں تشدد کی  
مقدار کے برابر بیٹھا تو ان دو رکعتوں سے اس کی فرض نماز ادا ہوگئی اور پچھلی دو  
رکعتیں نفل ہوگئیں۔ اور اگر دوسری رکعت میں تشدد کی مقدار کے برابر نہ بیٹھا تو اس  
کی فرض نماز باطل ہوگئی یعنی دوبارہ پڑھے اور یہ چار رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔

### ۳۔ قصر کا حکم کب لاگو ہوتا ہے

مسافر جب اپنی بستی کے تمام مکاؤں (اور بستی کی ملحقہ عمارتوں) سے باہر نکل آئے  
قصر الصلوة کا حکم لاگو ہو جاتا ہے اور جب تک وہ کسی بستی میں پندرہ دن یا اس سے  
زائد عرصہ کے لیے اقامت کی نیت نہ کرے لاگو رہتا ہے۔ اگر پندرہ دن سے کتر مدت  
کے لیے مقیم ہونے کا ارادہ کرے تو قصر کرے اور پوری نماز پڑھے اور اگر پندرہ دن یا اس  
سے زیادہ دنوں کے لیے اقامت کی نیت کرے تو قصر نہ کرے اور پوری نماز پڑھے۔  
غیر یقینی صورت حال میں قصر کرے یعنی اگر پندرہ یوم کے لیے اقامت کی نیت نہ  
کرے بلکہ یہ کہے کہ کل یا پرسوں چلا جاؤں گا تو قصر کرے۔ اس حال میں اگر وہ کئی سال  
بھی بھٹرا رہے تو قصر کرے۔

اسلامی لشکر اگر دارالحرب میں داخل ہو اور وہ وہاں پندرہ دن کے لیے اقامت

۱۔ امجد علی: بہار شریعت، بحوالہ الفتاویٰ الوضویۃ از احمد رضا خاں بریلوی۔

۲۔ عزیز الرحمن: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ۱: ۲۱۰، ۲۱۱۔

کی نیت بھی کر لیں تو بھی وہ قصر کریں اور پوری نماز نہ پڑھیں۔

#### ۴۔ اگر مسافر مقتدی ہو یا امام

اگر مسافر وقتی نماز مقیم امام کے پیچھے پڑھے تو پوری نماز پڑھے اور قصر نہ کرے اور اگر وہ مقیم امام کے پیچھے فوت شدہ نماز پڑھے تو یہ جائز نہیں۔

اگر مسافر امام ہو اور وہ مقیم لوگوں کو نماز پڑھائے تو مسافر امام دو رکعتیں پڑھے (یعنی قصر کرے) اور سلام کہے اور مقتدی اپنی نماز پوری کریں۔ امام کے لیے مستحب ہے کہ سلام کہنے کے بعد مقتدیوں سے کہہ دے کہ اپنی نماز پوری کر لو ہم تو مسافر لوگ ہیں۔

#### ۵۔ وطن واپسی پر قصر ختم

مسافر کے اپنی بستی میں داخل ہونے پر قصر کی رخصت ختم ہو جائے گی اور وہ پوری نماز پڑھے چاہے اس نے اس میں اقامت کی نیت نہ بھی کی ہو۔

#### ۶۔ وطن میں تبدیلی

اگر کوئی شخص اپنا وطن چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کو اپنا وطن بنا لے پھر سفر کرے اور اپنے سابقہ وطن میں آئے تو قصر کرے اور پوری نماز نہ پڑھے۔

#### ۷۔ مکہ اور منیٰ میں اقامت

مسافر اگر مکہ اور منیٰ میں پندرہ دن اقامت کرنے کی نیت کرے تو بھی قصر نہ کرے اور پوری نماز پڑھے۔

#### ۸۔ دو نمازوں کو جمع کرنا

مسافر کے لیے دو نمازوں کو بالفعل جمع کرنا جائز ہے لیکن وقت کے لحاظ سے یکجا کرنا جائز نہیں۔ مثلاً یہ جائز ہے کہ ظہر کی نماز اس کے آخر وقت میں پڑھ لے اور ساتھ ہی عصر کی نماز پڑھ لے، عصر کے اول وقت میں۔ لیکن یہ جائز نہیں کہ ظہر کے وقت ظہر اور عصر دونوں نمازیں اکٹھی پڑھے۔

#### ۹۔ کشتی میں نماز

کشتی میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہر حال میں بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک بغیر عذر کے کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔

#### ۱۰۔ قضا موافق ادا ہونے

اگر سفر میں کوئی نماز فوت ہوگئی تو حشر میں دو رکعتیں قضا کرے (یعنی قصر کرے) اور اگر حضر میں نماز فوت ہوئی اور سفر میں اس کی قضا کرے تو چار رکعتیں پڑھے

(یعنی قصر نہ کرے بلکہ پوری نماز پڑھے)۔ یعنی قضا موافق ادا ہو۔

### ۱۱۔ رخصتِ قصرِ عاصی و مطیع سب کے لیے یکساں

سفر میں نماز میں قصر کی رخصت گنہگار اور اطاعت شعار سب کے لیے یکساں ہے۔ یعنی سفرِ خواہ بدی کے کام (مثلاً چوری، ڈکیتی وغیرہ) کے لیے ہو یا نیکی کے کام (مثلاً طلبِ علم، طلبِ رزقِ حلال وغیرہ) کے لیے ہو۔ امام مالکؒ، امام احمد بن حنبل اور امام شافعیؒ کے نزدیک سفر میں قصر کی رخصت صرف نیک کام کے لیے کیے جانے والے سفر میں ہے اور جو سفر گناہ کے کام کے لیے کیا جائے اس میں یہ رخصت نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک بلا امتیاز ہر قسم کے سفر میں یہ رخصت حاصل ہے کیونکہ قرآن حکیم (النساء ۴: ۱۰۱) اور حدیث شریف (مسلم، کتاب الصلوٰۃ المسافرین و قصرہا، باب ۱) میں اس کا حکم مطلق ہے اور اس میں نیکی اور بدی کے سفر کی کوئی تمیز نہیں کی گئی۔

## بَابُ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ

لَا تَصِحُّ الْجُمُعَةُ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ أَوْ فِي مُصَلَّى الْمِصْرِ

جمعہ مصر جامع یا شہر کی عید گاہ کے سوا جائز نہیں

وَلَا يَجُوزُ فِي الْقَرْيَةِ وَلَا يَجُوزُ إِقَامَتُهَا إِلَّا لِلسُّلْطَانِ أَوْ لِمَنْ أَمَرَهُ السُّلْطَانُ

اور دیہات میں جائز نہیں اور سلطان یا سلطان کے مامور کے سوا کسی کو اس کا قائم کرنا جائز نہیں

وَمِنْ شَرَايِطِهَا الْوَقْتُ فَتَصِحُّ فِي وَقْتِ الظُّهْرِ وَلَا تَصِحُّ بَعْدَهُ

اور اس کی شرطوں میں سے وقت ہے پس یہ ظہر کے وقت صحیح ہے اور اس کے بعد صحیح نہیں

وَمِنْ شَرَايِطِهَا الْخُطْبَةُ قَبْلَ الصَّلَاةِ يَخْطُبُ لِامَامٍ خُطْبَتَيْنِ

اور اس کی شرطوں میں سے نماز سے پہلے خطبہ ہے امام دو خطبے دے

يُفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِقَعْدَةٍ وَيَخْطُبُ قَائِمًا عَلَى الطَّهَارَةِ

ان دونوں کے درمیان ایک قعدہ سے فاصلہ کرے اور پاک حالت میں کھڑے ہو کر خطبہ دے

فَإِنْ اقْتَصَرَ عَلَى ذِكْرِ اللَّهِ تَعَالَى جَازِعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ

پس اگر وہ (یعنی امام) اللہ تعالیٰ کے ذکر پر اکتفا کرے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے

وَ قَالَ لَا بَدَّ مِنْ ذِكْرِ طَوِيلٍ يُسَمَّى خُطْبَةً

اور صاحبین نے کہا، لمبا ذکر ضروری ہے جسے خطبہ کہا جا سکے

فَإِنْ خَطَبَ قَاعِدًا أَوْ عَلَى غَيْرِ طَهَارَةٍ جَازٍ وَيُكْرَهُ

تو اگر بیٹھ کر یا بغیر پاکی کے (یعنی بے وضو) خطبہ دے تو جائز ہے مگر مکروہ ہے



وَمِنْ شَرِّهَا الْجَمَاعَةُ وَأَقْلَهُمْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ثَلَاثَةٌ

اور اس کی شرطوں میں سے جماعت ہے اور ان کی کم از کم تعداد امام ابو حنیفہ کے نزدیک تین ہے

سِوَى الْإِمَامِ وَقَالَ إِثْنَاكَ سِوَى الْإِمَامِ وَيَجْهَرُ الْإِمَامُ بِقِرَاءَتِهِ

امام کے علاوہ اور صاحبین نے کہا دو ہے امام کے علاوہ اور امام بلند آواز میں قراءت کرے

فِي الرَّكْعَتَيْنِ وَكَأَيُّهُمَا قَرَأَتْ سُورَةً بِعَيْنِهَا لَمْ

دونوں رکعتوں میں اور ان میں کسی معین سورت کا پڑھنا ضروری نہیں

وَلَا يَجِبُ الْجُمُعَةُ عَلَى مُسَافِرٍ وَلَا مَرِيضٍ وَلَا صَبِيٍّ

اور جمعہ واجب نہیں مسافر پر اور نہ عورت پر اور نہ بیمار پر اور نہ بچے پر

وَلَا عَبْدٍ وَلَا أَعْمَى فَإِنْ حَضَرَ وَأَصَلُوا مَعَ النَّاسِ أَجْرَاهُمْ عَنْ فَرْضِ الْوَقْتِ

اور نہ غلام پر اور نہ نابینا پر اور اگر یہ لوگ آجائیں اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ لیں تو وقت کے فرض کی طرف کافی ہوگا

وَيَجُوزُ لِلْعَبْدِ وَالْمُسَافِرِ وَالْمَرِيضِ أَنْ يَوْمُوا فِي الْجُمُعَةِ لَهُ

اور غلام اور مسافر اور بیمار کو جائز ہے کہ جمعہ میں امامت کریں۔

وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي مَنْزِلِهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ صَلَاةِ الْإِمَامِ

اور جو شخص جمعہ کے دن اپنے گھر میں ظہر کی نماز پڑھے امام کی نماز سے پہلے

وَلَا عُدْرَةَ لَهُ كِرَاهَةٌ ذَلِكَ وَجَازَتْ صَلَاتُهُ فَإِنْ بَدَأَهُ

اور اسے کوئی عذر نہ ہو تو یہ اس کے لیے مکروہ ہے اور اس کی نماز جائز ہے پھر اگر اسے خیال آیا

أَنْ يَحْضُرَ الْجُمُعَةَ فَتَوَجَّهَ إِلَيْهَا بَطَلَتْ صَلَاةُ الظُّهْرِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

کہ جمعہ میں حاضر ہو اور اس کی طرف چل پڑا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ظہر کی نماز باطل ہوگئی

بِالسَّعْيِ إِلَيْهَا وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَا تَبْطُلُ حَتَّى يَدْخُلَ مَعَ الْإِمَامِ

اس کی طرف سعی کے ساتھ ہی اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا باطل نہیں ہوگی جب تک امام کے ساتھ (نماز میں) داخل نہ ہو

وَيُكْرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الْمُعْذِرُ وَالظُّهْرُ بِجَمَاعَةٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَكَذَلِكَ أَهْلُ السَّجْنِ

اور معذور کے لیے جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا مکروہ ہے اور اسکی طرح قیدیوں کے لیے بھی

وَمَنْ أَدْرَكَ الْإِمَامَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صَلَّى مَعَهُ مَا أَدْرَكَ

اور جو شخص جمعہ کے دن امام کو پالے تو جتنی نماز ملے امام کے ساتھ پڑھے

وَبَنَى عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ وَإِنْ أَدْرَكَهُ فِي التَّشَهُدِ أَوْ فِي سُجُودِ السَّهْوِ

اور اس پر جمعہ کی بناء کرے اور اگر وہ اسے تشهد میں یا سجدہ سہو میں پائے

بَنَى عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ

تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر جمعہ کی بناء کرے اور امام محمد نے کہا

إِنْ أَدْرَكَ مَعَهُ أَكْثَرَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بَنَى عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ

اگر وہ دوسری رکعت کا اکثر حصہ اس کے ساتھ پالے تو وہ اس پر جمعہ کی بناء کرے

وَإِنْ أَدْرَكَ مَعَهُ أَقَلَّهَا بَنَى عَلَيْهَا الظُّهْرَ

اور اگر اس کے ساتھ اس کا قلیل ترین حصہ پائے تو اس پر ظہر کی بناء کرے

وَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تَرَكَ النَّاسَ الصَّلَاةَ وَالْكَلَامَ

اور جمعہ کے دن جب امام باہر نکلے تو لوگ نماز اور بات چیت ترک کر دیں

حَتَّى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهِ وَقَالَ لَا بَأْسَ بَأَنْ يَتَكَلَّمَ مَا لَمْ يَبْدَأْ بِالْخُطْبَةِ

حتیٰ کہ وہ اپنے خطبہ سے فارغ ہو جائے اور صاحبین نے کہا جیت بکام خطبہ شروع کرے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں

وَإِذَا أَدَانَ الْمُؤَذِّنُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ الْأَوَّلَ

اور جب مؤذن جمعہ کے دن پہلی اذان دے

تَرَكَ النَّاسُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ وَتَوَجَّهُوا إِلَى الْجُمُعَةِ فَإِذَا

تو لوگ خرید و فروخت چھوڑ دیں اور جمعہ کی طرف چل پڑیں پھر جب

صَعِدَ الْإِمَامُ الْمِنْبَرَ جَلَسَ وَأَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ بَيْنَ يَدَيْ الْمِنْبَرِ

امام منبر پر چڑھ جائے تو بیٹھ جائے اور مؤذن منبر کے سامنے اذان دے

ثُمَّ يَخْطُبُ الْإِمَامُ وَإِذَا فَرَغَ مِنْ خُطْبَتِهِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ

پھر امام خطبہ دے اور جب وہ اپنے خطبہ سے فارغ ہو جائے تو نماز کھڑی کر دیں

## تشریحات

### عبارت ۱

لَا تَصِيحُ : صیح نہیں۔ صَحَّ درست ہوا۔ یَصِيحُ درست ہوتا ہے۔

مِصْرٌ : شہر۔ جَامِعٌ : اکٹھا کرنے والا۔

مُصَلًّى : نماز پڑھنے کی جگہ۔ یہاں مراد ہے عید گاہ وغیرہ۔

الْقُرَى : دیہات۔ جمع ہے قَرْيَةٍ کی، دیہہ، گاؤں۔

(۱) جمعہ کی نماز مصر جامع میں یا مصر جامع کی عید گاہ وغیرہ میں ہی جائز ہے اور دیہات میں جائز نہیں مصر جامع کی دو تعریفیں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ ہر وہ جگہ مصر جامع ہے جس کا ایک حکمران اور فاضلی ہو جو احکام کو نافذ کرے۔ دوسری یہ کہ وہ بستی جس کی سب سے بڑی مسجد میں اس بستی کے سب مکلف لوگ نہ سما سکیں۔ شہر کے مصطلی سے مراد شہر میں یا شہر سے ملحق وہ کھلی جگہ ہے جو مسالح عامہ کے لیے مخصوص ہو، مثلاً عید گاہ، میتیں دفنانے کی جگہ، گھڑ دوڑ کا میدان وغیرہ۔ مصر جامع کی تعریف سے خارج جو بستیاں ہیں وہ قرایی یعنی دیہات ہیں۔ دیہات میں جمعہ کی نماز جائز نہیں۔

(۲) جمعہ کی نماز صرف سلطان (ملک یا حکمران) قائم کر سکتا ہے یا اس کا نائب۔ اور کسی شخص کے لیے جمعہ کی نماز کا قائم کرنا جائز نہیں۔

### عبارت ۲

(۱) جمعہ کی نماز کی شرائط میں سے ایک شرط وقت ہے۔ پس نماز جمعہ ظہر کے وقت میں درست ہے اس کے بعد درست نہیں۔

(۲) ایک شرط نماز سے پہلے خطبہ ہے۔ امام نماز سے پہلے دو خطبے دے اور ان دو

خطبوں کے درمیان مختصری دیر کے لیے بیٹھ کر فاصلہ کرے۔ اور وہ با وضو ہو کر کھڑے ہو کر خطبے دے۔

### عبارت ۳

اِقْتَصَرَ : اکتفا کیا۔ اقتصار کیا

لَا بُدَّ مِنْ : ضروری ہے۔ ناگزیر ہے۔

يُسَمَّى : نام دیا جاتا ہے۔ موسوم کیا جاتا ہے۔ سستی ماضی۔ تَسْمِيَةٌ مصدر۔

قَاعِدًا : بیٹھ کر۔ قَعَدَ يَقْعُدُ سے اسم فاعل۔

يُكْرَهُ : ناپسند کیا جاتا ہے۔ مکروہ ہے۔ كِرْهٌ ناپسند کیا۔ يَكْرَهُ ناپسند کرتا ہے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک امام خطبے میں اللہ تعالیٰ کا حرف ذکر کرے تو جائز ہے یعنی ذکر کے طویل ہونے کی شرط نہیں۔ لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اللہ کا ذکر اتنا طویل ضرور ہو کہ اسے خطبہ کہا جاسکے۔

امام اگر بیٹھ کر اور بے وضو خطبہ دے تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔

### عبارت ۴

الْجَمَاعَةُ : جماعت۔ اکٹھ۔ اَقْلٌ : کم از کم

ثَلَاثَةٌ : تین۔ اِثْنَانٍ : دو

يَجْهَرُ : اونچی آواز میں بولے۔

بِعَيْنِهَا : معین طور پر۔ خاص طور پر۔

نماز جمعہ کی شرطوں میں سے ایک شرط جماعت ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک امام کے علاوہ تین آدمی ہوں اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک امام کے علاوہ دو ہوں۔

امام نماز جمعہ کی دونوں رکعتوں میں بالجہر قراءت کرے۔ قراءت کے لیے قرآن حکیم کی کوئی سورت مخصوص نہیں بلکہ پورے قرآن مجید میں سے وہ کہیں سے کوئی بھی سورت پڑھ سکتا ہے۔

### عبارت ۵

لَا تَجِبُ : واجب نہیں۔ وَجِبَ : واجب ہوا۔ يَجِبُ : واجب ہوتا ہے۔

اِمْرَأَةٌ : عورت۔ صَبِيٌّ : بچہ۔ عَبْدٌ : غلام۔ اَعْمَى : اندھا۔

حَضَرُوا : وہ آئے۔ حاضر ہوئے۔ صَلُّوا : انہوں نے نماز پڑھی۔

اَجْزَاءُ : کافی ہوا۔ اُمَّمٌ : امام ہوا۔ يَوْمٌ : امامت کرتا ہے۔

جمعہ کی نماز مسافر، عورت، بیمار، بچے، غلام اور نابینا پر واجب نہیں۔ اگر وہ نماز پڑھنے کے لیے آجائیں اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ لیں تو یہ وقت کی فرض نماز یعنی نمازِ ظہر کا عوض ہو جائے گی۔

غلام، مسافر اور مریض جمعہ کی نماز کی امامت کریں تو جائز ہے۔

### عبارت ۷

بَدَا لَهٗ : اسے خیال آیا۔ تَوَجَّهَ : متوجہ ہوا۔ رُخ کیا۔ چل پڑا۔

بَطَلَتْ : باطل ہو گئی۔ اَلْسَعَى : دوڑ دھوپ۔ پکنا

اَلسِّجْنُ : جیل۔ قید خانہ

(۱) جمعہ کے روز امام کی نماز جمعہ سے پہلے کوئی آدمی اپنے گھر میں بغیر کسی عذر کے نمازِ ظہر پڑھے تو نماز ہو جائے گی لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔

(۲) اگر گھر میں نمازِ ظہر پڑھ چکنے کے بعد اسے جمعہ کی نماز میں جانے کا خیال آئے اور وہ ادھر کا رخ کر لے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ادھر لپکے کے ساتھ ہی اس کی نمازِ ظہر باطل ہو جائے گی جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جب تک امام کے ساتھ نمازِ جمعہ شروع نہ کر لے اس کی ظہر کی نماز باطل نہ ہوگی۔

(۳) جمعہ کے دن معذور آدمی کا جماعت کے ساتھ نمازِ ظہر پڑھنا مکروہ ہے۔ اسی طرح جمعہ کے روز قیدیوں کا باجماعت نمازِ ظہر پڑھنا بھی مکروہ ہے۔

### عبارت ۸

اَدْرَكَ : پایا۔ بَنَى : بنا کی۔

جمعہ کے دن امام کو نمازِ جمعہ میں پالے تو جتنی نماز ملے امام کے ساتھ پڑھے اور اس پر جمعہ کی نماز کی بناء کرے یعنی جتنی نماز امام کے ساتھ ملے پڑھ لے اور اس کے بعد تنہا جمعہ کی باقی ماندہ (جو پہلے گزر چکی) نماز پڑھے۔ اگر وہ امام کے ساتھ تشهد میں یا سجدہ سہویں شامل ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ اس پر نمازِ جمعہ کی بناء کرے جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ اگر تو وہ امام کے ساتھ دوسری رکعت کا بیشتر حصہ پالے تو اس پر نمازِ جمعہ کی بناء کرے اور اگر اس کا کمترین حصہ پالے تو اس پر ظہر کی نماز کی بناء کرے (یعنی اب جمعہ کی نماز کی دو رکعتوں کے بجائے نمازِ ظہر کی چار رکعتیں پڑھے)۔

### عبارت ۹

تَرَكَ : چھوڑ دیا۔ يَخُوعٌ : فارغ ہو

بأس : حرج - مضائقہ -

مَا لَمْ يَبْدَأْ بِهٖ : جب تک شروع نہ کرے۔ اس میں ما تو قیثیہ ہے۔ بَدَأُ شروع ہوا۔ بَدَأُ بِهٖ شروع کیا۔ يَبْدَأُ شروع ہوتا ہے۔ يَبْدَأُ بِهٖ شروع کرتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب امام جمعہ کے روز منبر کی طرف نکلے تو لوگ نماز اور گفتگو ترک کر دیں، جب تک وہ اپنے خطبہ سے فارغ نہ ہو جائے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے کہ جب تک امام خطبہ شروع نہ کرے گفتگو کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

### عبارت ۹

أَذَّنَ : اذان دی۔

المؤذن : اذان دینے والا

البيع : فروخت

الشراء : خرید

تَوَجَّهُوا : متوجہ ہوئے۔ چل پڑے۔ صَعَدَ : اوپر چڑھا۔

جَلَسَ : بیٹھ گیا

بَيْنَ يَدَيْ : سامنے۔ آگے

فَرَّغَ : فارغ ہوا۔

أَقَامُوا : انہوں نے قائم کیا۔

جمعہ کے دن مؤذن پہلی اذان دے تو لوگ خرید و فروخت ترک کر کے جمعہ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

جب امام منبر پر چڑھے تو اس پر بیٹھ جائے، منبر کے سامنے مؤذن اذان دے پھر امام خطبہ دے اور جب امام اپنے خطبہ سے فارغ ہو جائے تو لوگ نماز قائم کریں۔

## مسائل

جمعہ کے دن کی بڑی فضیلت ہے اس دن میں اللہ تعالیٰ نے بڑی خیر و برکت جمع کر دی ہے۔ حدیث شریف میں اس کے بڑے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ سب سے بہتر دن جس میں سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے، اسی روز حضرت آدمؑ پیدا کیے گئے اور اسی روز جنت میں داخل ہوئے، اسی روز جنت سے زمین پر اتارے گئے اور اسی روز قیامت قائم ہوگی۔

جمعہ کی نماز ظہر کی نماز کا عوض نہیں بلکہ فرض قطعی ہے اور اس نماز کے لیے شرع نے جس کو مکلف کیا ہے اس پر فرعن عین ہے۔ اس نماز میں شریا محلہ کے تمام لوگ اکٹھے ہو کر اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں۔ اس اجتماع سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں

مثلاً باہمی انس و محبت میں اضافہ ہوتا ہے، باہمی برادری و تعلقات استوار ہوتے ہیں، ایک دوسرے کی خیریت معلوم ہوتی ہے، مال دار لوگوں کو اپنے نادار بھائیوں کی تنگدستی کا علم ہوتا ہے اور وہ ان کی مالی اعانت کرتے ہیں۔

امام قدوری نے بابُ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ میں جمعہ کی نماز سے متعلق درج ذیل مسائل

بیان کیے ہیں:

### ۱۔ جمعہ کس جگہ جائز ہے

جمعہ کی نماز مصر جامع یا مصر شہر کے مسئلے کے سوا اور کہیں جائز نہیں۔ مصر کا معنی شہر اور جامع کا معنی اکٹھا کرنے والا ہے۔ مِصْرٌ جَامِعٌ کا معنی ہوا جمع کرنے والا شہر، یعنی جس نے اپنے اندر لوگوں کی کثیر تعداد کو جمع کر رکھا ہو۔ فقہاء نے مصر جامع کی دو تعریفیں کی ہیں: (۱) ہر وہ جگہ جہاں حاکم و قاضی موجود ہو، جو شرعی احکام کو نافذ کرنے اور حدود کو قائم کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ جو ظالم سے مظلوم کو اس کا حق دلا سکے۔ (۲) ایسی جگہ کہ جس کی مسجدوں میں سے سب سے بڑی مسجد میں وہاں کے سب لوگ نہ سما سکیں۔

مصلیٰ کا معنی ہے نماز پڑھنے کی جگہ۔ اس کی وضاحت کتب فقہ میں یوں کی گئی ہے کہ شہر کے اندر یا شہر سے باہر ایک فرسخ فاصلے کے اندر ایسی کھلی جگہ جو اجتماعی مفاد کے کاموں کے لیے ہو، مثلاً عید گاہ، میتوں کو دفنانے کی جگہ، گھڑ دوڑ کا میدان وغیرہ۔

پس جمعہ صرف مصر جامع میں جائز ہے اور دیہات یا گاؤں (قرحی) میں جائز نہیں۔

### ۲۔ جمعہ کون قائم کرے

جمعہ کی نماز صرف سلطان (بک کا حکمران) قائم کر سکتا ہے یا پھر وہ شخص جس کو سلطان اس پر

ماور کرے۔

### ۳۔ جمعہ کا وقت

جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کی نماز کا ہے اور اس کے بعد جمعہ جائز نہیں۔ وقت جمعہ کی

شرائطِ صحت میں سے ایک شرط ہے۔

### ۴۔ خطبہ شرط ہے

نماز جمعہ کی شرائطِ صحت میں سے ایک شرط نماز سے قبل خطبہ ہے۔ خطبہ کے بغیر نماز نہ ہوگی۔

امام نماز سے قبل دو خطبے دے اور دونوں خطبوں کے درمیان منبر پر بیٹھ کر فاصلہ کرے۔ خطبے و صوت کی

حالت میں کھڑے ہو کر دے۔ امام البر حنیفہ کے نزدیک خطبہ میں صرف اللہ کا ذکر کرنا ضروری

ہے، طویل ذکر ضروری نہیں (مثلاً اَلرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اللهُ یَا سُبْحٰنَ اللهُ یَا لَیْلَہُ الْاَلَاہِ الْاَقْدَمُ

مُسَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ کہہ دیا تو خطبہ ہو گیا، لیکن امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس قدر طویل ذکر ضروری ہے کہ جسے خطبہ کہا جاسکے۔  
اگر خطیب بیچ کر یا بے وضو خطبہ دے تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔

### ۵۔ جماعت شرط ہے

نماز جمعہ کے لیے جماعت شرط ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امام کے علاوہ تین آدمیوں کا ہونا جماعت کی کم از کم تعداد ہے جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک کم از کم تعداد امام کے علاوہ دو آدمی ہیں۔

### ۶۔ قراءت بالجہر

جمعہ کی نماز میں امام و دونوں رکعتوں میں قراءت بالجہر کرے، تاہم اس کے لیے کوئی سورت مخصوص نہیں بلکہ قرآن حکیم کی کسی بھی سورت کی قراءت کر سکتا ہے۔  
۶۔ جمعہ کن پر فرض نہیں

نماز جمعہ مسافر، عورت، بیمار، بچے، غلام اور اندھے پر فرض نہیں۔ تاہم اگر یہ لوگ آجائیں اور لوگوں کے ساتھ جمعہ پڑھ لیں تو ان کی ظہر کی نماز کا عوض ہو جائے گا۔  
غلام، مسافر، مریض جمعہ کی امامت کر سکتے ہیں۔

### ۸۔ یوم جمعہ کو گھر میں ظہر کی نماز پڑھنا

جمعہ کے روز امام کی نماز جمعہ سے پہلے بغیر عذر کے گھر میں نماز ظہر پڑھے تو ایسا کرنا مکروہ ہے اگرچہ نماز ہو جائے گی۔  
نماز ظہر پڑھ چکنے کے بعد اگر جمعہ میں جانے کا خیال آجائے اور اس کی طرف چل پڑے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی طرف چل پڑتے ہی اس کی نماز ظہر باطل ہو جائے گی جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جب تک وہ امام کے ساتھ نماز میں شامل نہ ہو اس کی ظہر کی نماز باطل نہ ہوگی۔

جمعہ کے دن معذور یا قیدی نماز ظہر باجماعت پڑھیں تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔  
۹۔ جس قدر نماز ملے شامل ہو جائے

امام کے ساتھ جس قدر نماز ملے اس کے ساتھ نماز پڑھے اور اس پر جمعہ کی بنا کرے یعنی جمعہ کی جتنی نماز گزر چکی اسے تنہا پڑھ کر پوری کرے۔ اگر امام کو تشدد میں یا سجدہ سہو میں پائے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اتنی نماز ملنے پر بھی وہ اس پر جمعہ کی بنا کرے یعنی امام کے سلام کہنے کے بعد کھڑا ہو جائے اور جمعہ کی دو رکعت ہی پڑھے



اس کی جمعہ کی نماز ہو جائے گی۔ امام محمدؒ کا قول ہے کہ اگر تو وہ دوسری رکعت کا بیشتر حصہ امام کے ساتھ پائے تو اس پر جمعہ کی بنا کرے اور اگر دوسری رکعت کا کمتر حصہ پائے تو اس پر ظہر کی بنا کرے یعنی تنہا ظہر کی چار رکعات پڑھے، یہ اس کی جمعہ کی نماز نہیں بلکہ ظہر کی نماز ہوگی۔ فتویٰ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔

### ۱۰۔ خطبہ کے دوران صلوٰۃ و کلام کی ممانعت

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امام منبر کی طرف آئے تو اس کے ساتھ ہی لوگ نماز اور گفتگو ترک کر دیں اور جب تک وہ اپنے خطبہ سے فارغ نہ ہو جائے وہ خاموش رہیں۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے کہ اس وقت تک گفتگو کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک امام خطبہ شروع نہ کرے۔ اس مسئلہ میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

### ۱۱۔ اذان اول پر ترک بیع

جمعہ کے روز جب مؤذن (دن ڈھلنے کے بعد) پہلی اذان دے تو لوگ خرید و فروخت چھوڑ کر جمعہ کی طرف چل پڑیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ط (سورة الجمعة، ۶۲ : ۹)

(ترجمہ) اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان کسی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف چل پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

اذان ہونے کے بعد اس شخص کا خرید و فروخت کرنا حرام ہے جس پر نماز جمعہ فرض ہے۔ خواہ خرید و فروخت کا معاملہ فی نفسہ صحیح کیوں نہ ہو۔

(جمعہ کی دوسری اذان اس وقت دی جاتی ہے جب امام خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھ جاتا ہے جسٹور کے عہد مبارک اور حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں صرف خطیب کے سامنے دی جانے والی ایک ہی اذان ہوتی تھی حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے عہد خلافت میں سورج ڈھلنے کے بعد والی نماز کا اضافہ کیا جس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی اور اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر پہلی اذان دینا ضروری ہو گیا تھا تاکہ اعلان ہو جائے اور انہیں اطلاع ہو جائے۔ ماکینہ ضلیہ اور شافعیہ کے نزدیک دوسری اذان کے بعد بیع و شراء ترک کرنے کا حکم لاگو ہوتا ہے)۔

### ۱۲۔ دوسری اذان، خطبہ اور اقامت

امام منبر پر چڑھ کر بیٹھ جائے تو مؤذن منبر کے سامنے کھڑے ہو کر اذان دے پھر امام خطبہ (یعنی دو خطبے دے اور جب وہ اپنے خطبہ سے فارغ ہو جائے تو لوگ نماز قائم کریں۔

## بَابُ صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ

يُسْحَبُ يَوْمَ الْفِطْرِ أَنْ يَطْعَمَ الْإِنْسَانُ قَبْلَ الْخُرُوجِ إِلَى الْمُصَلَّى

عید الفطر کے دن مستحب ہے کہ انسان عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے کچھ کھالے

وَيَغْتَسِلُ وَيَتَطَيَّبُ وَيَلْبَسُ أَحْسَنَ ثِيَابِهِ وَيَتَوَجَّهُ إِلَى الْمُصَلَّى

اور غسل کرے اور خوشبو لگائے اور اپنے بہترین کپڑے پہنے اور عید گاہ کی طرف چل پڑے

وَلَا يُكَبِّرُ فِي طَرِيقِ الْمُصَلَّى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عید گاہ کے راستے میں تکبیر نہ کہے

وَيُكَبِّرُ عِنْدَهُمَا وَلَا يَتَنَفَّلُ فِي الْمُصَلَّى قَبْلَ صَلَاةِ الْعِيدِ

اور صاحبین کے نزدیک تکبیر کہے اور نماز عید سے پہلے عید گاہ میں نفل نہ پڑھے

فَإِذَا حَلَّتِ الصَّلَاةُ بِإِرْتِفَاعِ الشَّمْسِ دَخَلَ وَقْتَهَا إِلَى الزَّوَالِ

تو جب آفتاب کے اوپر چڑھ آنے سے نماز حلال ہو جائے تو اس کا وقت ہو گیا جو (سوج) ڈھلنے تک ہے گا

فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ خَرَجَ وَقْتُهَا وَيُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ

پھر جب سوج ڈھل جائے اس کا وقت نکل جائے گا۔ اور امام لوگوں کو دو رکعتیں پڑھائے

يُكَبِّرُ فِي الْأُولَى تَكْبِيرَةَ الْأَحْرَامِ وَثَلَاثًا بَعْدَ هَاتِهِمَا يَقْرَأُ

پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کہے اور تین تکبیریں اس کے بعد کہے پھر پڑھے

فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةَ مَعَهَا ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةَ يَرْكَعُ بِهَا

سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت پھر ایک تکبیر کہہ کر رکوع کرے

ثُمَّ يَبْتَدِئُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بِالْقِرَاءَةِ فَإِذَا فَرَغَ مِنَ الْقِرَاءَةِ

پھر دوسری رکعت میں قرأت سے شروع کرے اور جب قرأت سے فارغ ہو

كَبَّرَ ثَلَاثَ تَكْبِيرَاتٍ وَكَبَّرَ تَكْبِيرَةً رَابِعَةً يَرْكَعُ بِهَا

تین تکبیریں کہے اور چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع کرے

وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي تَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ ثُمَّ يَخُطُبُ بَعْدَ الصَّلَاةِ خُطْبَتَيْنِ

اور عیدین کی تکبیروں میں رفع یدین کرے پھر نماز کے بعد (امام) دو خطبے دے

يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيهَا صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَ أَحْكَامَهَا

اس (خطبے) میں لوگوں کو صدقہ فطر اور اس کے احکام سکھائے

وَ مَنْ وَانْتَهُ صَلَاةَ الْعِيدِ مَعَ الْإِمَامِ لَمْ يَقْضِهَا

اور جس کو امام کے ساتھ نماز عید نہ ملے وہ اسے قضاء نہ کرے

فَإِنْ نَعِمَ الْهَدَلُ عَنِ النَّاسِ وَشَهِدُوا عِنْدَ الْإِمَامِ بِرُؤْيَا الْهَدَلِ

پس اگر چاند لوگوں کو دکھائی نہ دے اور امام کے پاس لوگ چاند دیکھنے کی شہادت

بَعْدَ الزَّوَالِ صَلَّى الْعِيدُ مِنَ الْغَدِ فَإِنْ حَدَثَ عُدْرٌ

سورج ڈھلنے کے بعد ذیہن تو اگلے دن عید پڑھے اور اگر کوئی عذر پیدا ہو جائے جو

مَنَعَ النَّاسَ مِنَ الصَّلَاةِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي لَمْ يُصَلِّهَا بَعْدَهُ

لوگوں کو دوسرے دن بھی نماز سے روک دے تو اس کے بعد اسے نہ پڑھے

وَيُسْتَحَبُّ فِي يَوْمِ الْأَضْحَى أَنْ يَغْتَسِلَ وَيَتَطَيَّبَ

اور عید الاضحیٰ کے دن مستحب ہے کہ غسل کرنے اور خوشبو لگائے

وَيُؤَخَّرُ الْأَكْلَ حَتَّى يَفْرَغَ مِنَ الصَّلَاةِ وَيَتَوَجَّهُ إِلَى الْمَصَلِيِّ

اور کھانے کو مؤخر کر دے۔ یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جائے اور عید گاہ کا رخ کرے

وَهُوَ يَكْبِرُ وَيُصَلِّي الْأَضْحَى رَكَعَتَيْنِ كَصَلَاةِ الْفِطْرِ

تجیر کتے ہوئے اور عید الاضحیٰ کی دو رکعت نماز پڑھے عید الفطر کی مانند

وَيَخُطُبُ بَعْدَهَا خُطْبَتَيْنِ يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيهِمَا الْأَضْحِيَّةَ

اور اس کے بعد (امام) دو خطبے دے جن میں لوگوں کو تعلیم دے مگر بان

وَتَكْبِيرَاتِ التَّشْرِيقِ فَإِنْ حَدَثَ عُدْرٌ مَنَعَ النَّاسَ مِنَ الصَّلَاةِ

اور تجیرات تشریق کی۔ اور اگر کوئی عذر پیدا ہو جائے جو لوگوں کو نماز پڑھنے سے روکے

يَوْمَ الْأَضْحَى صَلَاةً مِنَ النَّدْوِ وَبَعْدَ الْغَدْوِ لَا يُصَلِّيُهَا بَعْدَ ذَلِكَ

عید الاضحیٰ کے دن تو اسے کل یا پرسوں پڑھے اور اسے اس کے بعد نہ پڑھے

وَتَكْبِيرِ التَّشْرِيقِ أَوَّلَهُ عَقِيبَ صَلَاةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ

اور تجیر تشریق کی ابتداء یوم عرفہ (جج کے دن) کی نماز فجر کے پیچھے ہوتی ہے

وَآخِرُهُ عَقِيبَ صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

اور اس کی انتہا امام ابو حنیفہ کے نزدیک قربانی کے بعد یعنی دسویں ذی الحجہ کی نماز عصر کے پیچھے ہوتی ہے

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ

اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا تشریق کے آخری دن یعنی ۱۳ ذوالحجہ کی نماز عصر تک ہے

وَالتَّكْبِيرُ عَقِيبَ الصَّلَاةِ الْمَفْرُوضَاتِ : اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ

اور فرض نمازوں کے پیچھے تجیر یہ ہے : اللہ اکبر اللہ اکبر

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَبِاللَّهِ الْحَمْدُ

لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد۔

## تشریحات

عبارت لہ

یُسْتَحَبُّ : پسند کیا جاتا ہے۔ اِسْتَحَبَّ ماضی۔ یُسْتَحَبُّ مضارع۔

يُطْعَمُ : کھاتا ہے۔ طَعَمَ : کھایا۔  
 الْمُصَلَّى : نماز پڑھنے کی جگہ۔ یہاں مراد ہے عید گاہ۔  
 يُغْتَسَلُ : وہ نہاتا ہے۔ اِغْتَسَلَ اس نے غسل کیا۔  
 يَتَطَيَّبُ : وہ خوشبو لگاتا ہے۔ تَطَيَّبَ اس نے خوشبو لگائی۔  
 يَلْبَسُ : وہ پہنتا ہے۔ لَبَسَ اس نے پہنا۔  
 ثِيَابٌ : کپڑے۔ وَاحِدٌ : ثَوْبٌ  
 يَتَوَجَّهُ : رخ کرتا ہے۔ چل پڑتا ہے۔ جاتا ہے۔ ماضی تَوَجَّهَ۔  
 لَا يَتَنَفَّلُ : نفل نہیں پڑھتا۔ تَنَفَّلَ ماضی  
 حَلَّتْ : حلال ہوئی۔ جائز ہوئی۔

اس عبارت میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں :

- ۱- عید الفطر کے دن یہ چیزیں مستحب ہیں : عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے کوئی چیز کھانا، غسل کرنا، خوشبو لگانا، اپنے بہترین کپڑے پہننا۔
- ۲- امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے راستے میں تکبیریں نہ کہے جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک راستے میں تکبیریں کہے۔
- ۳- عید کی نماز سے پہلے عید گاہ میں نفل نہ پڑھے۔
- ۴- عید کی نماز کا وقت سورج کے بلند ہونے سے لے کر اس کے ڈھلنے تک ہے۔ سورج ڈھلنے کے . . . . بعد اس کا وقت جاتا رہے گا۔

### عبارت ۲

يَقْرَأُ : پڑھتا ہے۔ يَرْكَعُ : رکوع کرتا ہے۔  
 يَبْتَدِئُ : شروع ہوتا ہے۔ اِبْتَدَأَ ماضی ہے۔  
 يَخْطُبُ : خطبہ دیتا ہے۔ خَطَبَ : ماضی۔  
 يُعَلِّمُ : سکھاتا ہے۔ تعلیم دیتا ہے۔

اس عبارت میں عید الفطر کی نماز کا طریقہ بتایا گیا ہے جو اس طرح ہے :

- ۱- امام لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائے۔ عید کی نماز دو رکعت کی ہے۔
- ۲- امام پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کہے اور اس کے بعد تین تکبیریں اور کہے۔
- ۳- تین زائد تکبیریں کہنے کے بعد امام سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی پڑھے۔ پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔ (اس کے بعد سجدہ کرے)۔

۴۔ دوسری رکعت قراءت سے شروع کرے اور جب قراءت سے فارغ ہو جائے تو تین تکبیریں کہے اور پوچھتی تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔  
۵۔ عیدین کی تکبیروں میں رفع یدین کرے۔

۶۔ نماز کے بعد امام دو خطبے دے (اد۔ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھ کر فاصلہ کرے جیسے جمعہ کی نماز میں ہے) جن میں لوگوں کو صحتہ نظر اور اس کے احکام کی تعلیم دے۔

### عبارت ۳

فَاتَتْ : فوت ہو گئی۔ چھوٹ گئی۔ فَاَتَ فُوت ہو گیا۔  
لَمْ يَقْنِ : قضا نہ کی۔ قَضَى ماضی، يَتَقَضَى مضارع۔  
خَنَ : چھپا دیا گیا۔ اوجھل کر دیا گیا۔ اَلْبَهْلُولُ : پہلی کا چاند۔  
شَهَدَوْ : انہوں نے گواہی دی۔ شَهِدَ اس نے گواہی دی۔  
الْفِدْ : آنے والا کل۔

حَاَثَ : پیدا ہوا۔ واقع ہوا۔ مَنَعَ : روک دیا۔  
لَمْ يُصَلِّ : نماز نہ پڑھی۔ صَلَّى نماز پڑھی۔ يُصَلِّي نماز پڑھتا ہے۔  
۱۔ امام کے ساتھ نماز نہ ملے تو قضا نہ کرے۔

۲۔ اگر لوگوں سے پہلی کا چاند اوجھل ہو جائے اور دکھائی نہ دے اور لوگ سورج ڈھلنے کے بعد امام کے پاس چاند دیکھنے کی گواہی دیں تو اگلے روز نماز پڑھائے۔  
۳۔ اگر دوسرے روز کسی روز کے باعث نماز بعد نہ پڑھ سکے تو اس کے بعد نماز پڑھیں۔

### عبارت ۴

يُسْتَعَدُّ : اچھا سمجھا جاتا ہے۔ پسند کیا جاتا ہے۔ اِسْتَعَدَّ : ماخضی۔ يَسْتَعِدُّ مضارع۔  
الْأَرْضِي : جمع ہے الْأَرْضِيَّةُ کی، قرآنی کا جانور، مثلاً بھیر، بکر، وغیرہ۔  
يَغْتَسِلُ : نہاتا ہے۔ اِغْتَسَلَ ماضی۔

يَنْتَطِيبُ : خوشبو لگاتا ہے۔ نَطِيبَ ماضی۔  
يُؤَخِّرُ : مؤخر کرتا ہے۔ تَخَّرَ کرتا ہے۔ اَخَّرَ ماضی اور تَأَخَّرَ مصدر ہے۔  
الْأَكْلُ : کھانا۔ مصدر ہے۔ اَكَلَ ماضی، يَأْكُلُ مضارع  
يَفْرَعُ : فارغ ہوتا ہے۔ فَرَغَ ماضی۔

يَتَوَجَّهُ : رخ کرتا ہے۔ چلتا ہے۔ جاتا ہے۔ تَوَجَّهَ ماضی۔  
الْمُصَلِّي : نماز پڑھنے کی جگہ۔ یہاں عید گاہ مراد ہے۔

الذُّحِيَّةُ: قربانی کا جانور۔ جمع الْأَضَاحِيُّ۔ تَشْرِيقٌ: اصطلاحی معنی ہے: (۱) تکبیر۔ (۲) نمازِ عید۔

حَدَّثَ: پیدا ہوا۔ واقع ہوا۔ مَنَعَ: روکا۔  
صَلَّاهَا: اسے پڑھا۔ صَلَّيْتُ ماضی۔ يُصَلِّي مَضَارِعُ۔  
الْغَدُّ: آنے والا کل۔

عید الاضحیٰ کے دن یہ امور مستحب ہیں:

- ۱۔ غسل کرنا۔ خوشبو لگانا۔ نمازِ عید سے فارغ ہونے سے پہلے کچھ نہ کھانا۔
- ۲۔ عید گاہ کو جاتے ہوئے تکبیر کتنا رہے۔
- ۳۔ عید الفطر کی طرح عید الاضحیٰ کی بھی دو رکعتیں پڑھائے۔
- ۴۔ عید الاضحیٰ کے دن نماز کے بعد دو خطبے دے۔ ان میں لوگوں کو قربانی کے مسائل اور تکبیراتِ تشریق کی تعلیم دے۔
- ۵۔ اگر عید الاضحیٰ کے دن یعنی دسویں ذی الحجہ کو کسی عذر کی وجہ سے نماز نہ پڑھ سکیں تو اس سے اگلے روز پڑھ سکتے ہیں۔ اگلے روز نہ پڑھ سکیں تو اس سے اگلے روز پڑھ لیں۔ اس کے (یعنی ۱۲ ذی الحجہ کے) بعد نمازِ عید نہ پڑھیں۔

### عبارت ۵

عَقِيبٌ: پیچھے۔ يَوْمَ عَرَفَةَ: حج کا دن مراد ہے۔ یعنی ۹ ذی الحجہ۔

يَوْمُ الذَّحْرِ: قربانی کا دن یعنی دسویں ذی الحجہ۔ النَّحْرُ: قربانی کرنا۔ ذبح کرنا۔  
الْمَفْرُوضَاتُ: جمع ہے الْمَفْرُوضَةُ کی۔ فرض کی ہوئی۔

(۱) تکبیراتِ تشریق کی ابتداء یومِ عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کی صبح کی نماز کے بعد ہوتی ہے اور اس کی انتہاء امام ابوحنیفہ کے نزدیک یومِ النحر یعنی دسویں ذی الحجہ کی نمازِ عصر کے بعد تک ہے جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اس کی انتہاء ایامِ تشریق کے آخری دن یعنی ۱۳ ذی الحجہ کی نمازِ عصر تک ہے۔ فتویٰ صاجین کے قول پر ہے۔

(۲) فرض نمازوں کے بعد تکبیر کے الفاظ یہ ہیں:

اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَبِاللَّهِ الْحَمْدُ۔

### مسائل

باب صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں:

## عید الفطر کے مسائل

### ۱۔ نماز سے پہلے مستحب افعال

عید الفطر کے روز نماز سے پہلے یہ افعال مستحب ہیں:

غسل کرنا۔ اپنے بہترین کپڑے پہننا۔ خوشبو لگانا۔ عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے کچھ کھانا۔

### ۲۔ عید گاہ کو جاتے ہوئے تکبیریں کہنا

اس معاملے میں ائمہ ثلاثہ میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عید الفطر کے روز عید گاہ کو جاتے ہوئے راستے میں تکبیریں نہ کہے جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تکبیریں کہے۔ (علمائے حنفیہ کا فتویٰ اس پر ہے کہ عید الفطر کے روز عید گاہ کو جاتے ہوئے بلند آواز میں تکبیریں کہے)۔

### ۳۔ عید گاہ میں نفل نہ پڑھے

عید گاہ میں نماز عید سے پہلے نفل نہ پڑھے۔ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت یہی ہے، آپ نے عید گاہ میں عید کی نماز سے پہلے اور اس کے بعد کوئی اور نماز نہیں پڑھی۔ تاہم گھر میں نفل پڑھنے کی ممانعت نہیں ہے)۔

### ۴۔ نماز عید کا وقت

عید الفطر کا وقت سورج کے بلند ہونے سے لے کر اس کے ڈھلنے تک ہے۔ سورج ڈھلنے کے بعد اس کا وقت نکل جائے گا۔

### ۵۔ نماز عید

عید الفطر کی نماز کے طریقہ کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) امام لوگوں کو دو رکعتیں پڑھائے۔ یعنی عید الفطر کی نماز کی دو رکعتیں ہیں اور یہ نماز جماعت کے ساتھ ہے تنہا نہیں۔

(۲) پہلی رکعت میں امام تکبیر تحریرہ کہنے کے بعد تین تکبیریں مزید کہے۔

(۳) تین زائد تکبیروں کے بعد سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کوئی اور سورت پڑھے۔

(۴) قراءت کے بعد تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔ (پھر حسب معمول سجود کرے)۔

(۵) دوسری رکعت قراءت سے شروع کرے۔

(۶) دوسری رکعت کی قراءت سے فارغ ہونے پر تین تکبیریں کہے اور پھر چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔



(۷) عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہر دو عیدوں کی نماز میں تکبیریں کہتے وقت رفع یدین کرے۔  
 (۸) نماز کے بعد دو خطبے دے (اور دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑی دیر بیٹھنے سے  
 فاصلہ کرے)۔ ان خطبوں میں وہ لوگوں کو صحت و فطر اور اس کے مسائل کی تعلیم دے۔

#### ۶۔ نماز عید کی قضا نہیں

اگر کوئی شخص امام کے ساتھ نماز عید پڑھنے سے رہ جائے تو وہ اس کی قضا نہ کرے۔  
 (کیونکہ نماز عید باجماعت نماز ہے، اکیلے نہیں پڑھ سکتا)۔

#### ۷۔ اگلے روز رؤیت ہلال کی شہادت

اگر ہلال عید ابر میں چھپنے کی وجہ سے لوگوں کو دکھائی نہ دے اور سورج ڈھلنے کے بعد  
 لوگ امام کے سامنے آکر گواہی دیں کہ انہوں نے چاند دیکھ لیا تھا تو امام اگلے روز عید کی نماز  
 پڑھاٹے۔ اگر اگلے روز بھی کسی عذر کے باعث لوگ عید کی نماز نہ پڑھ سکیں تو پھر اس کے بعد  
 نماز عید نہ پڑھیں۔

## عید الاضحیٰ کے مسائل

### ۸۔ مستحب افعال

عید الاضحیٰ کے روز یہ افعال مستحب ہیں:

(۱) غسل کرنا۔ (۲) خوشبو لگانا۔ (۳) نماز عید سے پہلے کچھ نہ کھانا۔

### ۹۔ عید گاہ کو جاتے ہوئے تکبیریں کہنا

عید گاہ کو جاتے ہوئے راستے میں تکبیریں کہتا جائے (بلند آواز میں)۔

### ۱۰۔ نماز عید

عید الفطر کی طرح عید الاضحیٰ کی نماز کی بھی دو رکعتیں پڑھاٹے۔ اور نماز کے بعد دو خطبے  
 دے (دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑی دیر بیٹھ کر فاصلہ کرے)۔ ان خطبوں میں وہ لوگوں  
 کو قربانی کے مسائل اور تکبیرات تشریح کی تعلیم دے۔

### ۱۱۔ یوم الاضحیٰ کو نماز نہ پڑھ سکا

اگر کسی عذر کی وجہ سے یوم الاضحیٰ (دسویں ذی الحجہ) کو نماز نہ پڑھ سکیں تو اگلے روز  
 دیکھا رہویں ذی الحجہ کو پڑھ لیں، اس دن بھی کسی عذر کے باعث نہ پڑھ سکیں تو پھر اس  
 سے اگلے روز (بارہویں ذی الحجہ) پڑھ لیں۔ اس کے بعد نماز نہ پڑھیں۔

### ۱۲۔ تکبیر تشریح کی ابتداء و انتہاء

تکبیر تشریح کی ابتداء یوم عرفة (نویں ذی الحجہ) کی نماز فجر کے بعد ہوتی ہے اور اس کی انتہاء امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) کی نماز عصر کے بعد تک ہے جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ایام تشریح کے آخری روز (تیرھویں ذی الحجہ) کی نماز عصر کے بعد تک ہے۔  
دفتویٰ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے قول پر ہے۔

### ۱۳۔ تکبیر تشریح کے الفاظ

فرض نمازوں کے پیچھے کسی جانے والی تکبیر تشریح کے الفاظ یہ ہیں:  
اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَبِاللَّهِ الْحَمْدُ۔

## بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوفِ

إِذَا تَكَسَفَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الْإِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ

جب سورج گنا جائے تو امام لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائے

كَهَيْئَةِ النَّافِلَةِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ رُكُوعٌ وَاحِدٌ

نفل نماز کے مانند، ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہو

وَيُطَوَّلُ الْقِرَاءَةُ فِيهِمَا وَيُخْفَى عِنْدَ الْجُبِّ حَتِيفَةً

اور دونوں رکعتوں میں قراءت لمبی کرے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک (قراءت) پوشیدہ کرے

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمَحْمَدٌ يَجْهَرُ ثُمَّ يَدْعُو بَعْدَهَا

اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا کہ (قراءت) بالجہر کرے پھر اس کے بعد دعا کرے

حَتَّى تَنْجَلِيَ الشَّمْسُ وَيُصَلِّيُ بِالنَّاسِ الْإِمَامُ الَّذِي

یہاں تک کہ سورج روشن ہو جائے۔ اور لوگوں کو نماز وہی امام پڑھائے جو

يُصَلِّيُ بِهِمُ الْجُمُعَةَ فَإِنْ لَمْ يَحْضِرِ الْإِمَامُ

انہیں جمعہ پڑھاتا ہے پس اگر یہ امام موجود نہ ہو تو

صَلَّاهَا النَّاسُ فَرَادَى وَكَيْسٌ فِي خُسُوفِ الْقَمَرِ جَمَاعَةً

لوگ فرداً فرداً نماز پڑھیں اور چاند گرہن میں کوئی جماعت کے ساتھ نماز نہیں

وَإِنَّمَا يُصَلِّيُ كُلُّ وَاحِدٍ بِنَفْسِهِ وَكَيْسٌ فِي الْكُسُوفِ خُطْبَةً

اور ہر شخص تنہا نماز پڑھے اور سورج گرہن (کی نماز) میں کوئی خطبہ نہیں

## تشریحات

انكسنت : سورج اگہنا گیا۔ گرہن لگ گیا۔  
 الشمس : سورج۔ (عربی میں ٹرنٹ استعمال ہوتا ہے)۔  
 يطول : طول دیتا ہے۔ لمبا کرتا ہے۔ طویل ماضی۔  
 يخفي : پوشیدہ رکھتا ہے۔ چھپاتا ہے۔ اخفی ماضی۔ اخفاء مصدر۔  
 يجهر : بلند آواز میں بولنا۔ جہر ماضی۔  
 تنجلي : فعل مضارع واحد ٹرنٹ غائب کا صیغہ۔ انجلي ماضی ینجلي مضارع  
 روشن ہونا۔

لم يحضر : حاضر نہ ہوا۔ حضر ماضی۔ يحضر مضارع۔  
 فردای : فرداً فرداً۔ الگ الگ۔  
 خسوف : چاند گرہن۔ خسف القمر چاند کو گرہن لگا۔ اس کی روشنی جاتی رہی  
 یا کم ہو گئی۔ مضارع يخسف۔ خسوف مصدر ہے۔

## مسائل

- باب صلوٰۃ الکسوف میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں :
- ۱۔ سورج گرہن ہو تو امام لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھاٹے، نفل نماز کے مانند (جمہور علماء کے نزدیک سورج گرہن کی نماز باجماعت سنت ہے۔ تاہم بعض نے اسے واجب اور کچھ نے فرض کفایہ بھی بتایا ہے۔ اس میں اذان و اقامت نہیں ہے)۔
  - ۲۔ ہر رکعت میں ایک رکوع ہو۔ (احادیث مبارکہ میں ہر رکعت میں دو اور اس سے زیادہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس لیے امام مالک، امام شافعی اور امام احمد نے ہر رکعت میں دو رکوع بتائے ہیں، یعنی لمبی قرائت کے ایک رکوع اور پھر قیام اور اس میں دوبارہ قرائت اور اس کے بعد پھر دوسرا رکوع۔ حنفیہ کے نزدیک ایک رکعت میں ایک ہی رکوع ہے)۔
  - ۳۔ ہر دو رکعت میں امام لمبی قرائت کرے۔
  - ۴۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قرائت ستری ہوتی چاہیے جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک قرائت بالجر ہو (امام محمد کا بھی ایک قول پوشیدہ قرائت کا ہے اور

حفیہ کے نزدیک تری قراءت ہی صحیح ہے۔

۵۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دعا مانگی جائے اور اس وقت تک دعا کرتے رہیں جب تک سورج کا گرہن ختم نہ ہو جائے۔

۶۔ صلوٰۃ الکسوف وہی امام پڑھائے جو جمعہ کی نماز پڑھاتا ہو۔ اگر وہ امام نہ ہو تو لوگ فرداً فرداً نماز پڑھ لیں۔

۷۔ چاند گرہن کی نماز میں جماعت نہیں بلکہ یہ نماز لوگ فرداً فرداً پڑھیں۔

۸۔ صلوٰۃ الکسوف میں خطبہ نہیں۔ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس روز صلوٰۃ الکسوف پڑھائی اتفاق سے اسی روز آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کا وصال ہوا۔ بعض لوگوں نے خیال کیا کہ حضرت ابراہیمؑ کے وصال کی وجہ سے سورج گرہن ہوا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد لوگوں کے اس خیال کی تردید کے لیے مختصر خطبہ ارشاد فرمایا کہ سورج گرہن اور چاند گرہن تو اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کسی کی زندگی اور موت سے نہیں۔)

# بَابُ صَلَاةِ الْإِسْتِسْقَاءِ

قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ لَيْسَ فِي الْإِسْتِسْقَاءِ صَلَاةٌ مَسْنُونَةٌ بِالْجَمَاعَةِ

امام ابو حنیفہ نے کہا کہ استسقاء میں جماعت کے ساتھ نماز مسنون نہیں

فَإِنْ صَلَّى النَّاسُ وَحْدَانًا جَازَ وَإِنَّمَا الْإِسْتِسْقَاءُ الدُّعَاءُ

پس اگر لوگ فرداً فرداً نماز پڑھیں تو جائز ہے۔ اور استسقاء تو صرف دعا

وَ الْإِسْتِغْفَارُ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ يُصَلِّي الْإِمَامُ وَرُكْعَتَيْنِ

اور استغفار ہے۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا کہ امام دو رکعت نماز پڑھنے

يَجْهَرُ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ ثُمَّ يَخْطُبُ وَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ بِاللُّعَاءِ

جن میں قراءت بلند آواز میں کرے پھر خطبہ دے اور قبلہ رخ ہو کر دعا مانگے

وَيُقَلِّبُ الْإِمَامُ رِجْلَهُ وَلَا يَقْلِبُ الْقَوْمَ أَرْدِيَّتَهُمْ

اور امام اپنی چادر کو الٹ دے اور لوگ اپنی چادریں نہ الٹیں

وَلَا يَحْضُرُ أَهْلُ الذِّمَّةِ لِلْإِسْتِسْقَاءِ

اور ذمی استسقاء کے لیے نہ آئیں

## تشریحات

إِسْتِسْقَاءُ: پانی مانگنا۔ (مصدر ہے باب استفعال سے)۔ اِسْتَسْقَى: پانی مانگنا۔

يَسْتَسْقَى: پانی مانگتا ہے۔ اس کی اصل سقَى بمعنی پلایا ہے۔ اس سے ساقی ہے پلانے والا۔

وَحْدَانًا: ایک ایک کر کے۔ فرداً فرداً۔ واحداً واحداً۔

جَازٌ: جائز ہوا۔ درست ہوا۔

الْإِسْتِغْفَارُ: مغفرت طلب کرتا۔ بخشش مانگنا۔

يَجْهَرُ : بلند آواز میں بولتا ہے۔ يَخْطُبُ : خطبہ دیتا ہے۔  
 يَسْتَقْبِلُ : سامنا کرے۔ منہ کرے۔  
 يُقَلِّبُ : الٹا ہے۔ قَلْبَ مَاضِي۔  
 رَدَاءُ : چادر۔ جَمْعُ أَرْدِيَّةٍ۔

## مسائل

- باب صَلَاةِ الْاِسْتِسْقَاءِ میں درج ذیل مسائل بیان ہوئے ہیں :
- ۱۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک استسقاء کے لیے باجماعت نماز مسنون نہیں۔ استسقاء تو صرف دعا اور استغفار ہے۔ اگر لوگ فرداً فرداً نماز استسقاء پڑھیں تو جائز ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے کہ امام لوگوں کو دو رکعت نماز استسقاء پڑھائے۔ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استسقاء کے لیے نماز پڑھائی اور بعض مواقع پر بارش کے لیے صرف دعا فرمائی۔ چونکہ حضورؐ نے نماز پر مواظبت نہیں فرمائی اس لیے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک استسقاء کے لیے باجماعت نماز مسنون نہیں)۔
  - ۲۔ امام صلوٰۃ الاستسقاء میں قراوت بالجہر کرے۔
  - ۳۔ نماز کے بعد خطبہ دے۔
  - ۴۔ خطبہ کے بعد قبلہ رخ ہو کر دعا کرے۔
  - ۵۔ امام اپنی چادر کو الٹ دے لیکن مقتدی اپنی چادریں نہ الٹائیں۔ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صلوٰۃ الاستسقاء کے بعد اپنی چادر مبارک الٹی تھی۔ علماء کا خیال ہے کہ آپؐ نے ایسا نیک فال کے طور پر کیا تھا کہ جس طرح چادر الٹی ویسے ہی قحط سالی کی کیفیت الٹ جائے اور اس کی جگہ بارش اور روئیدگی کی حالت لے لے)۔
  - ۶۔ استسقاء کے لیے ذمّی لوگ نہ آئیں۔

## بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ

يُسْتَحَبُّ أَنْ يَجْتَمِعَ النَّاسُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بَعْدَ الْعِشَاءِ

مستحب ہے کہ لوگ ماہ رمضان میں اکٹھے ہوں

فِيصَلِّيْ بِهِمْ اِمَامُهُمْ خَمْسَ تَرَوِيحَاتٍ فِي كُلِّ تَرَوِيحَةٍ

پھر ان کا امام انہیں پانچ ترویحے پڑھائے، ہر ترویحہ میں

تَسْلِيمَتَانِ وَيَجْلِسُ بَيْنَ كُلِّ تَرَوِيحَتَيْنِ مِقْدَارَ تَرَوِيحَةٍ

دو سلام ہوں اور ہر دو ترویحوں کے درمیان ایک ترویحہ کی مقدار بیٹھے

ثُمَّ يُؤْتِرُ بِهِمْ وَلَا يُصَلِّي الْوُتْرَ بِجَمَاعَةٍ فِي غَيْرِ شَهْرِ رَمَضَانَ

پھر انہیں وتر پڑھائے اور رمضان کے سوا وتر جماعت سے نہ پڑھائے

### تشریحات

يُسْتَحَبُّ: اچھا سمجھا جاتا ہے۔ پسندیدہ ہے۔ مستحب ہے۔ اِسْتَحَبَّ ماضی یُسْتَحَبُّ مضارع۔

يَجْتَمِعُ: جمع ہوتا ہے۔ اِجْتَمَعَ ماضی۔ اِجْتِمَاعٌ مصدر ہے۔

النَّاسُ: لوگ۔ جمع ہے انسان کی۔

شَهْرٌ: مہینہ۔ خَمْسَ: پانچ۔

تَرَوِيحَاتٌ: جمع ہے ترویحہ کی۔ ایک بار راحت دینا۔ تَرَوِيحٌ بھی اس کی جمع

ہے۔ رَوَّحَ ماضی، يَرْوِّحُ مضارع، تَرَوِيحٌ مصدر۔ چونکہ ہر چار رکعت بعد نمازی کچھ دیر

بیٹھ کر آرام کرتے ہیں اس لیے اس کا نام ترویحات اور تراویح ہے۔

تَسْلِيمَتَانِ: تثنیہ ہے تَسْلِيمَةٌ کا۔ سلام پھیرنا۔

يَجْلِسُ: بیٹھتا ہے۔ يُؤْتِرُ: وتر پڑھتا ہے۔ يُؤْتِرُ بِهِمْ انہیں وتر پڑھاتا

ہے۔ اَوْتَرَ ماضی۔



## مسائل

### ۱۔ تراویح کی شرعی حیثیت

قد درئی نے نماز تراویح کو مستحب قرار دیا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ اس بارے میں چند اہم روایات درج ذیل ہیں :

(۱) بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو حالت ایمان میں اور ثواب کے حصول کی نیت سے رمضان میں قیام کرے گا (یعنی رمضان المبارک میں رات کو نماز کی صورت میں اللہ کی عبادت کرے گا) اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(۲) مسلم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ یہ حدیث بھی درج کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاکید حکم کے بغیر لوگوں کو قیام رمضان کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ پس آپ فرماتے، جو ایمان کی حالت میں اور حصولِ ثواب کی نیت سے رمضان میں قیام کرے گا اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(۳) بخاری نے عبد اللہ بن یوسف سے روایت کیا، اس نے مالک سے اس نے ابن شہاب سے، اس نے حمید بن عبد الرحمن سے اس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے ایمان کی حالت میں اور ثواب کے حصول کے لیے رمضان میں قیام کیا اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے ابن شہاب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور معاملہ اسی طرح تھا، پھر حضرت ابو بکرؓ کی خلافت میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے شروع میں بھی معاملہ اسی طرح تھا۔ اور ابن شہاب سے روایت ہے اس نے عروہ بن الزبیر سے اس نے حضرت عبد الرحمن بن عبد القاری سے روایت کیا انہوں نے کہا، میں رمضان میں ایک رات کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف نکلا، لوگ مختلف ٹولوں کی صورت تھے، کوئی آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہے، کسی آدمی کے پیچھے کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا، میرا خیال ہے کہ اگر میں ان لوگوں کو ایک ہی قاری کی امامت میں اکٹھا کر دوں تو زیادہ اچھا ہو گا۔ پھر آپ نے عزم کیا اور ان کو ابی بن کعب کی امامت میں جمع کر دیا۔ پھر ایک دوسری رات میں آپ کے ساتھ نکلا اور لوگ اپنے امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ اچھی بدعت ہے اور لوگ رات کا جو حصہ سو کر گزارتے ہیں وہ اس سے افضل ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں۔ آپ کی مراد رات کا

آخری حصہ تھا اور لوگ رات کے اول حصہ میں قیام کرتے تھے (صحیح بخاری، کتاب الصوم، صلوٰۃ التراويح، باب فضل من قام رمضان)۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات نصف شب کے بعد (گھر سے) نکلے، آپ نے مسجد میں نماز پڑھی اور کچھ آدمیوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ صبح ہوئی تو انہوں نے (یعنی آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والوں) نے لوگوں کو بتایا، پھر (دوسری رات) ان سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی پھر صبح ہوئی تو انہوں نے لوگوں کو بتایا تو تیسری رات مسجد میں بکثرت لوگ آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے، آپ نے نماز پڑھی تو ان لوگوں نے بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ پھر جب چوتھی رات ہوئی تو آپ گھر میں ہی رہے اور مسجد نہ گئے یہاں تک کہ آپ صبح کی نماز کے لیے نکلے۔ پھر جب آپ نے فجر کی نماز ادا کر لی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، کلمہ شہادت پڑھا پھر فرمایا، اما بعد، مجھ پر تمہارا حال پوشیدہ نہیں لیکن مجھے ڈرتا ہے کہ یہ (نماز) تم پر فرض نہ ہو جائے پھر تم اس سے عاجز آ جاؤ، پھر آپ کا دھال ہو گیا اور معاملہ اسی حال پر تھا۔ (بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، صلوٰۃ التراويح، باب فضل من قام رمضان)۔

مذکورہ بالا روایات اور اس ضمن میں دیگر روایات سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے مہینے میں رات کو نماز کی صورت میں عبادت کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

ب۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانہ خلافت میں لوگ اپنے اپنے طور پر نماز تراویح پڑھتے تھے، تنہا بھی اور باجماعت بھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مسجد میں نماز تراویح پڑھنے کا محولہ بالا روایت میں ذکر نہیں ملتا، نہ ابی بن کعب کی امامت سے پہلے اور نہ ہی ابی بن کعب کی امامت میں۔

ج۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک امام کے پیچھے باجماعت نماز تراویح کو رواج دیا اور اسے ایک اچھی بدعت قرار دیا۔

د۔ حضرت عمر فاروقؓ کے اس حکم کے بعد سے اب تک مسلمانوں کا عمل یہی ہے کہ وہ مساجد میں باجماعت نماز تراویح پڑھتے ہیں۔

اس سے یہ بات زیادہ قریب صواب معلوم ہوتی ہے کہ نماز تراویح مستحب ہے جیسا کہ قدوریؒ نے لکھا ہے۔

## ۲۔ نماز تراویح کا وقت

قدوری نے لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ لوگ ماہِ رمضان میں عشاء کے بعد اٹھیں اور امام انہیں نماز تراویح پڑھائے۔ ویسے نماز تراویح کا وقت نمازِ عشاء کے بعد سے لے کر طلوعِ فجر تک ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رات جو نماز تراویح پڑھائی اس کی روایت سے پتا چلتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عشاء کی نماز پڑھ کر گھر تشریف لے جاتے تھے پھر رات کی آخری تہائی میں یعنی نصف شب کے بعد آپ مسجد میں تشریف لاتے اور نماز تراویح پڑھتے اور آپ کے پیچھے لوگ بھی پڑھتے۔ اسی لیے دوسری رات پہلی رات سے زیادہ لوگ شریک ہوئے اور تیسری رات اس سے بھی زیادہ۔

## ۳۔ تراویح کی تعداد

امام کل پانچ تو رکھے (یعنی بیس رکعات) پڑھائے۔ ہر ترویجہ میں دو سلام ہوں یعنی ہر ترویجہ دو دو گانوں پر مشتمل ہو اس طرح نماز تراویح کل دس دو گانوں پر مشتمل ہے حضرت عمر فاروق کے زمانے سے آج تک اسی پر عمل ہو رہا ہے، اس پر اجماع ہے یہ

(حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین رات مسجد میں جو نماز تراویح پڑھی اور آپ کے پیچھے کچھ لوگوں نے بھی پڑھی تو روایات میں ان کی تعداد مذکور نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک صحابی نے پوچھا کہ رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کیسی ہوتی تھی تو حضرت عائشہ نے فرمایا، آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے، آپ چار رکعت پڑھتے، ان کے حسن اور طول کے بارے میں مت پوچھیے، پھر آپ چار رکعت پڑھتے تو ان کے حسن اور طول کی بابت مت پوچھیے پھر آپ تین رکعتیں پڑھتے۔ پس میں نے کہا یا رسول اللہ آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اے عائشہ! بلاشبہ میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا (بخاری: الصحيح، کتاب الصوم صلوٰۃ التراویح)۔

حضرت عائشہ کی اس حدیث میں آٹھ نوافل اور تین رکعت وتر کا ذکر ہے۔ یہ تعداد رکعاتِ رمضان اور غیر رمضان سب دنوں کے بارے ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس سے مراد تہجد کی نماز ہے نہ کہ نماز تراویح۔

۱۰ حضرت عمر بن عبدالعزیز (عثمانی) نے تراویح کی تعداد چھتیس کر دی تھی لیکن بعد میں اس پر عمل نہ رہا، عمل بیس رکعتوں کا ہی رہا ہے۔

## ۴۔ تراویح کی کیفیت

امام کل پانچ ترویحات پڑھائے۔ ہر ترویجہ میں دو بار سلام پھیرا جائے یعنی ہر ترویجہ دو دو گانوں پر مشتمل ہو۔ ہر دو ترویجوں کے درمیان ایک ترویجہ کی مقدار کے برابر بیٹھا جائے اس طرح بیٹھ کر آرام کرنے کی وجہ سے ہی اس کا نام تراویح ہے۔ اس طرح بیٹھنے کے دوران نمازی کوئی وظیفہ کریں یا خاموش بیٹھے رہیں۔

## ۵۔ تراویح کے بعد وتر

نماز تراویح پڑھنے کے بعد امام لوگوں کو وتر کی نماز پڑھائے۔ جماعت کے ساتھ وتر کی نماز صرف رمضان شریف میں پڑھائے۔ غیر رمضان میں نہ پڑھائے۔ غیر رمضان میں دنز کی نماز لوگ بغیر جماعت کے فرداً فرداً پڑھیں۔

## بَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ

إِذَا اشْتَدَّ الْخَوْفُ جَعَلَ الْإِمَامُ النَّاسَ طَائِفَتَيْنِ

جب خوف شدید ہو تو امام لوگوں کے دو گروہ بنائے

طَائِفَةً إِلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَطَائِفَةً خَلْفَهُ

ایک گروہ دشمن کے سامنے اور ایک گروہ اس (یعنی امام) کے پیچھے

فِيصَلِّي بِهَذِهِ الطَّائِفَةِ رُكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ

پس وہ اس گروہ کو دو سجدوں کے ساتھ ایک رکعت پڑھائے

فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ مَضَتْ هَذِهِ الطَّائِفَةُ

پھر جب وہ دوسرے سجدے سے اپنا سر اٹھائے تو یہ گروہ چلا جائے

إِلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَجَاءَتْ تِلْكَ الطَّائِفَةُ

دشمن کے سامنے اور وہ گروہ آ جائے

فِيصَلِّي بِهِمُ الْإِمَامُ رُكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ وَتَشْهَدُ وَسَلِّمَ

پھر امام ان کو دو سجدوں کے ساتھ ایک رکعت پڑھائے اور تشہد پڑھے اور سلام کہے

وَلَمْ يَسْلَمُوا وَذَهَبُوا إِلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَجَاءَتْ الطَّائِفَةُ الْأُولَى

اور وہ سلام نہ کہیں اور دشمن کے سامنے چلے جائیں اور پہلا گروہ آ جائے

فَصَلُّوا وَحْدًا نَارُكَعَةً وَسَجْدَتَيْنِ بِغَيْرِ قِرَاءَةٍ

پس وہ فرداً فرداً ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ بغیر قراءت کے پڑھیں

وَتَشْهَدُ وَأَوْسَمُوا وَمَضُوا إِلَىٰ وَجْهِ الْعَدُوِّ وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْأُخْرَىٰ

اور تشهد پڑھیں اور سلام کہیں اور دشمن کے سامنے چلے جائیں اور دوسرا گروہ آجائے

وَصَلُّوا رُكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ بِقِرَاءَةِ وَتَشْهَدُوا وَسَلُّوا۔

اور وہ قرائت کے ساتھ ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ پڑھیں اور تشهد پڑھیں اور سلام کہیں

فَإِنْ كَانَ مُقِيمًا صَلَّىٰ بِالطَّائِفَةِ الْأُولَىٰ رُكْعَتَيْنِ وَبِالثَّانِيَةِ رُكْعَتَيْنِ

اور اگر امام مقیم ہو تو پہلے گروہ کو دو رکعت اور دوسرے گروہ کو بھی دو رکعت پڑھائے

وَيُصَلِّيٰ بِالطَّائِفَةِ الْأُولَىٰ رُكْعَتَيْنِ مِنَ الْمَغْرِبِ وَبِالثَّانِيَةِ رُكْعَةً۔

اور نماز مغرب کی دو رکعتیں پہلے گروہ کو اور ایک رکعت دوسرے گروہ کو پڑھائے

وَلَا يُقَاتِلُونَ فِي حَالِ الصَّلَاةِ فَإِنْ فَعَلُوا بَطَلَتْ صَلَاتُهُمْ

اور نماز کی حالت میں لڑائی نہ کریں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کی نماز باطل ہو جائے گی

وَإِنْ اشْتَدَّ الْخَوْفُ صَلُّوا رُكْبَانًا وَحَدًّا

اور اگر خوف شدید ہو تو لوگ سوار ہو کر فرداً فرداً نماز پڑھیں

يَوْمُونَ بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ إِلَىٰ آيَةِ جِهَةِ شَاءُوا

رکوع اور سجدہ اشارے سے کریں اور جس طرف چاہیں (منہ کریں)

إِذَا لَمْ يَقْدِرُوا عَلَى التَّوَجُّهِ إِلَى الْقِبْلَةِ۔

جب قبلہ کی طرف منہ کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں

## تشریحات

اشْتَدَّ : شدید ہوا - جَعَلَ : بنایا - کیا -

طَائِفَتَيْنِ : دو گروہ - طَائِفَةٌ : گروہ - جَمْعُ طَوَائِفٍ -

مَضَتْ : واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے مضنی (چلا گیا) سے - يَمْضِي مَضَاعٌ -

مَضَوًّا وَه كُتِّهٖ۔

وُجِدْنَا: ایک ایک کر کے۔ فِرْدًا فِرْدًا: مُقِيمًا: مسافر کا الٹ۔  
 دُكْبَانًا: سوار ہو کر۔ سوار ہونے کی حالت میں۔ جمع ہے رَاكِبٌ كِي۔ رَكِبٌ سوار ہوا۔  
 يَرْكَبُ سوار ہوتا ہے۔ رَاكِبٌ اسم فاعل ہے۔  
 يُؤْمُونَ: اشارہ کرتے ہیں۔ اَوْهِي (اور اَوْمَأ) اشارہ کیا يُؤْمِي (اور يُؤْمِي)  
 اشارہ کرتا ہے۔

شَاءُوا: انہوں نے چاہا۔ شَاءَ اس نے چاہا۔ يَشَاءُ وہ چاہتا ہے۔  
 لَمْ يَقْدِرُوا: وہ قادر نہ ہوئے۔ قَدَرَ ماضی۔ يَقْدِرُ مضارع۔  
 التَّوَجُّهُ: رُخ کرنا۔ منہ کرنا۔ تَوَجَّهَ ماضی۔ يَتَوَجَّهُ مضارع۔

صلوة الخوف کے بارے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ  
 مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا آسِدِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَأَنْيُكُونُوا مِن وَّرَآيِكُمْ  
 وَتِلَاثٍ طَائِفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا

حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ (النساء، ۴ : ۱۰۲)

ترجمہ: ”اور جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں اور آپ انہیں نماز پڑھائیں تو ان میں  
 سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو اور وہ اپنے ہتھیار لے لیں پھر جب یہ لوگ سجدہ  
 کر چکیں تو یہ لوگ تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ آجائے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی  
 پس وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور یہ لوگ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں۔“  
 آیت مذکورہ بالا میں ”وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ“ کے الفاظ کی بناء پر بعض فقہاء نے صلوة الخوف  
 کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک اس کا حکم حضور  
 کے وصال کے بعد بھی باقی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت سی جنگوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ نے مختلف مواقع پر  
 حالات کی نزاکت کے تقاضے کے تحت مختلف طریقوں سے صلوة الخوف ادا فرمائی۔ علمائے  
 اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور سے صلوة الخوف ادا کرنے کے جتنے بھی طریقے ثابت ہیں  
 سب جائز ہیں لہذا ان میں سے کسی بھی طریقے سے صلوة الخوف پڑھی جاسکتی ہے۔ قدری  
 نے جس طریقے کو سب سے اچھا جانا وہ بیان کر دیا۔

## مسائل

باب صلوة الخوف میں درج ذیل مسائل بیان کیے گئے ہیں :

### ۱۔ خوف شدید ہو

صلوة الخوف اس وقت جائز ہے جب خوف شدید ہو۔ یعنی یہ حقیقی خوف موجود ہو کہ اگر تمام مسلمان نماز میں مصروف ہو گئے تو سامنے موجود دشمن ان پر حملہ کر دے گا۔ اگر ایسا شدید خوف نہ ہو تو صلوة الخوف جائز نہیں۔ (یہ حقیقی خوف دشمن کے علاوہ کسی اور چیز کا بھی ہو سکتا ہے، مثلاً کسی درندے یا اژدھا کا، طوفان یا آگ کا خوف وغیرہ۔ اس طرح کے حقیقی خوف کی صورت میں بھی صلوة الخوف جائز ہے)۔

### ۲۔ صلوة الخوف کا طریقہ

صلوة الخوف پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ امام نمازیوں کے دو گروہ بناٹے، ایک گروہ دشمن کے سامنے کھڑا رہے اور دوسرا گروہ امام کے پیچھے کھڑا ہو۔ امام اس گروہ کو جو اس کے پیچھے ہے دو سجدوں کے ساتھ ایک رکعت پڑھاٹے، جب وہ دوسرے سجدہ سے اپنا سراٹھائے تو یہ گروہ جا کر دشمن کے سامنے کھڑا ہو جائے اور وہ گروہ جو دشمن کے سامنے کھڑا تھا آجائے۔ امام انہیں دو سجدوں کے ساتھ ایک رکعت پڑھاٹے۔ امام تشہد پڑھے اور سلام پھیر دے (کیونکہ امام کی دو رکعت نماز مکمل ہو گئی) لیکن وہ سلام نہ پھیریں (کیونکہ انہوں نے تو ابھی صرف ایک ہی رکعت پڑھی ہے) اور دشمن کے سامنے چلے جائیں اور پہلا گروہ جو ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا تھا آجائے۔ وہ اکیلے دو سجدوں کے ساتھ ایک رکعت نماز بغیر قراءت کے پڑھیں اور تشہد پڑھیں اور سلام پھیر کر دشمن کے سامنے چلے جائیں اور دوسرا گروہ آجائے۔ وہ بھی آکر دو سجدوں کے ساتھ ایک رکعت اکیلے پڑھیں۔ یہ قراءت کے ساتھ ایک رکعت پڑھیں، تشہد پڑھیں اور سلام پھیر دیں۔

قراءت کی بابت حنفیہ کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کے حق میں بھی قراءت ہے۔ جو گروہ پہلی رکعت امام کے ساتھ پڑھنے کے بعد چلا گیا تھا اور اس وقت واپس آیا جب امام اپنی دو رکعت نماز پڑھ چکا تھا وہ اس مقتدی کے مانند بغیر قراءت دوسری رکعت پڑھے گا جس نے امام کے ساتھ نماز شروع کی پھر وضو ٹوٹ جانے کی وجہ سے چلا گیا اور دوبارہ وضو کر کے آکر نماز میں شامل ہوا۔ ایسا مقتدی بدستور حالت اقتدار میں ہی سمجھا جاتا ہے اور چونکہ مقتدی قراءت نہیں کرتا اس لیے یہ مقتدی بھی قراءت نہ کرے۔



چنانچہ پہلا گروہ دوسری رکعت بغیر قراءت کے پڑھے گا۔ دوسرا گروہ جس نے امام کے پیچھے دوسری رکعت پڑھی اور پہلی رکعت بعد میں اکیلے پڑھے اس مقتدی کے مانند ہے جو امام کے ساتھ دوسری رکعت میں شامل ہو، امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ اپنی پہلی رکعت اکیلے پڑھتا ہے چونکہ اس کی پہلی رکعت امام کی اقتداء میں نہیں اس لیے وہ اپنی پہلی رکعت قراءت کے ساتھ پڑھتا ہے۔ یہی صورت دوسرے گروہ کی ہے وہ بھی اپنی پہلی رکعت جب اکیلے پڑھے تو قراءت کے ساتھ پڑھے۔

• صلوٰۃ الخوف کی یہ ترکیب اس صورت میں ہے کہ جب امام ایسے شرعی سفر میں ہو جس میں نماز میں قصر کرنا واجب ہوتا ہے۔  
۳۔ اگر امام مقیم ہو۔

اگر امام مقیم ہو یعنی قصر واجب کرنے والے سفر میں نہ ہو، تو پہلے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائے اور دو رکعتیں دوسرے گروہ کو پڑھائے۔ یعنی پہلا گروہ امام کے پیچھے دو رکعت پڑھ کر دشمن کے سامنے جا کر کھڑا ہو جائے اور دوسرا گروہ آکر امام کے پیچھے دو رکعت پڑھے۔ امام سلام پھیر دے۔ دوسرا گروہ جا کر دشمن کے سامنے کھڑا ہو جائے اور پہلا گروہ آکر اپنی بقیہ دو رکعتیں اکیلے پڑھے۔ یہ اپنی نماز مکمل کر کے چلا جائے تو دوسرا گروہ آکر اپنی پہلی دو رکعتیں قراءت کے ساتھ پڑھے۔

#### ۴۔ مغرب کی نماز

مغرب کی نماز تین رکعتوں کی ہے۔ خوف کی حالت میں اس کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ امام پہلے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائے اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت۔ (پہلا گروہ دو رکعتیں پڑھ کر دشمن کے سامنے چلا جائے اور دوسرا گروہ آکر امام کے پیچھے ایک رکعت پڑھے، جو کہ امام کی تیسری اور آخری رکعت ہے۔ امام اس رکعت کے بعد سلام پھیر دے گا۔ دوسرا گروہ جا کر دشمن کے سامنے کھڑا ہو جائے اور پہلا گروہ واپس آکر اکیلے اپنی تیسری رکعت پڑھ کر اپنی نماز مکمل کرے اور پھر جا کر دشمن کے سامنے کھڑا ہو جائے۔ پھر دوسرا گروہ آکر اپنی پہلی دو رکعتیں اکیلے قراءت کے ساتھ پڑھے۔)

#### ۵۔ نماز کی حالت میں قتال جائز نہیں

صلوٰۃ الخوف کی حالت میں قتال جائز نہیں۔ اگر نماز کی حالت میں قتال کیا تو نماز باطل ہو جائے گی (پھر نئے سرے سے نماز پڑھنا ہوگی)۔

### نہایت شدید خوف کی صورت میں

اگر خوف بہت زیادہ شدید ہو اور مذکورہ بالا طریقے سے صلوٰۃ الخوف پڑھنا ممکن نہ ہو تو لوگ فرداً فرداً (بغیر جماعت کے) سوار ہونے کی حالت میں اشارے سے رکوع و سجود کر کے نماز پڑھ لیں۔ اور اگر قبلہ کی طرف منہ کرنا مقدور میں نہ ہو تو جس طرف چاہیں رخ کر کے نماز پڑھ لیں۔ ارشادِ ربّانی ہے :

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا (البقرہ ۲۰۹: ۲۳۹)

”پھر اگر تمہیں خوف ہو تو کھڑے کھڑے یا سوار ہونے کی حالت میں پڑھ لیا کرو۔“

## بَابُ الْجَنَائِزِ

إِذَا احْتَضَرَ الرَّجُلُ وَجَّهَ إِلَى الْقِبْلَةِ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ

جب آدمی مرنے کے قریب ہو تو اسے اس کے دائیں پہلو پر قبلہ رخ کر دیا جائے

وَلَقِنَ الشَّهَادَتَيْنِ وَإِذَا مَاتَ شَدُّوا لِحْيَتَهُ

اور کلمہ شہادت کی تلقین کی جائے اور جب مر جائے تو اس کے چہرے باندھ دیں

وَعَمَّضُوا عَيْنَيْهِ لَهْ فَإِذَا أَرَادُوا غُسْلَهُ وَضَعُوهُ عَلَى سِرِيرٍ

اور اس کی آنکھیں بند کر دیں۔ پھر جب اسے غسل دینا چاہیں تو اسے ایک تختے پر رکھیں

وَجَعَلُوا عَلَى عَوْرَتِهِ حِرْقَةً وَنَزَعُوا ثِيَابَهُ وَوَضَعُوهُ

اور اس کی شرمگاہ پر کپڑے کا ایک ٹکڑا رکھ دیں اور اس کے کپڑے اتار دیں اور اسے وضو کرائیں

وَلَا يُمَضِّضُ وَلَا يُسْتَشَقُّ ثُمَّ يَفِيضُونَ الْمَاءَ عَلَيْهِ

اور اسے کھلی نہ کرائیں اور نہ ناک میں پانی ڈالیں پھر اس پر پانی بسائیں

وَيَجْمَرُ سَرِيرَهُ وَتُرَّأَوْغِلَى الْمَاءِ بِالسِّدْرِ أَوْ بِالْحُرْضِ

اور اس کے تخت کے کوطاق بار دھونی دی جائے اور پانی کو بیری کے پتے یا اشنان (ڈال کر) ابلا جائے

فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَاَلْمَاءُ الْقَرَّاحُ وَيُغْسَلُ رَأْسُهُ وَلِحْيَتُهُ بِالخَطْمِيِّ

پس اگر وہ نہ ہو تو خالص پانی ہی سہی اور اس کے سر اور ڈاڑھی کو خطمی سے دھویا جائے

ثُمَّ يُضْبَعُ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْسَرِ فَيُغْسَلُ بِالْمَاءِ وَالسِّدْرِ

پھر اسے اس کے بائیں پہلو پر لٹا دیا جائے اور پانی اور بیری (کے پتوں) سے غسل دیا جائے

حَتَّىٰ يَرَىٰ أَنَّ الْمَاءَ قَدْ وَصَلَ إِلَىٰ مَا يَلِي التَّحْتَ مِنْهُ.

یہاں تک کہ دکھائی دے کہ پانی اس کے نیچے تک پہنچ گیا ہے

ثُمَّ يُضْبَعُ عَلَىٰ شِقِّهِ الْأَيْمَنِ فَيُغْسَلُ بِالْمَاءِ

پھر اسے اس کے دائیں پہلو پر لٹا کر پانی سے غسل دیا جائے

حَتَّىٰ يَرَىٰ أَنَّ الْمَاءَ قَدْ وَصَلَ إِلَىٰ مَا يَلِي التَّحْتَ مِنْهُ

حتیٰ کہ دکھائی دے کہ پانی اس کے پچھلے حصے تک پہنچ گیا ہے

ثُمَّ يُجْلِسُهُ وَيُسْنِدُهُ إِلَيْهِ وَيَمْسَحُ بَطْنَهُ مَسْحًا رَقِيقًا

پھر اسے بٹھائے اور اسے اپنا سہارا دے اور اس کا پیٹ نرمی سے ملے

فَإِنْ خَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ غَسَلَهُ وَلَا يُعِيدُ غُسْلَهُ

تو اگر اس میں سے کوئی چیز نکلے تو اسے دھو دے اور دوبارہ غسل نہ دے

ثُمَّ يُنْشَفُ فِي تَوْبٍ وَيُدْرَجُ فِي الْكُفَايَةِ

پھر اسے ایک کپڑے میں خشک کیا جائے اور اس کے کفوں میں لپیٹا جائے

وَيُجْعَلُ الْحَنُوطُ عَلَىٰ رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ وَالْكَافُورُ عَلَىٰ مَسَاجِدِهِ

اور اس کے سر اور اس کی ڈاڑھی پر حنوط (عطر) اور اس کے اعضائے سجدہ پر کافور لگایا جائے

وَالسُّنَّةُ أَنْ يَكْفَنَ الرَّجُلُ فِي ثَلَاثَةِ أَتْوَابٍ

اور سنت یہ ہے کہ مرد کو تین کپڑوں میں کفایا جائے

إِنْ أَرَادَ قَمِيصٍ وَكُفَّافَةٍ فَإِنْ اقْتَصَرَ وَاعْلَىٰ تَوْبَيْنِ جَازٍ

نہ بند، کرتے اور اوپر کی چادر اور اگر دو کپڑوں پر اکتفا کریں تو جائز ہے

وَإِذَا أَرَادَ الْوَالِفَ اللَّفَّافَةَ عَلَيْهِ ابْتَدَعُوا بِالْجَانِبِ الْأَيْسَرِ

اور جب اوپر کی چادر کو اس پر پیٹنا چاہیں تو بائیں طرف سے شروع کریں

فَالْقَوُّهُ عَلَيْهِ ثُمَّ بِالْأَيْمَنِ فَإِنْ خَافُوا أَنْ يَنْتَشِرَ الْكُفْنَ عَنْهُ

اور وہ اس پر ڈال دیں پھر دائیں طرف سے اور اگر انہیں اندیشہ ہو کہ کفن اس سے منتشر ہو جائے گا

عَقْدُوهُ - ۳۱۳ وَتُكْفَنُ الْمَرْأَةُ فِي خَمْسَةِ أَثْوَابٍ

تو اسے باندھ دیں۔ اور عورت کو پانچ کپڑوں میں کفنا یا جائے :

إِزَارٍ وَتَمِيصٍ وَخِمَارٍ وَخِرْقَةٍ تُرْبَطُ بِهَا ثُدْيَاهَا

تہ بند، کرتہ، اور ٹھنی، کپڑے کا ایک ٹکڑا جس سے اس کی چھاتیاں باندھی جائیں

وَلُفَافَةٍ فَإِنْ اقْتَصَرُوا عَلَى ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ جَازَ

اور اوپر کی چادر اور اگر تین کپڑوں پر اکتفا کریں تو جائز ہے

وَيَكُونُ الْخِمَارُ فَوْقَ الْقَمِيصِ تَحْتَ اللَّفَافَةِ

اور اور ٹھنی کرتے کے اوپر اور اوپر والی چادر کے نیچے ہو

وَيُجْعَلُ شَعْرُهَا عَلَى صَدْرِهَا - وَلَا يُسْرَحُ شَعْرُ الْمَيِّتِ

اور اس کے بال اس کے سینے پر رکھ دیے جائیں اور کنگھی نہ کی جائے میت کے بالوں میں

وَلَا دِحْيَتُهُ وَلَا يُقَصُّ ظْفُرُهُ وَلَا يُقَصُّ شَعْرُهُ

اور نہ ہی اس کی ڈاڑھی میں اور نہ اس کے ناخن کاٹے جائیں اور نہ اس کے بال کاٹے جائیں

وَتُجَسَّرُ الْأَكْفَانُ قَبْلَ أَنْ يُدْرَجَ فِيهَا وَتُرَا

اور کفنوں کو طاق بار دھونی دی جائے پیشتر اس کے اسے ان میں پیٹا جائے

فَإِذَا فَرَغُوا مِنْهُ صَلُّوا عَلَيْهِ - ۳۱۴

پھر جب اس سے فارغ ہو جائیں تو اس پر نماز پڑھیں۔

وَأُولَى النَّاسِ بِالْإِمَامَةِ عَلَيْهِ السَّلْطَانُ إِذَا حَضَرَ

اور اس (یعنی میت) پر نماز پڑھانے کا سب لوگوں سے زیادہ حق دار سلطان ہے اگر وہ موجود ہو

فَإِنْ لَمْ يَحْضُرْ فَيُسْتَحَبُّ تَقْدِيمُ إِمَامِ الْحَجِيِّ ثُمَّ الْوَلِيِّ

تو اگر موجود نہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ محلہ کے امام کو آگے کیا جائے (یعنی امام بنایا جائے) پھر ولی رحق دار ہے

فَإِنْ صَلَّى عَلَيْهِ غَيْرُ الْوَلِيِّ وَالسُّلْطَانِ أَعَادَ الْوَلِيُّ

پس اگر ولی اور سلطان کے سوا کسی اور نے اس پر نماز پڑھائی تو ولی دوبارہ پڑھا دے

وَإِنْ صَلَّى عَلَيْهِ الْوَلِيُّ لَمْ يَجُزْ أَنْ يُصَلِّيَ أَحَدٌ بَعْدَهُ

اور اگر اس پر ولی نے نماز پڑھائی تو اس کے بعد کسی اور کے لیے پڑھانا جائز نہیں

فَإِنْ دُفِنَ وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ صَلَّى عَلَى قَبْرِهِ إِلَى ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

اور اگر اسے دفن کر دیا گیا اور اس پر نماز نہ پڑھی گئی تو تین دن تک اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے

وَلَا يُصَلِّي بَعْدَ ذَلِكَ وَ يَقُومُ الْمُصَلِّي بِحِذَاءِ صَدْرِ الْمَيِّتِ

اور اس کے بعد نہ پڑھی جائے اور نماز پڑھنے والا میت کے سینے کے بالمقابل کھڑا ہو

وَالصَّلَاةُ أَنْ يُكَبِّرَ تَكْبِيرَةً يُحْمَدُ اللَّهُ تَعَالَى عَقِيبَهَا

اور نماز یہ ہے کہ ایک تکبیر کہے اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی حمد کرے

ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ

پھر ایک تکبیر کہے اور نبی کریم علیہ السلام پر درود بھیجے

ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً ثَالِثَةً يَدْعُو فِيهَا لِنَفْسِهِ وَلِلْمَيِّتِ

پھر تیسری تکبیر کہے جس میں دعا مانگے اپنے لیے اور میت کے لیے

وَلِلْمُسْلِمِينَ ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً رَابِعَةً وَيُسَلِّمُ وَلَا يُصَلِّي عَلَى مَيِّتٍ

اور مسلمانوں کے لیے پھر چوتھی تکبیر کہے اور سلام پھیر دے اور نماز نہ پڑھائے کسی میت پر

فِي مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى

کسی مسجد میں باجماعت اور پہلی تکبیر کے سوا رفعِ یدین نہ کرے

فَإِذَا حَمَلُوهُ عَلَى سُرِيرِهِ أَخَذُوا بِقَوَائِمِهِ الْأَرْبَعِ

اور جب اسے (یعنی میت کو) اس کی چار پائی پراٹھائیں تو اس کے چاروں پائے پکڑ لیں

وَيَمْشُونَ بِهِ مُسْرِعِينَ دُونَ الْخَبَبِ فَإِذَا بَلَغُوا إِلَى قَبْرِهِ

اور اُسے لے کر تیز چلیں لیکن دوڑیں نہیں اور جب اس کی قبر تک پہنچ جائیں

كُرْهًا لِلنَّاسِ أَنْ يَجْلِسُوا قَبْلَ أَنْ يُوضَعَ مِنْ أَعْنَاقِ الرِّجَالِ

تو جب تک اسے لوگوں کے کندھوں سے اتار نہ لیا جائے لوگوں کے لیے بیٹھنا مکروہ ہے

وَيُحْفَرُ الْقَبْرُ وَيُدْحَدُ وَيُدْخَلُ الْمَيِّتُ مِمَّا يَلِي الْقِبْلَةَ

اور قبر کھودی جائے اور لحد بنائی جائے اور میت کو قبلہ کی طرف سے داخل کیا جائے

فَإِذَا وُضِعَ فِي لَحْدِهِ قَالَ الَّذِي يَضَعُهَا بِسْمِ اللَّهِ

تو جب اسے اس کی لحد میں رکھ دیا جائے تو رکھنے والا کہے: بسم اللہ

وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ - وَيُوجَّهُ إِلَى الْقِبْلَةِ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ

دعویٰ علیٰ مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ - اور اس کے دائیں پہلو پر اسے قبلہ رخ کر دے

وَيَحُلُّ الْعُقْدَةَ - وَيُسَوِّي اللَّبْنَ عَلَى اللَّحْدِ

اور گرہ کھول دے - اور لحد پر کچی اینٹیں چُن دی جائیں

وَيَكْرَهُ الْأُجْرُ وَالْخَشَبُ وَلَا بَأْسَ بِالْقَصَبِ

اور پتی اینٹ اور لکڑی مکروہ ہے اور سرکنڈے میں کوئی حرج نہیں

ثُمَّ يَهَالُ التُّرَابُ عَلَيْهِ وَيَسْتَمُّ الْقَبْرُ وَلَا يَسْطَحُّ

پھر اس پر مٹی ڈال دی جائے اور قبر کو ہان دار بنائی جائے اور مسطح نہ بنائے جائے

وَمِنْ اسْتَهْلَ بَعْدَ الْوَلَادَةِ سُمِّيَ وَغُسِلَ وَصَلِّيَ عَلَيْهِ

اور جس نے پیدا ہونے کے بعد آواز نکالی اس کا نام رکھا جائے اور اسے غسل دیا جائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے

وَإِنْ لَمْ يَسْتَهْلِ أَدْرَجَ فِي خِرْقَةٍ وَدُفِنَ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ ۖ

اور اگر آواز نہ نکالی تو اسے کپڑے کے ایک ٹکڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے اور اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے

## تشریحات

الْجَنَائِزُ : جمع ہے جِنَازَةٌ کی : (۱) وہ چار پائی جس پر میت کو رکھا جائے۔ (۲) میت۔ (۳) چار پائی پر رکھی ہوئی میت مع ساتھ چلنے والے لوگ۔

### عبارت لے

أَحْتَضِرَ الرَّجُلُ : آدمی کی موت آئی مرنے کے قریب ہوا۔  
وَجَّهَ : چہرہ کر دیا گیا۔ پھیر دیا گیا ماضی مجہول۔ وَجَّهَ مَاضِي يُوجِهُ مَضَارِعُ۔  
رُخ پھیر دیا گیا۔

شَقَّ : پہلو۔ الْأَيْمَنُ دایاں۔

لَقِّنَ : تلقین کی گئی۔ (ماضی مجہول) کان کے قریب بات کی گئی تاکہ وہ اسے دہرائے۔  
لَقِّنَ مَاضِي يُلَقِّنُ مَضَارِعُ اور تَلَقَّيْنُ مصدر ہے۔

الشَّهَادَتَيْنِ : دو شہادتیں۔ مراد ہے توحید و رسالت محمدی کی شہادتیں۔

شَدُّوا : باندھ دیے۔ لَحْيِيهِ : اس کے دو جبرے۔ لَحْيٌ جَبْرًا۔

غَمَّضُوا : بند کر دیں۔ موندیں (آنکھیں)

جب آدمی قریب الموت ہو (جس کا پتا ان علامات سے چل جاتا ہے جو ایسے شخص کے اعضاء مثلاً آنکھوں اور زبان وغیرہ میں ظاہر ہوتی ہیں) تو اسے دائیں پہلو پر لٹا کر اس کا منہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے اور اسے کلمہ شہادت کی تلقین کی جائے۔ مرنے کے بعد اس کے جبرے باندھ دیے جائیں اور اس کی آنکھیں بند کر دیں۔

### عبارت لے

سَرَبٌ : چار پائی۔ تَحْنَةُ : عَوْرَةٌ : شرمگاہ۔

خِرْقَةٌ : کپڑے کا ٹکڑا۔ نَزَعُوا : انہوں نے اتار دیا۔ الگ کر دیا۔

رَثِيَابٌ : جمع ہے تَوْبٌ کی۔ کپڑے۔

وَضَّوْا : انہوں نے وضو کرایا۔ وَضَّأُ اس نے وضو کرایا۔

لَا يَمْضَمُّنُ : اُسے گلی نہ کرائی جائے۔ مَضْمَنٌ اس نے گلی کی۔



لَا يَسْتَنْشِقُ : اس کی ناک میں پانی نہ ڈالا جائے۔ اسْتَنْشَقُ اس نے ناک میں پانی ڈالا۔  
 يُفِيضُونَ : وہ بہاتے ہیں۔ آفَاضَ مَاضِي، يُفِيضُ مَضَارِعَ۔  
 يُجَمِّدُ : دھونی دی جائے۔ جَمَّرَ دھونی دی يُجَمِّرُ مَضَارِعَ۔  
 وَتَرًا : طاق بار۔

يُعَلِّي : ابالا جاتا ہے۔ اَعْلَى مَاضِي، يُعَلِّي مَضَارِعَ۔

السِّدْرُ : بیری کا درخت اَلْحَرْصُ : اشنان  
 الْقِرَاحُ : خالص لِحْيَةٌ ڈاڑھی

الْخَطْمِيُّ : خطمی۔ ایک بوٹی جو دائیوں میں استعمال ہوتی ہے۔

يُضْبَعُ : لٹایا جاتا ہے۔ ضَبَعَ لُطْبًا۔ يَضْبَعُ : لٹاتا ہے۔

الْأُكَيْسُ : بایاں۔ يُجَلِّسُ بٹھاتا ہے۔ أَجْلَسَ بٹھایا۔

يُسَنَدُ : سہارا دیتا ہے۔ اسَنَدَ سہارا دیا۔

يَمْسَحُ : مٹتا ہے۔ پونچھتا ہے۔ مَسَحَ مَاضِي۔ مَسَحًا مصدر۔

لَا يُعِيدُ : اعادہ نہ کرے۔ نہ دہرائے۔ نہ لوٹائے۔

يُنْشَفُ : نچوڑ کر یا پونچھ کر خشک کیا جاتا ہے۔ نَشَفَ مَاضِي۔ يَنْشَفُ مَضَارِعَ۔

يُدْرَجُ : داخل کیا جاتا ہے۔ دَرَجَ داخل کیا۔ يُدْرَجُ داخل کرتا ہے۔

مَسَاجِدُ : جمع ہے مَسْجِدٍ کی۔ سجدہ گاہیں۔ سجدہ کرنے کے اعضاء۔

اس عبارت میں میت کو غسل دینے کا طریقہ بتایا گیا ہے جو حسب ذیل ہے :

۱۔ میت کو غسل دینے کے لیے اسے تختے پر لٹا دیا جائے۔

۲۔ اس کی شرمگاہ پر کپڑے کا ٹکڑا ڈال دیں۔

۳۔ اس کے کپڑے اتار دیں۔

۴۔ اسے وضو کرائیں لیکن منہ اور ناک میں پانی نہ ڈالیں۔

۵۔ اس کے بعد اس کے سارے جسم پر پانی بہائیں۔

۶۔ جس تختے پر میت کو غسل دیا جائے اسے طاق بار دھونی دیں۔

۷۔ غسل کے پانی کو بیری کے پتوں یا اشنان کے ساتھ ابالیں، اگر ان میں سے کوئی چیز بھی

میسر نہ ہو تو صرف صاف شفاف پانی کافی ہے۔

۸۔ میت کے سر اور ڈاڑھی کو خطمی کے ساتھ دھوئیں۔

۹۔ اس کے بعد اسے بائیں پہلو پر لٹا کر پانی سے دھوئیں حتیٰ کہ پانی اس کے نیچے تک پہنچ جائے۔

- ۱۰۔ اس کے بعد اسے دائیں پہلو پر لٹا کر پانی سے دھوئیں حتیٰ کہ پانی اس کے نیچے تک پہنچ جائے۔
- ۱۱۔ پھر میت کو سہارا دے کر بٹھائیں اور اس کے پیٹ کو نرمی سے ملیں، اگر کوئی چیز خارج ہو تو اسے دھو ڈالیں، اس کے بعد دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں۔
- ۱۲۔ پھر اسے کسی کپڑے سے خشک کریں اور کفن پہنائیں۔
- ۱۳۔ اس کے سر اور ڈاڑھی پر خوشبو لگائیں اور اس کے سجدہ کرنے کے اعضاء پر کافور ملیں۔

### عبارت ۳

يُكْفَنُ: کفن پہنایا جاتا ہے۔ كَفَّنَ: کفن پہنایا۔ يَكْفِنُ کفن پہناتا ہے۔

اِزَارٌ: تہ بند۔ قَمِيصٌ: کرتہ

لِفَاقَةٌ: اوپر پیٹنے یا ڈالنے کی چادر۔

اِقْتَصَرُوا: انہوں نے اکتفا کیا۔ اِقْتَصَرَ اس نے اکتفا کیا۔

كَفَّ: پیٹنا۔ اِبْتَدَعُوا: انہوں نے شروع کیا۔

اَلْقُوا: انہوں نے ڈال دیا۔ اَلْقَى: اس نے ڈالا۔

يُنْتَشِرُ: پھیلتا ہے۔ بھرتا ہے۔ اِنْتَشَرَ پھیلا۔ بھرا۔

عَقَدُوا: انہوں نے گرہ دے دی۔ باندھ دیا۔ عَقَدَ اس نے گرہ دی۔

اس عبارت میں مرد کو کفن پہنانے کا طریقہ بتایا گیا ہے جو اس طرح ہے:

- ۱۔ مرد کو تین کپڑوں یعنی تہ بند، کرتہ اور اوپر کی بڑی چادر کا کفن پہنانا سنت ہے۔ (تہ بند سے مراد نچلے دھڑ کو جس کپڑے میں پیٹا جائے اور کرتہ سے مراد وہ کپڑا جس میں اوپر کا دھڑ پیٹا جائے)۔ دو کپڑوں پر اکتفا کرنا جائز ہے (یعنی صرف تہ بند اور کرتہ)۔

۲۔ اوپر والی بڑی چادر کو پہلے بائیں طرف لپیٹیں اور پھر دائیں طرف کو اس کے اوپر لپیٹیں۔

۳۔ اگر کفن کے بھر جانے کا اندیشہ ہو تو اسے باندھ دیں۔

### عبارت ۴

خِجَارٌ: اور ٹھنی۔

تُرْبَطُ: باندھی جاتی ہے۔ تُدْمِي: چھاتی۔ تُدْيَانٍ دو چھانیاں۔

شَعْرٌ: بال۔ صَدْرٌ: سینہ

اس عبارت میں عورت کو کفن پہنانے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ عورت کو پانچ کپڑوں یعنی تہ بند،

کرتہ، اور ٹھنی، سینہ بند اور اوپر کی ایک چادر میں کفنا یا جائے۔ تاہم اگر تین کپڑوں پر اکتفا کریں

تجزا ہے۔ اور ہتھی کرتے کے اوپر اور اوپر والی چادر کے نیچے ہو۔ اور اس کے بال سینے پر ڈال دیں۔

### عبارت ۱۷

لَا يُسْرَحُ : کنگھی نہ کی جائے۔ سَرَّحَ اس نے کنگھی کی۔ يُسْرَحُ مضارع۔  
لَا يُقَصُّ : نہ کاٹا جائے۔ قَصَّ اس نے کاٹا۔ يُقَصُّ وہ کاٹتا ہے۔  
ظَفْرٌ : ناخن تَجَسَّرٌ : دھونی دی جائے۔

وَتَرًا : طاق بار۔ طاق عدد میں۔

۱۔ میت کے سر میں یا اس کی ڈاڑھی میں کنگھی نہ کی جائے۔

۲۔ اس کے ناخن نہ کاٹے جائیں۔

۳۔ اس کے بال نہ کاٹے جائیں۔

۴۔ میت کو کفنوں میں پیٹنے سے پہلے کفنوں کو طاق بار دھونی دی جائے۔

۵۔ جب کفن پہنانے کے اس کام سے فارغ ہو جائیں تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے۔

### عبارت ۱۸

أُولَىٰ : سب سے زیادہ حق دار تَقْدِيمٌ : آگے کرنا۔ امام بنانا۔

أَلْحَىٰ : محلہ أَوْلَىٰ : سرپرست

نماز جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حقدار حکمران ہے بشرطیکہ وہ موجود ہو اور اگر وہ موجود نہ ہو تو محلہ کے امام کی امامت مستحب ہے اور اس کے بعد میت کا ولی امامت کا حقدار ہے۔ اگر حکمران یا ولی کے سوا کسی اور شخص نے نماز جنازہ پڑھائی ہو تو ولی دوبارہ نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے۔ لیکن ولی کے بعد کوئی اور شخص نماز جنازہ نہیں پڑھا سکتا۔

### عبارت ۱۹

دُفِنَ : اُسے دفن کیا گیا۔ دَفَنَ اس نے دفن کیا۔ يَدْفِنُ وہ دفن کرتا ہے۔

لَمْ يُصَلِّ : نماز نہ پڑھی گئی۔ صَلَّى ماضی۔ يُصَلِّي مضارع۔

اگر میت کی نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو اور اس کے بغیر ہی اسے دفن دیا گیا ہو تو تین دن

تک اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے اس کے بعد نہیں۔

### عبارت ۲۰

يَقُومُ : کھڑا ہوتا ہے

أَلْمُصَلِّي : نماز پڑھنے والا۔ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

حِذَاء: سامنے۔ بالمقابل۔ عَقِيبُ: پیچھے۔

اس عبارت میں نمازِ جنازہ کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ امام میت کے سینے کے بالمقابل کھڑا ہو۔ ایک تکبیر کہہ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے۔ دوسری تکبیر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے۔ تیسری تکبیر کے بعد اپنے لیے، میت کے لیے اور سب مسلمانوں کے لیے دعائے مغفرت کرے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرے۔ رفع یدین صرف پہلی تکبیر کتے وقت کرے بعد کی تکبیروں کے ساتھ نہ کرے۔ نمازِ جنازہ مسجد میں نہیں ہونی چاہیے۔

### عبارت ۹

أَخَذُوا: انہوں نے پکڑا۔ أَخَذَ اس نے پکڑا یا أَخَذُوہ پکڑتا ہے۔

قَوَائِمُ: قَائِمَةٌ کی جمع ہے۔ پائے۔

يَمْشُونَ: چلتے ہیں مِشْيًا چلا۔ يَمْشِي چلتا ہے۔

مُسْرِعِينَ: جلدی/تیزی کرنے والے۔ مُسْرِعٌ کی جمع ہے، جو اسم فاعل ہے اَسْرَعَ (ماضی) يُسْرِعُ (مضارع) اِسْرَاع (مصدر) سے۔

الْخَبَبُ: دوڑنا۔ نَحَبٌ دوڑا۔ يَخْبَبُ دوڑتا ہے۔ خَبَابٌ اور خَبَابٌ مصدر ہے۔

يُوضَعُ: مضارع مجہول ہے۔ وَضَعَ رکھا۔ وَضَعَ مِنْ اُتَارا۔ يَضَعُ مضارع ہے۔ اَعْنَاقُ: جمع ہے عُنُقُ کی گردن۔

الرِّجَالُ: جمع ہے الرَّجُلُ کی، آدمی۔ مَرَدٌ۔

اس عبارت میں جنازہ لے جانے کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ (۱) میت کی چارپائی کو چاروں پاؤں سے پکڑ کر تیز چلیں لیکن دوڑیں نہیں۔ (۲) جنازہ قبر کے پاس پہنچ جائے تو جب تک میت کی چارپائی کو لوگ پیچھے نہ اتار دیں لوگوں کے لیے بیٹھنا مکروہ ہے۔

### عبارت ۱۰

يُحْفَرُ: کھودا جائے۔ مضارع مجہول۔ حَفَرَ کھودا۔ يَحْفَرُ کھودتا ہے۔

يُلْحَدُ: مضارع مجہول۔ لحد بنائی جائے۔ لَحْدٌ ماضی۔ يُلْحَدُ مضارع۔ اَلْحَدُ يُلْحَدُ اِلْحَادًا ابھی لحد بنانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

بَلِيٌّ: ملتا ہے۔ ساتھ ہے۔ قریب ہے۔ وَلى ماضی۔

وَضَعَ: رکھ دیا گیا۔ ماضی مجہول۔ وَضَعَ رکھا۔ يَضَعُ رکھتا ہے۔

مِثْلَةٌ: طریقہ۔ مذہب۔ جمع مِثَلٌ۔

يُوجِّهُ: منہ پھیر دے۔ رُخ کر دے۔ وَجَّهَ ماضی۔

بَشَقُّ : پہلو      الْأَيْمَنُ : دایاں

يَحُلُّ : کھولتا ہے۔ حَلَّ ماضی ہے۔ الْعُقْدَةُ : گرہ

يُسَوِّي : برابر کیا جائے۔ چنا جائے۔ سَوَّى ماضی يُسَوِّي مَضَارِعُ۔

الْلَّيْنُ : کچی اینٹیں۔ واحد لَيْنَةٌ

الْأَجْرُ : پچی اینٹ      الْخَشَبُ : لکڑی۔

لَا بَأْسَ : کوئی عرج نہیں      الْقَصَبُ : سرکنڈا

يُهَالُ : اُنڈیلا جاتا ہے۔ مَضَارِعُ مَجْهُولٌ۔ آهَالٌ ماضی يُهَيْلُ مَضَارِعُ۔

الْتَّرَابُ : مٹی

يُسْتَمُّ : کوہان دار بنایا جاتا ہے۔ مَضَارِعُ مَجْهُولٌ ہے۔ سَتَمَّ کوہان دار بنایا۔

يُسْتَمُّ مَضَارِعُ۔ سَتَمُّ کوہان۔

مَلَا يُسَطِّحُ مَسَطَّحٌ نہ بنایا جائے۔ سَطَّحَ ماضی۔ يُسَطِّحُ مَضَارِعُ۔

اس عبارت میں قبر بنانے اور میت کو اس میں دفن کرنے کے مسائل بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ میت کے لیے قبر کھودی جائے اور اس میں لحد بنائی جائے۔

۲۔ میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں داخل کیا جائے۔

۳۔ جب میت کو اس کی لحد میں رکھیں تو رکھنے والے یہ الفاظ پڑھیں: بِسْمِ اللّٰهِ

وَعَلَىٰ مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ، یعنی اللہ کے نام سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر۔

۴۔ قبر میں میت کو دائیں پہلو پر قبلہ رخ کر دیا جائے اور کفن کے بند کھول دیں۔

۵۔ قبر پر کچی اینٹیں چینی جائیں۔

۶۔ قبر پر پچی اینٹوں اور لکڑی کا استعمال مکروہ ہے۔ البتہ سرکنڈے کے استعمال میں کوئی عرج نہیں۔

۷۔ پھر اس پر مٹی ڈالی جائے اور قبر کو مسطح نہ بنایا جائے بلکہ کوہان دار بنایا جائے۔

### عبارت اللہ

اسْتَهْلَ (الصَّبِيُّ) : بچہ ولادت کے وقت رویا۔ چلایا۔ يَسْتَهْلُ مَضَارِعُ۔

سَمِيٌّ : نام رکھا گیا۔ نام دیا گیا۔ ماضی مَجْهُولٌ۔ سَمَيٌّْ ماضی، يَسْمِيٌّ مَضَارِعُ، تَسْمِيَةٌ مصدر

أُدْرِجُ : داخل کیا گیا۔ ماضی مَجْهُولٌ۔ أَدْرَجَ ماضی۔ يُدْرِجُ مَضَارِعُ۔

خِرْفَةٌ : کپڑے کا ٹکڑا۔

جو بچہ ولادت کے بعد رویا ہو اور پھر مر گیا ہو اس کا نام رکھا جائے، اسے غسل دیا جائے

اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے۔ اگر وہ آواز نہ نکالے تو اسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر

دفن کر دیں اور اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔

## مسائل

بَابُ الْجَنَائِزِ فِي مَبِيتِ كِي تَجْمِيْزٍ وَتَحْفِيْنِ، اس كِي نماز جنازہ، قبر اور اس ميں دفن كرنے كے مسائل بيان كيے گئے هيں جو درج ذيل هيں :

### ۱۔ قرب موت اور مرنے پر كيا كرنا چاهيے

جب آدمي قريب الموت هو (قرب موت كِي كچھ علامات مرنے والے كے اعضاء و جوارح ميں ظاهراً هو جاتى هيں جن سے قريب بيٹھے لوگوں كو پتا چل جاتا هيے كه اب موت آيا هي چاهتي هي) تو اسے دائيں پهلو پر لٹا كر اس كا منة قبله كِي طرف كر ديا جائے اور اسے كلمه شهادت كِي تلقين كِي جائے حضور عليه الصلوة والسلام كِي حديث هي: **لَقِنُوْا مَوْتَكُمْ لَدَالِةِ اِلَّا اللّٰهُ**، ”اپنے مرنے والوں كو لادالہ الا اللہ كے تلقين كرو“ نيز آپ كا ارشاد هي: **مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ** جس كا آخري كلام لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ هو وه جنت ميں داخل هو گيا۔

مرنے كے بعد اس كے جبرے باندھ ديں اور اس كِي آنكھيں بند كر ديں۔

### ۲۔ مبيت كو غسل دينے كا طريقه

(۱) مبيت كو غسل دينے كے ليے اسے تختے پر لٹا ديا جائے۔ (۲) اس كِي شرمكاه پر كپڑے كا ايک ٹكڑا ڈال ديں۔ (۳) اس كے كپڑے اتار ديں۔ (۴) اسے وضوء كر ايں ليكن اس كے منة اور ناك ميں پاني نہ ڈالين۔ (۵) اس كے بعد اس كے سارے جسم پر پاني بها ئيں۔ (۶) جس تختے پر مبيت كو غسل ديا جائے اس تختے كو طاق بار (مثلاً تين دفعه، پانچ يا سات دفعه وغيره) خوشبودار لکڑي (عود وغيره) كِي دھوني دي جائے۔ (۷) غسل كے پاني كو بيري كے پتے يا اسنان ڈال كر ابا لیں۔ اگر ان ميں سے كوئي چيز بيستر نہ هو تو صرف صاف پاني هي كا فني هيے۔ (۸) مبيت كے سر اور ڈاڑھی كو خطمي كے ساتھ دھويں۔ (۹) اس كے بعد اسے بائیں پهلو پر لٹا كر پاني سے دھويں حتى كه پاني اس كے نيچے تك پہنچ جائے۔ (۱۰) اس كے بعد اسے دائيں پهلو پر لٹا كر پاني سے دھويں حتى كه پاني اس كے نيچے تك پہنچ جائے۔ (۱۱) پھر مبيت كو سهارا دے كر بٹھايں اور اس كے پيٹ كو نرمي سے مليں، اگر كوئي چيز خارج هو تو اسے دھويں، اس كے بعد دوباره غسل دينے كِي ضرورت نهيں۔ (۱۲) پھر اسے كسي كپڑے سے خشك كريں اور كفن پنا ئيں۔ (۱۳) اس كے سر اور ڈاڑھی پر خوشبودار گائیں

اور اس کے سجدہ کرنے کے اعضاء (پیشانی، ناک) پر کافر ملیں۔

### ۳۔ مرد کی تکفین کا طریقہ

(۱) مرد کو تین کپڑوں یعنی تہ بند، کرتہ اور اوپر پیٹنے کی بڑی چادر کا کفن پہنانا سنت ہے (تہ بند سے مراد وہ کپڑا ہے جس میں میت کے سچے دھڑ کو لپیٹا جائے اور کرتہ سے مراد وہ کپڑا ہے جس میں اوپر کا دھڑ لپیٹا جائے)۔ دو کپڑوں (یعنی صرف تہ بند اور کرتے) پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے۔ (۲) اوپر والی بڑی چادر کو پہلے بائیں طرف کو لپیٹیں اور پھر دائیں طرف کو اس کے اوپر لپیٹ دیں۔ (۳) اگر کفن کے بھر جانے کا اندیشہ ہو تو اسے باندھ دیں۔ (۴) میت کو کفنوں میں لپیٹنے سے پہلے کفنوں کو خوشبودار لکڑی (عود وغیرہ) کی طاق بار دھونی دی جائے۔

### ۴۔ عورت کی تکفین کا طریقہ

(۱) عورت کو پانچ کپڑوں یعنی تہ بند، کرتہ، اوڑھنی، سینہ بند اور اوپر کی ایک بڑی چادر کا کفن پہنانا چاہیے۔ تاہم اگر تین کپڑوں پر اکتفا کریں تو جائز ہے۔ (۲) اوڑھنی کرتے کے اوپر اور بیرونی بڑی چادر کے نیچے ہو۔ (۳) اس کے بال سینے پر ڈال دیں۔ (۴) میت کو کفنوں میں لپیٹنے سے پہلے کفنوں کو خوشبودار لکڑی (عود وغیرہ) کی طاق عدد میں دھونی دی جائے۔ (۵) کفن پہنانے کے بعد نماز جنازہ پڑھنی چاہیے۔

### ۵۔ میت سے متعلق ممنوع امور

(۱) میت کے سر میں یا اس کی ڈاڑھی میں کنگھی نہ کی جائے۔ (۲) میت کے ناخن نہ کاٹے جائیں۔ (۳) میت کے بال نہ کاٹے جائیں۔

### ۶۔ نماز جنازہ پڑھانے کے سب سے زیادہ حقدار

نماز جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حقدار سلطان (یعنی حکمران) ہے بشرطیکہ وہ موجود ہو اور اگر وہ موجود نہ ہو تو محلہ کے امام کی امامت مستحب ہے اور اس کے بعد میت کا ولی سب سے زیادہ حقدار ہے۔ اگر حکمران یا ولی کے سوا کسی اور شخص نے نماز جنازہ پڑھائی ہو تو ولی دوبارہ نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے لیکن ولی کے بعد کوئی اور شخص نماز جنازہ نہیں پڑھا سکتا۔

### ۷۔ دفنانے کے بعد نماز جنازہ

اگر میت کو نماز جنازہ پڑھے بغیر ہی دفن دیا گیا ہو تو دفن کرنے کے تین دن تک اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے اس کے بعد نہیں۔

## ۸۔ نمازِ جنازہ کا طریقہ

نمازِ جنازہ کا طریقہ حسبِ ذیل ہے:

امام میت کے سینے کے بالمقابل کھڑا ہو۔ ایک تکبیر کہہ کر اللہ کی حمد و ثنا کرے۔ دوسری تکبیر کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوات و سلام (درود) پڑھے۔ تیسری تکبیر کے بعد اپنے لیے، میت کے لیے اور سب مسلمانوں کے لیے دعائے مغفرت کرے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرے۔ رفع یدین (ہاتھ اوپر اٹھانا) صرف پہلی تکبیر کتنے وقت کرے۔ بعد کی تکبیروں کے ساتھ نہ کرے۔

نمازِ جنازہ مسجد میں نہیں پڑھنی چاہیے۔

## ۹۔ جنازہ لے جانے کی کیفیت

(۱) میت کی چار پائی کو اس کے چاروں پاؤں سے پکڑ کر تیز چلیں لیکن دوڑیں نہیں۔  
(۲) جنازہ قبر کے پاس پہنچ جائے تو جب تک میت کی چار پائی کو لوگ نیچے نہ اتار دیں لوگوں کے لیے بیٹھنا مکروہ ہے۔

## ۱۰۔ قبر بنانے اور تدفین کا طریقہ

(۱) میت کے لیے قبر کھودی جائے اور اس میں لحد بنائیں۔ (۲) میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں داخل کیا جائے۔ (۳) جب میت کو اس کی لحد میں رکھیں تو رکھنے والے یہ الفاظ پڑھیں: بِسْمِ اللّٰهِ وَ عَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ، یعنی اللہ کے نام سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر۔ (۴) قبر میں میت کو دائیں پہلو پر قبلہ رخ کر دیا جائے اور کفن کے بند کھول دیں۔ (۵) قبر پر کچی اینٹیں چنی جائیں۔ (۶) قبر پر پچی اینٹوں اور کٹڑی کا استعمال مکروہ ہے۔ البتہ سرکنڈے کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ (۷) اس کے بعد مٹی ڈال دیں اور قبر کو سطح نہ بنایا جائے بلکہ کوہان دار بنایا جائے۔

## ۱۱۔ نومولود کی میت کی تکفین و تدفین

جو بچہ ولادت کے بعد رویا ہو اور پھر مر گیا ہو اس کا نام رکھا جائے، اسے غسل دیا جائے (اور کفن پینا کر) اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔ اگر اس نے آواز نہ نکالی ہو (یعنی مردہ پیدا ہوا ہو) تو اسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن دیں اور اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں۔



## بَابُ الشَّهِيدِ

الشَّهِيدُ مَنْ قَتَلَهُ الْمُشْرِكُونَ أَوْ وَجَدَ فِي الْمَعْرَكَةِ

شہید وہ ہے جسے مشرکوں نے قتل کیا ہو یا وہ میدان جنگ میں ملے

وَبِهِ آثَرُ الْجِرَاحَةِ أَوْ قَتَلَهُ الْمُسْلِمُونَ ظُلْمًا

اور اس پر زخم کا اثر ہو (یعنی زخمی ہو) یا اسے مسلمانوں نے ظلم سے قتل کر دیا ہو

وَلَمْ تَجِبْ بِقَتْلِهِ دِيَةٌ فَيَكْفَنُ وَيُصَلَّى عَلَيْهِ وَلَا يُغْسَلُ

اور اس کے قتل سے خون بہا واجب نہ ہوا ہو تو اسے کفنا یا جائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور اسے غسل نہ دیا جائے

وَإِذَا اشْتَهَرَ الْجَنْبُ غُسِّلَ وَكَذَا إِيَّاكَ الْحَائِضُ وَالنَّفْسَاءُ

اور جب مہنجی شہید ہو جائے تو اسے غسل دیا جائے اور یہی حکم حائضہ اور نفاس والی عورت کا ہے

عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَكَذَا إِيَّاكَ الصَّبِيُّ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ

امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور یہی حکم بچے کا ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہ

وَلَا يُغْسَلَانِ وَلَا يُغْسَلُ عَنِ الشَّهِيدِ دَمُهُ وَلَا يُنْزَعُ عَنْهُ ثِيَابُهُ

ان دو (مہنجی اور بچے) کو غسل نہ دیا جائے اور شہید سے اس کا خون نہ دھویا جائے اور اس کے کپڑے اتارے جائیں

وَيُنْزَعُ عَنْهُ الْفَرْوُ وَالْحَشْوُ وَالْخُفُّ وَالسِّلَاحُ

اور اس سے پوستین، روٹی وغیرہ سے بھراؤ کی چیز اور موزہ اور ہتھیار اتار دیے جائیں

وَمِنْ أَرْتَثَ غُسِّلَ وَالْأَرْتَثَاتُ أَنْ يَأْكُلَ أَوْ يَشْرَبَ

اور جو ارتثاٹ پائے اسے غسل دیا جائے اور ارتثاٹ یہ ہے کہ وہ کھائے یا پیے

أَوْ يَدَاوَىٰ أَوْ يَبْقَىٰ حَيًّا حَتَّىٰ يَمُوتَ عَلَيْهِ وَقْتُ صَلَاةٍ

یا اس کا علاج کیا جائے یا وہ زندہ رہے یہاں تک کہ اس پر ایک نماز کا وقت گزر جائے

وَهُوَ يَعْقِلُ أَوْ يُنْقَلُ مِنْ الْمَعْرَكَةِ حَيًّا

اور وہ ہوش و حواس میں ہو یا اسے میدانِ جنگ سے زندہ منتقل کیا جائے

وَمَنْ قُتِلَ فِي حَدِّ أَوْ قِصَاصٍ غُسِّلَ وَصُلِّيَ عَلَيْهِ

اور جسے حد یا قصاص میں قتل کیا گیا ہو اسے غسل دیا جائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے

وَمَنْ قُتِلَ مِنَ الْبُعَاةِ أَوْ قَطَّاعِ الطَّرِيقِ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ

اور باغیوں یا رہزموں میں سے جس کو قتل کیا گیا ہو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے

## تشریحات

عبارت لے

وُجِدَ : پایا گیا۔ ماضی مجہول۔ وَجَدَ پایا۔ یَجِدُ پاتا ہے۔

الْمَعْرَكَةُ : میدانِ جنگ۔ اَثَرٌ : نشان۔ جَحْ أَثَارٌ

الْجَنَاحَةُ : زخم۔

لَمْ تَجِبْ : واجب نہ ہوئی۔ وَجِبَ واجب ہوا۔ یَجِبُ مضارع

دِيَةٌ : خوں بہا۔ خُونٌ کا معاوضہ۔ دیت۔

يُكْفَنُ : کفن پہنایا جائے۔ مضارع مجہول۔ كَفَّنَ ماضی۔ يُكْفِنُ مضارع

لَا يُغْسَلُ : میت کو غسل نہیں دیا جاتا۔ غَسَّلَ میت کو غسل دیا۔ يُغْسِلُ مضارع

اسْتَشْهِدَ : شہید کر دیا گیا۔ الْجُنُبُ : جُنُبِ : حالت جنابت میں، جس پر غسل واجب ہو۔

الْحَائِضُ : حیض والی۔ النَّفْسَاءُ : زچہ

الْصَّبِيُّ : بچہ۔ لَا يُغْسَلَانِ : ان دو کو غسل نہیں دیا جاتا۔

لَا يُغْسَلُ : نہ دھویا جائے۔ غَسَلَ : دھویا۔ یَغْسِلُ دھوتا ہے۔

دَمٌ : خون۔ لَا يُنْزَعُ : نہیں اتارا جاتا۔ نَزَعَ ماضی یُنْزَعُ مضارع۔

ثِيَابٌ : کپڑے۔ جَمْعُ تَوْبَةٍ کی۔ الْفَرُّو : پوستین

الْحَشْوُ، رُوئِي وَغَيْرِهِ كِي بَهْرَائِي وَالْاَكْبَرُ.

الْخُفُّ، مَمْرُ - السِّلَاحُ هَتْمِيَارٌ - جَمْعُ اسْلِحَةٍ

شہید سے کہتے ہیں جسے اللہ کی راہ میں قتل کر دیا گیا ہو اسے شہید اس لیے کہتے ہیں کہ وہ مَشْهُودٌ بِاَلْجَنَّةِ ہے یعنی اس کے جنتی ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے یا اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اِنِّي شَهِيدٌ عَلٰی هٰؤُلَاءِ، کہ میں ان لوگوں پر گواہ ہوں۔ اس عبارت میں غسل وغیرہ کے فقہی احکام کے نقطہ نظر سے شہید کی وضاحت کی گئی ہے

کہ شہید کون ہے۔ جس شہید کو بغیر غسل دیے دفنایا جاتا ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ جسے مشرکوں نے قتل کر دیا ہو (خواہ کسی بھی طرح سے اسے قتل کیا گیا ہو کسی آلہ قتل سے یا کسی اور ذریعے سے مثلاً آگ میں جلا کر، پانی میں ڈبو کر، اونچی جگہ سے دھکادے کر، غرض کسی بھی طریقے سے مشرکوں نے اسے قتل کیا ہو)۔

۲۔ یا میدان جنگ میں ملتا ہو اور اس پر زخم کا نشان ہو (جو دلیل ہے اس کے قتل کیے جانے کی)۔

۳۔ یا مسلمانوں نے اسے ظلماً (ناحق) قتل کر دیا ہو اور اس کے قتل پر دیت واجب نہ ہوئی ہو

(قتل خطا اور قتل مشابہ عمد میں دیت واجب ہوتی ہے۔ لہذا نہ تو قتل خطا ہو اور نہ قتل

مشابہ عمد بلکہ ایسا قتل ہو جس پر قصاص واجب ہوتا ہے مگر وہ کسی وجہ سے ساقط ہو گیا

ہو مثلاً قاتل اور مقتول کے ورثاء کے درمیان صلح ہو جائے یا باپ اپنے بیٹے کو قتل

کر دے وغیرہ)۔

ایسے شہید کو کفن پہنایا جائے۔ صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں روایات ملتی ہیں

کہ شہدائے اُحد میں سے دو دو شہیدوں کو ایک چادر میں لپیٹ کر دفن کیا گیا۔ یہی روایت

ملتی ہے کہ شہدائے اُحد میں سے حضرت حمزہؓ، حضرت مصعبؓ بن عمیر اور ایک اور شہید کو ایک ایک چادر

میں ڈھانپ کر دفن کیا گیا۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر کو جس چادر میں لپیٹا گیا وہ اتنی چھوٹی تھی کہ

اگر سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور پاؤں ڈھانپتے تو سر ننگا ہو جاتا۔ آخر ان کا سر ڈھانپ

دیا گیا اور پاؤں پر گھاس رکھ دی گئی۔ (دیکھیے مثلاً بخاری، کتاب الجنائز، باب الکفن من

جميع المال، باب اذ لم يوجد الا ثوب واحد)۔ کتب حدیث میں یہ روایات بھی ملتی

ہیں کہ شہیدوں کو ان کے کپڑوں میں ہی دفنایا گیا۔ (اگر ستر ننگا ہو، مثلاً قتال کے دوران کپڑے

پھٹ گئے ہوں تو اس صورت میں تو کفن پہننا ضروری ہے۔ ورنہ شہید کو اس کے اپنے کپڑوں

میں بھی دفن کیا جاسکتا ہے اور کفن بھی پہنایا جاسکتا ہے)۔

شہید کو غسل دیے بغیر دفن کیا جائے کیونکہ وہ اپنے خون سے غسل کر چکا ہے۔ صحیح بخاری

اور دیگر کتب حدیث میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ  
 علیہ وسلم نے شہدائے اُحد کو ان کے خونوں سمیت دفن کرنے کا حکم فرمایا اور انہیں غسل نہیں دیا گیا۔  
 (دیکھیے بخاری، کتاب الجنائز، باب الصلوٰۃ علی الشہید، باب من لم یو غسل الشہدا،  
 باب من یقدم فی اللحد)۔

قدوری نے کہا ہے کہ شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے۔ کتب حدیث میں حضرت جابر بن  
 عبد اللہ سے روایت ہے کہ شہدائے اُحد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ (دیکھیے مثلاً بخاری، کتاب  
 کتاب الجنائز، باب الصلوٰۃ علی الشہداء، باب من یقدم فی اللحد)۔ بخاری میں  
 حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور آپ نے  
 اہل اُحد یعنی شہدائے اُحد پر ویسی نماز پڑھی جیسی آپ میت پر پڑھتے تھے (کتاب الجنائز،  
 باب الصلوٰۃ علی الشہید)۔ بعض دیگر کتب حدیث میں شہید کی نماز جنازہ پڑھنے کی روایات  
 ملتی ہیں۔ ممکن ہے حضرت جابر بن عبد اللہ نے شہدائے اُحد کی نماز پڑھنے نہ دیکھا ہو۔ نماز جنازہ  
 میت کی تکریم کے لیے پڑھی جاتی ہے اور شہید اس تکریم کا سب سے زیادہ حقدار ہے لہذا  
 اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیے (نماز جنازہ صرف میت کے لیے مغفرت کی دعا نہیں ورنہ  
 پیغمبر اور بچے کی نماز جنازہ نہ پڑھی جاتی کہ یہ تو گناہوں سے پاک ہوتے ہیں)۔

حیض یا نفاس والی عورت (زچہ) شہید ہو جائے، جُنبی (جس پر غسل جنابت واجب ہوتا ہے)  
 یا بچہ شہید ہو جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک انہیں غسل دیا جائے جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد  
 کا قول ہے کہ جُنبی اور بچے کو غسل نہ دیا جائے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ حضرت حنظلہ رضی  
 جہاد کی پکار سن کر حالت جنابت میں ہی نکل کھڑے ہوئے اور شہید ہو گئے حضور علیہ الصلوٰۃ  
 والسلام آپ کی لاش دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔ تو چونکہ  
 حضرت حنظلہ کو فرشتوں کے غسل کے بعد دفن کیا گیا لہذا جُنبی کو اور اس پر قیاس کرتے ہوئے  
 حائضہ، نفساء اور بچے کو غسل دیا جائے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت حنظلہ کا (فرشتوں  
 کی جانب سے) غسل صرف انہیں کے ساتھ خاص تھا (ان کی تکریم کے لیے)۔ مرنے پر جنابت  
 حیض، زچگی کا واجب غسل ساقط ہو جاتا ہے اور باقی رہ جاتا ہے میت کا غسل اور وہ شہادت  
 کی وجہ سے ساقط ہو گیا، لہذا انہیں غسل نہیں دیا جائے گا اور بغیر غسل کے ہی ان کی تدفین ہوگی۔  
 شہید سے اس کا خون نہ دھویا جائے اور نہ ہی اس کے کپڑے اتارے جائیں۔ البتہ  
 فالتو چیزیں مثلاً پوسٹین، روٹی کی بھرائی والا کپڑا (بندھی، صدری، جیکٹ وغیرہ)، موزے اور  
 ہتھیار (ذره وغیرہ) اتار لیے جائیں۔

(اس باب میں غسل اور نمازِ جنازہ وغیرہ کی قصی احکام کے نقطہ نظر سے شہید کی وضاحت کی گئی ہے آخرت کے احکام اور ثواب کے لحاظ سے شہید کی اور اقسام بھی کتب حدیث میں ملتی ہیں مثلاً دبا میں فوت ہونے والا، پانی میں ڈوب کر، آگ میں جل کر یا کسی اور طریقے سے اچانک اور حادثاتی طور پر مرنے والا بھی شہید ہے اگرچہ اعلیٰ رتبہ کا شہید وہی ہے جو فی سبیل اللہ قتال کرتے ہوئے قتل ہو۔)

### عبارت ۲

أُرْتُتَ: فَلَانٌ؛ فلاں پر جنگ میں وار ہوا، زخمی ہو کر نڈھال ہو گیا اور اسے اٹھا کر لایا گیا اور اس میں رمت تھی پھر وہ مر گیا۔ أُرْتُتَ (ماضی مجہول)، يُرْتُتُ (مضارع مجہول)، اِرْتِثَاتٌ مصدر ہے۔ رَثٌّ يَرُثُ کا معنی ہوتا ہے کپڑے وغیرہ کا بوسیدہ پرانا ہونا۔ غُسِّلَ؛ میت کو غسل دیا گیا۔ عَسَلَ؛ میت کو غسل دیا۔ يَأْكُلُ؛ کھاتا ہے۔ أَكَلَ كَهَابًا؛ کیشرب؛ پیتا ہے۔ شَرِبَ پیا۔ يُدَاوَى؛ اس کا علاج کیا جاتا ہے۔ دَاوَى علاج کیا، دَوَاكِي دوا کی۔ يُدَاوَى علاج کرتا ہے۔ يَبْقَى؛ باقی رہتا ہے۔ بَقِيَ؛ باقی رہا۔ حَيٌّ؛ زندہ۔ يَمُضِي؛ گزرتا ہے۔ مَضَى؛ گزرا۔ يَعْقِلُ؛ وہ سمجھتا ہے، عقل، ہوش رکھتا ہے۔ عَقَلَ ماضی۔ يُنْقَلُ؛ منتقل کیا جاتا ہے۔ نَقَلَ منتقل کیا۔ يُنْقَلُ منتقل کرتا ہے۔ حَدٌّ؛ شریعت کی مقرر کردہ سزا۔ اَلْبَغَاةُ؛ جمع ہے اَلْبَاعِیُّ کی۔ باغی سرکش۔ قُطَّاعُ الطَّرِيقِ؛ راستہ کاٹنے والے، رہزن۔ قُطَّاعٌ جمع ہے قَاطِعٌ کی۔ کاٹنے والا۔

جس شخص کو زخمی حالت میں میدانِ جنگ سے اٹھا کر لایا جائے، وہ زندہ ہو، کھائے، پیئے، یا اس کا علاج کیا جائے اور وہ اتنی دیر زندہ رہے کہ اس پر ایک نماز کا وقت گزر جائے اور وہ ہوش میں ہو اور پھر وہ فوت ہو جائے تو ایسے شہید کو غسل دیا جائے۔ اسی طرح جو شخص حد یا قصاص میں قتل کیا جائے اسے بھی غسل دیا جائے اور اس کی نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے۔ البتہ باغیوں اور رہزنوں میں سے کوئی شخص قتل ہو جائے تو اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے۔

## مسائل

قدوری نے باب الشہید میں درج ذیل مسائل بیان کیے ہیں:

### ۱۔ شہید کی تعریف

شہید (غسل وغیرہ کے فقہی احکام کے اعتبار سے) وہ ہے،

- (۱) جسے مشرکوں نے قتل کر دیا ہو (کسی بھی آلہ قتل سے یا آلہ قتل کے بغیر کسی اور ذریعے سے)
- (۲) جو میدان جنگ میں ملا ہو اور اس پر زخم کا اثر ہو (زخم اس کے قتل کیے جانے کی علامت ہے)
- (۳) جسے مسلمانوں نے ازراہ ظلم (ناحق) قتل کیا ہو اور اس کے قتل سے خون بہا واجب نہ ہو اور (یعنی قتل خطا یا قتل مشابہ عمدہ نہ ہو کہ جس سے دیت واجب ہوتی ہے بلکہ ایسا قتل ہو کہ جس سے قصاص واجب ہوتا ہے لیکن قصاص کسی سبب سے ساقط ہو گیا ہو، مثلاً باپ نے بیٹے کو قتل کر دیا ہو یا قاتل اور مقتول کے ورثاء کے درمیان صلح ہو گئی ہو)۔

### ۲۔ شہید کی بھینر و تکفین

موصوفہ بالا شہید کو کفن پہنایا جائے (اس کے کپڑوں کے اوپر ہی کفن کے کپڑے لپیٹ دیے جائیں)، اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے (کیونکہ نماز جنازہ میت کی تکمیل کے لیے ہے اور شہید اس تکمیل کا بدرجہ اولیٰ حقدار ہے) لیکن اسے غسل نہ دیا جائے (شہدائے احد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بموجب ان کے خون سمیت بغیر غسل دیے، دفنایا گیا تھا)۔

### ۳۔ اگر شہید جنبی، حائضہ، نفساء یا بچہ ہو

اگر شہید جنبی ہو، یعنی حالت جنابت میں ہی شہید ہوا اور اس پر جنابت کا غسل واجب تھا یا حیض والی یا نفاس والی (زوجہ) عورت ہو یا بچہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان کو غسل دیا جائے گا جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ان کو غسل نہیں دیا جائے گا (صحابین کی دلیل یہ ہے کہ جنابت، حیض، نفاس کی وجہ سے جو غسل واجب تھا وہ تو موت سے ساقط ہو گیا، رہا میت کا غسل تو وہ اس لیے نہیں دیا جائے گا کہ شہید ہے۔ اور بچہ اس تکمیل کا زیادہ مستحق ہے کہ بغیر غسل کے طہر قرار پائے۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت حنظلہؓ حالت جنابت میں شہید ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے انہیں غسل دے رہے ہیں یعنی یہ جنابت کی وجہ سے واجب ہونے والا غسل تھا جو فرشتوں نے حضرت حنظلہؓ کو دیا۔ لہذا موت کی وجہ سے واجب غسل ساقط نہیں ہوتا)۔

## ۴۔ شہید کے خون اور کپڑوں وغیرہ کا حکم

شہید کا خون نہ دھویا جائے اور نہ اس کے کپڑے اتارے جائیں البتہ فالتو کپڑے مثلاً پوسٹین اور روٹی کی بھرائی والا کپڑا (اور جیکٹ، کورٹ، ٹوپی، پگڑی وغیرہ) اتار دیے جائیں اسی طرح موزے اور ہتھیار (زرہ وغیرہ) بھی اتار دیے جائیں۔

## ۵۔ مُرتث کو غسل دیا جائے

جو شخص مرتث ہو اسے غسل دیا جائے، اور مُرتث وہ ہے کہ جو جنگ میں زخمی ہو جائے لیکن زندہ ہو اور زخمی حالت میں وہ کھائے یا پیے، یا اسے دوا دی جائے یا وہ اتنی دیر زندہ رہے کہ اس پر ایک نماز کا وقت گزر جائے جبکہ وہ ہوش و حواس میں ہو یا اسے میدانِ جنگ سے زندہ اٹھا کے لایا جائے۔

## ۶۔ حد یا قصاص میں قتل کیے جانے والے کا حکم

جس شخص کو حد (زنا کی سزا رجم) یا قصاص میں قتل کیا گیا ہو اسے غسل دیا جائے اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔

## ۷۔ باغی اور رہزن کا حکم

اگر کوئی باغی یا رہزن قتل کر دیا جائے تو اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے۔

# بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْكَعْبَةِ

الصَّلَاةُ فِي الْكَعْبَةِ جَائِزَةٌ فَرُضُهَا وَ نَفْلُهَا

فرض اور نفل نماز دونوں کعبہ میں جائز ہیں

فَإِنْ صَلَّى الْإِمَامُ فِيهَا بِجَمَاعَةٍ فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ ظَهْرَهُ

اگر امام اس (یعنی کعبہ) میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھے اور ان (یعنی مقتدیوں) میں سے کچھ اپنی پیٹھ کر دیں

إِلَى ظَهْرِ الْإِمَامِ جَازٍ وَمَنْ جَعَلَ مِنْهُمْ وَجْهَهُ

امام کی پیٹھ کی طرف تو یہ جائز ہے اور جو ان میں سے اپنا چہرہ کر دے

إِلَى وَجْهِ الْإِمَامِ جَازٌ وَيُكْرَهُ وَمَنْ جَعَلَ مِنْهُمْ ظَهْرَهُ

امام کے چہرے کی طرف تو جائز ہے مگر مکروہ ہے اور ان میں سے جو اپنی پیٹھ کر دے

إِلَى وَجْهِ الْإِمَامِ لَمْ تَجْزُ صَلَاتُهُ - وَإِذَا صَلَّى الْإِمَامُ

امام کے چہرے کی طرف تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ اور جب امام نماز پڑھے

فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ تَحَلَّقَ النَّاسُ حَوْلَ الْكَعْبَةِ وَصَلُّوا بِصَلَاةِ الْإِمَامِ

مسجد حرام میں تو لوگ کعبہ کے گرد حلقہ بنالیں اور امام کی نماز کے ساتھ نماز پڑھیں

فَمَنْ كَانَ مِنْهُمْ أَقْرَبَ إِلَى الْكَعْبَةِ مِنْ الْإِمَامِ

تو جو ان میں سے امام کی بہ نسبت کعبہ کے قریب تر ہو

جَازَتْ صَلَاتُهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ فِي جَانِبِ الْإِمَامِ

اور امام کی جانب میں نہ ہو تو بھی اس کی نماز جائز ہوگی

وَمَنْ صَلَّى عَلَى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ جَازَتْ صَلَاتُهُ

اور جو کعبہ کی چھت پر نماز پڑھے اس کی نماز جائز ہے



## تشریحات

جَعَلَ : کیا۔ بنایا۔ ظَهَرَ : پیٹھ۔ پشت۔

جَازَ : جائز ہوا وَجْهٌ : چہرہ

يُكْرَهُ : ناپسند کیا جاتا ہے۔ مکروہ ہے۔ (مضارع مجہول)۔ كِرَاهًا ناپسند کیا یُكْرَهُ مضارع  
لَمْ تَجُزْ : جائز نہ ہوئی تَحَلَّقَ : حلقہ بنایا۔

النَّاسُ : لوگ۔ اِنْسَانٌ کی جمع ہے۔ اَقْرَبُ : قریب تر۔

خانہ کعبہ قبلہ ہے۔ نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْكُمْ شَطْرَهُ (البقرہ، ۲: ۱۴۴، ۱۵۰)

”اور تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہروں کو اسی (مسجد حرام) کی طرف کیا کرو“

لیکن جو شخص خانہ کعبہ کے اندر ہو وہ کس طرف منہ کر کے نماز پڑھے؟ ہر طرف خانہ کعبہ کی

دیواریں ہیں تو امام کی پیروی کس طرح کرے؟ اس باب میں ان سوالوں کے جواب دیے گئے ہیں۔

## مسائل

۱۔ کعبہ میں ہر نوع کی نماز جائز ہے: خانہ کعبہ میں فرض اور نفل ہر نوع کی نماز پڑھنا جائز ہے۔

۲۔ امام کی اقتدا میں رخ کی صورتیں

اگر امام خانہ کعبہ میں باجماعت نماز پڑھائے تو مقتدیوں کے رخ کی مختلف صورتوں کے احکام حسب ذیل ہیں:

- (۱) جس مقتدی کی پشت امام کی پشت کی طرف ہے اس کی نماز جائز ہے۔
- (۲) جس مقتدی کا چہرہ امام کے چہرے کی طرف ہو اس کی نماز جائز ہے لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔
- (۳) جس مقتدی کی پشت امام کے چہرے کی طرف ہو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ (کیونکہ وہ امام سے آگے ہو گیا)۔
- (۴) امام مسجد حرام میں نماز پڑھائے تو لوگ کعبہ کے گرد حلقہ بنالیں اور امام کے ساتھ نماز پڑھیں۔
- (۵) اگر مقتدی امام والی جانب کے سوا کسی اور جانب میں کھڑا ہو اور امام کی یہ نسبت وہ کعبہ سے قریب تر ہو تو اس کی نماز جائز ہے (کیونکہ امام اور مقتدی کی اطراف مختلف ہیں لہذا امام سے آگے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)۔

(۶) جو کعبہ کی چھت پر نماز پڑھے اس کی نماز جائز ہے۔ (لیکن اس وجہ سے مکہ وہ ہے کہ خانہ کعبہ کی تعظیم کے منافی ہے۔ حقیقہ کے نزدیک خانہ کعبہ تحت الشری سے لے کر اوپر آسمان تک جگہ کا نام ہے نہ کہ عمارت کا، اس لیے خانہ کعبہ سے بلند تر مقام مثلاً پہاڑ وغیرہ یا اس سے پست تر مقام مثلاً سرنگ وغیرہ میں بھی نماز پڑھنا جائز ہے)۔

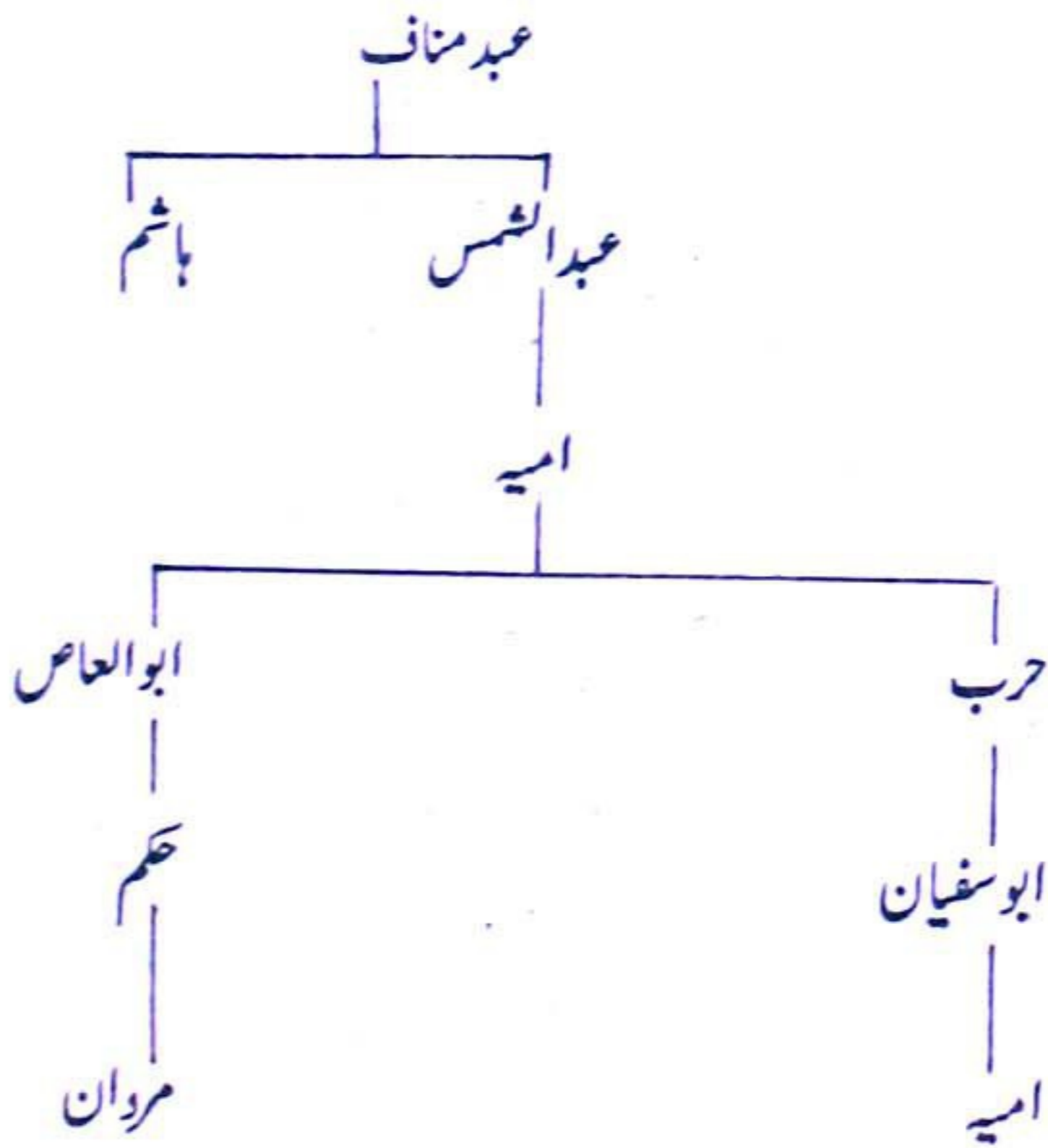
---

# تاریخ اسلام

بنو امیہ ○ بنو عباس

## بنو امیہ

خلافت راشدہ کے بعد خاندانی ملوکیت کی بنا پڑ گئی۔ اس کے بانی حضرت معاویہؓ ہیں۔  
حضرت معاویہؓ بنو امیہ سے تعلق رکھتے تھے۔  
بنو امیہ قریش کی ایک ممتاز شاخ تھے۔ یہ خاندان اپنے مورث اعلیٰ امیہ کے نام پر موسوم  
ہے۔ بنو امیہ اور بنو ہاشم کا شجرہ نسب عبد مناف پر ایک ہو جاتا ہے۔

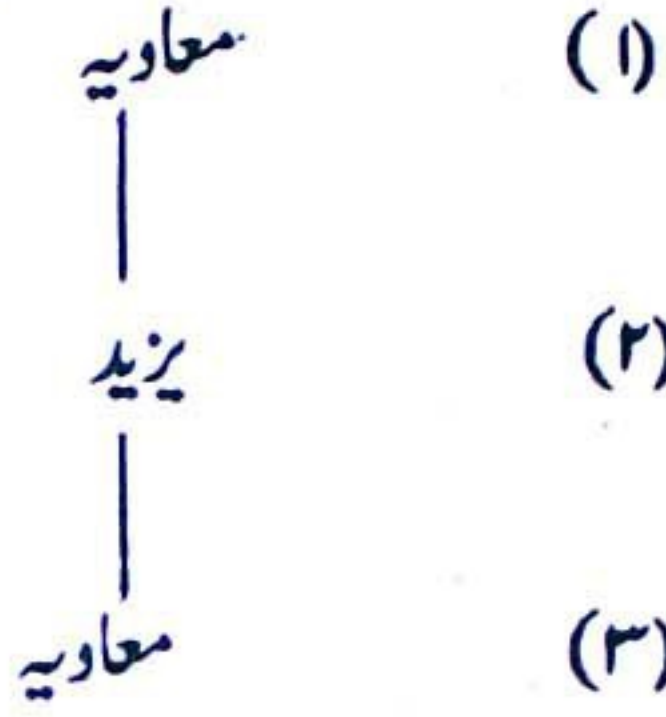


خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ بنو امیہ سے تھے۔ آپ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت  
کی بیعت ہوئی۔ بنو امیہ نے حضرت علیؓ کی بیعت نہ کی اور یہ مطالبہ کیا کہ حضرت عثمانؓ کے  
قاتلوں کو فوراً سزا دی جائے۔ عیار قاتلوں کا سراغ لگانا آسان نہ تھا۔ اس لیے حضرت علیؓ اور  
بنو امیہ کے مابین اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی گئی۔ اس وقت بنو امیہ کے سربراہ حضرت معاویہؓ  
تھے۔ ان کے اور حضرت علیؓ کے درمیان معرکے چھڑ گئے۔ حضرت علیؓ کی شہادت اور حضرت  
حسنؓ کی مصالحت کے بعد حضرت معاویہؓ نے زمام خلافت سنبھال لی۔

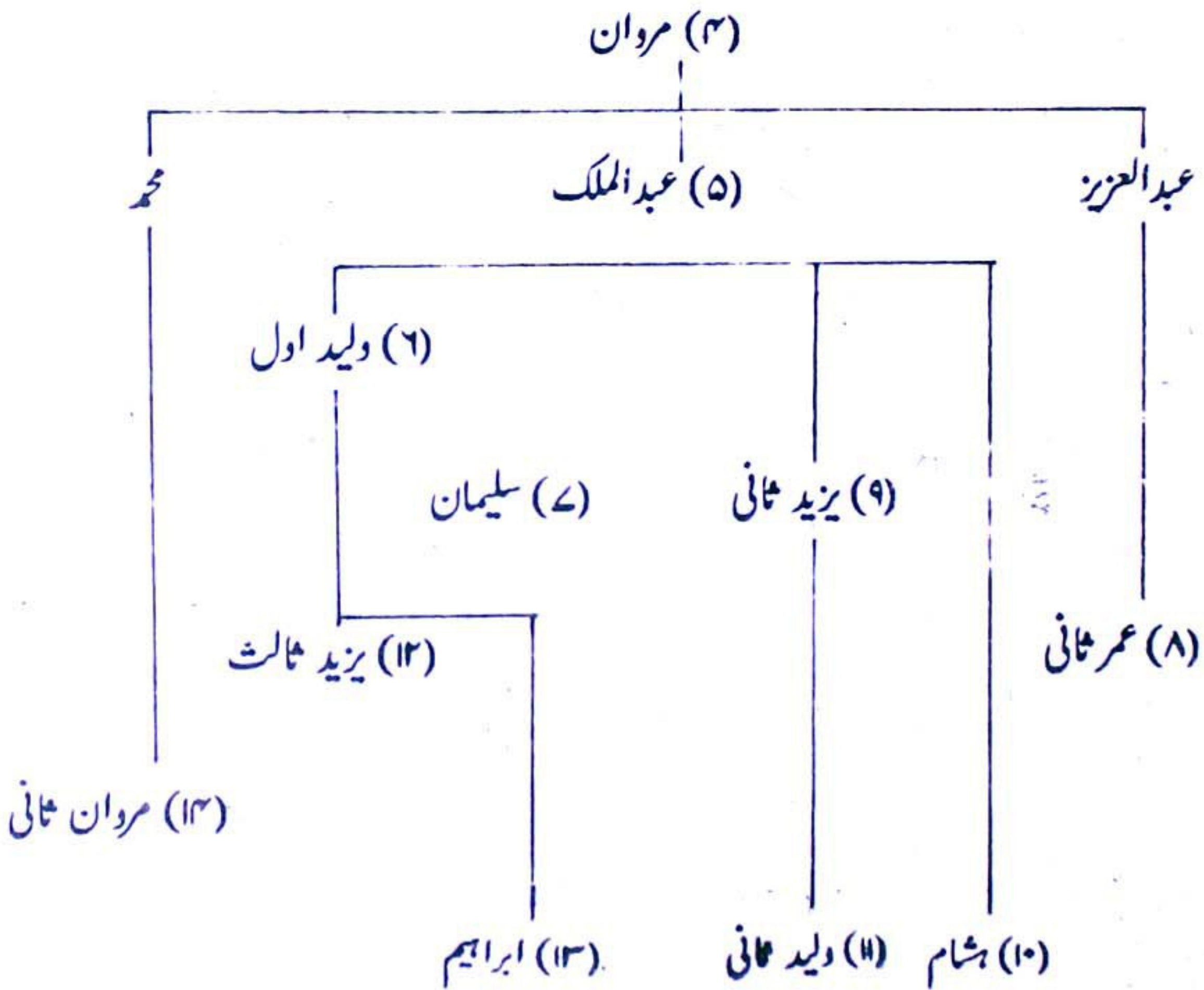
حضرت معاویہؓ نے وفات سے قبل اپنے بیٹے یزید کو جانشین نامزد کیا اور اس کے لیے بیعت  
حاصل کر لی۔ یہ بنو امیہ کی خاندانی حکومت کا سنگ بنیاد تھا۔ حضرت معاویہؓ کا پوتا معاویہ بن یزید  
حکومت سے دستبردار ہو گیا اور ریاست حضرت معاویہؓ کی اولاد سے نکل کر مروان کے واسطے سے  
بنو امیہ کی ایک اور شاخ آل حکم میں چلی گئی۔ مروان کا باپ حکم بن ابو العاص حضرت عثمانؓ کا

چچا تھا۔ حکم کسی نمایاں شخصیت کا مالک نہ تھا۔ لیکن اس کی اولاد نے نہایت پر شکوہ سلطنت قائم کی۔ اس شاخ میں عالمگیر شہرت کے فرماں روا پیدا ہوئے۔ اس کا بانی چونکہ مروان تھا اس لیے انہیں بنو مروان کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

## (الف) آل ابوسفیان



## (ب) آل حکم یا بنو مروان



## حضرت معاویہؓ

تعارف : حضرت معاویہؓ حضرت ابوسفیانؓ بن حرب کے بیٹے تھے۔

آپ نے ظہور اسلام سے پانچ برس قبل ولادت پائی۔ قبول اسلام کا شرف فتح مکہ کے بعد حاصل ہوا۔ اس کے بعد حنین کی جنگ میں شرکت کی۔ کچھ عرصہ جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت پر مامور رہے۔ عہد صدیقی میں یمامہ کی نتیجہ خیز جنگ میں حصہ لیا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں شام کے تقریباً نصف حصہ کے والی مقرر ہوئے۔ آپ نے نہایت خوش اسلوبی سے انتظام سنبھالے رکھا۔ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں کل شام آپ کے زیر انتظام کر دیا گیا۔

حضرت علیؓ نے خلافت سنبھالی تو حضرت عثمانؓ کے عمال کی برطرفی کے احکام صادر فرما دیئے۔ ان عمال میں حضرت معاویہؓ بھی تھے۔ حضرت معاویہؓ نے اس عذر پر سبکدوش ہونے سے انکار کر دیا کہ پہلے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا دی جائے ورنہ میں اپنا منصب نہیں چھوڑوں گا۔ نتیجہ یہ کہ سفین کے مقام پر حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان ایک طویل جنگ ہوئی جس میں ہزاروں مسلمان کام آئے۔ آخر علمین کے تقرر کا فیصلہ نکھرا۔ علمین کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکے۔ حضرت معاویہؓ نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور معرکوں کا سلسلہ پھر چل نکلا۔ اس اثناء میں حضرت علیؓ شہادت کا جام نوش فرما گئے۔ حضرت حسنؓ آپ کے جانشین ہوئے۔ حضرت حسنؓ نے ۴۱ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ مصالحت کر لی اور خلافت آپ کو سونپ دی۔ کسی جماعت نے اختلاف نہ کیا اور سیاسی نزاع ختم ہو گئی۔ اس لیے ۴۱ ہجری کے سن کو عام الجماعہ یعنی اتحاد کا سال کہتے ہیں۔

چار مدبر : عرب میں اس وقت چار مدبر ایسے تھے جن کی طباعی تدبر اور سیاست کا جواب نہ تھا۔ ان میں ایک حضرت معاویہؓ تھے۔ باقی تین حضرت عمرو بن العاصؓ، مغیرہ بن شعبہؓ اور زیادہ بن ابیہ تھے۔ حضرت زیادہؓ کی سیاست کا ایک لاجواب پہلو یہ ہے کہ آپ نے ان تینوں سیاست دانوں کو اپنے ساتھ وابستہ کر لیا۔

(۱) عمرو بن العاصؓ : آپ قبیلہ قریش سے تھے۔ شروع میں اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ مہاجرین حبشہ کے خلاف وفد لے کر گئے تھے۔ اس کے بعد بھی اسلام کی مخالفت میں کمی نہ کی۔ آخر صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے۔ آن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر حیا کرتے تھے کہ حضورؐ سے آنکھیں نہیں ملا سکتے تھے۔ نہایت نیک نیت اور پر خلوص تھے۔ خوش خو اور سلیقہ نواز تھے۔ زیرک اور صائب الرائے تھے۔ زبان میں چشمہ ساروں کی روانی تھی۔ آن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ذات السلاسل کے غزوہ میں امیر کر کے بھیجا۔ اس کے بعد

عمان کا حاکم مقرر کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں بھی کچھ عرصہ اس عہدے پر فائز رہے۔ پھر شام کی مہمات میں حصہ لیا۔ ان کی دانش مندی سے بڑے بڑے عقدے حل ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں مصر فتح کیا اور وہیں گورنر مامور ہوئے۔ اس عہدہ پر حضرت عثمانؓ نے بھی انہیں کچھ عرصہ بحال رکھا۔ اس کے بعد بسکدوش کر دیا۔ واپس مدینہ آکر حضرت عثمانؓ کے پر خلوص مشیروں میں شامل رہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی کشمکش میں حضرت معاویہؓ کے طرف دار ہو گئے۔ اور ان کی طرف سے سفین کی جنگ میں حصہ لیا۔ تحکیم پر جنگ کا خاتمہ ہوا تو حضرت معاویہؓ کی طرف سے حکم مقرر ہوئے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت معاویہؓ کی جو امداد کی اس سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی حکومت انہی کی پرکاری کی مرہون تھی۔ حضرت معاویہؓ نے انہیں مصر کا والی مقرر کیا۔ انہوں نے ۴۳ ہجری میں وفات پائی۔ اس وقت ۹۰ برس کی عمر تھی۔

موت کا وقت قریب آیا تو حضرت عمرو بن العاصؓ اپنے گذشتہ مناصب کی ذمہ داریوں کو یاد کر کے روتے تھے کہ جانے کل اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا کیا جواب دینے پڑیں؟ آپ نے وصیت کی کہ مجھ پر نوحہ نہ کیا جائے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ مومن صالح اور صالح مرد تھے۔ لیکن بد قسمتی سے آپ کے خلاف کئی غلط روایات مشہور ہو گئیں۔

آپ کی ولایت آپ کے بیٹے عبداللہ کو سونپی گئی۔

(۲) مغیرہ بن شعبہ : یہ صاحب طائف کے رہنے والے تھے۔ نہایت عظیم الجثہ تھے۔ ہجرت کے پانچویں برس اسلام لائے۔ اس کے بعد نمایاں خدمات انجام دیں۔ حدیبیہ کی صلح کے وقت تلواریں سونٹے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہرہ کے لیے کھڑے رہے۔ طائف والے اسلام لائے تو لات کو مسمار کرنے کے لیے آپ کو بھی نامزد کیا گیا۔ حضرت صدیقؓ کے عہد میں یمامہ اور یرموک کی اہم جنگوں میں حصہ لیا۔ یرموک کی جنگ میں آپ کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں قادسیہ کی جنگ میں شریک ہوئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی طرف سے رستم کے پاس سفیر بن کر گئے اور نہایت اثر پیدا کر کے آئے۔ اس کے بعد کئی معرکوں میں کمان کرنے کا موقع ملا۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو بعصرہ کا والی بتایا۔ اس کے بعد کوفہ پر مامور کیا۔ اس عہدہ پر عثمانی عہد میں بھی کچھ عرصہ فائز رکھا۔ پھر الگ ہو گئے۔ آپ بہت عرصہ سیاسی سرگرمیوں سے کنارہ کش رہے۔ تحکیم کے بعد آپ حضرت معاویہؓ کے طرف دار ہو گئے۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت حسنؓ سے مصالحت کے بعد آپ کو کوفہ کا والی بتایا۔ آپ وفات تک

۱۔ عمرو بن عاص کے حالات تہذیب و تمدن اور البدایہ والنہایہ سے ماخوذ ہیں۔

اس عہدہ پر فائز رہے۔ آپ کے پاس فقط انتظامی امور تھے۔ خراج کا شعبہ نہ تھا۔ آپ نے ۵۰ ہجری میں طاعون سے وفات پائی۔ ۱۔

(۳) زیاد بن ابیہ : یہ شخص طائف کی ایک ایرانی لونڈی سمیہ نام کے بطن سے تھا۔ سمیہ بیسویہ تھی۔ اس لیے زیاد کے باپ کا پتہ نہ تھا۔ لوگ اسے زیاد بن ابیہ (یعنی زیاد اپنے باپ کا بیٹا) یا زیاد بن سمیہ کہتے تھے۔

زیاد ہجرت کے پہلے برس پیدا ہوا۔ ۲۔ نہایت ذہین و فطین تھا۔ تحریر و تقریر میں نوعمری سے صاحب کمال تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں ابو موسیٰ اشعری والی کوفہ کا سیکرٹری تھا۔ حضرت عمرؓ اس کی لیاقت اور وجاہت کے بہت مداح تھے۔ حضرت علیؓ نے اسے فارس کا والی مقرر کیا۔ حضرت معاویہؓ نے اسے اپنی طرف پھیرنا چاہا۔ لیکن اس نے حضرت علیؓ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد زیاد نے حضرت معاویہؓ کی خلافت سے انکار کیا۔ حضرت معاویہؓ کو ایک ترکیب سوجھی۔ چند گواہوں سے شہادت دلوائی کہ قبل اسلام کے ایام میں حضرت ابوسفیانؓ کا سمیہ کے ساتھ تعلق تھا جس سے زیاد پیدا ہوا۔ زیاد کو ابوسفیانی نسب ملنے پر بہت خوشی ہوئی اور حضرت معاویہؓ کا تمہ دل سے وفادار ہو گیا۔ ۳۔

حضرت معاویہؓ نے ۴۵ ہجری میں زیاد کو بصرہ کا والی بنایا۔ وہاں انتہائی بد نظمی تھی۔ زیاد نے جاتے ہی ایک دہشت انگیز تقریر کی۔ اور کہا کہ جو شخص رات چھا جانے کے بعد گھر سے نکلے گا اسے قتل کر دوں گا۔ اس نے پولیس کی تعداد چار ہزار کر دی۔ ۴۔

زیاد ادنیٰ ادنیٰ شبہ پر لوگوں کی گردن اڑا دیتا تھا۔ بصرہ کی حالت ایسی سدھری کہ کوئی کسی کی گری ہوئی چیز تک نہ اٹھاتا تھا۔ لوگ رات کو دروازے کھلے رکھتے تھے۔ جب مغیرہ بن شعبہ نے ۵۰ ہجری میں انتقال کیا تو کوفہ بھی زیاد کی ولایت میں آ گیا۔ وہ پہلا شخص ہے جسے عراق کے یہ دونوں صوبے اکٹھے ملے۔ کوفہ میں بھی اس نے آہنی گرفت سے لظم و نسق بحال کیا۔ ۵۔ ایک ایک شخص کے حالات سے باخبر رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ ۶۔

زیاد نے ۵۳ ہجری میں طاعون سے وفات پائی۔ وفات سے قبل حجاز کی حکومت کا پروانہ بھی اس کے نام جاری ہو گیا تھا لیکن اس کا اختیار سنبھالنے سے پہلے ہی اجل نے آ لیا۔ کوفہ سے باہر دفن ہوا۔ ۷۔

زیاد کا رنگ سرخ تھا۔ دائیں آنکھ چھوٹی تھی۔ قمیص پر بارہا پیوند لگے ہوتے تھے۔ ۸۔ مخالفین : حضرت معاویہؓ بہت خوش قسمت تھے۔ ان کے مقابل کوئی پرزور سیاسی قوت نہ تھی۔ شیخان علیؓ حضرت معاویہؓ کو پسند نہ کرتے تھے۔ لیکن حضرت حسنؓ کی دست برداری کے بعد ان کے لیے خاموشی کے سوا چارہ نہ تھا۔

۱۔ تہذیب التہذیب۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن اثیر، ابن کثیر۔ ۵۔ ابن اثیر۔ ۶۔ یعقوبی۔ ۷۔ ابن اثیر۔ ۸۔ ابن اثیر۔



حضرت معاویہؓ کے والی اپنے خطبوں کے دوران میں حضرت علیؓ کے خلاف گستاخانہ کلمات کہتے تھے۔ حضرت علیؓ کے ارادت مند برامانتے تھے۔ اور امراء کو بعض دفعہ سر مجلس ٹوکتے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے ان کے خلاف سخت قدم اٹھایا اور حضرت حجر بن عدیؓ ایسے صحابی کو ان کے ساتھیوں سمیت شہید کرا دیا۔

حضرت حجر بن عدیؓ کے قتل کا واقعہ نہایت اہم ہے۔ آپ ایک مقتدر اور محترم صحابی تھے۔ کوفہ میں مقیم تھے۔ جب امراء کوفہ مسجد میں حضرت علیؓ کے خلاف تقریر کرتے تو آپ اظہارِ نفرین کے لیے ان پر کنکریاں پھینکتے تھے۔ زیاد بن ابیہ کوفہ کا گورنر ہو کر آیا اور حضرت علیؓ کے خلاف تقریر کی۔ تو حضرت حجر نے چند اشخاص کے ہمراہ اس پر کنکریاں پھینکیں۔ زیاد نے آپ سے تو درگزر کیا لیکن کنکر پھینکنے والے دیگر آدمیوں کے ہاتھ کٹوا دیئے۔ ۱۔

بعد میں زیاد کے ساتھ پھر یہی سلوک ہوا تو اس نے حضرت معاویہؓ کو حجر بن عدی کے خلاف ایک طویل شکایت لکھی۔ حضرت معاویہؓ نے حکم بھیجا کہ گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔ زیاد نے انہیں اور ان کے چند ساتھیوں کو پابہ زنجیر کر کے حضرت معاویہؓ کے پاس روانہ کر دیا۔ حضرت معاویہؓ نے انہیں قتل کروا دیا۔ حضرت عائشہؓ کو جب خبر لگی کہ حجر بن عدیؓ کو حضرت معاویہؓ کے پاس روانہ کر دیا گیا ہے تو انہیں تشویش ہوئی۔ ایک شخص عبدالرحمان بن حارث کو سفارش کے لیے بھیجا لیکن ان کے پہنچنے سے قبل حضرت حجرؓ شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔ ۲۔ یہ ۵۱ ہجری کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد اہل بیت کے طرف دار مقابلہ پر نہ اٹھے۔

خوارج : حضرت معاویہؓ کا دوسرا مخالف گروہ خوارج کا تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ صرف حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ برحق خلیفہ تھے۔ خوارج اپنے عقیدوں پر نہایت پختہ تھے اور جاں باز لوگ تھے۔ عجم کی شورش پسند زمین میں انہوں نے خوب زور پیدا کیا۔ ان کی سرگرمیاں بند ہونے پر نہیں آتی تھیں۔ ایک سردار مرجاتا تو دوسرا اٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ ان کا سب سے بڑا مرکز کوفہ تھا جہاں انہوں نے ارباب اختیار کو درماندہ کر دیا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ والی ہوئے تو انہوں نے ایک زور دار تقریر کی اور کہا کہ جس قبیلہ میں کوئی خارجی پایا گیا اسے عبرت ناک سزا دوں گا۔ سرداران قبائل نے مغیرہ کے ساتھ تعاون کا ذمہ لیا۔ خوارج نے یہ صورت دیکھی تو شہر سے کھسک گئے۔ مغیرہ نے ان کے پیچھے فوج بھیجی۔ پے در پے معرکے ہوئے۔ خوارج کا زور ٹوٹ گیا لیکن ایک مدت بعد دوبارہ اٹھے اور ایسے مٹے کہ گویا کوئی زندہ نہ رہا لیکن ان کی فصل چند ہفتہ بعد اچانک پھراگ آئی۔ اب کے انہوں نے عبید اللہ بن زیاد کے ساتھ معرکوں کا ایک طویل سلسلہ چھیڑ دیا۔

**جنگی مہمات:** حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت میں جنگ کے کئی محاذ قائم رہے۔ مثلاً







۱۔ ترکستان : یہ خط سنکاخ اور کوہستانی تھا۔ راستے تنگ، پر پتھ اور دشوار تھے۔ کوہی ندیاں جگہ جگہ حائل تھیں۔ لوگ جری اور جاں باز تھے۔ بت پرست ہونے کی وجہ سے آئے دن اسلامی حکومت سے باغی ہو بیٹھتے تھے۔

خلافت راشدہ کے دوران میں کابل میں غزنہ و غور تک کے علاقے مطیع کر لیے گئے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے کار خلافت سنبھالا تو کئی علاقوں نے عہد شکنی اور سرکشی کی۔ اسلامی افواج ۴۱ سے ۴۷ ہجری تک بلخ کے شہر کو مغلوب کرتی ہوئی کابل، زاہلستان (غزنہ اور اس کے اضلاع) اور کوہستان غور پر چھا گئیں۔ ۱۔

۵۴ ہجری میں فتوحات کے قدم پھراٹھے۔ بخارا کے علاقے ایک ایک کر کے فتح ہوئے۔ ملکہ بخارا نے ترکوں کو مدد کے لیے بلایا۔ انہوں نے شکست کھائی اور ملکہ نے خراج پر صلح کر لی۔ ۲۔ اس کے بعد سمرقند کی باری آئی۔ اسے بھی زیر کر لیا گیا۔ ۳۔ حکم بن عمرو پہلے صحابی ہیں جنہوں نے ۵۰ ہجری میں ماداء النہر میں نماز ادا کی۔ ۴۔

۲۔ افریقیہ : افریقیہ کے لوگ برابر کہلاتے تھے۔ ترکستانی قبائل کی طرح دلاور اور سرکش تھے۔ بہت چالاک تھے۔ اسلامی لشکر گوشالی کے لیے آتے تو سر تسلیم خم کر دیتے اور جب وہ پلٹتے تو پھر بغاوت پر اتر آتے تھے۔

حضرت معاویہ نے اس محاذ پر حضرت عقبہ بن نافع اور حضرت معاویہ بن خدیج کو مامور کیا۔ یہ دونوں جرنیل لازوال شہرت کے مالک ہیں۔

عقبہ بن نافع اور معاویہ بن خدیج : عقبہ بن نافع فہری والدہ کی طرف سے عمرو بن العاص کے بھائی تھے۔ جن دنوں عمرو بن العاص مصر کے گورنر تھے عقبہ سرحدی علاقوں پر جہاد کرتے رہے۔ ۵۔

حضرت معاویہ بن خدیج صحابی تھے۔ فتح مصر میں شریک تھے۔ اسکندریہ کی فتح کی خبر آپ ہی حضرت عمرؓ کے پاس لائے تھے۔ برابر کا خوب تجربہ رکھتے تھے۔

عقبہ اور ابن خدیج نے بلاد افریقیہ کے کئی حصے فتح کیے۔ عقبہ بن نافع نے قیروان کا شہر بسایا۔ تبلیغ اسلام کی طرف دل لگا کر توجہ دی۔ نتیجتاً پھر کی ایک کثیر تعداد اسلام لائی۔ ۶۔

حضرت معاویہ بن خدیج نے ۵۳ ہجری میں مصر میں وفات پائی۔ ۷۔

۳۔ سندھ : ۴۳ ہجری میں عبداللہ بن سوار نے یمنان یعنی قلات تک قدم بڑھائے۔ وہ اس مہم میں کام آیا۔ ۴۴ ہجری میں اس کی جگہ مہلب بن ابی صفرہ نے سنبھالی۔ وہ ملتان اور کابل کے درمیانہ علاقوں تک پہنچ گیا۔ سورنہین نے بنہ اور الہوار کے شہروں کا ذکر کیا ہے۔ ۸۔ ممکن ہے الہوار سے مراد لاہور ہو لیکن یہ لاہور نام کا وہ قصبہ ہوگا جو سرحدی علاقہ میں مردان کے

۱۔ ابن اثیر۔ بلاذری۔ ۲۔ بلاذری۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ ابن کثیر۔ ابن اثیر۔ ۵۔ بلاذری۔ ۶۔ بلاذری۔ ابن کثیر۔ ۷۔ ابن کثیر۔ ۸۔ ابن اثیر۔ بلاذری۔

قریب واقع ہے۔

۴۔ رومی محاذ : رومی محاذ پر سال بھر معرکے گرم رہتے تھے۔ اہل اسلام کی ایک مہم گرمیوں میں جاتی تھی اور ایک سردیوں میں۔ ۴۹ ہجری میں قسطنطنیہ پر حملہ ہوا۔ پہلے سفیان بن عوف ایک کثیر التعداد فوج لے کر گیا۔ یہ فوج رومی علاقہ میں جا کر مشکلات میں گھر گئی۔ حضرت معاویہؓ نے اس کی مدد پر اپنے بیٹے یزید کو بھیجا۔ اس کے ساتھ بعض بہت بلند پایا صحابی مثلاً ابن عباسؓ ابن عمرؓ ابن زبیرؓ ابو ایوب انصاریؓ وغیرہ شامل تھے۔ ۱۔

مجاہدین لڑتے بھڑتے قسطنطنیہ تک پہنچے۔ کئی خون ریز جھڑپیں ہوئیں اور مہم ناکام لوٹی۔ ۲۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے اس جہاد میں وفات پائی۔ ان کو شہر کے دروازہ کے قریب فصیل کے سایہ میں دفن کیا گیا۔ ۳۔

رومیوں کے ساتھ بحری لڑائیاں بھی ہوئیں۔ ۵۳ ہجری میں روڈس کا جزیرہ فتح ہوا۔ مجاہدین کا ایک گروہ وہیں مقیم ہو گیا۔ اس نے یورپی جہازوں کی آمد و رفت خطرہ میں ڈال دی۔ ۵۴ ہجری میں ارواڈ کا جزیرہ زیر تسلط آیا۔ یہاں بھی مجاہدین کی ایک تعداد مقیم ہوئی۔ یزید خلیفہ ہوا تو اس نے یہ دونوں جزیرے خالی کروا دیے۔ ۴۔

حضرت معاویہؓ کو رومیوں کی سرکوبی کی اتنی فکر رہتی تھی کہ آخری وصیت میں بھی ان کو دبا کر رکھنے کی ہدایت کر گئے۔ ۵۔

یزید کی ولی عہدی : یزید کی ولی عہدی کا نقشہ سب سے پہلے مغیرہ بن شعبہ والی کوفہ کے ذہن میں آیا۔ وہ یزید کے پاس گئے اور کہا، اکابر صحابہ، اعیان قریش اور عمر رسیدہ اصحاب دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کی اولاد باقی ہے۔ تم رائے و تدبیر میں اور سنت و سیاست سے آگاہی میں افضل ہو۔ میں نہیں جانتا کہ امیر المومنین کو تمہاری ولی عہدی کی بیعت لینے سے کیا چیز روک رہی ہے۔ یزید نے کہا، کیا میری بیعت ممکن ہے؟ مغیرہ بولے، کیوں نہیں؟ یزید نے حضرت معاویہؓ کے پاس حاضر ہو کر مغیرہ کے خیالات پیش کیے۔ حضرت معاویہؓ نے مغیرہ کو بلا بھیجا۔ وہ آئے تو کہا، یزید کیا کہہ رہا ہے؟ مغیرہ نے جواب دیا، میں نے حضرت عثمانؓ کے بعد جو اختلافات اور خون ریزی دیکھی ہے اس کے پیش نظریہ کہوں گا کہ آپ یزید کے لیے بیعت لے لیں تاکہ بعد میں فتنہ اور ہلاکت کا ظہور نہ ہو۔ حضرت معاویہؓ نے پوچھا، اس معاملہ میں میرا ساتھ کون دے گا؟ کہا، کوفہ کا میں ضامن ہوں اور بصرہ میں زیادؓ کام نکالے گا۔ ان دو شہروں کی بیعت کے بعد کوئی شخص خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ حضرت معاویہؓ نے مغیرہ کو حکم دیا کہ کوفہ جا کر اس تحریک کی اشاعت کرو اور حامیوں کی جماعت پیدا کرو۔ حضرت مغیرہؓ نے کوفہ سے دس سے زائد سرداروں کا وفد دمشق روانہ کیا۔ انہوں نے حضرت معاویہؓ کو یقین دلایا کہ ہماری اور اہل کوفہ کی

۱۔ طبری۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن کثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔

رائے ہے کہ یزید آپ کا جانشین ہو۔ اب حضرت معاویہؓ کا عزم اور پختہ ہوا۔ انہوں نے زیادؓ کا مشورہ حاصل کرنے کے لیے قاصد بھیجا زیادؓ نے زید بن کعب نسیری کو بلا کر تنہائی میں کہا کہ امیر المؤمنین نے یزید کی ولی عہدی کے بارہ میں مشورہ کے لیے خط لکھا ہے۔ ایک طرف ان کو عوام کی ناراضی کا خدشہ ہے اور دوسری طرف ان کی تائید بھی چاہتے ہیں۔ امارات اسلام کا مسئلہ ایک عظیم ذمہ داری ہے۔ یزید سہل کوش اور راحت پسند ہے۔ طرہ یہ کہ شکار میں کھویا رہتا ہے۔ تم امیر المؤمنین کے پاس جاؤ۔ یزید کے افعال سے انہیں متنبہ کرو اور کہو کہ عجلت مت کیجئے۔ تاخیر میں کامیاب ہونا عجلت میں ناکام رہنے سے بہتر ہے۔ زید نے کہا کہ امیر المؤمنین کو یزید سے بدظن کرنے کے مقابلے میں بہتر یہ ہے کہ خود یزید کے پاس جاؤں اور اسے نصیحت کروں۔ زیادؓ نے اتفاق کیا۔ زید نے جا کر یزید کو سمجھایا۔ اس نے بہت حد تک اصلاح کر لی۔ زید کے ہاتھ زیادؓ نے حضرت معاویہؓ کو خط لکھا کہ جلدی نہ کیجئے اور تامل سے کام لیجئے۔ ۱۔

یزید نے ۵۳ ہجری میں قضا کی۔ حضرت معاویہؓ نے یزید کے لیے بیعت حاصل کرنے پر کمر باندھ لی۔ عراق میں میدان ہموار تھا۔ حجاز سے مخالفت کا اندیشہ تھا۔ آپ نے مدینہ کے والی مروان بن حکم کو لکھا کہ میری عمر ڈھل چکی ہے۔ مجھے اپنے بعد اختلاف امت کا ڈر ہے۔ میری رائے ہے کہ لوگوں سے پوچھ لوں کہ میرا جانشین کون ہو۔ مروان نے عوام میں حضرت معاویہؓ کے عندیہ کا اظہار کیا۔ لوگوں نے کہا، انہوں نے درست بات کہی ہے۔ جسے چاہیں ولی عہد نامزد کر لیں اور دیر نہ کریں۔

حضرت معاویہؓ کے پاس مروان کی طرف سے اطلاع نامہ پہنچا تو آپ نے یزید کا نام لکھ بھیجا۔ مروان نے لوگوں میں یہ اعلان کیا تو عبدالرحمان بن ابی بکرؓ کھڑے ہوئے اور کہا، اے مروان! تم اور معاویہؓ دونوں جھوٹے ہو۔ اس انتخاب میں تمہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی بہتری منظور نہیں۔ تم خلافت کو ہرقلیت بنانا چاہتے ہو۔ کہ ایک ہرقل کے بعد دوسرا ہرقل اٹھ کھڑا ہو۔ پھر حضرت حسینؓ نے اٹھ کر انکار کا اعلان فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی ان کی تائید کی۔ مروان نے حضرت معاویہؓ کو اطلاع بھیج دی۔ ۲۔ انہوں نے اس کے بعد صوبوں سے وفد منگوا کر یزید کی بیعت لے لی۔ جب عراق اور شام والوں کی بیعت ہو چکی تو ایک ہزار سوار لے کر حجاز کا قصد کیا۔ ۳۔

حضرت معاویہؓ مدینہ کے قریب پہنچے تو حضرت حسینؓ، حضرت عبدالرحمان، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن زبیرؓ استقبال کے لیے آئے۔ آپ نے ان چاروں اصحابؓ کے سلام کا جواب ترشی سے دیا اور منہ موڑ لیا۔ انہوں نے یہ سلوک دیکھا تو مکہ تشریف لے گئے۔ حضرت معاویہؓ، حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا، میں نے سنا ہے کہ آپ کہتے

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر

ہیں اگر حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے یزید کی بیعت نہ کی تو میں انہیں ہلاک کر دوں گا۔ حضرت معاویہؓ نے جواب دیا، ان اصحاب کی شان اس سے بہت بالا۔ لیکن میں یزید کی بیعت لے چکا ہوں۔ ان حضرات کے سوا دیگر لوگوں نے بیعت کر لی ہے۔ کیا اب بیعت کے مکمل ہونے کے بعد میں اسے توڑ دوں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، آپ نرمی سے کام لیجئے وہ ان شاء اللہ آپ سے موافقت کریں گے۔ حضرت معاویہؓ بولے، میں آپ کی فرمائش کے مطابق عمل کروں گا۔ ۱۔ چند روز بعد حضرت معاویہؓ نے مکہ کا سفر کیا۔ یہ چار اصحاب آپ کی پیشوائی کو مرا ظہران کے مقام پر موجود تھے۔ حضرت معاویہؓ دل جوئی سے پیش آئے اور انہیں ساتھ لے کر چلے۔

چند روز کے بعد حضرت معاویہؓ نے ان اصحاب سے بیعت کے بارے میں پھر گفتگو کرنا چاہی۔ یہ آپس میں طے کر چکے تھے کہ ہم یزید کی دلی عہدی تسلیم نہیں کریں گے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اپنی طرف سے کلام کرنے کا مجاز بتایا۔ جب وہ حضرت معاویہؓ کے پاس گئے تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا، آپ لوگ جانتے ہیں کہ آپ کے ساتھ میری روش کیا رہی ہے۔ آ میری قرابت پروری اور رضا جوئی سے بھی واقف ہیں۔ یزید آپ لوگوں کا بھائی اور عم زادہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ خلافت اس کے نام سے ہو اور سررشتہ کار آپ کے ہاتھ میں ہو۔ حضرت ابن زبیرؓ نے جواب دیا، ہم آپ کو تین باتوں کا اختیار دیتے ہیں۔ یا تو آپ ہادی اکبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثال کو سامنے رکھیے۔ حضور صلعم نے کسی کو نامزد نہیں فرمایا۔ لوگوں نے اپنی پسند سے حضرت ابوبکرؓ کو منتخب کیا یا آپ حضرت ابوبکرؓ کی تقلید کیجئے۔ انہوں نے ایک ایسے قریشی فرد کو چنا جو ان کا قریبی رشتہ دار نہ تھا۔ ورنہ آپ حضرت عمرؓ کے طریق کار پر چلیے۔ انہوں نے چھ آدمیوں کی مجلس شوریٰ بنائی جس میں ان کا کوئی بیٹا یا رشتہ دار نہ تھا۔ حضرت معاویہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ میں اس موضوع پر عوام کے سامنے تقریر کروں گا۔ اگر تم میں سے کسی نے میری تردید کی تو اس کا سراڑا دوں گا۔ آپ نے پہرہ داروں کو بلایا اور حکم دیا کہ ان اصحاب میں ہر ایک کے سر پر تم میں سے دو آدمی کھڑے رہیں۔ اگر انہوں نے برسر مجلس ایک لفظ بھی کہا تو فوراً تلوار مار دینا۔ اس کے بعد آپ انہیں ساتھ لے کر باہر نکلے۔ منبر پر چڑھے اور حمد و ثناء کے بعد کہا، یہ اصحاب مسلمانوں کے افضل ترین سردار ہیں۔ ان کے مشورہ کے بغیر نہ کوئی فیصلہ ہو سکتا ہے اور نہ قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے راضی ہو کر یزید کی بیعت کر لی ہے۔ تم بھی اللہ کا نام لو اور بیعت کرو۔ عوام جو ان اصحاب کے فیصلہ کے منتظر تھے اٹھے اور بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ سوار ہو کر مدینہ کوچ کر گئے۔ ۲۔

بعد میں لوگوں نے حضرت حسینؑ، حضرت عبدالرحمنؑ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن زبیرؓ

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر نے جو روایت اختیار کی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ یہ واقعہ مدینہ میں ہوا۔ دونوں روایتوں کے مضمون میں فرق نہیں۔ میں نے ابن اثیر کی روایت کو لیا ہے۔ کیوں کہ اردو کی تاریخوں میں یہی روایت درج ہوتی ہے۔



سے کہا کہ آپ لوگ کہتے تھے ہم بیعت نہیں کریں گے۔ پھر کس لیے مان گئے؟ انہوں نے جواب دیا، واللہ ہم نے بیعت نہیں کی۔ لوگوں نے پوچھا، برسرعام تو کیوں نہ کی؟ بولے، ہمیں جان کا خطرہ تھا۔ ۲۔

وفات : حضرت معاویہؓ نے ۶۰ ہجری میں وفات پائی۔ آپ کی عمر ۷۰ برس سے زائد تھی۔ جن دنوں حضرت معاویہؓ بیمار تھے یزید شکار پر گیا ہوا تھا۔ آپ نے دو افسروں کو بلا کر وصیت کی کہ یزید کو میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ اہل حجاز کے ساتھ نیکی کا سلوک کرنا۔ اگر اہل عراق ہر روز مطالبہ کریں کہ ان کا گورنر بدل دو تو مان لینا۔ میرے نزدیک ایک عام عامل کی تبدیلی اس سے بہتر ہے کہ ایک لاکھ تلواریں تمہارے خلاف بے نیام ہو جائیں۔ شام والوں کے ساتھ مروت سے پیش آنا۔ انہیں مددگار بنانا اور ان کا حق پہچانتے رہنا۔ مجھے قریش میں سے صرف ان تین آدمیوں سے تمہارے بارہ میں اندیشہ ہے۔ حضرت حسینؓ سے تمہارا قریبی رشتہ ہے۔ ان کا بہت حق ہے اور انہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت حاصل ہے۔ مجھے گمان ہے کہ عراق والے ان کو تمہارے خلاف لا کر رہیں گے۔ اگر تم ان پر قدرت پاؤ تو درگزر کرنا۔ کیونکہ کہ میرا ان سے واسطہ پڑے تو معاف کر دوں۔ رہا ابن زبیرؓ تو وہ بہت حیلہ پرور ہے۔ اگر تمہارے مقابل آئے تو اس سے کھل کر جنگ کرنا سوائے اس کے کہ وہ امن کی التماس کرے۔ اگر وہ صلح چاہے تو منظور کر لینا۔ جہاں تک ممکن ہو قوم کی خوں ریزی سے بچنا۔ ۲۔

وصیت کے بارے میں دو روایات ہیں جو قدرے مختلف ہیں۔ ایک روایت میں عبدالرحمن بن ابوبکرؓ کا ذکر ہے۔ اور حضرت ابن زبیرؓ کے بارے میں سخت الفاظ ہیں۔ مورخین اور محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ عبدالرحمان بن ابوبکرؓ نے حضرت معاویہؓ سے پہلے وفات پائی۔ اس لیے ہم اس روایت کو باور کرنے سے قاصر ہیں۔ صحیح روایت وہی ہے جو یہاں بیان کی گئی ہے۔ ۳۔

حضرت معاویہؓ کو مدت خلافت تقریباً بیس برس ہے۔

اوصاف و اخلاق : حضرت معاویہؓ بلند قامت، پرگوشت اور صاحب وجاہت تھے۔ چہرے سے جلال ٹپکتا تھا۔ حضرت عمرؓ انہیں دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ یہ عرب کے کسریٰ ہیں۔ ۴۔

آپ بلند سیرت انسان تھے۔ وقار کے ساتھ ساتھ حلم و تحمل کے اوصاف سے بھی بدرجہ کمال بہرہ مند تھے۔ ایک دفعہ مجلس میں تشریف لائے تو لوگ کھڑے ہو گئے۔ آپ نے ہادی اکبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حدیث سنائی کہ جو آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے سرو قد کھڑے ہوں وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں تلاش کرے۔ ۵۔

آپ کو بعض آدمی بھرے دربار میں مذاق کا نشانہ بنا لیتے لیکن آپ شگفتہ روئی سے پیش آتے تھے۔ آپ صبر و تحمل کا پیکر تھے۔ لوگ آپ سے بے باکانہ کلام کر جاتے اور آپ فراخ دلی

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن کثیر۔ تاریخ الخلفاء۔ ۴۔ ابن اثیر۔ تاریخ الخلفاء۔ ۵۔ ابن اثیر۔

سے برداشت کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ سیدھے چلیں ورنہ ہم آپ کو سیدھا کر دیں گے۔ آپ نے پوچھا، کاہے سے سے سیدھا کرو گے؟ بولا ڈنڈے سے۔ آپ نے کہا، تو پھر ہم سیدھے ہو جائیں گے۔ ۱۔

آپ کا قول ہے: اللہ کی قسم میں اس شخص پر تلوار نہیں اٹھاتا جس کے پاس تلوار نہیں۔ ۲۔

ایک شخص نے آپ کے سامنے زیاد کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا، زیاد نے تلوار سے اتنا کچھ حاصل نہیں کیا جتنا میں نے زبان سے حاصل کیا ہے۔ ۳۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے صحیح اور صائب نظر عطا کی تھی۔ آپ ذہانت اور زیرکی کی دولت سے مالا مال تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ آپ کے بارے میں کہا کہ تم لوگ قیصر و کسریٰ اور ان کی سیاست کی باتیں کرتے ہو حالانکہ تم میں معاویہؓ موجود ہیں۔ ۴۔

حضرت معاویہؓ نہایت مردم شناس اور مرتبہ دان تھے۔ سب کے ساتھ ایک سا سلوک روا نہیں رکھتے تھے۔ آدمی آدمی دیکھ کر برتتے تھے۔ ۵۔

## حضرت معاویہؓ کی حکومت پر تبصرہ

آئین و سیاست: آئینی لحاظ سے حضرت معاویہؓ کی حکومت کو ہم محدود ملوکیت کہہ سکتے ہیں۔ آپ نے خلافت راشدہ کا دور ختم کر کے ملوکیت کی بنیاد رکھی۔ لیکن یہ ملوکیت کلیتہً مطلق العنان نہ تھی۔ اگرچہ آئینی لحاظ سے آپ شوریٰ کے پابند نہ تھے تاہم مشیروں اور ذی رائے اصحاب سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ جو شخص قومی خزانہ سے ایک دانہ بھی اپنی مرضی سے خرچ کرے، وہ خلیفہ نہیں بادشاہ ہے۔ اس لحاظ سے حضرت معاویہؓ نے بادشاہی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ بیت المال کو اپنی مرضی سے صرف کرتے تھے اور شاہانہ ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔ وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے ذاتی حفاظت کے لیے پہرہ دار اور دربان مقرر کیے۔ یہاں تک کہ مسجدوں میں اپنے لیے الگ مقصورے بنائے تاکہ کوئی شخص حملہ نہ کرنے پائے۔

حضرت معاویہؓ کی رعیت نے خلافت راشدہ کے دن دیکھے تھے۔ اس لیے آپ کو ان کے ساتھ نہایت احتیاط کا برتاؤ کرنا پڑتا تھا۔ آپ نے آزادی رائے پر کوئی پابندی عائد نہ کی۔ آپ کا قول ہے کہ جب تک عوام میرے اور میری حکومت کے درمیان حائل نہ ہوں میں ان کے اور ان کی زبانوں کے درمیان حائل نہیں ہوتا۔ آپ عوام کی شکایت پر امراء کو معزول کر دیتے

۱۔ تاریخ الخلفاء۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ میون الاخبار۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔

تھے۔ یہاں تک کہ مروان بن حکم کو دوبار معزول کیا۔ یزید کو وصیت کی کہ اگر عراق کے لوگ تمہیں ہر روز ایک عامل بدلنے کو کہیں تو تسلیم کرنا۔

حضرت معاویہ کی سیاسی پالیسی کے تین بنیادی عناصر تھے۔ تحمل، زرباشی اور رازداری۔ آپ بڑے سے بڑے مخالفین کے ساتھ بھی ابتداءً نہایت فراخ دلی سے پیش آتے تھے۔ ہر ممکن طریقہ سے اس کی مزاج برداری کرتے تھے۔ زر و سیم کے نوالہ سے اس کا منہ بند کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت معاویہ کی سیاسی مقاصد کے لیے بے دریغ روپیہ لٹاتے تھے۔ آپ کے اسی حربہ کے طفیل حضرت عقیل اپنے بھائی حضرت علیؓ کو چھوڑ کر آپ کے پاس آگئے۔ اگر دشمن پر نہ آپ کا تپاک اثر کرتا اور نہ دولت کافسوں چلتا تو آپ اس کے خلاف چرچا پھیلا دیتے یا زہر سے اس کا صفایا کر دیتے تھے۔ ورنہ محاذ جنگ کی اگلی صفوں میں بھیج دیتے تاکہ اسی طرح شاید ٹھکانے لگ جائے، تلوار آپ کا آخری حربہ ہوتا تھا۔ آپ کا قول ہے:

”جہاں میرا کوڑا کفایت کرتا ہے وہاں تلوار کو بار نہیں دیتا اور جہاں میری زبان کام دے جائے وہاں کوڑے کو نہیں لاتا۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان ایک بال بھی ہو تو ان سے تعلق نہ توڑوں۔ جب وہ اسے کھینچیں تو میں اسے ڈھیلا چھوڑوں اور اگر وہ اسے ڈھیلا چھوڑیں تو میں اپنی طرف کھینچوں“ ۱۔

جہاں سختی کی ضرورت ہوتی وہاں حضرت معاویہ بے دریغ سختی کرتے تھے۔ آپ نے ابن عامر کو اس شکایت پر بصرہ سے معزول کر دیا کہ وہ مجرموں سے نرمی کرتا تھا۔ آپ اسلام میں پہلے شخص ہیں جس نے دشمن کا سر کٹوا کر پھروایا۔ آپ نے ایک گورنر کو لکھا کہ میں نرم ہوں، تم سختی کرو۔ ورنہ لوگ بے باک ہو جائیں گے۔ اور اگر تم زیادہ سختی کر بیٹھو گے تو بھاگ کر میرے پاس پناہ لے لیں گے۔

مرکزی حکومت : مرکزی حکومت کا اختیار اعلیٰ حضرت معاویہ کے اپنے ہاتھ میں تھا۔ صوبائی انتظام والیوں کے ذمے تھا۔ لیکن جو علاقے دارالخلافہ یعنی دمشق کے قریب تھے وہ براہ راست مرکز کے تحت تھے۔

عمدہ داروں کا انتخاب حضرت معاویہ اپنی مرضی سے کرتے تھے۔ اس کے لیے ان کے مد نظر دو وصف ہوتے تھے۔ (۱) اہل بیت اور (۲) وفاداری۔ حضرت معاویہ کی کامیابی کا ایک راز یہ تھا کہ آپ عمده داروں کے انتخاب میں نہایت بصیرت اور احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اس معاملہ میں خاندانی تعلقات آپ پر اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے۔ آپ نے شاید ہی کسی اموی فرد کو کوئی ممتاز عہدہ دیا ہو۔

عمدہ دار : مرکز میں کئی عہدے دار تھے۔ اہم ترین عہدے کاتب اور حاجب کے تھے۔ ان کے

علاوہ مختلف محکموں کے سربراہ مقرر تھے۔ جن کو وزراء کا سامرتبہ حاصل تھا۔ کاتب یا سیکرٹری کے پاس انتظامی امور نہیں ہوتے تھے۔ وہ مرکزی دفتر کا افسر اعلیٰ ہوتا تھا۔ کاتب کے لیے لازم تھا کہ وہ عمدہ انشاء پرداز ہو۔ اسے حکومت کے کئی اسرار میں شرکت حاصل ہوتی تھی اس لیے اس کا از بس قابل اعتماد ہونا ضروری تھا۔ حضرت معاویہؓ نے خلافت راشدہ کے طریق کے برعکس اس منصب پر ایک عیسائی سرخون بن منصور نام کو مقرر کر رکھا تھا۔ حاجب خلیفہ اور رعیت کے درمیان افسر رابطہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ ملاقاتوں کو خلیفہ کی بارگاہ میں پہنچانا اسی کے ذمے تھے۔ حاجب کو خلیفہ سے بہت قرب حاصل ہوتا تھا، اس لیے خلیفہ کے مزاج میں بہت دخل رکھتا تھا۔

دفتار : مرکز کا دفتری کاروبار وسیع اور نہایت منضبط تھا۔ اس نظام کے کئی شعبے تھے۔ جن میں مندرجہ ذیل بہت اہم تھے۔

۱۔ دیوان اموال : یہ مالیات کا دفتر تھا۔ اس میں آمد و خرچ کا حساب ہوتا تھا۔ آمدن کی مدات یہ تھیں : زکوٰۃ، عشر، خراج، جزیہ، غنیمت، شاہی جاگیریں اور تحائف وغیرہ۔ مرکز کا بیشتر روپیہ صوبوں کی معرفت آتا تھا۔ البتہ خلیفہ کو جو تحائف وصول ہوتے تھے وہ آمدن کا بلاواسطہ ذریعہ تھے۔ حضرت معاویہؓ سے پہلے تحائف وصول کرنے کا رواج نہ تھا لیکن آپ نے لوگوں کو اس طرف رغبت دلائی۔ خصوصیت کے ساتھ مہرجان اور نوروز وغیرہ کے تہواروں پر تحائف وصول کیے جاتے تھے۔

ملک کے متعدد صوبے تھے۔ ہر صوبہ سے کروڑوں روپیہ آتا تھا۔

۲۔ دیوان عطایا (یا اعطیات) : لوگوں کو جو وظائف ملتے تھے ان کا دفتر میں اندراج ہوتا تھا۔ حضرت معاویہؓ کی طرف سے ہر روز ایک عمدہ دار ابوالجیش نام دمشق کی مجالس میں پھرتا اور لوگوں سے پوچھتا کہ کیا کوئی نوسولود یا نوارد ہے۔ اگر ہوتا تو اس کا نام دیوان میں درج کر لیا جاتا۔ اور وظیفہ جاری ہو جاتا تھا۔

یہ دفتر اور اس کا طریقہ کار حضرت عمرؓ کے وقت سے چلا آتا تھا۔

۳۔ دیوان خاتم : اس میں خلیفہ کے فرامین کا ریکارڈ ہوتا تھا۔ اس شعبے کا وجود پہلے نہ تھا۔ حضرت معاویہؓ نے ایجاد کیا۔ اس کی ضرورت یوں پیش آئی کہ ایک دفعہ حضرت معاویہؓ نے ایک شخص کو زیاد کے نام حکم نامہ دیا کہ اسے ایک لاکھ روپیہ ادا کر دو۔ نامہ بردار نے تحریر میں تبدیلی کر دی اور بجائے ایک کے دو لاکھ کر کے رقم وصول کر لی۔ بعد میں جانچ ہوئی تو راز کھلا۔ اس قسم کی جعلسازی کا سدباب ضروری تھا۔ ورنہ جعلی خطوط سے بہت خرابیاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ ہر فرمان سر بمر جا یا کرے اور اس کی ایک نقل دفتر میں رکھی

۱۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر۔ کتاب الوزراء۔ میناوی۔ ۲۔ ابن اثیر۔ المعری

دفتر والے فرمان کو تاگے سے باندھ کر لاکھ سے مہر کر دیتے تھے۔ ۱۔  
مہر کو عربی میں خاتم کہتے ہیں۔ اس لیے اس دفتر کا نام دیوان خاتم پڑا۔ یہاں متفرق حکم ناموں کی  
نقول ہوتی تھیں۔

۴۔ برید : ڈاک کے محکمے کو برید کہتے تھے۔ اگرچہ ڈاک کا انتظام شروع سے تھا لیکن حضرت  
معاویہؓ نے اس کی ایسی عمدہ تنظیم کی اور اس کا دائرہ کار اس قدر پھیلا یا کہ اس کے بانی کہلائے۔  
ڈاک سرعت سے پہنچانے کے لیے جا بجا منزلیں مقرر ہوئیں جہاں تازہ دم گھوڑے تیار رہتے  
تھے۔ برید کے لفظی معنی ہیں بارہ میل، یہ نام غالباً اس لیے پڑا کہ منزل منزل میں تقریباً بارہ میل  
کا فاصلہ ہوتا تھا۔ ۲۔

برید کے ناظم اعلیٰ کو صاحب البرید کہتے تھے۔  
۵۔ عدلیہ : عدلیہ کا محکمہ یوں تو انتظامیہ سے الگ تھا لیکن انتظامی ضرورتوں کے سلسلے میں  
حضرت معاویہؓ نہایت وسیع اختیارات رکھتے تھے۔ جہاں تک عوام کے مابین عدالت کا تعلق ہے  
حضرت معاویہؓ دخل نہیں دیتے تھے۔

عدالت کا صیغہ نہایت بلند تھا۔ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت ابودرداءؓ ایسے قاضی موجود تھے۔  
قاضی دمشق : دار الخلافہ اور اس کے نواح کے عدلیہ کا افسر ہوتا تھا۔ ہر صوبہ میں الگ قاضی  
مامور تھا۔

۶۔ شرطہ : پولیس کو شرطہ کہتے تھے۔ اس کی مستقل نفری ہوتی تھی۔ دمشق کی شرطہ براہ راست  
مرکزی حکومت کے تحت تھی۔ اس کا کام مجرموں کا مواخذہ اور اوباشوں کی سرکوبی تھا۔ اس کا ناظم  
اعلیٰ صاحب الشرطہ کہلاتا تھا۔ حضرت معاویہؓ کے عہد میں شرطہ بہت مضبوط تھی۔ دمشق میں جو  
لوگ اخلاقاً مشتبہ تھے ان کے نام رجسٹر میں درج ہوتے تھے۔

قلمرو میں وسیع اور عمدہ جاسوسی نظام تھا۔ مجرموں کا حکومت کی آنکھ سے بچ نکلنا بہت مشکل  
تھا۔ ممکن ہے جاسوسی کا محکمہ شرطہ ہی سے منسلک ہو۔

۷۔ حرس : خلیفہ کے محافظ دستہ کو حرس کہتے تھے۔ خلافت راشدہ کے ایام میں اس کا وجود نہ  
تھا۔ لیکن جب لوگ خلفاء پر حملے کرنے میں جری ہو گئے تو حضرت معاویہؓ نے حرس کا اہتمام کیا۔

۸۔ احداث : یہ نوجوانوں کی ایک عارضی فوج ہوتی تھی جو ہنگامی بنی نظمی پر فوراً قابو پاتی تھی۔  
احداث کے بانی حضرت عمر فاروقؓ تھے۔ (ابن خلدون) لیکن تنظیم جدید کی وجہ سے حضرت معاویہؓ  
کو اس کا بانی شمار کیا جاتا ہے۔

۹۔ فوج : ہر مسلمان کو سپاہی سمجھا جاتا تھا اور حکومت کو اختیار تھا کہ بوقت ضرورت جسے چاہے  
جبرا بھرتی کر لے۔ فوج صوبوں سے مہیا کی جاتی تھی۔ صومانی گورنر فوج کا افسر بھی ہوتا تھا لیکن

اختیار اعلیٰ حضرت معاویہ کے ہاتھ میں تھا۔  
فوج کے دو شعبے تھے: بری اور بحری۔

سرحدوں کے استحکام کی خاطر وہاں مستقلاً آباد کار فوج رہتی تھی۔ اس کو رابطہ کہتے تھے۔ اس کو گزارے کے لیے زمینیں ملتی تھیں۔ رابطہ کے جو لشکر بحیرہ روم کے جزائر میں مکین تھے ان کی بیش قدر تنخواہیں تھیں۔ رابطہ کے لیے کئی جگہوں میں قلعے بھی تعمیر کیے گئے۔ رابطہ کے بدولت کئی اجڑی بستیاں پر رونق ہو گئیں۔ اسی سلسلہ میں قیروان کا شہر بسایا گیا۔ رومی سلطنت سے بالعموم سارا سال جنگ رہتی تھی۔ حضرت معاویہ موسم بدلنے پر تازہ دم فوج بھجوتے تھے۔ جو لشکر گرمیوں میں جہاد کرتا اسے صائفہ کہتے تھے اور جو سردیوں میں جاتا اسے شاتیہ کہتے تھے۔

۱۰۔ بحریہ: حضرت معاویہ کو بحری جنگ سے بہت لگاؤ تھا۔ بحری مہمات کی ابتداء سب سے پہلے آپ ہی نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں کی تھی۔ بیوی بچوں کو بھی ساتھ لے کر گئے تھے۔ خلیفہ ہوئے تو بحریہ کی طرف خصوصی توجہ دی۔ جہاز بنانے کے کارخانے قائم کیے جن میں سترہ سو جنگی جہاز اور سات سو سفینے تعمیر کرائے۔

حضرت معاویہ سے قبل بحریہ کا الگ محکمہ نہ تھا۔ شام اور مصر کے والیوں کے پاس مختصر سے بیڑے ہوتے تھے۔ وہ رومی مہمات میں ان بیڑوں کو استعمال کرتے تھے۔ حضرت معاویہ کے عہد میں اس کو بہت وسعت ہوئی تو آپ نے اس کا ایک الگ شعبہ قائم کیا جس کا نظام ایک خاص افسر کے ہاتھ میں ہوتا تھا جسے امیر البحر کہتے تھے جو کہ آج کل ایڈمرل کہلاتا ہے۔

۱۱۔ خلیفہ کے عام معمولات: حضرت معاویہ کو رعایا کی بہبود کی گہری لگن تھی۔ لیکن خلفائے راشدین کے برعکس آپ تک ہر وقت رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔ خلفائے راشدین کے دروازوں پر پہرہ دار نہیں ہوتے تھے۔ مسجد ہی ان کی جلسہ گاہ ہوتی تھی جہاں امیر و غریب ہر شخص بے روک آ سکتا تھا۔ حضرت معاویہ محل میں رہتے تھے جہاں وہ مقرر اوقات میں عوام کو بار دیتے تھے لیکن عوام سے جب ملاقات ہوتی تھی تو بہت قرب اور انس کے ساتھ۔

آپ جب ناشتہ پر بیٹھتے تو آپ کا سیکرٹری ایک ایک حاجت مند کو بلاتا۔ آپ اپنے ساتھ ناشتہ پر بٹھاتے۔ وہ دو تین نوالے لیتا۔ اس دوران میں سیکرٹری اس کی درخواست پڑھتا اور حضرت معاویہ جو حکم صادر کرتے لکھتا۔ اس کے بعد وہ سائل چلا جاتا اور دوسرا آتا۔ اس طرح چالیس چالیس سائل یکے بعد دیگرے آکر کھانے میں شریک ہوتے اور درخواستوں کا فیصلہ کروا کر واپس جاتے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد عصر تک ارباب اختیار کی مجلس منعقد: آ۔ اس کے بعد عصر کے آخری اوقات میں دربار خاص لگتا۔ ا۔

صوبائی حکومت : اسلامی قلمرو کئی صوبوں میں تقسیم تھی۔ ان میں شام، مصر، مکہ، مدینہ، کوفہ، اور بصرہ بہت اہم تھے۔ ہر صوبہ ایک والی یعنی گورنر کے تحت ہوتا تھا۔ البتہ زیادہ کوفہ اور بصرہ دونوں صوبے دیے گئے تھے۔

حضرت معاویہؓ کی طرح ان کے والیوں کے اطوار بھی رعب انداز تھے۔ مروان حاکم مدینہ نے حضرت معاویہؓ کی طرح نماز کے لیے مسجد میں مقصورہ بنا لیا تھا۔ زیاد جب عوام میں نکلتا تو اس کے آگے آگے ڈنڈے برچھیاں اٹھائے ہوئے سپاہی ہوتے تھے۔ ہر وقت پانچ پہرہ دار اس کی حفاظت پر مامور رہتے تھے۔

حضرت معاویہؓ کے والیوں کو وسیع اختیارات حاصل تھے۔ خلافت راشدہ میں بیت المال والی کے براہ راست تصرف میں نہیں ہوتا تھا لیکن اب والیوں کو بیت المال پر پوری دسترس تھی۔ البتہ انہیں حضرت معاویہؓ کو ہر سال حساب پیش کرنا ہوتا تھا۔

والی اپنے ماتحت افسروں کا تقرر خود کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ مناسب سمجھتے تو بعض تقرر خود بھی فرما دیتے تھے۔ والیوں کے ذمے صرف انتظامی امور نہ تھے بلکہ فوجی صیغہ بھی تھا۔ صوبہ کی حفاظت اور ملحقہ علاقوں کی مہمات کی زمام والی کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔

صوبائی حکومت کے بھی تقریباً وہی شعبے تھے جو مرکزی حکومت کے تھے۔ مثلاً دیوان خاتم، دیوان اعطیات، دیوان اموال، شرطہ اور فوج۔ سوائے دیوان اموال کے باقی دفتر عربی میں تھے۔ اس لیے ان کا عملہ بھی بالعموم مقامی لوگوں سے بھرتی ہوتا تھا۔ خمس کے دیوان اموال کا سیکرٹری ایک عیسائی ابن اوشمال تھا۔ ا۔

صوبوں کی عدالتیں انتظامیہ سے آزاد تھیں۔ لیکن حضرت معاویہؓ کی طرح والیوں کو بھی انتظامی ضرورت کے لیے سزا کے انتہائی اختیارات حاصل تھے۔ جسے چاہتے قتل کر دیتے۔ کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔

حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت میں صوبوں میں مکمل امن و امان تھا۔ زیاد نے اپنے صوبہ میں شرطہ کی تعداد چار ہزار کر دی تھی۔ وہ مشتبہ آدمیوں کی بھی گردن اڑا دیتا تھا۔ اہل ذمہ : اسلامی آئین و قوانین کے اس شرف کو کوئی نہیں پہنچ سکے گا کہ اس نے اپنی سلطنت میں بیگانہ مذاہب کے پیروؤں سے نہایت شفقت کا سلوک کیا۔ حضرت معاویہؓ اس سلسلہ میں خلافت راشدہ کی مقرر کردہ حدود سے بھی کچھ آگے بڑھ گئے۔ آپ نے اہل ذمہ کو بعض کلیدی عہدے دیئے حالانکہ خلفائے راشدین اس پالیسی کے سخت خلاف تھے۔ حضرت معاویہؓ جس طرح مسلم رعایا کی خوشنودی حاصل کرنے کو عین کامیابی سمجھتے تھے اس طرح اہل ذمہ کی رضا کے بھی جویا رہتے تھے۔ اور ان سے نہایت مہربانہ برتاؤ رکھتے تھے۔

متفرق کارنامے : حضرت معاویہؓ کا بست سالہ دور حکومت امن و سکون کا دور تھا۔ اس لیے آپ کا انتظامی اور تعمیری امور کی طرف توجہ دینے کا بہت وقت ملا۔ آپ کے ہاتھوں سے کئی کارنامے ظہور میں آئے۔ انتظامی کارناموں کا ذکر آچکا ہے۔ دیگر نمایاں کارنامے مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ قیروان کی آبادی : ۵۰ ہجری میں افریقیہ میں قیروان کا شہر بسایا گیا۔ یہاں پہلے ایک خوفناک جنگل تھا۔ درندوں، اژدہوں اور منک بچھوؤں کی اس قدر بہتا تھی کہ کوئی آدمی ادھر کا رخ نہیں کر سکتا تھا۔ عقبہ بن نافع نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کی۔ سب جاندار جنگل چھوڑ کر چل دیئے۔ یہاں تک کہ درندے اپنے بچوں کو منہ میں اٹھائے جاتے نظر آئے۔ ابن نافع نے شہر کی خط کشہ کی۔ مکانوں اور مسجد جامع کی تعمیر ہوئی اور ایک پر رونق آبادی کھڑی ہو گئی۔ ۱۔ قیروان افریقہ میں آباد تھا۔

۲۔ زراعتی ترقی : حضرت معاویہؓ نے زراعت کو فروغ دینے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ فتوح البلدان سے معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ نے عراق میں بیس سے زائد نہریں کھدوائیں اسی طرح باقی علاقوں کی طرف توجہ دی۔ یہاں تک کہ کرمان کے پہاڑی علاقہ میں کاریزیں یعنی زیر زمین نہریں تیار کرائیں۔ ۲۔ اور بخارہ کے کوہستان میں ایک نہر کھدوائی۔ ۳۔

۳۔ دینی خدمات : حضرت معاویہؓ کو دینی شعائر، آثار اور برکات سے گہری محبت تھی۔ آپ نے اس ضمن میں نہایت بیش قدر خدمات انجام دیں۔ مثلاً

حضرت معاویہؓ نے بے شمار مساجد تعمیر کرائیں۔ آپ ہی کے عہد میں میناروں کا رواج ہوا۔ حرم مکہ کی علامت مٹ رہی تھی۔ حضرت معاویہؓ نے نئی علامات نصب کرائیں۔ ۵۔ آپ نے حضرت خدیجہؓ کا مکان خرید کر اسے مسجد کے طور پر وقف کیا۔ ۶۔

کعبہ بن زہیرا ایک قصیدہ گو شاعر کو آل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر عطا فرمائی تھی۔ حضرت معاویہؓ نے دس ہزار درہم میں خریدنا چاہی لیکن کعبہؓ نے انکار کیا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت معاویہؓ نے یہ چادر ان کے ورثا سے بیس ہزار درہم میں خرید کر محفوظ کر لی۔ خلفاء اہل جاد کو عید کے موقع پر پہنتے تھے۔ (سیرت رسول عربی از نور محمد توکلی)

تاریخی نقطہ نگاہ سے ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کعبہ کو ریشمی غلاف پہنایا۔ ۷۔

۴۔ علمی خدمات : حضرت معاویہؓ علم دوست اور علم پرور تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں بطور کاتب کام کیا تھا۔ حضرت معاویہؓ کو علم کی ترویج و توسیع کی لگن رہتی

۱۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر۔ بلاذری صفحہ ۲۲۸۔ ۲۔ بلاذری صفحہ ۳۹۲۔ ۳۔ تاریخ اسلام شاہ معین الدین۔

۴۔ تاریخ اسلام شاہ معین الدین۔ ۵۔ بلاذری صفحہ ۵۳۔ ۶۔ ابن اثیر۔ ۷۔ یعقوبی۔



تھی۔ کتابوں سے بہت شوق تھا۔ آپ نے علم کے جواہر پارے اکٹھے کیے اور شاہی کتب خانہ قائم کیا۔

حضرت معاویہؓ کے عہد میں یمن کا ایک باشندہ عبید بن شریہ تاریخ قدیم سے بہت آگاہی رکھتا تھا۔ آپ نے اسے بلا کر اس سے قدیم تاریخ سنی اور حکم دیا کہ اس تاریخ کو عبید کے نام سے کتاب کی صورت میں قلم بند کر لیا جائے۔

حضرت معاویہؓ کا ایک طبیب ابن آثال یا ابن اوثال نام تھا۔ اس نے آپ کے استفادہ کے لیے طب کی بعض کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔

حضرت معاویہؓ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک سے بہت شیفتگی تھی۔ آپ نے اس کی حفاظت اور اشاعت میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

## یزید بن معاویہؓ

۶۰ تا ۶۴ ہجری

تعارف : یزید ۲۶ ہجری میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں میسون بنو کلب کے قبیلہ سے تھی۔ وہ صحرائی دنیا میں پلی تھی اس لیے شہروں کی رونق پر دیہات کی سادگی اور صفائی کو ترجیح دیتی تھی۔ اکثر صحرا میں آکر دن گزارتی تھی۔ یزید پر میسون کے اس میلان کا گہرا عکس پڑا۔ اس کو صحراؤں کی فضا سے رغبت پیدا ہو گئی۔ اکثر یہیں آکر دل بہلاتا تھا۔ یہیں اس کا سیر و شکار اور خوش وقتی کا میلان پروان چڑھا۔

تکمیل بیعت کی کوشش : خلافت کی زمام سنبھالنے کے بعد یزید کی پہلی فکریہ تھی کہ حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے بیعت حاصل کی جائے۔ ان دنوں مدینہ کا والی ولید بن عتبہ بن ابو سفیان تھا۔ یزید نے اسے حکم بھیجا کہ ان اصحاب سے بلا تاخیر بیعت حاصل کرو۔ مدافعت کا زیادہ کھٹکا حضرت حسینؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے تھا۔ ولید نے ان دونوں اصحاب کو بلا بھیجا۔ حضرت حسینؓ نے ولید کے پاس جاکر فرمایا کہ میری طرح کا آدمی پوشیدہ بیعت نہیں کرتا۔ جب سب لوگ بیعت کریں گے تو دیکھا جائے گا۔ ولید مان گیا۔ رہے عبداللہ بن زبیرؓ تو وہ ولید کا بلاوا ٹال گئے اور راتوں رات مدینہ سے نکل کر مکہ کی راہ لی۔ ولید نے تعاقب میں آدمی روڑائے لیکن بے سود۔

حضرت حسین علیہ السلام : حضرت حسین علیہ السلام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فرزند تھے۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے تھے۔ آپ ہجرت کے چوتھے برس مدینہ شریف میں پیدا ہوئے۔ اپنے بڑے بھائی حضرت حسن علیہ السلام سے عمر میں تقریباً ایک برس چھوٹے تھے

حضرت حسینؓ گلستان نبوت کا روح پرور پھول تھے۔ صورت اور سیرت ہر دو لحاظ سے اپنے نانا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت مشابہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے بے کنار محبت تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ حسینؓ میرا ہے اور میں حسینؓ کا ہوں۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک دو چاند مسجد میں نظر آئے۔ یہ حسنؓ اور حسینؓ تھے۔ سرخ لباس زیب بدن تھا۔ چلتے تھے تو کم سنی سے لڑکھڑا جاتے تھے۔ نانا کی محبت نے جوش مارا آپ نے خطبہ ملتوی فرمایا۔ منبر سے اترے اور دونوں نواسوں کو گود میں اٹھالیا بارہا ایسا ہوتا کہ جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ میں جاتے، تو حسینؓ پشت مبارک پر بیٹھ جاتے حضور ﷺ سجدے سے اٹھنا چاہتے تو انہیں آہستہ سے اتار دیتے۔ نماز سے فارغ ہ کر انہیں گود

میں بٹھالیتے۔

حضرت حسینؑ کا بچپن جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ لطف و تربیت میں گزرا۔ آپ سات برس کے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔ چھ ماہ اور گزرے تھے کہ والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی جنت کا سفر کیا۔ شفیق باپ نے پرورش سنبھالی عمر کے ساتھ ساتھ طبیعت کا جوہر روشن سے روشن تر ہوتا گیا۔ بلوغ کی منزل میں قدم رکھا تو حسینؑ علمی اور روحانی دونوں لحاظ سے انسانیت کے کمال پر تھے

حضرت حسینؑ نے دین اور ملت کی راہ میں وقتاً فوقتاً بے مثال کارنامے انجام دیئے۔ آپ اپنے والد ماجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اپنے بھائی حضرت حسن علیہ السلام کے دست راست رہے۔ حضرت حسنؑ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی تو آپ مدینہ میں مقیم ہو گئے اور اسلام کی خدمت میں مصروف رہے۔

حضرت حسینؑ کے دل میں حق کی غیرت اور حمایت کا بے کراں جذبہ تھا آپ اصول پر آنچ نہیں آنے دیتے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے جب یزید کے لیے بیعت لینا چاہی تو آپ نے انکار فرمایا۔ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید نے بیعت کی تکمیل کرنا چاہی تو آپ نے اس کے آگے سر جھکانا قبول نہ کیا اور اصول کی خاطر جلیوں سے کھیلنے پر آمادہ ہو گئے۔ ولید حاکم مدینہ نے یزید کی بیعت کے لیے بلایا لیکن آپ حکومت کے رعب میں نہ آئے۔

حضرت حسینؑ کی مدینہ سے روانگی : جس رات ولید نے حضرت حسین علیہ السلام کو بیعت کے لیے بلایا تھا اس سے اگلی شب حضرت حسینؑ نے سوائے محمد بن حنفیہ کے اپنے کنبہ کے سب افراد کو ہمراہ لیا اور عازم مکہ ہوئے۔ ۱۔

کوفیوں کی مراسلت : حضرت حسینؑ مکہ میں پہنچے تو کوفہ سے اپنی آنے لگے۔ دو اپنی سلیمان بن صرد وغیرہ کی طرف سے تھے۔ ایک اور قاصد کوفہ والوں کے تقریباً ڈیڑھ سو خطوط لے کر آیا جن میں تحریر تھا کہ آپ اگر کوفہ تشریف لائیں تو ہم آپ کے زیر علم اکٹھے ہو جائیں گے۔

حضرت حسینؑ نے جواب میں لکھا کہ میں اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو بھیج رہا ہوں وہ تمہارے میلانات اور خیالات سے مجھے مطلع کریں گے اگر تمہارے خطوط کی تصدیق ہو گئی تو میں کوفہ آ جاؤں گا۔

مسلم بن عقیل کوفہ میں : حضرت مسلم بن عقیل مکہ سے روانہ ہوئے اور مدینہ ہوتے ہوئے کوفہ پہنچے۔ کوفہ کے لوگوں نے آپ کے پاس حاضر ہو کر بہت ارادت اور سپردگی کا اظہار کیا اٹھارہ ہزار آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر حضرت حسینؑ کی بیعت کی۔ مسلم بن عقیل نے یہ حالات دیکھ کر حضرت حسینؑ کو کوفہ میں تشریف لانے کو لکھا۔ ۲۔

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔

کوفہ کا والی ان دنوں نعمان بن بشیر تھا۔ وہ نیک دل اور نرم مزاج تھا۔ اس نے حضرت مسلم بن عقیل کی سرگرمیوں کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا۔ یزید کو اطلاع ملی تو نعمان کی جگہ زیاد کے بیٹے عبید اللہ کو فرمان امارت بھیجا۔ اور حکم دیا کہ مسلم بن عقیل کو شہر سے نکالو یا قتل کر دو۔

۲۔ عبید اللہ بن زیاد: عبید اللہ صرف سترہ سواروں کے ساتھ کوفہ آیا ۳۔ منہ لپیٹے ہوئے تھا وہ شہر میں جہاں جہاں سے گزرا لوگوں نے حضرت حسینؑ سمجھ کر خوش آمدید کہا۔ ۴۔

عبید اللہ نے زمام کار سنبھالنے کے بعد عوام کے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں مخالفین کے خلاف شدید کارروائی کی دھمکی دی اور کہا کہ جس عریف (نمبردار) کے علاقہ میں بغاوت کے آثار نظر آئے اسے دار پر کھینچ دیا جائے گا۔ ۵۔

مسلم بن عقیل ان دنوں مختار کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے ان کو حالات کا علم ہوا تو مختار کے گھر سے نکل کر ہانی کے مکان میں آگئے اور یہیں مرکز قائم کر لیا۔ ۶۔

عبید اللہ نے جاسوسوں کے ذریعے مسلم بن عقیل کی قیام گاہ کے احوال کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں ہانی کو حیلہ سے اپنے پاس بلایا اور مطالبہ کیا کہ مسلم کو میرے حوالے کر دو۔ ہانی نے انکار کیا تو اتنا مارا کہ زخمی کر دیا۔ پھر قید میں ڈال دیا۔ ۷۔

مسلم بن عقیل کی شہادت: مسلم کو اطلاع ہوئی تو اپنے پیروں کو مقابلہ پر اٹھنے کا حکم دیا۔ آپ ایک کثیر ہجوم کے ساتھ دارالامارت کی طرف آئے اور اسے گھیر میں لے لیا۔ ابن زیاد نے قصر کے دروازے بند کر لیے۔ اس کے ساتھ پولیس کے صرف ۳۰۰ آدمی اور چند اشراف قبائل تھے۔ اس نے ان رؤساء سے کہا، اپنے اپنے قبیلہ والوں کو ڈرا دھمکا کر واپس کر دو۔ انہوں نے اہل قبیلہ کو خوف زدہ کر کے پھیر دیا۔ حضرت مسلم کا سارا مجمع چھٹ گیا۔ آپ کے ساتھ صرف ۳۰ آدمی رہ گئے۔ ۸۔

حضرت مسلم ان تیس آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس ہوئے اور بنو کندہ کے محلہ کی طرف چلے راہ میں یہ تیس آدمی بھی ساتھ چھوڑ گئے اور آپ تنہا رہ گئے کوئی راستہ بتانے والا بھی نہ تھا۔ ایک بوڑھی عورت نے ترس کھا کر گھر میں پناہ دی۔ اس کے بیٹے کو علم ہوا تو راز فاش کر دیا۔ عبید اللہ کے ستر آدمی ان کو گرفتار کرنے آئے۔ مسلم نے بہادری سے مقابلہ کیا۔ زخم کھائے اور ہمت نہ ہاری۔ محمد بن اشعث نے جو گرفتاری کے لئے آیا تھا امان کا وعدہ دے کر گرفتار کیا۔ وہ آپ کو لے کر ابن زیاد کی طرف چلا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور کہا کہ مجھے حسینؑ کا خیال آرہا ہے وہ مکہ سے چل نکلے ہوں گے مسلم نے محمد بن اشعث سے کہا کہ حضرت حسینؑ کو میرے حالات سے مطلع کر دو اور میری طرف سے پیغام بھیجو کہ واپس چلے

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن کثیر۔ ۵۔ ابن اثیر۔ ۶۔ ابن اثیر۔ ۷۔ ابن اثیر۔ ۸۔ ابن اثیر۔

جائیں۔ ابن اشعث نے اس مضمون کا ایک خط لکھ کر قاصد روانہ کر دیا۔ ملے  
ابن زیاد نے محمد بن اشعث کی امان کا پاس نہ کیا۔ حضرت مسلم کا سر کٹوایا اور قصر کی بلندی سے  
گروا دیا۔ پھر جسے بھی لڑھکا دیا۔ اس کے بعد ہانی کو قید خانہ سے نکلوایا اور سر بازار گردن کٹوادی۔

۲۲ حضرت حسینؑ کا مکہ سے سفر: حضرت حسینؑ مکہ میں چار ماہ سے مقیم تھے مسلم بن عقیل نے  
آپ کو تشریف آوری کے لیے عرضداشت لکھی تو آپ نے رخت سفر باندھا۔ ہوا خواہوں نے  
روکنا چاہا حضرت عبداللہ بن عباسؑ نے کہا کہ اگر کوفہ والوں نے یزید کے والی کو نکال دیا ہے تو  
آپ خوشی سے جائے ورنہ یہی لوگ آپ کے خلاف اٹھیں گے آپ کو مکہ سے سفر کرنا ہی ہے تو  
یمن تشریف لے جائے، وہاں قلعوں اور گھاٹیوں کی کثرت ہے اور آپ کے والد ماجد کے  
عقیدت مندوں کی وافر تعداد ہے۔ آپ نے فرمایا، میں عزم کر چکا ہوں۔ ابن عباسؑ نے کہا کہ  
اگر جانا ہی ہے تو اہل و عیال کو ساتھ نہ لیجئے۔ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ آپ کو حضرت عثمانؓ کی  
طرح گھر والوں کی آنکھوں کے سامنے شہید کیا جائے گا۔ ۳۔

آپ نے ۲۲ ذوالحجہ کو مکہ سے کوچ کیا۔ آپ کے ساتھ بہتر (۷۲) افراد تھے۔ مکہ کے والی  
نے چند آدمی بھیج کر روکنے کی کوشش کی۔ دونوں طرف سے تلواریں بے نیام ہوئیں۔ حضرت  
حسینؑ کا راستہ کوئی نہ روک سکا۔ ۴۔

حضرت حسینؑ نے مکہ سے کچھ سفر کیا تھا کہ فرزدق شاعر ملا۔ وہ کوفہ سے آرہا تھا حضرت  
حسینؑ نے پوچھا، کوفہ والوں کی کیا خبریں ہیں؟ فرزدق بولا، ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں اور  
تلواریں بنو امیہ کے ہمراہ۔ حضرت حسینؑ نے فرمایا، سب اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جو  
چاہے کرتا ہے۔ ہمیں ہر حال میں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ راستہ میں مکہ سے ایک چٹھی  
عبداللہ بن جعفر کی ملی جس میں انھوں نے آپ کو واپس آنے کی درخواست کی تھی۔ ایک اور  
خط والی مکہ کا آیا جو عبدالرحمان بن جعفر نے لکھوایا تھا۔ اس میں تحریر تھا کہ آپ واپس تشریف  
لے آئیے۔ میں آپ کو امان دیتا ہوں۔ آپ نے بازگشت سے انکار کر دیا۔ ۵۔

ابن زیاد کو حضرت حسینؑ کی روانگی کا علم ہوا تو عراق عرب کی سرحد پر قادسیہ کے آس پاس  
فوجیں پھیلا دیں۔ حضرت حسینؑ نے راستہ میں ایک قاصد کو کوفہ والوں کے نام خط دے کر روانہ  
کیا۔ اسے قادسیہ کی فوج نے گرفتار کر کے بن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ ابن زیاد نے اسے مروا

ڈالا۔ ۶۔

تعلیق کے مقام پر حضرت حسینؑ کو مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر ملی۔ آپ کے بعض  
ہمراہوں نے مشورہ دیا کہ واپس چلیں کیوں کہ کوفہ میں آپ کا ایک بھی یاور نہیں بلکہ ہمیں

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔ ۶۔ ابن اثیر۔ ۷۔ ابن اثیر۔

خدا ہے کہ وہ آپ کے خلاف انھیں گے۔ بنو عقیل بھڑک کر بولے، 'واللا' جب تک ہم انتقام نہ لیں یا عقیل کی طرح موت کا ذائقہ نہ چکھ لیں، دم نہیں لیں گے۔ حضرت حسینؑ نے فرمایا، ان کے بعد زندگی کا مزہ نہیں۔ ۱۔

راستہ میں آپ جن جن آبادیوں کے پاس سے گزرے وہاں کے بدو آپ کے ساتھ شامل ہوتے گئے۔ جب آپ کو حضرت مسلم اور اپنے ایک اور قاصد کے سفاکانہ قتل کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ساتھیوں سے خطاب کیا کہ کوفہ والوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے تم میں سے بھی جو آدمی جانا چاہے آزاد ہے۔ بدو دائیں بائیں کھسک گئے اور آپ کے ہمراہ وہی افراد باقی رہے جو مکہ سے روانہ ہوئے تھے۔ ۲۔

شرف سے آگے نکلے تو حر بن یزید تمیمی ایک ہزار کے دستہ کے ساتھ سامنے سے نمودار ہوا۔ وہ قادسیہ کی شاہی فوج سے آیا تھا۔ یہاں آکر اپنے لشکر کے ساتھ حسینی قافلہ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ ظہر کی اذان کے بعد حضرت حسینؑ نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا، میں تمہاری طرف خود نہیں آیا۔ تمہارے خطوط اور قاصدوں کے جواب میں آیا ہوں۔ اب اگر تم لوگ مجھے نہیں چاہتے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ آپ نے نماز پڑھائی۔ دوست دشمن سب آپ کے پیچھے صف بستہ ہوئے۔ عصر کی نماز کے بعد کوفہ والوں کے سامنے تقریر کی کہ ہم اہل بیت ان جھوٹے دعویداروں کے مقابلہ میں حکومت کے زیادہ حق دار ہیں۔ اب اگر تمہاری رائے بدل گئی ہے اور تم خطوط اور قاصدوں کے پیغاموں سے مڑ گئے ہو تو میں لوٹ جاتا ہوں۔ حر نے کہا، 'واللا' ہم نہیں جانتے آپ کن قاصدوں اور خطوط کا ذکر کر رہے ہیں۔ حضرت حسینؑ نے خطوط کے دو بنڈل پھیلا دیے۔ حر بولا، ہم نے یہ چٹھیاں نہیں لکھیں۔ ہمیں تو حکم ملا ہے کہ آپ کے ساتھ ساتھ چلیں تاکہ آپ کو کوفہ میں ابن زیاد کے سامنے پہنچا دیں۔ حضرت حسینؑ نے جواب دیا کہ تمہارے اس مقصد سے موت تمہارے قریب تر ہے۔ حضرت حسینؑ نے ساتھیوں کو لوٹنے کا حکم دیا۔ حر مانع آیا اور کہا کہ مجھے یہ حکم ملا ہے کہ آپ کو کوفہ لے کر جاؤں۔ مجھے آپ سے لڑنے کی فرمائش نہیں۔ آپ مدینہ اور کوفہ کے مابین کوئی راستہ اختیار کریں میں ابن زیاد کو خط لکھتا ہوں۔ آپ بھی یزید یا ابن زیاد کو لکھیں ممکن ہے اللہ تعالیٰ عافیت کی راہ نکالے اور میں اس آزمائش سے بچ جاؤں۔ حضرت حسینؑ نے قادسیہ کا راستہ چھوڑ دیا۔ حر آپ کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔

عذیب الہجانات کے مقام پر آپ کو اپنے دوسرے قاصد کی موت کی خبر آئی۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ قبیلہ طے کے ایک رئیس طرماح نے عرض کیا، آپ ہمارے علاقہ میں تشریف لے جائیں۔ میرا قبیلہ بنو طے آپ کی حفاظت میں سینہ سپر ہوگا۔ آپ وہاں

جانے سے معذوری ظاہر کی۔ ۱۔

نیوی کے مقام پر حر کے پاس ابن زیاد کا قاصد یہ پروانہ لے کر آیا کہ حضرت حسینؑ کے قافلہ کو ایسی جگہ اتارو جہاں نہ قلعہ ہو اور نہ پانی۔ آپ کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ حر کے ساتھ جنگ کی جائے۔ آپ نے فرمایا، میں پہل نہیں کروں گا۔ ۲۔

کربلا : حضرت حسینؑ ۲ محرم ۶۱ ہجری کو کربلا کے میدان میں اترے۔ یہ جمعرات کا روز تھا۔ ابن زیاد نے سعد بن ابی وقاص کے بیٹے عمر کو چار ہزار فوج کے ساتھ حضرت حسینؑ کے مقابلہ پر بھیجا۔ یہ تین محرم کو آیا۔ حضرت حسینؑ نے اس سے کہا کہ کوفہ کے لوگوں نے ہمیں بلایا تھا۔ اگر وہ ہمیں پسند نہیں کرتے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ عمر نے ابن زیاد کو اطلاع کی۔ اس نے جواب دیا کہ حضرت حسینؑ سے یزید کی بیعت لو اور ان پر دریا کا پانی بند کر دو۔ چنانچہ یزیدی فوج کے پانچ سو آدمی گھاٹ پر مامور کر دیئے گئے۔ یہ شہادت حسینؑ سے تین روز پہلے کا واقعہ ہے۔

حضرت حسینؑ کے قافلہ میں پیاس کی شدت ہوئی تو آپ نے پچاس آدمی پانی لانے کو بھیجے۔ بیس پیدل تھے جو مشکیں اٹھائے ہوئے تھے اور تیس سار تھے۔ انہوں نے لڑ بھڑ کر مشکیں بھر لیں۔ ۳۔

حضرت حسینؑ کی عمر بن سعد سے تین چار ملاقاتیں ہوئیں۔ حضرت حسینؑ نے فرمایا کہ مجھے یا واپس جانے کی اجازت دو یا اپنے حال پر چھوڑ دو کہ جہاں چاہوں چلا جاؤں اور دیکھوں کہ مستقبل کیا دکھاتا ہے۔ عمر نے ابن زیاد کو ان شرائط سے آگاہ کیا۔ ابن زیاد تسلیم کرنے کو تیار تھا لیکن شمر بن ذی الجوشن نے کہا کہ اگر آج حسینؑ تمہارے ہاتھوں سے نکل گئے تو یہ تمہاری بڑی کمزوری ہوگی۔ ان کے ساتھ اس بات پر تصفیہ کرو کہ وہ اپنے آپ کو تمہارے سپرد کر دیں اور تم جو فیصلہ چاہو کرو۔ ابن زیاد مان گیا۔ اور شمر کے ہاتھ عمر کے نام یہ حکم بھیجا کہ حسینؑ کی اطاعت حاصل کرو ورنہ جنگ کر کے انہیں قتل کرو اور ان کی لاش پر گھوڑے دوڑاؤ۔ اگر تمہیں اس کی تعمیل سے انکار ہے تو کمان شمر کے حوالے کر دو۔

محرم کی نویں تاریخ کو عمر بن سعد لشکر لے کر بڑھا۔ حضرت حسینؑ نے کہلا بھیجا کہ جنگ کل پر ملتوی کرو۔ ہم آج رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کر لیں۔ انہوں نے مان لیا۔ اس کے بعد حضرت حسینؑ نے ساتھیوں کو جمع کر کے فرمایا کہ تم لوگ رات کو چل دو۔ تمہیں میری طرف سے آزادی ہے۔ یہ لوگ مجھ سے غرض رکھتے ہیں۔ تمہاری پروا نہیں کریں گے۔ آپ کے اہل بیت نے کہا، ہم ایسا نہیں کریں گے۔ ۴۔

اہل بیت نے تمام رات عبادت میں بسر کی۔ صبح ہوئی تو حضرت حسینؑ نے نماز کے بعد صف

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔

بندی کی۔ آپ کے ساتھ بتیس سوار اور چالیس پیادے تھے۔ مستورات کے خیمے لشکر کی پشت پر تھے۔ اس خیال سے کہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر دے رات کو خیموں کے پیچھے کچھ جگہ کھود لی گئی تھی۔ اس میں ایندھن ڈال کر آگ جلا دی۔ ۱۔

دشمن کا لشکر سامنے آیا تو حضرت حسینؑ نے اس کے سامنے ایک خطبہ دیا۔ کوفیوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ البتہ حرب بن یزید نے گھوڑے کو ایڑ کی اور آپ کے لشکر میں آٹا۔ اس کے تیس سوار بھی شریک ہوئے۔ ۲۔

عمر بن سعد آگے بڑھا اور لشکر حسینؑ پر تیر پھینک کر بولا، گواہ رہو کہ سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے۔ اس کے بعد کوفیوں نے کچھ دیر تیر اندازی کی اور ہنگامہ کارزار گرم ہوا۔ ایک طرف گنتی کے فداکار تھے اور دوسری طرف چار ہزار فوج۔ حضرت حسینؑ کے رفقاء بجلی کی ادا سے جھپٹتے تھے۔ جدھر رخ کرتے دشمن کی فوج سمٹ سمٹ جاتی تھی۔ دشمن نے تیروں کی بارش کر دی۔ اہل بیت سب گھوڑے بیکار ہو گئے اور وہ پیدل ہو کر لڑنے لگے۔ ظہر کا وقت آ گیا۔ دشمن نے توقف نہ کیا اور لشکر حسینؑ نے صلوٰۃ الخوف ادا کی۔ اس کے بعد جنگ کے شعلے تیز تر ہوئے۔ لشکر حسینؑ نے بہادری اور بے خوفی کی بے نظیر مثالیں قائم کیں۔ زہیر بن القین نے بارہ آدمی قتل کیے جو زخمی کیے وہ الگ تھے۔ ۳۔

حضرت حسینؑ کے جاں نثار ایک ایک کر کے آپ کی حفاظت میں فدا ہو گئے۔ اب اہل بیت کی باری آئی۔ سب سے پہلے علی اکبرؑ نے شہادت پائی۔ ۴۔

اس کے بعد سادات کے دیگر نوجوانوں نے دلاوری اور سرفروشی کا عدیم المثال مظاہرہ کر کے جان دی۔

حضرت حسینؑ میدان جنگ میں تنہا رہ گئے۔ آپ نے اکیلی جان سے پورے لشکر کا مقابلہ کیا۔ زخم پر زخم آنے لگے۔ آپ نے اپنے کسن بچے عبداللہ کو بلا کر گود میں بٹھایا۔ ایک تیر آیا اور حضرت عبداللہ کی جان لے گیا۔ پھر ایک خورد سال بچہ لکڑی کا ڈنڈا لے کر خیمہ سے نکلا۔ ایک ظالم نے اسے قتل کر دیا۔ ۵۔

حضرت حسینؑ کو پاس نے ستایا تو فرات کی طرف رخ کیا۔ ایک تیر آ کر آپ کے چہرے میں لگا اور خون بننے لگا۔ آپ چلو خون سے بھر کر آسمان کی طرف اٹھاتے اور کہتے، اے اللہ میرا شکوہ تجھی سے ہے۔ اعداء نے آپ کو گھیر لیا۔ آپ کا ایک کسن بھتیجا آپ کے پاس آکھڑا ہوا۔ ایک شخص نے آپ پر تلوار چلائی۔ آپ کے بھتیجے نے ہاتھ پر روکی۔ ہاتھ کٹا اور جلد سے لٹک کر رہ گیا۔ بچہ چلایا۔ حضرت حسینؑ نے اسے گلے لگا لیا۔ حضرت حسینؑ تلوار لے کر جس طرف مرنے حملہ آور بھاگ جاتے تھے۔ آپ پیدل تھے لیکن شاہ سواروں کی شان سے لڑ رہے

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر ابن کثیر۔ ۳۔ ابن اثیر ابن کثیر۔ ۴۔ ابن کثیر۔ ۵۔ ابن اثیر۔



تھے۔ آپ کے ہاتھ اور شانہ پر تلواریں پڑیں۔ کسی نے نیزہ کا وار کیا۔ اور آپ گر پڑے۔ ایک ظالم نے آپ کا سر کاٹ لیا۔ آپ کا اسلحہ اور لباس لوٹ لیا گیا۔ اس کے بعد ظالموں نے خیموں میں لوٹ چھائی۔ حضرت حسینؑ کے بیٹے حضرت علیؑ خیمہ میں بیمار پڑے تھے۔ شمر نے انہیں بھی قتل کرنا چاہا۔ لیکن ایک شخص کے منع کرنے پر باز آیا۔ عمر بن سعد نے آکر لوگوں کو خیموں میں داخل ہونے سے روکا۔ اس کے بعد اس نے دس آدمیوں کو حکم دیا کہ حضرت حسینؑ کی نعش کو گھوڑوں سے پامال کریں۔ ۱۔

شہداء کے سروں کو ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ مستورات کو بھی کوفہ پہنچایا اور انہیں ابن زیاد کے سامنے پیش کیا۔ ابن زیاد نے انہیں دمشق یزید کے پاس بھیجا۔ اہل بیت وہاں چند روز رہے۔ اس کے بعد مدینہ تشریف لے گئے۔ ۲۔

واقعہ کربلا کے نتائج : دنیا میں بہت کم واقعات ایسے ہوئے ہیں جن کے نتائج واقعہ کربلا کے سے دور رس ہوں۔ بنو امیہ کی سیاست پر کاری ضرب پڑی اور ان کی قدر و منزلت گھٹ گئی۔ اموی خاندان کو اتفاق سے بعض نہایت مدبر بادشاہ ملے۔ جنہوں نے حیلہ و حربہ سے حکومت کی گاڑی کو چلائے رکھا۔ لیکن خلیفہ کے لیے عوام کے دل میں جو احترام ہونا چاہیے وہ بنو امیہ کے لیے پیدا نہ ہو سکا۔ سوائے اہل شام اور بنو امیہ کے دیگر نمک خواروں کے عہم کی وفاداریاں متزلزل ہو گئیں۔ ولید نے نصف دنیا کو فتح کیا لیکن آج عوام میں کتنے لوگ اسے جانتے ہیں؟ اس کے برعکس اہل بیت کا احترام ہزار چند ہوا۔ انہی کے نام سے بالآخر چپکے چپکے ایک ایسی تحریک اٹھی جس نے اموی سلطنت کی بیخ کنی کر دی۔

الغرض ۱۰ محرم ۶۱ ہجری کو اموی اقبال نے جو ٹھوکر کھائی اس سے سنبھلنا نصیب نہ ہوا۔ ۲۔ آئمہ اہل بیت سیاست سے دل برداشتہ ہو کر یک سو ہو گئے۔ انہوں نے ساری توجہ تعلیم و ترقیہ پر مبذول کر دی اور ہمہ وقت اس کے لیے وقف ہو گئے۔ امام زین العابدینؑ، امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علم و ہدایت کے مینار بن کر ابھرے۔ انہوں نے علم و فن اور فلسفہ و حکمت کی آب یاری کی اور علمی و روحانی دنیا کو مالا مال کر دیا۔

۳۔ سانحہ کربلا کے بعد اہل بیت کے ساتھ ملت کے ہر گروہ کی ہمدردیاں بڑھ گئیں۔ ۴۔ کربلا کے حادثہ کی یاد حق کے جویاؤں کو ایک تو یہ سبق سکھاتی ہے کہ ملوکیت اور مطلق العنانی کھل کھیلے تو کیا گل کھلاتی ہے۔ اس لیے اسے پنپنے نہ دیا جائے اور دوسرا یہ کعباطل کی چمک دمک اور سر و سامان سے گھبرانا درست نہیں۔ حق کے پرستار مرگزی زندہ رہتے ہیں۔ وقت جوں جوں گزرتا ہے ان کی شخصیت نمایاں سے نمایاں تر ہوتی جاتی ہے۔

۵۔ حضرت امام حسینؑ نے چوں کہ اہل اسلام کے ہر گروہ کے دلوں میں گھر کر لیا اس لیے

آپ کی یاد اسلام کے مختلف فرقوں کے درمیان اجنبیت کو گھٹاتی ہے۔  
حجاز پر چڑھائی : مکہ اور مدینہ کے باشندوں نے یزید کی اطاعت سے انکار کر دیا۔ یزید نے ان  
شہروں پر فوج روانہ کی۔

جنگ حرہ : حرہ عہد میں آتش فشاں پتھروں کی زمین کو کہتے ہیں۔ مدینہ سے باہر حرہ کا ایک وسیع  
میدان ہے۔ یہاں یزیدی فوج اور اہل مدینہ کے درمیان ۶۳ ہجری میں جنگ ہوئی۔

اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ واقعہ کربلا کے بعد مدینہ والوں نے یزیدی گورنر سے عنان اختیار  
چھین کر اپنا حاکم مقرر کر لیا۔ بنو امیہ کے جس قدر افراد مدینہ میں تھے انہیں محصور کر لیا۔ انہوں  
نے یزید کو اطلاع بھیج دی۔

اہل بیت اور عبداللہ بن عمر کا گھرانہ اس انقلاب سے بے تعلق رہا۔  
یزید نے ایک عمر رسیدہ، سنگ دل اور سوختہ اخلاق شخص مسلم بن عقبہ بن عتبہ منی کو دس پندرہ  
ہزار فوج کے ہمراہ مدینہ پر چڑھائی کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ تین روز صلح کی دعوت دینا۔ اگر  
مدینہ والے نہ مانیں تو جنگ کرنا۔ فتح یاب ہو کر مدینہ کو تین روز تک مباح کر دینا۔ شہر میں جس  
قدر مال، مویشی، اسلحہ اور غلہ ہے وہ تمہارے لشکر کا حق ہوگا۔

مسلم بن عقبہ نے مدینہ سے باہر شرقی جانب حرہ کے میدان میں پڑاؤ ڈالا۔ اہل شہر کو تین  
روز کی مہلت دی۔ چوتھے روز جنگ چھڑی۔ خون ریز معرکہ ہوا۔ مدینہ والوں نے پہلے بلہ میں  
دشمن کا رخ پھیر دیا لیکن مسلم بن عقبہ ثابت قدمی نے جنگ کا نقشہ بدل ڈالا۔ اہل شہر شکست  
کھا کر بھاگے۔ مسلم نے اعلان کیا کہ مدینہ تین روز تک مباح رہے گا۔ شامیوں نے حرم میں

خوب لوٹ مار کی اور جن لوگوں نے یزید کی بیعت سے انکار کیا انہیں نذر شمشیر کر دیا۔  
۲۔ مکہ پر حملہ : (۶۴) مسلم بن عقبہ مدینہ سے فارغ ہو کر مکہ کی طرف راہی ہوا۔ یہ کھوسٹ  
مریض راستہ میں تمام ہوا اور حصین بن نمیر نے کمان سنبھالی۔

مکہ میں عبداللہ زبیر اپنا مرکز قائم کیے ہوئے تھے۔ آپ واقعہ کربلا کے بعد خلافت کا دعویٰ  
لے کر اٹھے اور حجاز والوں سے بیعت لینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ آپ کے پاس خاصی جمیعت  
تھی۔ مدینہ کے بعض شکست خوردہ اصحاب بھی آپ کے گرد جمع ہو گئے کعبہ کی حفاظت کی خاطر  
خوارج کی ایک جماعت نے بھی ساتھ دیا۔

ابن زبیر کے لشکر اور یزیدی فوج کے درمیان ۶۴ ہجری کے اواخر میں جنگ چھڑی۔ صفر کا  
مہینہ گزر گیا۔ ربیع الاول آیا اور جنگ جاری رہی۔ ابن زبیر بالآخر حرم میں محصور ہو کر بیٹھ  
رہے۔ یزیدی فوج نے ۳ ربیع الاول منجستوں کے ذریعے پتھروں اور آگ کی بارش شروع  
کی۔ اس اثناء میں کعبہ کے پردہ کو آگ لگ گئی۔ مشہور یہ ہے کہ حملہ آوروں کی آتش باری

۱۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر۔

سے یہ حادثہ پیش آیا۔ لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ محصورین کی اپنی غلطی سے شرارہ اڑا جس سے کعبہ کے پردوں اور لکڑی نے آگ پکڑ لی۔ ۱۔  
 مکہ کا محاصرہ جاری تھا کہ یزید کی موت کی خبر آئی۔ حصین بن نمیر نے لڑائی سے ہاتھ روک لیا اور ابن زبیر سے ملاقات کی درخواست کی۔ دونوں رات کے وقت ملے۔ حصین نے کہا، آپ سے بڑھ کر خلافت کا کوئی حقدار نہیں۔ آئیے ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ شام چلیں کیوں کہ میرے ساتھ جو لشکر ہے جو شام کے چیدہ شاہ سواروں پر مشتمل ہے۔ آپ وہاں گئے تو دو آدمی بھی اختلاف نہیں کریں گے۔ ہمارے آپ کے درمیان جو خون ریزی ہوئی ہے آپ اس سے درگزر کریں۔ ابن زبیر نے کہا، اللہ کی قسم میں یہ خون رائیگاں نہ جانے دوں گا۔ اور جب تک ایک کے بدلے دس نہ مار لوں گا۔ راضی نہ ہوں گا۔ حصین آہستہ بول رہا تھا اور ابن زبیر کی آواز اونچی ہو رہی تھی۔ حصین نے کہا، میرا خیال تھا کہ آپ صاحب رائے ہیں۔ میں آپ سے خفیہ گفتگو کرتا ہوں اور آپ علانیہ اظہار کرتے ہیں۔ میں آپ کو خلافت کی دعوت دیتا ہوں۔ اور آپ قتل و ہلاکت کے طالب ہوتے ہیں۔ اس کے بعد یہ دونوں جدا ہو گئے۔ حصین نے لشکر لے کر شام کی راہ لی۔ ابن زبیر کو بعد میں ندامت ہوئی اور حصین کو کہلا بھیجا کہ میں شام نہیں جانا چاہتا۔ تم لوگ یہیں میری بیعت کر لو۔ حصین نے جواب دیا کہ جب تک آپ شام نہیں جائیں گے۔ یہ کام تکمیل کو نہیں پہنچے گا۔ کیوں کہ وہاں بنو امیہ کا ایک گروہ ہے جو خلافت طلب کرے گا۔ ۲۔

عقبہ بن نافع کی فتوحات : عقبہ بن نافع کو حضرت معاویہ نے افریقیہ کی ولایت سے معزول کر دیا تھا۔ یزید نے انہیں بحال کیا۔

افریقیہ کے بعض حصوں میں رومیوں کا بہت زور تھا۔ عقبہ نے ان کا تسلط ختم کرنے کی ٹھانی۔ آپ نے قسم کھائی تھی کہ ساری عمر کفار سے جہاد کروں گا۔ ایک عظیم لشکر لے کر دشمن کے علاقے میں داخل ہوئے۔ رومیوں اور بربر نے اتحاد کیا اور بڑے بڑے اجتماع کر کے عقبہ کے سامنے آئے۔ لیکن ہر بار شکست کھائی۔ حضرت عقبہ بن نافع زاب، سوس ادنیٰ اور سوس اقصیٰ کے اضلاع سے ہوتے ہوئے بحر محیط (بحر ظلمات یا اوقیانوس) کی بندرگاہ مالیان میں جا رکے۔ سامنے سمندر تھا۔ اسے دیکھ کر اللہ کے حضور میں عرض کیا، یا اللہ! اگر یہ بحر نہ ہوتا تو میں تیری راہ میں جہاد کرتا بڑھے چلے جاتا۔ ۳۔

حضرت عقبہ نے ساحل اوقیانوس سے قدم موڑے۔ بربر کا ایک مسلمان سردار کید بن کرم آپ سے عناد رکھتا تھا۔ آپ واپسی کے سفر میں تھے کہ اس نے موقع دیکھ کر حملہ کر دیا۔ آپ کا لشکر بہت قلیل تھا۔ شجاعت کا حق ادا کیا اور سب ہمراہیوں کے ساتھ شہادت کا جام پی گئے۔ اب کید کے لیے میدان خالی تھا۔ اس نے قیروان پر قبضہ جما لیا۔ وہ عبد الملک کے عہد تک یہاں قابض رہا۔ ۴۔

یزید کی وفات : یزید نے ۱۳ ربیع الاول ۶۳ ہجری کو ۳۷ یا ۳۹ برس کی عمر میں قضا کی۔ ۵۔

۱۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر۔

عقبنہ کا مہیب دران بہاؤ  
 وشت لو وشت میں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے  
 بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے



## معاویہ ثانی بن یزید ۶۴ ہجری

یزید کے بعد اس کا بیٹا معاویہؓ تخت پر بیٹھا۔ وہ نہایت زاہد اور بے حرص تھا۔ جلد ہی حکومت سے اکتا گیا۔ اور تین ماہ کے بعد دست برداری کا اعلان کر دیا۔ بنو امیہ نے اس سے کہا کہ اپنا جانشین نامزد کر جاؤ۔ اس نے جواب دیا، 'کیا تختی میں اٹھاؤں اور شیرینی کے مزے بنو امیہ لیں؟ وہ چند روز بعد انتقال کر گیا۔ اس کی عمر اکیس برس کی تھی۔

## ۹۰۷ مروان بن حکم اور عبداللہ بن زبیرؓ

۶۳ ہجری تا ۶۵ ہجری

معاویہ ثانی کی دست برداری کے بعد دنیائے اسلام کی نگاہوں میں عبداللہ بن زبیرؓ کی ہستی ہی شایانِ خلافت تھی۔ شام کے ایک حصے کے سوا کل صوبوں میں آپ کی بیعت ہو گئی۔

عراق پر عبید اللہ بن زیاد نے قبضہ جمانے کی کوشش کی۔ بصرہ والوں نے اس کی بیعت تو کر لی لیکن باہر نکل کر ہاتھ دیواروں پر رگڑ رگڑ کر (تاکہ بیعت ہاتھوں سے گھس جائے) کہنے لگے، کیا مرجانہ اے کا بیٹا توقع رکھتا ہے کہ ہم ہر حال میں اس کی اطاعت کریں گے۔ ابن زیاد نے کوفہ والوں کو بھی بیعت کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے انکار کیا۔ اہل بصرہ کو علم ہوا تو کھل کر ابن زیاد کے مقابل آگئے۔ اس نے بھاگ کر شام میں پناہ لی۔ ۷۲

عبداللہ بن زبیرؓ: حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہجرت کے بعد مدینہ میں پیدا ہوئے تھے۔ مدینہ میں مہاجرین کے ہاں آپ پہلے مولود تھے، اس لیے آپ کی پیدائش پر دستِ خوشیاں منائی گئیں۔

عبداللہ بن زبیرؓ حضرت صفیہؓ کے پوتے تھے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی تھیں۔

حضرت عبداللہ کے والد زبیرؓ نہایت جری شاہسوار تھے۔ حضور صلی اللہ وسلم نے زبیرؓ کو اپنا حواری کہا تھا۔

عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ حضرت اسماءؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر ہجرت کے دوران میں جن دنوں غار ثور میں مقیم تھے حضرت اسماءؓ آپ کو کھانا پہنچاتی تھیں۔

حضرت عائشہؓ جناب ابن زبیرؓ کی خالہ تھیں۔ حضرت عائشہؓ کی اولاد نہ تھی۔ انہوں نے ابن زبیرؓ کو بیٹا کہہ رکھا تھا اور ان کے نام سے ام عبداللہ کہلاتی تھیں۔ ابن زبیرؓ ہمت و شجاعت میں بچپن سے ممتاز تھے۔ جنگ جمل میں آپ حضرت عائشہؓ کی فوج میں تھے۔ اس جنگ میں آپ گرفتار ہو گئے لیکن جناب امیرؓ نے رہا فرما دیا۔

یزید کی ولی عہدی سے جن لوگوں نے انکار کیا تھا ان میں ایک آپ بھی تھے۔ جناب امام حسینؓ نے کربلا میں شہادت پائی تو آپ نے خلافت کا دعویٰ کیا اور مکہ کو مرکز بنا کر بیٹھ گئے۔ یزید نے مدینہ کو مغلوب کرنے کے بعد آپ کے خلاف ایک مہم بھیجی لیکن اس کی ناگہانی موت سے یہ مہم ادھوری رہ گئی۔

یزید کی موت اور اس کے بیٹے معاویہ کی دست برداری کے بعد سوائے دمشق کے ضلع کے اور سب مملکت میں ابن زبیرؓ کی بیعت ہو گئی۔ سید دمشق میں بنو امیہ کا بہت زور و اثر تھا۔ حالات

۱۔ زیاد کی ماں کا نام تھا۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن کثیر۔

نے مدد کی اور خلافت پر ان کے دوبارہ قابض ہونے کی راہ نکل آئی۔ تھوڑے ہی دنوں میں نہ صرف دمشق بلکہ سارے شام پر مروان بن حکم اموی کا تسلط قائم ہو گیا۔

مروان بن حکم : مروان کا باپ حکم فتح مکہ کے دن اسلام لایا تھا۔ بعد میں حضور ﷺ نے اسے مکہ سے شہر بدر کر کے طائف بھیج دیا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں مروان کا ستارہ چمکا۔ یہ حضرت عثمانؓ کا چچرا بھائی تھا۔ انہوں نے اسے اپنی بیٹی بیاہ دی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد اس نے حضرت علیؓ کے خلاف حضرت عائشہؓ کی حمایت کی۔ جنگ جمل میں گرفتار ہوا۔ حضرت علیؓ نے مراحم خسروانہ سے کام لیا اور آزاد کر کے جانے دیا۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ کے حامیوں میں شامل ہو گیا۔ حضرت معاویہؓ خلیفہ ہوئے تو مروان کو مدینہ کا والی مقرر کیا۔ وہ اس عہدہ پر کئی برس فائز رہا۔

یزید کی وفات کے وقت مروان مدینہ میں تھا۔ ابن زبیرؓ نے حکم دیا کہ سب اموی مدینہ سے نکل جائیں۔ مروان بھی ان کے ساتھ شام چلا گیا۔ اس کے ہمراہ اس کا بیٹا عبدالملک بھی تھا جو آگے چل کر خلیفہ ہوا۔ عبدالملک کی عمر اس وقت اٹھائیس برس تھی۔ ۱

موتمر جابیہ (جابیہ کانفرنس) : حصین بن نمیر جب مکہ سے شام کو لوٹا تو اس نے مروان کو اپنی اور ابن زبیرؓ کی گفتگو سے مطلع کر کے رائے دی کہ بنو امیہ کو اپنا امیر منتخب کر لینا چاہیے۔ ورنہ فتنہ کی تاریکی ہمیں گھیر لے گی۔ مروان عبداللہ بن زبیرؓ کی شخصیت سے مرعوب تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ ابن زبیرؓ کے پاس حاضر ہو کر بیعت کرے اور بنو امیہ کے لیے امان طلب کرے۔ مروان راستہ میں تھا کہ عبید اللہ بن زیاد سے ملاقات ہوئی۔ ابن زیاد عراق سے بھاگ کر آیا تھا۔ مروان کو یہ کہہ کر پھیر لایا کہ تم بنو امیہ کے سرخیل اور ان کی آخری امید ہو۔ یہ شرم کی بات ہوگی کہ تم ابن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ میں تمہارے لیے راہ ہموار کروں گا۔ ۲

شام کے لوگوں کا کسی ایک ہستی کی خدافت پر اتحاد نہ تھا۔ بعض قبیلے بنو امیہ کے حق میں تھے اور بعض ابن زبیرؓ کے حق میں۔ اکثریت بنو امیہ کی طرف دار تھی۔

جابیہ کے مقام پر بنو امیہ کے حامیوں کی ایک موتمر یعنی کانفرنس کا انعقاد ہوا کہ خلیفہ کے بتایا جائے۔ ان میں سے بعض افراد کے دلوں میں عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کا خیال بھی گزرا تھا۔ لیکن وہ اپنے خیالات کو تجویز کی صورت میں پیش نہ کر سکے۔ موتمر کے سامنے مروان بن حکم اور خالد بن یزید کے نام تھے۔ بنو کلب کا قبیلہ خالد کی حمایت میں سرگرم تھا۔ کیوں کہ اس ماں اس قبیلہ سے تھی۔ لیکن خالد کی کم سنی کی وجہ سے اس کا انتخاب مشکل تھا۔ ایک اور امید وار عمرو بن سعید بن العاص نام بھی تھا۔ لیکن یہ بھی تجربہ سے عاری تھا۔ آخر چالیس روز کے سوچ بچار کے بعد فیصلہ ٹھہرا کہ مروان کی بیعت کر لی جائے کیونکہ وہ عمر اور تجربہ دونوں لحاظ سے فائق ہے۔ اس کے بعد خالد بن یزید اور عمرو بن سعید علی الترتیب خلیفہ ہوں گے۔ ۳

ضحاک بن قیس : اس وقت دمشق پر ضحاک بن قیس کا قبضہ تھا۔ یہ بہت بااثر سردار تھا۔

۱۔ ابن اثیر ذکر ریح مروان۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔

صحابیت سے مشرف تھا۔ حضرت معاویہ کے وقت سے دمشق کا گورنر چلا آتا تھا۔ یزید کی وفات کے بعد پہلے پہل ابن زبیر کا حاکم ہوا۔ پھر بنو امیہ کا زور دیکھ کر ان کی طرف پلٹ گیا۔ جابیہ کانفرنس کی تحریک اسی نے کی تھی۔ لیکن ابھی جابیہ کے راستے ہی میں تھا کہ اس کی رائے دوبارہ ابن زبیر کے حق میں بدل گئی اور واپس آکر دمشق میں مقیم ہو گیا۔

ضحاک بن قیس بہت قوت اور اقتدار کا مالک تھا۔ مروان کے لیے اس سے سرمیدان ہونا مشکل تھا، لیکن ساتھ ہی سادہ لوح تھا۔ اس لیے اسے سیاسی چال سے شکست دینا آسان تھا۔ اس کا بیڑا عبید اللہ بن زیاد نے اٹھایا۔ ابن زیاد دمشق آیا اور ضحاک کے ساتھ دوستانہ راہ و رسم پیدا کر لی۔ آہستہ آہستہ اس پر پورا اعتماد جما لیا۔ ایک روز اسے صلاح دی کہ تم بہت امانت کیش اور صاحب لیاقت ہو، اگر تم خلافت حاصل کر لو تو عین بجا ہو گے۔ ضحاک ان باتوں میں آگیا اور تین روز اپنی خلافت کی دعوت دینا رہا۔ عوام نے برا مانا اور اسے دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ پہلے تم نے ابن زبیر کے لیے بیعت حاصل کی۔ پھر بغیر کسی سبب یا عذر کے تم نے یہ بیعت توڑ ڈالی۔ اب اپنی ذات کے لیے خلافت کے طلب گار ہو۔ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟ ضحاک نے ناچار دوبارہ ابن زبیر کی بیعت کی طرف رجوع کیا۔ لیکن تلون اور عدم ثبات کی وجہ سے اس کی قدر جاتی رہی۔

ابن زیاد کا پہلا تیر نشانہ پر بیٹھ چکا تھا لیکن ابھی اسے ایک اور تیر بھی چھوڑنا تھا۔ دمشق میں ضحاک کی سیاسی قوت تیزی سے گر رہی تھی ابن زیاد نے اسے مشورہ دیا کہ کامیابی چاہیے تو شہروں کے بجائے صحراؤں کا رخ کرو۔ قبائل سے لشکر بھرتی کر کے لاؤ تاکہ دمشق پر تمہارا قبضہ مستحکم ہو سکے ضحاک اس جھانے میں آیا۔ دمشق میں اس کی جو تھوڑی بہت فوج تھی اسے ساتھ لیا اور مرج راہط میں فروکش ہو گیا۔

دمشق خالی ہوا تو مروان کے نائب نے قبضہ کر لیا۔ ابن زیاد نے مروان کو خط لکھا کہ اب بے شک کھل کر خلافت کی دعوت دو۔

مروان نے فوراً بیعت لینی شروع کی اور جلد بن ایک زبردست قوت فراہم کر لیا۔ یہاں سے سیدھے مرج راہط کا رخ کیا۔ ادھر ابن زیاد بھی دمشق سے چلا اور مرج راہط آکر مروان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ دمشق کے والی نے اسلحہ وغیرہ کی مدد پہنچائی۔

مروان کے پاس تقریباً تیرہ ہزار فوج تھی۔ ضحاک کی سپاہ تیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ طرفین کی صف بندی ہوئی جنگ چھڑی اور بیس روز جاری رہی۔ بہت لوگ مارے گئے۔ عبید اللہ نے مروان سے کہا کہ جنگ حیلہ گری کا نام ہے۔ اب سوائے اس کے چارہ نہیں کہ تم چال چلو اور مصالحت کا اعلان کر دو۔ مروان نے صلح کی منادی کرادی۔ ضحاک کا لشکر بے فکر ہو گیا تو مروانی فوج نے ان کا قتل عام شروع کر دیا۔ ضحاک نے آخر دم تک ثابت قدمی سے جنگ کی اور بہادری سے جان دی۔ ضحاک کا سر مروان کے سامنے پیش کیا گیا۔

ابن کثیر - ۲ ابن کثیر - ۳ ابن کثیر - ۴ ابن کثیر -



کہتے ہیں کہ فتح کے دن مروان یہ کہہ کر رویا کہ اب جب کہ میں بوڑھا اور ضعیف ہو چکا ہوں سلطنت کے لیے خون بہا رہا ہوں۔ ۱

مرج راہ کی جنگ ۶۳ ہجری میں ذوالحجہ کے مہینہ میں ہوئی۔

مروان کا مصر پر قبضہ : شام پر قبضہ مستحکم کرنے کے بعد مروان نے فوج لے کر مسینہ طرف قدم بڑھائے یہاں ابن زبیر کا نائب عبدالرحمان بن بزم (ن ج دم) تھا۔ عبدالرحمان مروان راستہ ہی میں روکنے کے لیے مصر سے نکلا۔ مروان کو علم ہوا کہ عبدالرحمان مصر کو خالی کر آیا ہے تو ایک اور طرف سے عمرو بن سعید کے تحت لشکر مصر میں داخل کر دیا۔ عمرو بن سعید آسانی سے مصر پر قابض ہو گیا۔ عبدالرحمان کو خبر ملی تو مروان کا مقابلہ لیے بغیر چلا گیا۔ مصر میں مروان کی بیعت ہو گئی اور وہ دمشق کو واپس ہوا۔ ۲

مروان کی ایک بد عہدی : مروان نے پاؤں جمائے تو حکومت کو اپنی اولاد کے لیے وقف کرنے کا فیصلہ کیا۔ جابیہ کانفرنس میں طے ہوا تھا کہ مروان کے بعد خالد بن یزید اور اس کے بعد عمرو بن سعید خلیفہ ہوں گے۔ مروان نے ۶۵ ہجری میں اس قرار داد کو توڑ دیا۔ اس نے اپنے بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو ولی عہد نامزد کیا اور عبدالملک کے لیے بیعت حاصل کر لی۔ ۳

مروان کی وفات : رمضان ۶۵ ہجری کی ایک صبح کو مروان اپنے بستر پر مردہ پایا گیا۔ بعد میں راز کھلا کہ اس کی بیوی ام خالد نے اسے قتل کیا ہے۔

ام خالد یزید کی بیوہ تھی۔ مروان کو کھنکا تھا کہ خالد خلافت کا دعویٰ لے کر اٹھے گا اس لیے اس کو دبانے کے لیے مروان نے اس کی ماں سے شادی کر لی۔ مروان خالد کو عوام کی نگاہوں میں گرائی چاہتا تھا ایک دن برسرعام اس کی ماں ام خالد کے بارے میں قبیح الفاظ کہے۔ خالد نے ماں سے شکایت کی۔ اس نے کہا، چپکے رہو کسی سے ذکر نہ کرنا۔ میں تمہاری طرف سے اس کو سمجھ لوں گی۔ چند روز بعد مروان جب اس کے ہاں سویا تو ام خالد نے اس کے منہ پر سرمانہ رکھا اور لوندیوں سمیت اس پر بیٹھ گئی۔ مروان کا دم گھٹ چکا تو اٹھی۔ عبدالملک نے بعد میں ام خالد کو قتل کرنا چاہا مشیروں نے رائے دی کہ جانے دو۔ ورنہ لوگ ہمیں سے کہ مروان کو ایک سورت بنے مار ڈالیں عبدالملک باز آیا۔

مروان کی مدت خلافت صرف نو مہینے تھے لیکن نتائج کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ اس کی حکومت کسی کے گمان میں بھی نہ تھی۔ اس نے نہایت ہوشیاری اور دانش مندی سے شام اور مصر کے دو زرخیز اور وفاکیش صوبوں میں اپنی حکومت کے پائے مضبوط کر لیے اور خلافت آل معاویہ سے نکال کر اپنی اولاد میں منتقل کر دی۔

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ائیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ابن

عبدالملک بن مروان (۶۵ تا ۸۶ ہجری)

اور  
عبداللہ بن زبیر (۶۵ تا ۷۲ ہجری)

مروان کی وفات کے وقت شام اور مصر کی ولایات اس کے بیٹے عبدالملک کے زیر نگیں تھیں اور دیگر علاقے ابن زبیر کے تحت۔ ابن زبیر کی زندگی کے ابتدائی حالات سابقہ صفحات میں گزر چکے ہیں۔ یہاں ہم عبدالملک کی قبل امارت کی زندگی پر سرسری نظر ڈالیں گے۔  
عبدالملک: عبدالملک نے ۲۶ ہجری میں حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ولادت پائی۔ یہی سن یزید کی پیدائش کا بھی ہے۔ حضرت عثمانؓ کے محاصرہ کے وقت عبدالملک دس سال کا تھا۔  
عبدالملک کی زندگی کے ابتدائی ایام مدینہ کی مردم خیز سرزمین میں گزرے۔ یہ شہر علمی لحاظ سے اسلامی قلمرو کا دل تھا۔ عبدالملک نہایت ذہین اور فہیم تھا۔ اس نے علم کی طرف توجہ دی۔ علماء و فقہاء اور عبادت گزاروں اور نیکو کاروں سے صحبت رکھتا تھا۔ علمی اور اخلاقی لحاظ سے وہ ان مقدس ہستیوں کے فیض سے سیراب ہوا۔ اس نے قرآن، حدیث اور فقہ کے علوم میں نمایاں مقام پیدا کیا۔ قرات میں یکمائے روزگار تھا۔ فقہ میں سعید بن مسیب اور امام شعبی کا ہم پایہ تھا۔ حضرت معاویہؓ نے اس کی گوناگوں خوبیوں سے متاثر ہو کر سولہ برس کی عمر میں مدینہ کی گورنری کا موقع دیا۔

عبدالملک نے بربر کے علاقہ میں جہاد کیا اور معاویہ بن خدیج ایسے جرنیل کے تحت حربی تربیت حاصل کی۔ ۱۔

عبدالملک نے مروان کے بعد خلافت سنبھالی لیکن اس کے پہلو میں ایک اور اموی شہزادہ عمرو بن سعید کی رقابت کا ایک زہریلا خار تھا جس کے نکالے بغیر بنو امیہ کی وفاداری مشتبہ تھی۔ عبدالملک نے مناسب موقع دیکھتے ہی اس کا مداوا کیا۔

جابیہ کانفرنس میں طے ہوا تھا کہ مروان اور خالد بن یزید کے بعد عمرو بن سعید خلیفہ ہوگا لیکن مروان اس عہد کو توڑ کر عبدالملک کو جانشین کر گیا۔ خالد ابھی لڑکا تھا۔ اس کی طرف سے کھٹکانہ تھا لیکن عمرو پر عبدالملک کی کڑی نگرانی تھی۔ ایک دفعہ عبدالملک دمشق سے باہر گیا تو عمرو نے شہر پر قبضہ جمایا۔ عبدالملک واپس آیا تو کئی روز کی جنگ کے بعد اسے دوبارہ حاصل کیا۔

چند دن بعد عبدالملک نے عمرو کو دھوکے سے ذبح کر دیا۔ یہ واقعہ ۶۸ ہجری کا ہے۔ ۲۔  
اس کے بعد عبدالملک کو اموی خاندان کی طرف سے کوئی خطرہ نہ رہا۔ اب وہ دیگر حریفوں سے نبڑ سکتا تھا۔

۱۔ یہاں کہ عبدالملک کے ابتدائی حالات ابن کثیر سے لے گئے ہیں۔ ۲۔ ابن اثیر۔ مسعودی نے عمرو بن سعید کے قتل کی تفصیلات میں مختلف روایات بیان کی ہیں۔

تو ابین : کوفہ میں شیعہ کی خاصی تعداد تھی۔ ان دنوں ان کے سرغنہ سلیمان بن صدیق تھے۔ آپ صحابی تھے۔ اہل بیت کے پر جوش عقیدت مند اور داعی تھے۔ آپ کی جماعت نے حضرت حسینؑ کو کوفہ تشریف لانے کے لیے خط لکھے لیکن مدد کو نہ پہنچ سکے بعد میں انہیں اپنی کوتاہی کا رنج ہوا اور کہنے لگے کہ ہم جب تک واقعہ کربلا کا انتقام نہیں لیتے اس کا گناہ ہماری گردنوں پر رہے گا۔ انہوں نے تیرہ کیا کہ شہدائے کربلا کے قاتلوں کو ٹھکانے لگائیں گے ورنہ خود مٹ کر رہ جائے گے۔ انہوں نے اپنا نام تو ابین (توبہ کرنے والے) رکھا۔ ان کے ہم خیال بصرہ اور مدائن میں بھی تھے۔ انہیں کوفہ بلایا اور اپنے نصب العین کے لیے مخفی تیاریاں شروع کر دیں۔ تو ابین کی پوشیدہ جماعت بندی واقعہ کربلا کے بعد سے جاری تھی۔ مروانی عہد میں جب ابن زیاد جزیرہ کی حکومت کا پروانہ لے کر شام سے روانہ ہوا تو تو ابین پانچ ہزار سے کچھ زائد کی تعداد میں کوفہ سے نکلے۔ یہ ۶۵ ہجری کا واقعہ ہے اس وقت عراق پر ابن زبیر کا قبضہ تھا۔ ان کے والی نے مزاحمت نہ کی کیوں کہ تو ابین کی ٹکر بنی امیہ سے تھی۔ یہ لوگ حضرت امام حسینؑ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ ایک دن رات رو رو کر معافی مانگی۔ اس کے بعد مروانی حکومت کے ستون ابن زیاد سے بدلہ لینے کے لیے روانہ ہوئے۔ شام کی سرحد پر پہنچے تو ابن زیاد سے سامنا ہوا۔ وہ ابھی شام اور جزیرہ کی راہ میں تھا۔ دو روز بڑے زور کی جنگ ہوئی۔ تو ابین کی تعداد تھوڑی تھی تاہم انہوں نے سرفروشی اور جاں سپاری کی خوب داد دی۔ ان میں سے بہت کم لوگ زندہ بچے حضرت سلیمان بن صدیق شہادت پا گئے۔

مختار بن ابو عبید ثقفی : سلیمان بن صدیق کی مہم کا نتیجہ ناکامی کی صورت میں رونما ہوا لیکن تحریک بدستور زندہ تھی۔ اس کی زمام اب مختار بن ابو عبید ثقفی نے سنبھالی۔ مختار بنو ثقفی کے قبیلہ سے تھا۔ اس کا باپ ابو عبید ایک شجاع جرنیل تھا جس نے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں عراق کے محاذ پر شہادت پائی تھی۔

مختار ہجرت کے برس پیدا ہوا تھا۔ نہایت زیرک تھا۔ بنو امیہ کو دل سے برا سمجھتا تھا۔ یزیدی عہد میں مقید ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نکاح میں اس کی بہن تھی۔ انہوں نے سفارش کر کے ربائی دلوائی۔ جن دنوں ابن زبیر کو حسین بن نمیر نے محصور کر رکھا تھا یہ ابن زبیر کے ساتھ رہا۔ یزید کی موت کے بعد کوفہ چلا آیا اور اہل بیت کی نہایت میں تو ابین کا ہمہنوا ہوا۔ اس نے اس تحریک کی بہت تقویت کی لیکن طرق کار میں سلیمان بن صدیق سے متفق نہ تھا اس لیے عملاً الگ رہا۔ اس کے پیروہوں کی ایک جداگانہ جماعت قائم ہو گئی۔ کوفہ کے والی کو خدشہ ہوا تو اس نے مختار کو جیل میں ڈال دیا۔ سلیمان بن صدیق کی وفات کے بعد تو ابین نے اس کو سردار مان لیا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے دوبارہ سفارش کی اور قید سے چھڑا دیا۔

۱۔ الامت والسیات۔ ابن اثیر۔

مختار کا یہ نظریہ تھا کہ خلافت کے حق دار حضرت علیؑ کے فرزند محمد بن حنفیہ ہیں۔ کوفہ کے چند آدمی حضرت محمد بن حنفیہ کے پاس مکہ حاضر ہوئے اور پوچھا کہ آیا مختار کو ان کی تائید حاصل ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میری تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کے ذریعے ہمارے دشمن سے انتقام دلوائے۔ اس کے بعد مختار کی قوت بڑھ گئی۔

مختار نے اپنی دعوت درپردہ رکھی۔ طاقت بڑھائی تو اچانک کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ ابن زبیرؓ کے والی نے بھاگ کر بصرہ میں وہاں کے گورنر مسعب بن زبیرؓ کے پاس پناہ لی۔ مختار نے کوفہ کے صوبہ میں محمد بن حنفیہ کے حق میں بیعت لی اور اپنے حکام مقرر کیے۔ ۲

مختار نے سب سے پہلے قاتلین حسینؑ کی طرف توجہ کی۔ انہیں جن جن کر قتل کیا۔ عمرو بن سعد اس کا بہنوئی تھا۔ اس کا سر اس کے بیٹے کے سر کے ہمراہ محمد بن حنفیہ کے پاس بھیجا اور خط لکھا کہ مزید قاتلوں کو تلاش کر رہا ہوں۔ شمر جو اس وقت کوڑھی ہو چکا تھا شمر سے بھاگا مختار کے آدمیوں کو خبر لگ گئے انہوں نے مار کر لاش کتوں کے آگے پھینک دی۔

مختار کی پالیسی تھی کہ ابن زبیرؓ کے ساتھ تعلقات استوار رہیں۔ اس نے ابن زبیرؓ کو بنو امیہ کے مقابلہ پر تعاون کی پیش کش کی اور فوری مدد کے لیے ایک لشکر بھیجا۔ ابن زبیرؓ کو اس پر بھروسہ نہ تھا انہیں خدشہ ہوا کہ مختار اس حیلہ سے حجاز پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے آپ نے اس لشکر کا صفایا کر دیا۔ ۳

محمد بن حنفیہ اور ابن عباسؓ دونوں ابن زبیرؓ کی بیعت سے انکاری تھے لیکن سیاست میں عملی حصہ نہیں لیتے تھے۔ مختار نے کوفہ میں محمد بن حنفیہ کے نام سے حکومت قائم کی تو حضرت ابن زبیرؓ نے محمد بن حنفیہ کو شک کی بنا پر ان کے چند حامیوں کے ہمراہ حراست میں لے لیا اور کہا کہ جب تک آپ میری خلافت تسلیم نہیں کریں گے رہائی نہیں دوں گا۔ مختار نے سپاہ بھیج کر محمد بن حنفیہ کو رہائی دلوائی۔

عبید اللہ بن زیاد کو مروان نے جزیرہ کی حکومت دی تھی اور ایک لشکر عراق پر چڑھائی کے لیے ہمراہ کیا تھا۔ عبید اللہ نے جزیرہ پر قبضہ جمایا اور ابھی وہیں مقیم تھا کہ مختار نے اپنے ایک سرکردہ اور جانباز سالار ابراہیم بن مالک اشتر کو اس سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا۔ ابراہیم نے فتح پائی۔ شامی لشکر کا ایک کثیر حصہ کام آیا۔ ابن زیاد اور حسین بن نمیر کے سر کوفہ لائے گئے۔

عبید اللہ کا سر جامع کوفہ میں رکھا گیا۔ ناگہاں ایک سانپ آیا ابن زیاد کے نتھنوں میں داخل ہوا اور کچھ دیر ٹھہر کر باہر نکلا۔ اس طرح تین چکر کاٹے پھر غائب ہو گیا۔ ۴  
مختار نے ابن زیاد کا سر محمد بن حنفیہ کے پاس بھیجا۔

عبداللہ بن زبیر نے ۶۷ ہجری میں بصرہ کی ولایت پر اپنے بھائی مسعب بن زبیرؓ کو مامور کیا اور

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ الامتار۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ترمذی ارباب السائب

حکم دیا کہ مختار کی سرکوبی کرو۔ ۱

مختار عربوں پر اہل عجم کو فوقیت دیتا تھا۔ اس لیے عرب قبائل اس سے مایوس ہو گئے۔ ۲  
اس کے علاوہ قاتلین حسینؑ کو سزا دینے کے دوران میں کچھ بے اعتدالیاں ہوئیں۔ مختار کے  
ساتھیوں نے بعض لوگوں کو محض ذاتی کینہ کی بنا پر مار ڈالا۔ عرب قبائل نے مختار کے خلاف ایکا  
کیا۔ ان کی ایک کثیر تعداد کام آئی۔ اشراف عرب کا ایک گروہ بھاگ کر مسعب بن زبیرؓ حاکم بصرہ  
کے پاس پہنچا اور مختار پر چڑھائی کی ترغیب دی۔ مسعب فوج لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔  
کوفہ کے قریب پہنچے تو مختار کا ایک لشکر روکنے آیا لیکن ہار کھا گیا۔ اب مختار خود مقابل ہوا ایک  
تلی ہوئی جنگ ہوئی۔ مختار پلٹ کر کوفہ آیا اور قصر امارت میں بند ہو کر بیٹھ گیا۔ محاصرہ نے تقریباً  
چار ماہ تک طول کھینچا۔ پانی اور غلہ کی بالکل بندش تھی اس لیے مختار کا لشکر عاجز آ گیا۔ مختار نے  
مشورہ دیا کہ باہر نکل کر مردانہ وار جان دو لیکن کسی نے کان نہ دھرا۔ وہ صرف انیس آدمیوں  
کے ساتھ قلعہ سے نکلا اور لڑ کر جان دی۔ کوفہ پر مسعب کا قبضہ ہو گیا۔ یہ ۶۷ ہجری کا واقعہ  
ہے۔ ۳

مورخین نے مختار کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے اور اس کی سیرت کو بد نما کر کے دکھایا ہے مثلاً  
اس مضمون کی روایات ملتی ہیں کہ محمد بن حنفیہ نے اس سے بیزاری کا اظہار کیا مگر مختار نے آپ  
کی طرف سے ایک جعلی خط کوفہ والوں کو دکھا کر اپنا سکہ بنایا ایک یہ الی ایسی لو حضرت علیؑ سے  
منسوب کیا اور کہا کہ یہ ہمارے لیے ایسی ہی بابرکت ہے جیسے ہوا اسرائیل کے لیے تابوت  
سکنت۔ اس کے علاوہ جب آخر میں محاصرہ سے نکل کر مسعب کے لشکر سے لڑنے آیا تو اپنے  
ایک ساتھی سے کہا میں نے دیکھا کہ ابن زبیرؓ نے حجاز پر قبضہ کر لیا ہے ابن بختہ نے یمامہ پر اور  
مروان نے شام پر تو میں نے بھی ان کی طرح خواہش کی سوائے اس کے کہ عرب والے قاتلین  
حسینؑ سے غافل ہو کر سو گئے اور میں نے انتقام لیا۔

مختار کو اس کی زندگی میں کذاب بھی کہا جاتا تھا لیکن ابن عباسؓ کا نظریہ مختلف تھا۔ اگر وہ  
مختار کے حق میں نہ تھے تو مخالف بھی نہ تھے۔ مختار کے قتل کے بعد عبد اللہ بن زبیرؓ نے ابن  
عباسؓ سے کہا کہ آپ نے کذاب کے قتل کی خبر نہیں سنی؟ ابن عباسؓ نے پوچھا کذاب کون  
ہے؟ ابن زبیرؓ نے جواب دیا، ابن عبید۔ ابن عباسؓ بولے ہاں۔ میں نے مختار کے قتل کی خبر سنی  
ہے۔ ابن زبیرؓ نے فرمایا، شاید آپ نے اس کے لیے کذاب کا نام پسند نہیں کیا اور اس کے قتل  
پر دکھی ہیں۔ ابن عباسؓ نے جواب دیا یہ وہ شخص ہے جس نے ہمارے قاتلوں کو فنا کیا ہمارا بدلہ  
لیا اور ہمارے سینے کی آگ بجھائی اس کی جزا یہ نہیں کہ ہماری زبان سے اس کے لیے گالیاں  
نکلیں اور ہم اس کے مرنے پر خوشی منائیں۔ ۴

۱۔ الامات والسیات۔ ۲۔ اخبار الموالم ص ۳۰۶۔ ۳۔ ابن اثیر۔ بن خلدون۔ اخبار الموالم۔ ۴۔ ابن اثیر۔

مختار عقائد کی رو سے شیعی تھا اور غالباً کیسانی شاخ سے تعلق رکھتا تھا بعض مورخین نے اسے کیسانیہ کا بانی کہا ہے۔ یہ فرقہ محمد بن حنفیہ کو امام مانتا تھا۔

تاریخ اسلام میں مختار کا کردار : مختار کی سیرت اور عقائد سے قطع نظر اس نے اسلام کی تاریخ میں اہم کردار ادا کیا ہے اس کا یہ لاجواب کارنامہ ہے کہ اس نے قاتلین حسینؑ سے جی بھر کر انتقام لیا جس صحن میں حسینؑ کا سر عبید اللہ کے سامنے رکھا گیا تھا وہیں عبید اللہ کا سر مختار کے آگے پیش ہوا لیکن اس کے ہاتھوں دانستہ یا نادانستہ طور سے بنو امیہ کی تقویت بھی ہوئی اور ابن زبیرؑ کی سیاست کو ضعف پہنچا۔ اس نے عراق کو دو گروہوں میں بانٹ دیا ایک گروہ ابن زبیرؑ کا حامی تھا اور ایک مختار کا۔ مختار کی فوج کی ایک کثیر تعداد مسعب بن زبیرؑ کے ہاتھوں کھیت رہی۔ ان کے پس ماندگان اور رشتہ داروں کا ابن زبیرؑ سے برسرِ عداوت ہونا قدرتی امر تھا۔ نتیجہ یہ کہ عبد الملک ابھی شام میں تھا کہ اس کو عراق والوں کے بلاوے پہنچنے لگے۔

عبد الملک کی قیصر روم سے مصالحت : ۷۰ ہجری میں قیصر روم نے شام کی۔ عبد الملک کے قدم ابھی مضبوط نہ تھے اس لیے ہفتہ وار خراج کے وعدہ پر صلح کر لی اور اسے تحفے بھیجے۔ عبد الملک کی عراق پر فوج کشی : عراق کے لوگ عبد الملک کو چٹھیاں لکھ رہے تھے کہ تم عراق پر چڑھائی کرو ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔ عبد الملک عمرو بن سعید سے فارغ ہو چکا تھا اور قیصر روم سے صلح کر کے اس کا خطرہ ٹال چکا تھا اب اس کو ابن زبیرؑ سے روکنے والی کوئی چیز نہ تھی۔ ۷۱ ہجری میں عراق پر حملہ آور ہوا۔

عبد اللہ بن زبیرؑ کا بھائی مسعب مقابلہ کو موجود تھا۔ کوفہ سے تقریباً پچاس میل شمال میں باخرا کے قریب دونوں لشکر تقریباً تین فرسخ کا فاصلہ چھوڑ کر خیمہ زن ہوئے۔ عبد الملک نے سفیر بھیجا کہ شوری کے ذریعے تصفیہ کیا جائے۔ مسعب نے جواب دیا کہ یہ فیصلہ تلوار سے ہو گا۔ اس دوران میں مسعب کے بعض سردار آہستہ آہستہ عبد الملک کی چھاؤنی میں آگئے۔

جنگ چھڑی تو مسعب کے کئی مزید امراء عبد الملک کی رشوت اور سنہری وعدوں میں آکر عین موقع پر دھوکا دے گئے۔ مسعب شجاعت کا پیکر تھا۔ آخر دم تک جان لڑاتا رہا۔ عبد الملک اس کی خوبیوں کو مانتا تھا۔ اس کے علاوہ کسی زمانے میں وہ گہرے دوست بھی رہے تھے۔ اس نے امان کا پردانہ لکھ بھیجا لیکن مسعب نے کہا کہ میں غالب آؤں گا یا جان دے دوں گا۔ زخموں سے چور ہو کر بھی دھیما نہ پڑا اور شجاعت کی دھاک بٹھا کر جان دی۔ عبد الملک کے پاس اس کا سر آیا تو تاسف کیا اور رو کر کہا کہ اب کوئی ماں ایسا بیٹا نہیں جنے گی۔ عراق اب عبد الملک کے زیرِ نگیں آ گیا۔

مکہ پر فوج کشی : عبد الملک کچھ عرصہ چھوٹے چھوٹے دستے حجاز کے علاقوں میں ابن زبیرؑ کو

تک کرنے اور اس کی قوت کو جانچنے کے لیے بھیجتا رہا۔ جم کر کوئی جنگ نہ ہوئی مسعب کے قتل کے بعد عبدالملک نے مکہ پر لشکر بھیجنے کا فیصلہ کیا کوئی امیر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ حجاج بن یوسف نے ہائی بھری۔ اس نے ۷۲ ہجری میں سات ہزار سواروں کے ساتھ مکہ کی جانب کوچ کیا۔ طائف میں پڑاؤ ڈالا۔ حجاج کے دستے طائف سے چل کر عرفہ کے میدان میں ابن زبیر کی فوج کے ساتھ جنگ کرتے اور پھر واپس چلے جاتے تھے۔ ہر بار ابن زبیر کی فوج ہزیمت اٹھاتی۔ یہ جھڑپیں ایک عرصہ تک جاری رہیں۔ آخر حجاج نے عبدالملک کو خط لکھا کہ ابن زبیر کی طاقت تیزی سے گر رہی ہے اور اس کے ساتھی منتشر ہو رہے ہیں۔ مجھے حرم میں داخل ہونے کی اجازت دو اور مدد بھیجو۔ عبدالملک نے ایک لشکر روانہ کیا جس نے پہلے مدینہ کو قبضہ میں لیا اور پھر حجاج کا شریک ہوا۔

حجاج نے بڑھ کر ابن زبیر کو حرم میں گھیر لیا۔ ابن زبیر کی اقتصادی اور فوجی طاقت سرعت سے رو بہ زوال تھی۔ محاصرہ پر تقریباً سات مہینے گزر گئے۔ ابن زبیر پر کمک اور رسد قطعاً بند تھی۔ شہر کے محصور حصہ میں قحط نے سر اٹھایا۔ لوگ بھوک سے نڈھال ہو گئے۔ ساتھ کی پہاڑیوں پر حجاج نے منجینق نصب کر کے شروع کر رکھی تھی۔ اس سے ہراس اور بڑھ رہا تھا۔ نوت یہ کہ ابن زبیر کی تقریباً دس ہزار سپاہ عاجز آکر حجاج کے ساتھ مل گئی۔ ابن زبیر کے دو بیٹے (حمزہ اور خبیب) بھی دشمنوں کے پمپ میں جا پہنچے۔ ابن زبیر نے ایک اور بیٹے کو بھی اجازت دی کہ حجاج کے پاس جا کر جان بچا لیں اس نے باپ کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا۔

حجاج نے ابن زبیر کو متواتر خط لکھے کہ میں تمہیں امان پیش کرتا ہوں۔ ان کے بھائی عروہ کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ آپ جہاں جانا چاہیں جاسکتے ہیں لیکن ابن زبیر نے قبول نہ کیا۔ ابن زبیر کی شہادت : حضرت عبداللہ بن زبیر اپنی والدہ حضرت اسماء کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا امان لوگ مجھ سے جدا ہو گئے ہیں۔ حتیٰ کہ بیٹوں اور گھر والوں نے بھی مجھے چھوڑ دیا ہے میرے پاس مٹھی بھر سپاہ ہیں اس کا حوصلہ بھی ٹوٹنے کو ہے۔ حریف مجھے منہ مانگی مراد دینے کو تیار ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے۔

حضرت اسماء کی عمر اس وقت تقریباً ایک سو برس کی تھی ان کی بینائی جا چکی تھی۔ سب انہوں نے اپنے سعادت مند فرزند کو جو جواب دیا وہ ہر ماں کے لیے سرمایہ درس ہے۔ فرمایا، اگر تم جانتے ہو کہ میں حق پر ہوں اور حق کی دعوت دے رہا ہوں تو اپنا کام جاری رکھو، کیوں کہ حق کی خاطر تمہارے رفقائے جان دی اگر تم نے دنیا کے لیے جنگ برپا کی تھی تو بہت برا کیا اور خلق کو ناحق ہلاک کیا۔ اب اگر حق بجانب ہو کر بھی یہ کہتے ہو کہ میرے ساتھی چل دے اور میری قوت ماند پڑ گئی ہے تو یہ طریقہ احرار اور اہل دین کا نہیں۔ آکر کب تک زندہ رہو گے۔ عزت

سے جیو اور عزت سے مرو۔ ابن زبیر نے کہا کہ دشمن میری موت کے بعد میرے بدن کو قطع کرے گا اور سولی پر آویزاں کرے گا۔ ماں نے جواب دیا 'مرنے کے بعد بکری کی کھال کھینچی جائے تو اسے کچھ الم نہیں ہوتا۔ اپنی بصیرت سے کام لو اور اللہ سے مدد کی دعا کرو۔ ابن زبیر بولے 'میری بھی یہی رائے تھی آپ نے اسے پختہ کر دیا ہے۔

عبداللہ بن زبیر کے بدن پر زرہ تھی۔ حضرت اسماءؓ نے یہ بھی اتروادی اور اللہ کو سونپا۔ لہٰذا ابن زبیر تلوار تمام کر آئے۔ کئی روز تک حجاج بن یوسف کی سپاہ پر شیرازہ حملے کرتے رہے۔ اے آخر جام شہادت پی گئے۔ حجاج نے آپ کا سر عبدالملک کے پاس بھجوایا اور آپ کے جثہ کو برسرعام سولی پر لٹکا دیا۔ حضرت اسماءؓ کی نعش کے پاس گئیں۔ دیر تک ان کے لیے دعا کرتی رہیں۔ آپ کی آنکھوں سے ایک آنسو بھی نہ ٹپکا۔ اتنے میں حجاج آگیا۔ حضرت اسماءؓ نے اس سے کہا کیا اس سوار کے اترنے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ حجاج نے طہر سے جواب دیا۔ ۳۱

عبداللہ بن عمرؓ ابن زبیر کی نعش کے پاس گئے اور کھڑے ہوئے۔ اسے خطاب کیا 'اے ابن زبیرؓ تو بڑا روزہ دار اور نماز گزار تھا اور اپنے قرابت داروں کے حقوق خوب پہچانتا تھا (اگر جیسا کہ تیرے دشمن کہتے ہیں) تو سب سے برا تھا تو یہ امت واقعی بہترین ہے (یعنی جس امت کا کمترین فرزند تیری طرح ہے) اس کی برتری کا کیا ٹھکانا ہو سکتا ہے (حجاج تک یہ الفاظ پہنچے تو نعش اترا کر دفن کرادی۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱۴۰۰۔ ۱۴۰۱۔ ۱۴۰۲۔ ۱۴۰۳۔ ۱۴۰۴۔ ۱۴۰۵۔ ۱۴۰۶۔ ۱۴۰۷۔ ۱۴۰۸۔ ۱۴۰۹۔ ۱۴۱۰۔ ۱۴۱۱۔ ۱۴۱۲۔ ۱۴۱۳۔ ۱۴۱۴۔ ۱۴۱۵۔ ۱۴۱۶۔ ۱۴۱۷۔



قدم اٹھاتے تو عین ممکن ہے کہ آپ اس پر غالب آتے لیکن شخصیت کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو ایک جگہ سمٹ رہے تو کب تک موثر رہے گی۔ اگر بجائے اس کے کہ شامی افواج پیش قدمی کرتیں حجاز کے عساکر دمشق کے دروازہ پر ہتھیار بجاتے تو شاید ابن زبیر کی ناکامی کا المناک سانحہ رونمانہ ہوتا اور تاریخ کی روداد مختلف ہوتی۔

حجاج بن یوسف : حجاج بن یوسف عبداللہ بن زبیر کو راستہ سے ہٹانا یقیناً مشکل تھا لیکن شوریدہ سرعراقیوں کو ادب و اطاعت کا سبق پڑھانا مشکل تر تھا اس مشکل کو حل کرنے کے لیے عبدالملک نے اس آہنی شخصیت کو آگے بڑھایا جسے حجاج بن یوسف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسے بنو مروان کی تلوار کہیں تو بجا ہوگا۔

حجاج بن یوسف ۴۱ ہجری کے لگ بھگ پیدا ہوا۔ طائف کے قبیلہ بنو ثنیف سے تھا۔ طائف میں کچھ عرصہ مدرس بھی رہا۔ ایک بلند پانیہ اریب تھا اور فصیح و بلیغ اور آتش بار خطیب تھا۔ بعض لوگ قرآن حکیم کے اعراب بھی اس سے منسوب کرتے ہیں لیکن یہ غلط ہے۔

حجاج کے بارے میں حکایت بتائی جاتی ہے کہ پیدائش کے بعد دودھ نہیں پیتا تھا۔ چار دن تک اسے خون پلاتے رہے۔ جب اس نے دودھ پینا شروع کیا۔ اس حدیث میں صداقت نظر نہیں آتی۔

حجاج بن یوسف کی بے خوبی اور حربی مہارت کی ایک بھلک ہم سب سے سچات میں دیکھ ائے ہیں۔ اب ایک گورنر کی حیثیت سے اس کی زندگی کا ایک نیا باب کھلتا ہے اور وہ ایک تاریخی شخصیت کی ادا سے ابھرتا ہے۔

عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو کوفہ اور بصرہ دونوں صوبوں کی ولایت سونپ دی اور سیاہ سفید کا مالک کر دیا۔ اس نے اہل عراق کی شعلہ مزاجی کو تلوار کے پانی سے ٹھنڈا کیا اور اپنی قلمرو کو خاریوں کے وجود سے صاف کیا۔

حجاج ۷۵ ہجری میں فقط بارہ سواروں کے ساتھ کوفہ آیا۔ عوام کو مسجد میں اکٹھا کیا۔ اس کا چہرہ عمامہ میں مستور تھا۔ لوگ پہچان نہ سکے۔ ان کا خیال تھا کہ کوئی عام والی ہے۔ جیسا کہ عراق والوں کا دتیرہ تھا انھوں نے کنکریاں اٹھائیں کہ اس کے منہ پر ماریں۔ اتنے میں حجاج اٹھا اور چہرے سے کپڑا سر کاٹا۔ لوگ سہم گئے۔

اے عراق والو! شقاق و نفاق والو اور برے اخلاق والو! میری بڑی تمنا تھی کہ تم سے سروکار پڑے۔ کل میرا کوڑا گم ہو گیا اور اس کے عوض (تلوار دکھا کر) یہ کوڑا لیا ہے۔ کتنے ہی سر دیکھتا ہوں جو پک گئے ہیں اور ان کے چننے کا وقت آ گیا ہے۔ عماموں اور داڑھیوں پر خون چلتا نظر آتا ہے۔ میں مستعد ہوں۔ تم بھی مستعد ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم بڑے بڑے عوض چھوٹے کو اور غلام

کے عوض آزاد کو پکڑوں گا۔ اور طرح کوٹوں گا.....  
یہ سن کر لوگوں کے ہاتھوں سے کنکریاں گرنے لگیں۔  
حجاج نے تقریر جاری رکھی اور کہا:

عبدالملک نے اپنا ترکش پھیلا کر ایک ایک تیر کو جانچا اور مجھے سب سے کڑا اور تیز پایا اور تمہاری طرف پھینکا۔ تم نے مدت سے شرکی وضع اختیار کی ہے اور بغاوت کی راہیں تراشی ہیں۔ اب کمر باندھ لو اور درست ہو جاؤ۔

اللہ کی قسم! حق پر مضبوطی سے قائم ہو جاؤ ورنہ تم پر تلوار کی وہ چوٹ لگاؤں گا جو عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دے گی، یہاں تک کہ تم باطل سے کٹ جاؤ اور اس کی محبت سے باز آ جاؤ۔ اگر نافرمانوں کی باگ ڈھیلی چھوڑ دی جائے تو نہ ملک فتح ہوں، نہ دشمن کا مقابلہ ہو اور نہ سرحدوں کی حفاظت ہو سکے۔ نافرمانوں کو جبرا جنگ پر نہ بھیجا جائے تو خوشی سے کبھی نہ جائیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے مہلب کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور اس کی نافرمانی اور مخالفت کر کے شہر میں لوٹ آئے ہو۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آج سے تین روز بعد مہلب کے لشکر کا ایک آدمی بھی میں نے دیکھا تو اس کا سراڑا دوں گا اور اس کا گھر لوٹ لوں گا۔  
خطبہ کے بعد حجاج نے عبدالملک کے فرمان کی خواندگی کا حکم دیا۔ پڑھنے والے نے جب السلام یتیم پڑھا تو جواب میں کوئی آواز سنائی نہ دی۔ حجاج کڑک کر بولا، اے لائھی کے غلامو! امیر المومنین سلام آمد رہے ہیں اور تمہاری طرف سے جواب نہیں آتا۔ واللہ! میں تمہارے طور بدل دوں گا۔ پھر قاری سے کہا، پڑھو، قاری نے جب دوبارہ السلام یتیم پڑھا تو سب مجمع نے آواز ملا کر پکارا۔

سلام اللہ علی امیر المومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

(امیر المومنین پر اللہ کا سلام ہو اور اس کی رحمت اور برکات ہوں)

ایک بوڑھا شخص جنگ سے معافی چاہنے کے لئے کھڑا ہوا اور بولا کہ میں ضعیف ہوں۔ حجاج نے اسے وہیں مروا دیا۔

حجاج کی ایک ہی گرج نے عراق کے لاڈلوں کو حکم کا بندہ بنا دیا۔ لوگ بھاگ بھاگ گھروں سے نکلے اور مہلب کی لشکر گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ پر پڑا اڑدھام ہو گیا۔

اس کے بعد حجاج بصرہ گیا۔ ایک ہی تقریر سے بصرہ والوں کے بل بھی نکال دیے اور اہل فوج کو مہلب کے پاس جانے کا حکم دیا۔ ایک شخص کو بیماری کے عذر پر بشر بن مروان نے معذور گردانا تھا۔ اس نے اپنا عذر پیش کیا۔ حجاج نے اس کی گردن کٹوا دی۔ سب لوگ سیدھے ہو گئے۔

۱۔ خطبہ ابن کثیر اور ابن اثیر سے منقول ہے۔ ۲۔ اب ۱۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ابن کثیر

خوارج : عراق میں خوارج کے روز افزوں ہنگامے برپا تھے۔ ان کے لئے عبد الملک اور ابن زبیر کی کٹ کٹ کر خوب سازگار تھی۔ یمامہ میں ان کی ایک نئی جماعت نے جنم لیا جس کا پیشوا بحدہ حموری تھا۔ خوارج نے فارس، عراق، بحرین اور یمن وغیرہ میں خوب جڑیں پھیلائیں۔ مہلب بن ابی صفراء ابن زبیر اور عبد الملک دونوں کے عہد میں خوارج کی بیخ کنی پر مامور رہا۔

مہلب بن ابی صفراء نے ابن زبیر کے عہد میں خوارج کو جگہ جگہ زک دی، لیکن یہ سخت جان مخلوق مٹنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ عبد الملک نے ان کے خلاف نہایت وسیع پیمانہ پر اہتمام کیا۔ اس نے مہلب کی مدد پر چیدہ چیدہ جرنیل بھیجے۔ خوارج کا زور ٹوٹا نظر آیا۔ لیکن اتنے میں بشر بن مروان والی عراق نے انتقال کیا۔ خوارج کے خلاف زیادہ تر عراق کی فوجیں مامور تھیں۔ بشر کا ان پر بہت دبدبہ تھا۔ اس لئے مہلب کے تحت فرائض انجام دیتے رہے۔ لیکن انہوں نے بشر کی مور۔ کا سنا تو گھروں میں لوٹ آئے۔ مہلب کے پاس جو فوج رہی وہ بہت ناکافی تھی۔

بشر بن مروان کا عمدہ حجاج بن یوسف کو ملا۔ اس نے آتے ہی عراق والوں پر ایسی دھاک بٹھائی کہ مہلب کہ چھوڑ کر جس قدر لوگ واپس آئے تھے سب فوج میں حاضر ہو گئے۔

پے در پے کامیابیوں نے حجاج کا دماغ بہت چڑھا دیا تھا۔ ادھر تو لوگوں کو مہلب کی مدد پر ابھارتا شروع کیا اور ادھر فوج کی تختیاں کھٹائیں۔ ایک سردار عبداللہ بن جبار نے اس کو خفیف کو برا مانا۔ چند دیگر روساء نے اس سے ساتھ لیا۔ ابن جبار کے تحت ایک بہت بڑا لشکر تیار ہوا اور اس نے حجاج کو عراق سے نکالنے پر کمر باندھ لیا۔ ۷۶ ہجری میں ایک جنگ ہوئی۔ حجاج کا لشکر قلیل تھا جنگ چھڑی تو ابن جبار و ظنریاب ہوتا نظر آیا۔ لیکن ایک نامانی تیرہا لڑا اور ۱۰۰۰ م توڑ دیا۔ حجاج نے فتح پائی۔ اب وہ پوری توجہ خوارج پر مبذول کر سکتا تھا۔

ان دنوں کوفہ اور اس کے نواح میں خارجیوں کے سرغنہ شیب کا دور دورہ تھا۔ حجاجی دور میں ایک عبادت گزار شخص صالح نام نے بنو امیہ کے مظالم کے خلاف جہاد کا ارادہ کیا اور شیب کا معاون ہو گیا۔ صالح جلد مارا گیا۔ لیکن خوارج کو اس سے بہت تقویت ہوئی۔

حجاج نے شیب کے خلاف کئی دستے بھیجے۔ انہوں نے ہر بار منہ کی کھائی اور بہت جانیں ضائع کیں۔ ایک دن شیب کوفہ میں داخل ہو گیا۔ کئی روساء کو قتل کیا اور شہر پر رعب بٹھا کر واپس چلا گیا۔ حجاج نے ایک ممتاز جرنیل عبدالرحمان بن اشعث کو اس کے خلاف روانہ کیا اور کہا کہ تم ہار کر آئے تو سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔ شیب نے بجائے برسر میدان آنے کے ایسی جنگ چالیں چلیں کہ عبدالرحمان تھک کر رہ گیا۔ اتنے میں عید کے ایام آ گئے۔ عبدالرحمان نے شیب کی ساتھ عارضی صلح کر لی۔ حجاج نے اسے معزول کر کے عثمان کو مامور کیا۔ عثمان ایک معرکہ کے دوران میں شیب کی تلوار کا شکار ہو گیا۔

شاہی فوج کی مسلسل شکستوں کو دیکھ کر لوگ بددل ہونے لگے۔ حجاج نے عبدالملک کو عریض لکھا کہ شیب عراق کے شہروں پر چھا گیا ہے۔ کوفہ کی فوج اس سے عاجز ہے۔ شام سے کمک بھیجو۔ عبدالملک نے چھ ہزار فوج روانہ کی۔

حجاج نے پچاس ہزار کی سپاہ شیب کے خلاف بھیجی۔ شیب کی کل سات سو سپاہ نے اسے شکست دی۔ شیب کوفہ کے سر پر آدھمکا۔ حجاج خود مقابلہ کو نکلا۔ عراقیوں کے بس میں ہوتا تو حجاج کی شکست کہیں نہ گئی تھی لیکن شاہی فوج کی وفاداری کام دے گئی۔ شیب پسپا ہوا۔ حجاج نے تعاقب میں لشکر بھیجے اور کوفہ کے نواح میں جھڑپیں ہوئیں۔ شیب کا پلہ بھاری تھا۔ حجاج نے مدد کے لئے عبدالملک سے ایک اور اپیل کی۔ اس کی کمک آنے پر نئے سرے سے معرکہ آرائی ہوئی۔ شامیوں نے بھی دل چھوڑ دیا، لیکن شیب اچانک دریا میں گر کر مر گیا۔ اس کے فرقہ کا زور ماند پڑ گیا اس کی لاش کو دریا سے نکال کر دل دیکھا گیا تو پتھر کی طرف سخت تھا۔

مہلب خوارج کے فرقہ ازارقہ سے الجھا ہوا تھا۔ اس نے سارا فارس ان کے ہاتھ سے چین کر حجاج کے قدموں میں ڈال دیا۔ لیکن پھر اٹھارہ ماہ تک اس کی پیش قدمی رکی رہی۔ اتنے میں حالات نے یادری کی۔ ازارقہ میں اختلاف اٹھا اور وہ دو گروہ ہو گئے۔ مہلب نے ایسی تدبیریں لیاں کہ ان ۵ اہلک باہمی جنگ میں بدل گیا۔ اب ان کی گوشاہی آسان تھی۔

افریقہ : یزیدی حکومت کے آخری ایام میں افریقہ پر ایک باغی سردار کسید بن کرم نے رومیوں کی مدد سے قبضہ جمالیا تھا۔ اسلامی حکومت اندرونی خلفشار کے سبب سے ایک مدت تک ادھر توجہ نہ دے سکی۔ آخر ۶۹ ہجری میں عبدالملک نے زبیر بن قیس کو یہ مہم اٹھانے کا حکم دیا۔ اس نے کسید کی بیخ کنی تو کر لی لیکن اس دوران میں رومیوں نے برقہ پر قابض ہو کر وہاں کے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے۔ زبیر کی فوج قلیل تھی۔ تاہم برقہ پر حملہ آور ہوا۔ اس کی تمام فوج کام آگنی پانچ برس تک حکومت ان علاقوں پر توجہ نہ دے سکی۔

عبدالملک نے ۷۴ ہجری میں ابن زبیر سے فارغ ہونے کے بعد حسان بن نعمان کو افریقہ پر بھیجا۔ اس نے قرطاجنہ کا شہر فتح کیا۔ اور آس پاس کے علاقے زیر کئے۔ ان دنوں جبل اور اس میں بربر کی ایک ظالم ملکہ حکمران تھی۔ وہ کاہنہ تھی۔ کاہنہ فوج لے کر حسان کے مقابل ہوئی۔ اسلامی فوج نے بہت نقصان اٹھایا۔ حسان شکست کھا کر مصر واپس چلا آیا اور کاہنہ نے کل افریقہ پر تسلط قائم کر لیا۔

عبدالملک ان دنوں خوارج کے کانٹوں میں الجھا ہوا تھا۔ وہاں سے فراغت پائی تو حسان کو مدد بھیجی۔ حسان نے لاؤ لشکر سے کاہنہ پر حملہ کیا۔ کاہنہ نے دیکھا کہ مشکل ہے تو علاقہ کی تخریب شروع کر دی تاکہ مسلمان ملک کو دیران دیکھ کر پلٹ جائیں۔ رعیت اس سے پہلے ہی بددل تھی۔

اب دشمن ہو گئی۔ حسان جہاں جہاں پہنچا لوگ خود بہ خود اطاعت کرتے گئے۔ کاہنہ نے بالا خر جنگ کی طرح ڈالی۔ اور ایسا معرکہ چھڑا گویا فنا کا دن ہے۔ کاہنہ تاب نہ لاسکی اور بھاگی لیکن گرفتار ہو کر ماری گئی۔ اس کے ملک پر اسلامی قبضہ ہو گیا۔

رتیل اور ابن اشعث کی بغاوتیں : سیستان کا ترک فرماں روا رتیل (رت ب ی ل) اسلامی حکومت کے عارضی اضطراب کا سہارا لے کر باغی ہو بیٹھا۔ سیستان کے پر پیچ اور دشوار گزار پہاڑوں میں بیرونی فوج کے لئے عمدہ برآ ہونا مشکل تھا۔ اس لئے شروع میں اسلامی فوج نے بہت نقصان اٹھایا۔ اس سلسلہ میں تین ہمیں بھیجی گئیں جن کا ذکر درج ذیل ہے :

(۱) بختان کے نائب والی عبداللہ بن امیہ نے ۴۰ ہجری میں سیستان پر حملہ کیا۔ رتیل اہل اسلام سے مرعوب تھا۔ عبداللہ نے اس کے علاقہ میں جوتوں ہی قدم رکھے رتیل نے صلح کے لئے سفیر بھیجا اور بہت بڑی رقم کی پیش کش کی۔ عبداللہ نے انکار کیا۔ رتیل نے یہ چال چلی کہ اس کے لئے راستہ کھلا چھوڑ دیا۔ عبداللہ فتح کے سرور میں بڑھتا گیا۔ رتیل نے اس پر ناکے بند کر دیے۔ عبداللہ نے رتیل سے خواہش کی کہ اس کا راستہ کھول دیا جائے، لیکن رتیل نے مطالبہ کیا کہ تین لاکھ درہم نقد دو اور یہ عہد کرو کہ آئندہ ہمارے علاقے پر چڑھائی نہ کرو گے۔ عبداللہ مان گیا۔ عبدالملک کو اس بات کی خبر لگی تو اسے معزول کر دیا۔ سلطنت سے بگاڑ پیدا کرنے کی کھل کر جرات نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خراج پیش کرتا رہا لیکن بارہا انکار بھی کر دیتا تھا۔

۴۹ ہجری میں حجاج نے بختان کے والی عبید اللہ بن ابی بکرہ کو اس پر فوج کشی کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ جب تک اس کے ملک کو خوب غارت نہ کر لو، قلعے گرانہ دو اور لوگوں کو اسیر نہ کر لو واپس نہ آنا۔ عبید اللہ نے کوفہ اور بصرہ کی افواج لے کر سیستان پر چڑھائی کی اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ رتیل نے اسے بلا مقابلہ بڑھنے دیا۔ عبید اللہ اس کے صدر مقام کے قریب جا پہنچا۔ رتیل نے ان اس پر وادیاں اور گھاٹیاں بند کر دیں۔ اسلامی افواج کے اوسان خطا ہو گئے۔ عبید اللہ نے رقم سے رتیل کو ہارانا چاہی لیکن اس کے ایک سالار شریح بن ہانی نے اصرار کیا کہ شہادت کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دے۔ عبید اللہ ماننے کو تیار نہ ہوا تو شریح نے اہل فوج کو پکارا کہ میرے ساتھ آکر شہادت میں لو۔ صرف چند رضا کاروں نے لبیک کہا۔ شریح انہیں کو لے کر دشمن کے لشکر میں گھس گیا۔ تقریباً سارا دستہ کام آیا۔ باقی فوج واپس ہوئی۔ جہاں جہاں سے گزرے علاقے کے لوگ کھانے لے کر حاضر ہوئے۔ جس نے کھانا کھایا وہ عدم کو سدھارا۔ ان کھانوں میں زہر تھا۔ اب لوگ محتاط ہو گئے اور پچی کچی فوج خراب و خستہ واپس ہوئی۔

اس مہم کی ناکامی حجاج کے لئے بہت الم ناک تھی۔ اس نے عبدالملک سے پھر فوج کشی کی اجازت لی۔ ہجری میں کوفہ اور بصرہ سے چالیس ہزار کا لشکر تیار کیا۔ اس کو سامان حرب سے خوب لیس کیا۔ اس کی امارت عبدالرحمان بن محمد بن اشعث کو سونپی۔ عبدالرحمان نے بستان پہنچ کر لوگوں کو جہاد پر ابھارا۔ اور مزید فوج بھرتی کر کے رتیل کے علاقہ میں لاؤ لشکر کے ساتھ داخل ہوا۔ رتیل کو خبر لگی تو سفیر بھیج کر معذرت کی اور خراج کی پیش کش کی لیکن ابن اشعث نہ مانا۔

رتیل نے ابن اشعث کے ساتھ بھی سابقہ مہمانوں کا داؤ کرنا چاہا۔ لیکن ابن اشعث محتاط تھا۔ وہ سنبھل کر چلا۔ جو علاقہ یا قلعہ فتح کرتا وہاں ایک امیر مقرر کرتا اور اس کو ضرورت پھر فوج دے دیتا۔ واپسی کے راستہ میں اس نے جگہ جگہ دستے مامور کر دیے تاکہ دشمن گھات نہ لگا سکے۔ باغی علاقہ کو جی بھر کر تاراج کیا اور فیصلہ کیا کہ اب پلٹ جانا چاہیے۔ اگلے برس آکر رہی سہی کسر نکالیں گے۔ اس سال کی فتوحات سے فوج کا حوصلہ بڑھ جائے گا اور اس دوران میں علاقہ کی دیکھ بھال کر کے اس کے راستوں سے ہم خوب واقف ہو جائیں گے۔ اس نے حجاج کو اپنے ارادہ سے مطلع کیا۔ حجاج نے ابن اشعث کو سخت جواب دیا کہ تمہارا خط ایک ایسے آدمی کا خط ہے جو صلح کا خواہشمند ہے اور مصالحت کر کے جان چھڑانا چاہتا ہے اور جس نے قلیل اور ذلیل دشمن سے ساز باز کر لی ہے۔ فوراً بڑھو اور دشمن کو تباہ و برباد کرو۔ اس کے بعد اسی مضمون اور انداز کا ایک اور خط لکھا۔ پھر تیسرا خط لکھا کہ میرا حکم بجا لاؤ تو بہتر ورنہ کمان اپنے بھائی کے حوالے کر دو۔ ل

عبدالرحمان بن محمد بن اشعث کندہ کا سردار تھا۔ اس کی بہن میمونہ حجاج کے بیٹے محمد کے عقد میں تھی۔ عبدالرحمان عقل و خرد، مردانگی، فصاحت اور حسن کی دولت سے مالا مال تھا۔ شروع میں اس کے تعلقات حجاج سے بہت اچھے تھے۔ لیکن بعد میں ان بن ہو گئی۔ حجاج کہا کرتا تھا کہ میں اسے جب بھی دیکھتا ہوں تو جی چاہتا ہے کہ اس کا سراڑا دوں۔ ادھر ابن اشعث اس فکر میں تھا کہ حجاج کی حکومت کا تختہ الٹ دے۔

حجاج نے ابن اشعث کو اس مہم پر مجبوراً بھیجا تھا کیوں کہ اور کوئی اہل آدمی نظر نہ آتا تھا۔ اس نے جب ابن اشعث کو امیر لشکر کیا تو اسے رائے دی گئی کہ ابن اشعث تم سے بغاوت کرے گا۔ اس لئے بہتر ہے کہ اسے نہ بھیجو۔ لیکن حجاج کو اپنے رعب و داب کا اتنا گھمنڈ تھا کہ وہ خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ابن اشعث اس کے مقابل اٹھنے کی جرأت کرے گا۔

ابن اشعث کے پاس حجاج کے پے درپے تین تلخ خطوط پہنچے تو اسے ناگوار ہوا۔ اس نے فوج کو جمع کر کے خطاب کیا:

ابن اشعث۔

اے لوگو! میں تم سے خلوص رکھتا ہوں۔ تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ تمہارے بھائی اس علاقے میں کل موت کی آغوش میں چلے گئے۔ میں جلد بازی کر کے تمہیں دشمن کے علاقہ میں ہلاک نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن حجاج مجھے کمزور گردانتا ہے اور کہتا ہے کہ دشمن کے علاقہ میں بے دریغ گھس جاؤ۔ میں ہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے۔ فوج نے کہ اکہ ہم اللہ کے دشمن حجاج کی بیعت توڑ کر تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ فیصلہ ٹھہرا کہ پہلے عراق پر حملہ کر کے حجاج کو وہاں سے نکالا جائے۔

عبدالرحمان نے رتیل سے دوستانہ صلح کر لی اور فوج کو لے کر عراق کی طرف بڑھا۔ عبدالرحمان کے اعلان بغاوت کو عوام نے بہت مسرت سے لبیک کہا۔ جوش و خروش سے اس کے جھنڈے تلے اکٹھے ہو گئے۔ گویا بند ٹوٹا اور بھرا ہوا دریا پھوٹ بہا۔ حجاج کے ظلم و ستم سے عوام کا پیمانہ صبر پہلے ہی لبریز تھا۔ اب ان دنوں اس نے تازہ قہریہ کیا تھا کہ ملک کا خراج بڑھانے کے لئے نو مسلموں پر جزیہ لگایا اور انہیں شہروں سے نکل کر دیہات میں آباد ہونے کا حکم دیا۔ یہ لوگ شہر سے نکلے تو حیران دور ماندہ تھے کہ کدھر کو جائیں۔ ناچار روتے تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں فرمایا کرتے تھے۔

وقت کے بڑے بڑے ائمہ مثلاً امام شعبی اور سعید بن جبیر نے حجاج کے خلاف فتوے دیے اور عوام کے جذبات میں حجاج کے خلاف ایک تلاطم برپا ہو گیا۔ اہل عراق کی ناراضی کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ ان پر شامی فوج کو فوقیت حاصل تھی۔ شامیوں کی تنخواہیں زیادہ تھیں۔

عبدالرحمان کے پیروں نے پہلے صرف حجاج کی بیعت توڑی تھی، لیکن اب حجاج کے مہل عبدالملک کی بیعت بھی فتح کر دی۔

حجاج نے عبدالملک کو صورت حال سے آگاہ کیا اور کمک مانگی۔ عبدالملک نے فوج روانہ کی۔ لیکن ان کا راستہ میں بچ کر حجاج کے پاس سالم پہنچنا مشکل تھا۔ اس لئے سو سو پچاس پچاس کی ٹکڑیوں میں مسافرانہ انداز میں برید کے ساتھ آئے۔

عبدالرحمان اور حجاج کے درمیان کئی معرکے ہوئے۔ عبدالرحمان نے بصرہ فتح کر لیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ہزیمت اٹھائی۔ پھر کوفہ کا رخ کیا اور اس پر قابض ہو گیا۔ کوفہ کے قریب دیر جمجم کے مقام پر متواتر معرکے ہوئے۔ لیکن نتیجہ خیز نہ تھے۔ ان کے ہمراہ دو لاکھ فوج تھی۔ یہ ۸۲ ہجری کا قصہ ہے۔

عبدالملک عراقیوں کے آگے جھکنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے کہلا بھیجا کہ اگر تم اطاعت کر لو تو حجاج عزول کر دوں گا۔ تمہاری تنخواہیں شامی تنخواہوں کے برابر ہو جائیں گی اور ابن اشعث

جس علاقہ کی حکومت چاہے گا عمر بھر کے لئے دے دوں گا۔ ابن اشعث اس پیش کش کو قبول کرنے کے حق میں تھا۔ لیکن فوج نے انکار کر دیا۔

حجاج اور ابن اشعث کے درمیان پھر جنگوں کا ایک طویل سلسلہ چھڑ گیا۔ حجاجی فوج میں رسد کی کمی کا یہ حال تھا کہ گویا محصور تھے لیکن آخر حجاج کا عزم عراقیوں کے انبوه پر غالب آیا۔ عبدالرحمان نے بصرہ کا رخ کیا اور پندرہ روز کی جنگ کے بعد ہزیمت اٹھاتا ہوا رتیل کے علاقہ میں چلا گیا۔

عبدالرحمان کو رتیل کی دوستی کا بھروسہ تھا۔ رتیل اس سے وفا کرنا چاہتا تھا لیکن حجاج کی ہیبت اتنی مسلط ہو چکی تھی کہ رتیل کو اپنی فکر پڑ گئی۔ حجاج نے اسے پیغام بھیجے کہ ابن اشعث کو میرے حوالے کر دو، ورنہ میرے شاہ سوار تمہاری زمین کو روند ڈالیں گے۔ رتیل نے ۸۵ ہجری میں اپنے بد نصیب مہمان کا سر حجاج کے پاس بھیج دیا۔

عراق کی یہ ہمہ گیر بغاوت ایک طویل عرصہ تک رہی بے شمار جانوں کا زیاں ہوا۔ یہی ایک واقعہ حجاج کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھا۔ لیکن وہ ایسی خولایا تھا جسے دنیا کا انقلاب بدل نہیں سکتا تھا۔ اس کو خون کی اور چاٹ لگی۔ اور حریفوں سے جن جن کر بدلے لئے۔ حضرت سعید بن جبیر ۹۴ ہجری میں بعد ولید گرفتار ہو کر اس کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے بے دردی سے ان کی گردن کٹوا دی۔

ماوراء النہر : مہلب بن ابی صفرو نے ۸۰ ہجری میں نریخ (سیحون) کو عبور کیا اور کس اور خل کے علاقے فتح کیے۔ دو برس بعد یہاں سے لوٹا تو راستہ میں مرو کے مقام پر وفات پائی۔ وہ اپنے بیٹے کو جانشین کر گیا۔ حجاج نے اس تقرر کو منظور کر لیا۔ دو برس بعد ۸۴ ہجری میں ترکوں سے پھر چپقلش ہوئی۔ یزید نے بازغیس کے ترکی سردار نیزک سے اس کا قلعہ چھین لیا۔ یہ قلعہ اتنا مضبوط تھا کہ نیزک جب اسے دیکھتا تو سجدہ کرتا تھا۔ اگلے برس یزید کے جانشین مفضل نے بازغیس کا سارا علاقہ زیر نگیں کر لیا اور شومان تک جا پہنچا۔

رومی محاذ : عبدالملک نے ۷۰ ہجری میں قیصر روم کی پیش قدمی کو خراج کے وعدہ سے ٹالا تھا۔ اگلے برس پھر جنگ چھڑ گئی۔ مسلمانوں نے قیساریہ واپس لے لیا۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً معرکے ہوتے رہے۔ ۷۹ ہجری میں رومیوں نے انطاکیہ پر حملہ کر کے قبضہ جما لیا۔ مسلمانوں نے ۸۴ ہجری میں ان سے انتقام لیا اور مصیفہ کا شہر فتح کر لیا۔

بحیرہ روم کی فتوحات : عبدالملک کے عہد میں بحیرہ روم میں سلسلہ اور منقلہ کے جزیرے فتح ہوئے۔

ولی عہدی : مروان نے عبدالملک کے بعد اپنے دوسرے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد نامزد کیا تھا۔



عبدالملک نے عبدالعزیز کا نام ہٹا کر اپنے بیٹوں کو جانشین کرنا چاہا۔ لیکن سمجھانے بجھانے پر یہ ارادہ چھوڑ دیا۔ آخر عبدالعزیز کی ناگہانی موت نے اس کا ہاتھ بٹایا۔ اس نے ولید اور سلیمان کی ولی عہدی کا اعلان کیا اور ان کے لئے بیعت حاصل کر لی۔

حضرت سعید بن مسیب تابعی نے مدینہ میں ولید اور سلیمان کی بیعت سے انکار کیا۔ اور کہا کہ ایک خلیفہ کی زندگی میں ہم دوسرے خلیفہ کی بیعت نہیں کریں گے عبدالملک کا بیٹا ہشام یہاں گورنر تھا۔ اس نے حضرت سعید پر سختی کی اور انہیں کوڑے پٹوائے، تاہم وہ اپنے موقف سے نہ ہٹے۔

**وفات :** عبدالملک نے ۱۵ شوال ۸۶ ہجری کو وفات پائی اور دمشق میں دفن ہوا۔ مرنے سے پہلے اس نے اولاد کو وصیت کی کہ حجاج کی تکریم کرنا۔ اس نے ملک تمہارے زیر نگیں کئے ہیں اور اعداء کی گردنیں جھکا دی ہیں۔

**اوصاف و اخلاق :** عبدالملک کو علم و فضیلت میں بہرہ وافر ملا تھا۔ ملک دارای کی مصروفیتوں نے اسے گھیر نہ لیا ہوتا تو اس کا شمار دنیائے علم کے ممتاز تاجداروں میں ہوتا۔ قرآن خوانی کا بہت دل دار تھا۔ جس وقت اسے خلافت کا مژدہ ملا وہ قرآن حکیم گود میں رکھے تلاوت میں مصروف تھا۔ اسے بند کر کے کہا۔ حذا فراق بنی و بینک (لو میرے اور تمہارے درمیان جدائی ہے) اب آئندہ قرآن خوانی کے لئے پہلا سا وقت نکالنا مشکل ہو گا۔

عبدالملک ایک بلند حوصلہ، ذہین و فطین اور معاملہ فہم حکمران تھا۔ وہ ایک بہت مدبر سیاست دان تھا جس وقت تخت پر بیٹھا اس کے پاس فقط مصر و شام کے صوبے تھے۔ لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور درجہ بدرجہ کل عالم اسلامی کی زمام سنبھال لی۔

عبدالملک جب اہل شام کا لشکر لے کر روانہ ہوا تو راستہ میں ایک رات نہایت وحشت ناک خبریں ملیں۔ لیکن عبدالملک جیسا اس رات تکلف و خنداں تھا ویسا کبھی نہ تھا۔

بنو امیہ کی حیلہ جوئی اسے ورثہ میں ملی تھی۔ اس حیلہ سے عمرو بن سعید کا کام تمام کیا اور معتب بن زبیر کی فوج کے ایک کثیر حصہ پر فسوں کر کے عین ہنگامہ کار زار میں اپنی طرف کھینچ لیا۔ عبدالملک طبعاً برا نہ تھا۔ اگر وہ حجاج بن یوسف کو رعیت پر مسلط نہ کرتا تو ایک محبوب بادشاہ ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حجاج نے جب خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم جناب انس بن مالک سے گستاخانہ سلوک کیا تو ان کی شکایت پر عبدالملک نے طیش میں آکر حجاج کو ایک تہدید آمیز خط لکھا اور حکم دیا کہ پیدل جا کر ان سے معافی مانگو۔ اسی طرح جب مدینہ کے حاکم نے حضرت سعید بن مسیب کے ساتھ سختی کی تو اسے بھی ایک سخت خط لکھ کر ڈانٹا۔ لیکن حق یہ

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ہم نے یہ روایت مسعودی سے باختصار لی ہے۔ اس نے نیزہ کی جو نوعیت بتائی ہے۔ ان میں بعض تاریخی اعتبار سے درست نہیں۔

ہے کہ کاغذ کے یہ دو بے اثر پرزے تاریخ کی بے لاگ عدالت میں اسے امراء کے مظالم سے بمشکل بری کرا سکیں گے۔

سیاست ملوکانہ کے تقاضے نہ ہوتے تو عبدالملک کا دامن بے داغ ہوتا۔ اس کے ذاتی کردار میں بعض نہایت دلفریب جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ وہ مظلوموں اور دکھیوں کے احوال سن کر زار و قہار روتا تھا۔ بارہا خوف الہی سے لرزاں دیکھا گیا۔ ایک دفعہ برسر منبر رو کر کہا، اے اللہ تعالیٰ! میرے گناہ عظیم ہیں۔ لیکن تیرا ادنیٰ عفو بھی ان سے عظیم تر ہے۔ اے اللہ اپنے قلیل عفو کے ساتھ میرے گناہوں کو مٹا ڈال۔ حسن بصری تک یہ الفاظ پہنچے تو انہوں نے آب دیدہ ہو کر فرمایا، اگر کوئی کلام حروف زر میں لکھتا ہو تو میں یہ الفاظ لکھوں۔ ایک بار عبدالملک سے کسی نے پوچھا، کون آدمی افضل ہوتا ہے؟ جواب دیا جس نے بالادستی کے وقت انکسار کیا۔ صاحب مقدرت ہو کر زہد اختیار کیا اور قوت کے وقت انتقام سے درگزر کیا۔

ایک دفعہ اس کے ہاتھ سے ایک فلس (پیسہ کے برابر سکہ) گندے کنوئیں میں گر پڑا۔ اس نے تیرہ دینار (اشرفیاں) خرچ کر کے نکلوایا۔ کسی نے اس کا سبب پوچھا تو کہا کہ فلس پر اللہ عزوجل کا نام ہے۔

## عبدالملک کے عہد پر تبصرہ

### دولت امویہ کا بانی ثمانی

نظام حکومت : عبدالملک نے حریفوں کو میدان سے ہٹا کر بلا شرکت غیرے مملکت اسلامیہ پر حکومت قائم کی اور اس کا نظام پختہ کیا۔ اموی حکومت کے اولین بانی حضرت معاویہؓ ہیں۔ لیکن ان کے پوتے کے بعد اس حکومت کے قدم بالکل اکھڑ گئے تھے۔ مروان نے نئے سرے سے اس کی طرح ڈالی۔ لیکن وہ اپنا کام ادھورا چھوڑ گیا تھا۔ عبدالملک کو دولت امویہ کا بانی ثمانی کہیں تو بجا ہو گا۔ اس کے بعد سیاسی پالیسی بجائے حضرت معاویہؓ کے زیادہ تر اسی کے انداز پر رہی۔

نظم و ضبط : عبدالملک کا طرز حکومت اور نظام کار کم و بیش وہی تھا جو حضرت معاویہؓ کے عہد میں تھا۔ ایک نمایاں فرق البتہ یہ تھا کہ لوگ جس آزادی سے حضرت معاویہؓ بلکہ بعد کے حکمرانوں کو بھی مخاطب کرتے تھے عبدالملک نے اس کی بندش کر دی اور حکم دیا کہ میرے حکم کے جواب میں زبان نہ ہلاؤ۔ اگرچہ عبدالملک کی عام روش معتدل تھی لیکن دربار کے اجلاس میں اپنے رعب و داب کی کمی گوارا نہیں کرتا تھا۔ اس نے نئے سرے سے حکومت قائم کی تھی، اس لئے قانون اور نظم و ضبط کے معاملہ میں سخت تھا۔ بنو امیہ میں وہ پہلا بادشاہ ہے جس نے مظلوموں کی فریاد سننے کے لئے ایک الگ دن مقرر کیا۔ اس امن دشمن عناصر کی اس سے ہمت

۲۰۰-۲۰۶ھ) تک اس پر عمل ہوتا رہا۔ یہ اس قدر پسندیدہ اقدام تھا کہ بعد میں بھی جاری رہا۔ عباسی دور میں خلیفہ متمدی

عبدالملک سے پہلے عمال خود سر ہو گئے تھے۔ رشوت خوری عام تھی۔ عبدالملک نے عمال کے خلاف تحقیقات کی اور رشوت کا مال اگلوایا۔  
دفتری بندوبست : حضرت معاویہؓ کے عہد میں جو محکمے قائم تھے ان کو کامل تر کیا۔ برید کو اور وسعت دی۔

عربی زبان : عبدالملک نے دفتری نظام میں بہت اصلاحیں کیں۔ دفتری اصلاحات کے سلسلہ میں عبدالملک کا یہ ممتاز کارنامہ ہے کہ اس نے کل صوبوں میں دفاتر کو عربی میں منتقل کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اس سے قبل عجم، شام اور مصر میں مردم شماری اور وظائف کے کاغذات عربی میں تھے اور مالیات کے مقامی زبان میں۔ عبدالملک نے عربی کو واحد زبان قرار دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حاکمانہ مناصب عربوں کے پاس تھے، لیکن دفاتر کی کارگزاری مقامی عملے کے ذمے ہوتی تھی۔ ان میں کئی غیر مسلم بھی تھے۔ عرب حاکم مقامی زبانوں سے نااہل ہونے کی وجہ سے دفتری دنیا سے الگ تھلک رہتے تھے۔ اس لئے بدعنوانیاں ہو جاتی تھیں۔ عبدالملک نے اس کے سدباب کے لئے یہ تجویز کی کہ سب دفاتر میں عربی زبان رائج کی جائے۔ ان دنوں عراق حجاج بن یوسف کے تحت تھا۔ اس نے اس کام کی نگرانی کی اور صالح کاتب کے ذمے یہ خدمت سپرد کی۔ اہل عجم نے صالح کو ایک لاکھ درہم کی پیش کش کی اور کہا کہ تم اس کام سے معذری کا اظہار کر دو۔ صالح نہ مانا اور اس مشکل کام کو آسان کر کے دم لیا۔

شام اور مصر کے دفاتر پر عربی کا قبضہ کب ہوا؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ مصر کے دفاتر میں عربی کا دخل غالباً ولید کے زمانے میں ہوا اور شامی دفاتر میں غالباً ہشام کے عہد میں۔ لیکن اس کارنامے کی ابتداء کا سہرا بہر حال عبدالملک کے سر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کام کی ابتداء سب صوبوں میں عبدالملک کے حکم سے ہوئی۔ اور فارسی دفاتر تو یقیناً اس کی زندگی ہی میں عربی میں منتقل ہو گئے۔

عربی زبان کے دفاتر پر پھا جانے سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ عربی کی اشاعت بڑھی اور دوسرے یہ کہ سرکاری زبان ایک ہو گئی۔ سرکاری زبان کے ایک ہونے سے مختلف صوبوں کے درمیان ربط اور یک جہتی تیزی سے بڑھنے لگی۔ لیکن اس کے کچھ نقصانات بھی تھے۔ مثلاً بعض مقامی لوگوں کو، مجسٹ ہوئی کہ ان کی مادری زبان کی بے قدری ہوئی ہے۔ مالیات کے دفاتر میں جو مقامی ملازمین تھے ان کی کمائی جاتی رہی۔

مالیات : عبدالملک کے عہد کا غالب حصہ جنگ و جدل میں گزرا۔ اس لئے خزا بہت بوجھ

۱۔ ابن اثیر۔ ابن الندیم۔ بلاذری۔ ہشامی کتاب الوزراء صفحہ ۳۸ اعلان التوبخ سخادی۔

رہا۔ عبدالملک ایامِ مدینہ میں ادھر سے بے فکر نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ اخراجات کے معاملہ میں اتنا محتاط تھا کہ اس کا نام رشح الحجارہ یعنی پتھروں کا پینہ پڑ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پہلا کنجوس خلیفہ تھا۔ اس کے عہد میں خزانہ بھرنے پر اس قدر توجہ تھی کہ نو مسلموں پر جزیہ لگایا گیا۔ حجاج نے اتنی شدت کی کہ عراق کی مالی حالت الٹا خراب ہو گئی۔

مالیات کے سلسلہ میں عبدالملک نے جو اصلاحات کیں ان میں ایک نمایاں اصلاح ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ اس نے مالیات کا دفتر عربی میں منتقل کرنے کا حکم دیا۔ دوسری اصلاح اسلامی سکے کی نکال قائم کرنا ہے۔ اسلامی ممالک میں پہلے رومی سکہ رائج تھا۔ عبدالملک کا قاعدہ تھا کہ مکاتیب میں قل هو اللہ احد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کا سرنامہ لکھواتا تھا۔ قیصر روم نے اعتراض کیا اور کہہ دیا کہ اگر تم اپنے خطوط میں یہ الفاظ لکھواتا نہ چھوڑو گے تو ہم بھی اپنے سکوں پر ایسی تحریریں کندہ کرانے لگے جنہیں تم ناپسند کرو گے۔ عبدالملک نے اس دھمکی کا جواب دیا کہ رومی سکہ خلاف قانون قرار دے دیا۔ اور ۷۶ ہجری میں درہم و دینار کی نکال قائم کی۔ یہ سب سے پہلے عراق میں حجاج کے زیر اہتمام نکال بنی اور اس کے بعد دیگر ولایات میں۔ جو لوگ اپنے طور سے سکے ڈھالتے تھے انہیں کڑی سزا ملتی تھی۔ ۲۰ پہلے درہموں کا وزن ایک نہیں تھا۔ عبدالملک نے پانچ مثقال (یعنی اونس) وزن مقرر کیا۔ ۲۱

ان اصلاحات سے کئی فائدے مرتب ہوئے۔ مثلاً پرانے سکوں پر بھروسہ رکھنے میں یہ خرابی تھی کہ ایک لحاظ سے اغیار کا اقتصاری دباؤ قائم تھا۔ وہ اپنی مرضی سے سکوں کے وزن میں کمی بیشی کر سکتے تھے اور ملاوٹ کر کے مسلمانوں کو گھانا دے سکتے تھے۔ اندرون ملک میں بھی بعض عیار لوگ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ عبدالملک نے فریب کاری کے یہ سب رخنے بند کر دیے۔

زراعت : عبدالملک کے عہد میں عراق کے علاقہ میں زراعت کی طرف بہت توجہ ہوئی۔ لیکن حجاج کے مظالم اور مسلسل رزم آرائی کی وجہ سے زیادہ فائدہ نہ ہوا۔ حجاج نے کئی نہریں کھدوائیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں ایک صاحب سعد بن عمرو نے ایک نہر کی کھدائی کا آغاز کرایا تھا۔ راہ میں چٹان آگئی تو اسے ادھورا چھوڑ دیا۔ حجاج نے اس کی تکمیل کرائی۔ اس کا نام بانی اول کے نام سے نہر سعد بن عمرو ہی ہے۔ ۲۲

حجاج نے اور بھی کئی نہریں کھدوائیں۔ مثلاً نہر الصین، نہر الیل، نہر الزبلی وغیرہ۔ ۲۳

متفرق کارنامے : ۱۔ عبدالملک نے حضرت سعید بن جبیر سے قرآن حکیم کی تفسیر لکھوائی۔ ۲۔ جامع اقصیا : عبدالملک نے جامع اقصیٰ اور قبتہ النحرہ کی تعمیر کرائی۔ دونوں کے فرش پر

۱۔ ابن اثیر۔ بلاذری۔ ۲۔ خضریٰ۔ ۳۔ مادردی باب السابع صفحہ ۶۸۔ ۴۔ بلاذری صفحہ ۷۳۔ ۵۔ بلاذری صفحہ ۲۹۔ ۶۔

۶۔ میزان الاعتدال ذہبی ذکر عطا بن دینار۔

رنگین مرمر بچھوایا۔ قبہ پر نبت کاری اور تزئین کا بے نظیر کام ہوا۔ اس میں تلمینے اور جواہر جڑے گئے۔ سونے چاندی کا بے دریغ استعمال ہوا چمک دکھ سے اس پر نگاہ نہیں ٹھہر سکتی تھی۔  
- گویا جادو کا محل ہے۔

مسجد اور قبہ میں سونے چاندی کی قدیلیں وغیرہ فراہم کیں۔ خوشبو کی فراوانی کا یہ عالم تھا کہ زائر اپنے علاقوں میں واپس جاتے تو کئی روز تک ان کے لباس سے خوشبو آتی۔

### ۳۔ شہروں کی آبادی

۱۔ واسط : عبدالرحمان بن اشعث کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے حجاج نے شام سے فوج منگوائی۔ اسے عراقی آبادی سے دور رکھنے کے لئے ایک نئی چھاؤنی کی ضرورت ہوئی۔ حجاج نے اس مقصد سے ۸۳ ہجری میں واسط کا شہر آباد کیا۔ اسے حجاج نے یہاں ایک سبز گنبد بنوایا جس کا بہت شہرہ تھا۔ یہ گنبد مدت تک قائم رہا۔

ب۔ مدینہ النبی : یہ شہر بھی حجاج نے بسایا۔

۲۔ سرحدی تحفظات : عبدالملک نے شامی سرحدوں کو مضبوط کیا۔ مصیفہ کا قلعہ از سرنو تعمیر کیا اور اس میں سپاہ آباد کی۔

مکہ میں بند کی تعمیر : ۸۰ ہجری میں مکہ میں ایک عظیم سیلاب آیا جس نے کعبہ کو گھیر لیا۔ اور کئی حاجیوں کو بہا کر لے گیا۔ عبدالملک نے ایک نصرانی انجینئر کو بھیج کر سیلاب کے انداد کے لئے ایک مضبوط بند بندھوایا۔ ہر کوچہ کے دہانہ پر ایک بند کی تعمیر کی۔ نشیبی مکاؤں اور مسجد حرام کی پختگی کی خاطر پٹے بنوائے۔

کعبہ کی تعمیر نو : کعبہ کی عمارت کی کچھ جگہ اپنی اصل بنیادوں پر نہیں تھیں کیوں کہ اسلام سے قبل جب قریش نے اس کی از سرنو تعمیر کی تو خرچ کی کمی کی وجہ سے عمارت کو قدرے تنگ کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ دروازہ کو انہوں نے اصل سطح سے اوپر رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ درستی کر دی جائے لیکن مصلحت وقت دیکھ کر ارادہ چھوڑ دیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر نے اپنی خلافت کے دوران میں کعبہ کی عمارت کی اصل بنیادوں کو بحال کیا۔ عبدالملک کی باری آئی تو اس نے اسے گرا کر دوبارہ عمد نبوی کی بنیادوں پر تعمیر کرایا۔ کعبہ کی تاریخ کے نقطہ نگاہ سے یہ ایک اہم واقعہ ضرور ہے لیکن ہم اسے عبدالملک کا کوئی کارنامہ شمار نہیں کر سکتے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ : قرآن حکیم کے اعراب کو حجاج بن یوسف اور اس کے واسطے سے عبدالملک سے منسوب کرنا درست نہیں۔ یہ خدمت حضرت علیؓ کے شاگرد ابوالا سود دلی اور ان کے شاگردوں نصر بن عاصم اور یحییٰ بن - عمر نے انجام دی۔ اعراب کو آخری اور موجودہ شکل عباسی عمد میں ملی۔

۱۔ ابن کثیر ۲۶ ہجری - ۲۔ ابن اثیر - ۳۔ مسعودی ذر منصور - ۴۔ بلاذری صفحہ ۲۹۰ - ۵۔ فتوح البلدان - ۶۔ فتوح

البلدان صفحہ ۵۳ - ۷۔ صحیح مسلم کتاب الحج۔

## ولید بن عبد الملک

۸۶ھ تا ۹۶ھ ۷۰۵ء تا ۷۱۳ء

عبد الملک کے بعد اس کا بیٹا ولید جانشین ہوا۔ ولید کو ایک وسیع، مستحکم اور بے شورش مملکت ورثہ میں ملی۔ وہ اپنے باپ کے برعکس علم سے بالکل کورا تھا۔ عربی بھی صحیح نہیں بول سکتا تھا لیکن جہانداری کے فن میں صاحب کمال تھا۔

قیسہ اور وسط ایشیا کی فتوحات: ماوراء النہر (جیوں پار یا وسط ایشیا) کا علاقہ کوہستانی، سغلاخ اور پنج در پنج ہے۔ ان دنوں یہ سر زمین متعدد مقامی حکمرانوں پر بٹی ہوئی تھی۔ انہوں نے اسلامی حکومت کا اقتدار قبول کر لیا تھا۔ ان کے علاقوں میں جو مسلمان آباد تھے ان کے امور کی نگہداشت کی خاطر والی خراسان کی طرف سے عمال مقرر تھے۔

ولید کے تحت نشین ہوتے ہی حجاج بن یوسف نے یزید بن مہلب کی جگہ قیسہ بن مسلم کو خراسان کا والی بنایا۔ ماوراء النہر پر یزید کا بہت دبدبہ تھا۔ اس کی معزولی پر یہاں کے باشندوں نے جگہ جگہ بغاوت کر دی۔ قیسہ نے ان کی گوشمالی کی۔ اس کے کارناموں کی روداد درج ذیل ہے۔

ترکستان: ۸۶ ہجری میں قیسہ بن مسلم بلخ کے قریب پہنچا۔ وہاں تحائف لے کر حاضر ہوئے۔ دریا کو عبور کیا تو صفغانیاں کے بادشاہ نے پیشوائی کی اور سونے کی چابیاں پیش کیں اور آگے بڑھا تو شومان وغیرہ کے بادشاہ اطاعت کے لئے حاضر ہوئے۔ قیسہ نھارستان اور صفغانیاں کے صوبوں کو بغیر خون ریزی کے زیر کر کے واپس آیا اور مرو میں مقام کیا۔ اس کے بھائی صالح نے فرغانہ تک کا علاقہ سر کر لیا۔ ۸۷ ہجری میں بادغیس کے امیر نیزک طرخاں نے مصالحت کی۔ اس کے پاس جو مسلمان قیدی تھے واپس کر دیے۔

۸۷ ہجری میں قیسہ نے بیکند کے شہر پر حملہ کیا۔ آس پاس کے ترک بیکند والوں کی مدد کو آئے اور تمام راہیں بند کر دیں۔ دو ماہ تک قیسہ ان کے پھندے میں پڑا رہا اور اس کو کوئی خبر نہ آئی۔ آخر اس نے جان پر کھیل کر بیکند کو فتح کیا اور صلح کر لی۔ واپس ہوا تو بیکند والوں نے مسلمان عامل اور اس کے ساتھیوں کو مار ڈالا۔ قیسہ نے دوبارہ لشکر کشی کی اور دشمن کی سپاہ کو تہ تیغ کر دیا۔

۸۸ ہجری میں خاقان چین کا بھانجا مغذ، اہل فرغانہ اور ترکوں کا دو لاکھ کا لشکر لے کر قیسہ کے مقابلہ کو آیا اور شکست کھا گیا۔ اگلے دن قیسہ نے دریا کو پار کیا۔ مغذ کے علاقے اور کش اور سف وغیرہ کو زیر کر کے بخارا کو جا چھوا۔ لیکن وہاں سے ناکام واپس آیا۔ ۹۰ ہجری میں پھر

۱. ہسری آف ایرا سوسید امیر علی

بخارا پر فوج کشی کی۔ جنگ ہوئی تو اب کے بھی مسلمان دبے گئے۔ اور اپنے خیموں تک پسپا ہو گئے۔ مستورات نے رو رو کر غیرت دلائی۔ مجاہدین نے یکبارگی پلٹ کر ایسا ریلایا کیا کہ اہل بخارا کے قدم اکھڑ گئے اور بھاگ کر دریا کی دوسری جانب پہنچے۔ اہل اسلام کی مختصر سی جماعت نے دریا عبور کر کے ان سے جنگ کی اور فرار کی راہ دکھائی۔ ۱۔

نیزک کو قیبہ کی روز افزوں کشور کشائیوں سے اندیشہ ہوا اور بغاوت پر اتر آیا۔ اس نے کئی پڑوسی حکمرانوں کو بھی اکسایا۔ قیبہ گو شمالی کو پہنچا تو ایک ایک ترک حکمران نے ہتھیار ڈال دیے۔ نیزک ایک دشوار گو میں حفاظت سے بیٹھ گیا۔ قیبہ کو اس کے قلعہ تک پہنچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ سخت متحیر ہوا۔ آخر ایک شخص کو اس کے پاس بھیجا جس نے اسے قیبہ کے پاس معافی چاہنے کو آمادہ کیا۔ نیزک قیبہ کے پاس خود حاضر ہوا اور معافی کی درخواست کی۔ اب وہ معافی کا حق دار نہ تھا۔ اس کی گردن مار دی گئی۔ ۲۔

سمرقند : سمرقند کا شہر وادی مغد سے کا دل تھا۔ یہاں کی سرسبزی عجب بہار دیتی تھی۔ آبادیاں گھنے اور بلند درختوں میں ستر پوش تھیں۔ باشندے آتش پرست ترک تھے اور وہ بھی مغد کہلاتے تھے۔

مغد کا اہل اسلام سے معاہدہ تھا۔ لیکن انہوں نے خلاف ورزی کی اور قیبہ کے خلاف کئی مہموں میں حصہ لیا۔ قیبہ نے مجبوراً ۹۳ ہجری میں سمرقند پر حملہ کیا اور شہر کو گھیرے میں لے لیا۔ اہل مغد کی درخواست پر ہمسایہ ممالک سے ملوک و امراء کے بیٹے گراں لشکر لے کر سمرقند والوں کی مدد پر روانہ ہوئے۔ ابھی وہ راہ میں تھے کہ قیبہ کے بھائی صالح نے رات کے وقت ان سے جنگ کی۔ کئی شہزادے کام آئے۔ اور ان کی فوج فرار ہو گئی۔

اہل سمرقند کو معلوم ہوا تو شکستہ دل ہوئے۔ مسلمانوں نے شہر کی فصیل میں شکاف ڈال دیا۔ ناچار اہل سمرقند نے ۲۲ لاکھ مثقال (اونس) سونے کے سالانہ خراج کے عوض اطاعت کر لی۔ ۳۔ شہر میں بڑے بڑے قدیم بت تھے۔ مغد کا عقیدہ تھا کہ جو شخص ان کو آگ لگائے گا ہلاک ہو جائے گا۔ قیبہ کو یہ بتایا گیا تو اس نے اپنے ہاتھ سے آگ لگائی۔ ۴۔

۹۳ ہجری میں قیبہ نے فرغانہ تک کا علاقہ تسخیر کر لیا۔

اطاعت چین : خاقان چین اہل ترکستان کا پشت پناہ تھا اور انہیں مسلمانوں کے خلاف کمک بھیجتا تھا۔ قیبہ نے ۹۶ ہجری میں اس کی خبر لینے کا ارادہ کیا۔ فرغانہ سے ایک لشکر روانہ ہوا جس نے چین کے سرحدی شہر کاشغر کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ شاہ چین نے لکھا کہ مذاکرات کے لئے سفیر بھیجو۔

۱۔ ابن اثیر ۲۔ ابن اثیر ۳۔ مغد کو سین کے ساتھ یعنی مغد بھی لکھا جاتا ہے۔ ۴۔ ابن اثیر ۵۔ ابن اثیر ۶۔ ابن کثیر

تیبہ نے دس آدمیوں کا ایک وفد ہیرہ کی قیادت میں روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تمہارے ملک کو پامال نہ کر دوں، تمہارے سلاطین پر مہریں نہ لگا لوں اور جزیہ وصول نہ کر لوں واپس نہ جاؤنگا۔ خاقان چین نے وفد سے کہا کہ تم نے میرے ملک کی وسعت اور میں نے تمہاری قلت دیکھ لی۔ خیریت درکار ہے تو واپس چلے جاؤ صفراء نے جواب دیا، وہ لوگ کیونکہ قلیل ہو سکتے ہیں جو تمہاری سرحد سے لے کر زیتون کے باغوں (یعنی سرزمین شام) تک پھیلے ہوئے ہیں۔ رہی تمہاری دھمکی تو ہم موت کے وقت کو مقرر جانتے ہیں اور قتل کو اشرف ترین موت سمجھتے ہیں۔ موت کو نہ ہم ناپسند کرتے ہیں اور نہ اس سے ڈرتے ہیں۔ ل۔ خاقان یہ جملے سن کر جی چھوڑ بیٹھا۔ خراج پیش کیا اور اہل اسلام کی بالادستی تسلیم کر لی۔

محمد بن قاسم اور فتح سندھ: جزیرہ یاقوت (سراندپ) کے بادشاہ نے عراق کی طرف آٹھ بحری جہاز روانہ کئے۔ ان میں حجاج کے لئے قیمتی تحائف تھے۔ ساتھ چند خواتین تھیں جو حج کی نیت سے جا رہی تھیں۔ ان کے علاوہ عرب کی چند یتیم لڑکیاں تھیں جن کے باپ تاجر تھے اور جزیرہ سراندپ میں وفات پا چکے تھے۔ جہاز دیبل (کراچی) کے قریب پہنچے تو سندھ کے قزاقوں نے چھاپہ مارا۔ جہازوں کو لوٹا اور خواتین کو ساتھ لے گئے۔ ایک خاتون نے بلند آواز سے فریاد کی "یا حجاج! حجاج کو خبر ملی تو اس نے پکار کر کہا، یا لیک۔ حجاج نے سندھ کے راجہ داہر کو لکھا کہ خواتین ہمارے حوالے کرو۔ اس نے جواب بھیجا کہ یہ کام بحری قزاقوں کا ہے جن پر میں قدرت نہیں رکھتا۔ ۲۔

ناچار حجاج نے ولید کی اجازت حاصل کر کے سندھ پر لشکر بھیجنے شروع کئے۔ پہلی دو مہمیں ناکام رہیں۔ اب اس نے ۸۹ ہجری میں اپنے چچیرے بھائی اور داماد محمد بن قاسم حاکم فارس کو روانہ کیا۔ محمد بن قاسم کا سن صرف سترہ برس تھا۔ لیکن مرادنگی اور لیاقت میں کسی سے کم نہ تھا۔ اس کے ساتھ چھ ہزار شامی فوج کے علاوہ مزید لشکر بھی تھا۔ ۳۔ اس مہم کے لئے حجاج نے پوری تیاری کی۔ تاگے اور سوئی تک کا اہتمام کیا۔ سرکہ میں بھگو کر سکھائی ہوئی روئی تیاری کی تاکہ ضرورت پڑے تو تر کر کے سرکہ نچوڑ لیا جائے اور پکانے کے کام آئے۔ ۴۔

اسلحہ اور آلات جنگ وغیرہ سفینوں میں لاد کر سمندر کی راہ سے بھیجے۔ محمد بن قاسم نے خود بری سفر اختیار کیا۔ دیبل پہنچا تو سفینے بھی کنارے آگے۔ دیبل کو محصور کر لیا۔ محمد بن قاسم اپنے ساتھ منجینق لایا تھا جس میں پانچ سو آدمی کام کرتے تھے۔ شہر میں ایک بہت بڑا مندر تھا۔ اس پر لکڑی کا ایک اونچا ستون تھا۔ اس کے سرے پر ایک عظیم سرخ جھنڈا لہرا رہا تھا۔ ۵۔ اس پر منجینق سے سنگ باری کی گئی۔ ستون گر گیا۔ اہل شہر نے اسے بدھگونی سمجھا اور سراپیم ہو گئے۔ انہوں نے باہر نکل کر مقابلہ کیا۔ لیکن ٹھہرنہ سکے اور دوبارہ محصور ہو گئے۔ مسلمان سیڑھیاں لگا

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ فتوح البلدان بلاذری۔ فتح نامہ سندھ (پنج نامہ)۔ ۳۔ فتوح البلدان بلاذری فتح نامہ سندھ۔ ۴۔ بلاذری۔ ۵۔ بلاذری۔ ابن اثیر۔



کر فیصل پر چڑھے اور اندر داخل ہو گئے۔ داہر کا عامل بھاگ نکلا اور شہر فتح ہو گیا۔ محمد بن قاسم نے یہاں ایک مسجد تعمیر کی اور مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد آباد کی۔ جن مسلمانوں کو جہازوں سے اسیر کیا گیا تھا ان میں سے اکثر یہیں سے ملے۔ کج راجہ داہر کی راجدھانی اندرون ملک میں تھی۔ محمد بن قاسم نے ادھر کا رخ کیا۔ مقامی لوگوں کی کم حوصلگی اور باہمی افتراق نے نوجوانوں اور بلند اقبال فاتح کی راہ سہل کر دی۔ جو راجہ مہاراجے راہ میں پڑے وہ خود حاضر ہو کر فرمان کے بندے بن گئے۔ ابن قاسم نے نیرون (موجودہ حیدر آباد) اور اس کے گرد و نواح کے علاقے دیکھتے ہی دیکھتے تسخیر کر لئے۔ چار ہزار جاٹ ابن قاسم کی فوج میں شامل ہو گئے اور کئی امراء اسلام لائے۔

محمد بن قاسم نے دریا کے غری کنارے سفر جاری رکھا۔ راجہ داہر نے ایک فوج مقابلہ کے لئے بھیجی جو شرقی ساحل پر تھی۔ محمد بن قاسم نے دریا عبور کرنا چاہا لیکن ہندوستانی فوج نے پل نہ باندھنے دیا۔ اسی انتظار میں ایک مدت گزر گئی۔ اسلامی فوج میں رسد اور غلہ کی بہت کمی ہو گئی یہاں تک کہ بعض دفعہ فوجی ضرورت کے جانور ذبح کر کے کھانے پڑے۔ حجاج کو حالات معلوم ہوئے تو دو ہزار کی کمک بھیجی اور مناسب ہدایات روانہ کیں۔ محمد بن قاسم نے ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا جہاں پل کم تھا۔ ساحل کے ساتھ ساتھ کشتیوں کو جو مقامی امراء نے مہیا کی تھیں ایک پل کی شکل میں جوڑا۔ اس کا ایک سرا مغربی ساحل سے باندھا۔ کشتیوں میں سپاہ بٹھائی اور پل کو بہاؤ کے ساتھ رپلا تو دو سرا مشرقی کنارے سے جا لگا۔ مجاہدین کے دشمن کے محافظ دستے پر تیروں کی بارش کر دی۔ وہ بھاگ نکلے۔ انہوں نے پل کو ساحل سے باندھا اور اتر کر غنیمت کی فوج پر جا پڑے۔ فوج نے ہمت چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کی۔ ہلالی پرچم ہولمے مراد کے کندھوں پر سوار بڑھتا چلا گیا۔ راستہ میں داہر کا بیٹا جیسے یعنی بے سنگھ مزاحم ہوا۔ لیکن اس کے قدم بھی ایسے اکھڑے کہ جم نہ سکے۔

محمد بن قاسم نے جے پور میں خیمے لگائے۔ تقریباً ایک فرسنگ کی راہ پر داہر داد عیش دے رہا تھا۔ اس نے محمد بن قاسم کے خلاف یکے بعد دیگرے دو لشکر بھیجے۔ مگر دونوں شکست کھا گئے۔ اب وہ خود ایک گراں لشکر لے کر مقابل ہوا۔ پیدل فوج کے علاوہ دس ہزار ایسی سپاہ اس کے ہمراہ تھی جو سر تپا لوہے میں غرق تھی۔ ہاتھیوں کی صفیں الگ تھیں۔ دو روز جنگ ہوئی۔ دوسرے دن بہت خوفناک معرکہ ہوا۔ مجاہدین جانوں پر کھیل گئے۔ ہاتھیوں کا علاج یہ کیا کہ ان پر تیل کی آگ برسائی۔ داہر ایک سفید ہاتھی پر سوار تھا۔ اس کی عماری میں آگ لگ گئی۔ ہاتھی بھاگا اور دریا میں ڈبکی لگا کر واپس آیا۔ داہر بہادری کے جوہر دکھاتا ہوا مارا گیا۔ محمد بن قاسم نے اس کا سر کٹوا کر عراق بھیجا۔ داہر سوائے ایک کے باقی سب رانیوں کو ساتھ لایا تھا اور سپاہیوں کو حکم دیا

۱۔ بلاذری ابن اثیر - ۲۔ ہیج نامہ - ۳۔ ابن اثیر - بلاذری - ہیج نامہ - ۴۔ ہیج نامہ - بلاذری نے داہر کے بیٹے کا نام جیب لکھا ہے۔ اور ہیج نامہ کے مصنف نے بیب۔

تھا کہ میں مارا جاؤں تو ان کا کام تمام کر دینا تاکہ یہ مسلمانوں کے ہاتھ نہ آئیں۔ ایک رانی نے کسی طرح جان بچالی۔ محمد بن قاسم نے اس سے نکاح کر لیا۔ اس کا نام لادی تھا۔<sup>۱</sup> داہر کی آخری رانی نے راور میں قلعہ بند ہو کر فاتحین سے قسمت آزمائی کی۔ جب بے آس ہو گئی تو مال و متاع جلا ڈالا اور کینزوں سمیت سستی ہو گئی۔<sup>۲</sup>

جیسے برہمن آباد میں ڈیرے ڈالے مدافعت کے سامان کر رہا تھا۔ داہر کا وزیر سیا کر اس کے ہمراہ تھا۔ سیا کر بدل ہو کر محمد بن قاسم سے آ ملا۔ وہ اپنے ہمراہ باقی ماندہ مسلمان عورتوں کو بھی لایا جن کی پکار نے عرب شاہسواروں کو سندھ کی راہ سمجھائی تھی۔ جیسے بھاگ نکلا۔ محمد بن قاسم نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ چھ ماہ کے بعد اہل شہر نے امان حاصل کر کے ہتھیار ڈال دیے۔<sup>۳</sup> ابن قاسم شہر پر شہر لیتا ملتان کے دروازے پر جا رکا۔ یہاں کے راجہ نے خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ آخر شہر نشین ہو گیا۔ محاصرہ پر ایک طویل مدت گزر گئی۔ شہر میں رسد کی بہت قلت ہوئی لیکن محصورین نے ہمت نہ ہاری۔ شہر کے اندر ایک نہر جاتی تھی۔ محمد بن قاسم نے اسے بند کر دیا۔ لوگ پیاس کے ہاتھوں مجبور ہو گئے تو امان لے کر ہتھیار ڈال دیے۔<sup>۴</sup> ملتان بدھوں کا مقدس شہر تھا۔ یہاں بہت نذرانے آتے تھے۔ مسلمانوں کو اس جگہ بے شمار دولت ہاتھ آئی۔ آٹھ گز چوڑا اور دس گز لمبا ایک کمرہ تھا جو سونے سے پر تھا۔<sup>۵</sup> سالہا سال سے اس میں دولت جمع ہو رہی تھی۔

محمد بن قاسم نے ملتان سے ایک دستہ قنوج کی طرف روانہ کیا۔<sup>۶</sup>

محمد بن قاسم نے اہل سندھ کے ساتھ نہایت رواداری کا ثبوت دیا۔ اس کے حسن سلوک اور عدل و انصاف ہی کا اثر تھا کہ لوگ اسلام کی طرف مائل ہونے لگے داہر کے بڑے بڑے امراء نہ صرف محمد بن قاسم کے حامی ہوئے بلکہ ان میں سے اکثر اسلام کے حلقہ بہ گوش ہو گئے۔ اخیر میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ ابن قاسم آگے بڑھتا تو مقامی باشندے ڈھول اور قرنا بجاتے اور ناچتے اس کے استقبال کو آتے تھے۔

محمد بن قاسم نے رعیت نوازی اور عوام کی خبر گیری کی ایک قابل تقلید مثال قائم کی۔ سیا کر اپنا وزیر اور مشیر بنایا۔ مالیات کا سابقہ نظام بحال رکھا اور ہندوؤں کو اس شعبہ میں مامور کیا۔ برہمنوں کا بہت احترام کیا۔ ان کی شان میں فرق نہ آنے دیا۔ انہیں شکستہ مندروں کی تعمیر کی اجازت دی اور ملازمتیں دیں۔ ان سے جس قدر عہد کئے تھے نبھائے۔

اسلامی فوج نے کوئی چھینا جھپٹی نہ کی۔ سوائے جنگ جو افراد کے کسی پر ہاتھ نہ اٹھایا۔ تبدیل مذہب میں قطعاً جبر نہیں کیا۔ جاگیریں بحال رکھیں اور ہندوؤں پر جزیہ عائد کیا۔<sup>۷</sup> رومی محاذ: شام کی سرحدوں پر ہمیشہ روما کی نگاہ حرس رہتی تھی۔ ولید نے اس خطرے کی پیش

۱۔ بلاذری ص ۳۳۔ ۲۔ ابن اثیر۔ بلاذری۔ ۳۔ ص ۳۳۔ بلاذری۔ ۴۔ ص ۳۳۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ص ۳۳۔ ۶۔ ص ۳۳۔ ۷۔ محمد بن قاسم کے سلوک کے بارے میں ص ۳۳ کے جت جت مقامات سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

بندی کے لئے اپنے بھائی مسلم اور اس کے تحت اپنے بیٹے عباس کو مامور کیا۔

رومیوں کے ساتھ مسلسل معرکے رہے۔ شاید ہی کوئی سال خالی جاتا ہو۔ مسلمہ نے ۸۷ ہجری میں مصیہ کا قلعہ لیا۔ اگلے برس طوانہ فتح کیا۔ اس کے بعد اور آگے بڑھا اور یکے بعد دیگرے کئی شہر تسخیر کئے۔ ۹۴ ہجری میں انطاکیہ سر کیا اور اگلے سال ہرقلہ پر چم لہا دیا۔ ۱۔  
 موسیٰ بن نصیر: ولید نے ۸۹ ہجری میں افریقیہ کی ولایت حسان بن نعمان کی جگہ موسیٰ بن نصیر کو سونپ دی۔ موسیٰ کے والد نصیر ایک عجمی غلام تھے جن کو خالد بن ولید جنگ میں گرفتار کر کے لائے تھے۔ نہایت قابل تھے۔ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ سے جنگ کرنے کے لئے صفین کی طرف چلے تو نصیر نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت معاویہؓ اس جوہر قابل کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہتے تھے۔ اس لئے اس بات کو دل میں جگہ نہ دی۔ ۲۔

موسیٰ نے ۱۹ ہجری میں جزیرہ کے علاقہ میں ولادت پائی۔ موسیٰ حضرت معاویہؓ کے عہد میں بحری جنگوں کا قائد رہا۔ ۳۔ عبدالملک کے دور میں افریقیہ کے ایک حصہ کا حاکم تھا۔ ۴۔  
 موسیٰ افریقیہ کا والی ہوا تو بربر نے خیال کیا کہ یہ نیا گورنر حسان کی طرح ضبط نہیں رکھ سکے گا۔ انہوں نے شورش پھا کر دی۔ موسیٰ نے ان کے اندازوں کو غلط ثابت کیا اور افریقیہ کے اس سرے سے اس سرے تک بجلی کی طرح کوند گیا۔ ۸۹ ہجری میں ان کا دارالملک طنجه (طنجہ) فتح کیا۔ اور مسلمانوں کی آبادی قائم کی۔ اس نے ایک ایک بربری کو امن و اطاعت کے آداب سکھائے۔ مہار کا دھنی ہی نہ تھا، دعوت حق کا علمبردار بھی تھا۔ اس نے معلم اور مبلغ مامور کیے جن بدست افریقیہ میں نہایت تیزی سے اسلام کی اشاعت ہوئی۔ ۵۔

بربر کی بغاوت کوشی کے تین سبب تھے خوارج، رومی اور اہل اندلس۔ موسیٰ نے رومی اثر و رسوخ کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ ان کے آئے دن کے حملوں کے انسداد کے لئے میورقہ اور منورقہ کو فتح کر کے مملکت اسلام کا جزو بنا لیا۔ ۶۔ اس نے سپین کو زیر نگین کیا۔  
 فتح اندلس - اسباب - : (۱) افریقیہ کے ساحلی علاقہ پر سپین کا قبضہ تھا۔ موسیٰ نے افریقیہ کو تسخیر کیا تو سپینی مقبوضات بھی اس کے تصرف میں آگئے شاہ اندلس کو اس بات کا رنج ہوا۔ بربر نے جب بغاوت کی تو اس نے جہازوں میں غلہ اور کمک بھیجی۔ ۷۔

(۲) سپین کے سیاسی اور معاشی حالات ناگفتہ بہ تھے۔ سپین کا بادشاہ زردیق (راڈرک ۸) غاصب تھا۔ سابق بادشاہ غیٹشہ (Witiza) کے لڑکے چاہتے تھے کہ کسی طرح اس کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔ ۹۔ ان کا سپین میں خاصا اثر تھا جو اندر ہی اندر راڈرک کے خلاف کام کر رہا تھا  
 (۳) سپین کے مظلوم یہود بھاگ کر افریقیہ میں پناہ لیتے تھے انہوں نے طارق کے حملہ سے

۱۔ ابن اثیر - ۲ مرقی صفحہ ۱۷۱۔ ابن اثیر - ۳ النجوم الزاہرہ ۱۹۷ھ - ۴ اخبار الخوال دنیوی جلد ۱ صفحہ ۲۲۲۔

۵ مرقی - ابن اثیر - بلاذری - ۶ تاریخ الخلفاء سبوطی ۸۹ - نجوم - ۷ مرقی صفحہ ۱۷۲، ۱۷۳ - ۸ RODERIC

۹ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (مقالہ سپین)

سترہ برس قبل چین کی عیسائی حکومت کے خلاف ایک پر زور تحریک چلائی تھی۔ عین ممکن ہے انہوں نے موسیٰ بن نصیر کو حملہ کی ترغیب دی ہو۔

(۴) راڈرک اخلاقاً بہت گرا ہوا تھا۔ اس وقت کے یورپ کے دستور کے موافق اس کے محل میں امراء کی لڑکیاں زیر تربیت تھیں۔ ان میں ایک امیر جولین نام کی ناکند لڑکی بھی تھی۔ جولین افریقیہ کی اندلسی ولایت ہستہ (Ceuta) کا گورنر تھا۔ راڈرک نے اس کی بیٹی کی عصمت لوٹ لی۔ اس نے باپ سے شکایت کی۔ جولین غصہ سے بے تاب ہو گیا لیکن مجبور تھا، بادشاہ کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ وہ موسیٰ کے پاس آیا۔ چین کے حالات اور دفاع کی خامیوں سے آگاہ کر کے اسے فتح کا یقین دلایا۔ جولین کی پشت پر غیظت کے لڑکے بھی تھے۔ کیونکہ وہ غیظت کا داماد تھا۔

موسیٰ نے ولید سے اجازت طلب کی۔ اس نے لکھا کہ اہل اسلام کو ہولناک سمندر میں نہ ڈالو۔ موسیٰ نے جواب دیا کہ ہمارے درمیان کوئی وسیع سمندر نہیں بلکہ خلیج سی ہے جس کے پار کا علاقہ ادھر سے نظر آتا ہے۔ ولید نے حکم دیا کہ دستے بھیج کر پہلے حالات کی تحقیق کر لو۔ ۳۱  
واقعات - موسیٰ نے سب سے پہلے ۹۱ ہجری میں طریف کو جولین کے ہمراہ روانہ کیا کہ چین کے حالات پچھتم خود دیکھے، اہل چین کی طاقت کا اندازہ کرے اور اس بات کا مشاہدہ کرے کہ جولین واقعی وفادار ہے۔ طریف چار سو پیدل اور ایک سو اسپ سوار لشکر کے ہمراہ روانہ ہوا۔ چین کے اخبار و کوائف فراہم کیے۔ اہل چین سے جنگ آزمائی کی اور مال غنیمت لے کر لوٹا۔ اس کے بعد موسیٰ نے مزید تحقیق کے لیے ایک ہزار کا لشکر ابوزرعہ کے تحت روانہ کیا۔ وہ ساحلی علاقے کو پامال کر کے کامران واپس آیا۔ ۳۲

موسیٰ نے مہم کی مکمل تیاری کی اور اپنے تربیت یافتہ غلام طارق کو رجب ۹۲ ہجری میں سات ہزار بربر اور تین سو عرب فوج کی معیت میں چین روانہ کیا۔ ۳۳  
طارق کے اوائل زندگی کے بارے میں صحیح معلومات میسر نہیں بعض کہتے ہیں کہ فارس کا رہنے والا تھا لیکن بربر اسے اپنا ہم قوم بتاتے ہیں۔ ۳۴

طارق کی مہم کے لیے جہاز جولین نے فراہم کیے۔ طارق نے ساحل سے چل کر پہلا پڑاؤ سمندر کے وسط میں ایک پہاڑی پر ڈالا جو اس کے نام سے آج تک جبل الطارق (جبرالٹر) کہلاتی ہے۔ پھر آگے بڑھ کر چین کے ساحل پر اترا۔ راڈرک ان دنوں کسی مہم پر چین کی شمالی سرحدوں پر تھا۔ اس کے نائب تدمیر نے اطلاع کی۔ راڈرک فوراً واپس آیا۔ ۳۵

راڈرک نے زیور پنہے اور ایک لاکھ فوج زیر کمان لے کر طارق کے مقابلہ کو آیا۔ ۱۹ جولائی ۷۱۱ عیسوی کو دریائے لکھ (یا بکھ ۹) کے کنارے تصادم ہوا۔ اس وقت تک طارق کو پانچ ہزار

۱- مفری۔ ابن اثیر۔ ۲- انسائیکلو پیڈیا (مقالہ چین)۔ ۳- ابن اثیر۔ ۴- ابن اثیر۔ مفری۔ ۵- مفری۔ ابن اثیر۔

۶- مفری صفحہ ۱۸۱۔ ۷- مفری۔ ۸- مفری۔ ۹- ابن اثیر۔

کی مزید کمک موسیٰ کی جانب سے پہنچ چکی تھی۔ ایک لاکھ کی آراستہ و پیراستہ فوج سے اس مختصر لشکر کو کوئی نسبت نہ تھی۔ طارق نے اس موقع پر ایک جوش انگیز خطبہ دیا جس کے ابتدائی کلمات یہ تھے۔

اے لوگو! اب جائے فرار نہیں۔ عقب میں سمندر اور سامنے دشمن ہے۔ تمہارے لیے اب ایک ہی سبیل رہ گئی ہے اور وہ جم کر لڑنے اور استقامت کی ہے۔

تمہاری حالت اس جزیرہ میں ایسی کس مہر سی کی ہے جیسی بخیلوں کی دعوت میں تیسوں کی۔ دشمن تمہارے قریب آگیا ہے اس کا اسلحہ اور رسد وافر ہے۔ تمہاری تلواریں ہی تمہاری پناہ ہیں۔ ل

راڈرک سیمالی اور فساد پسند مزاج کی وجہ سے رعایا میں ازبس تا مقبول تھا وہ شاہی گھرانے سے نہ تھا بلکہ اس کا قوط سے ہونا بھی مشکوک تھا اس لیے لوگ اسے حقیر جانتے تھے اس کی فوج نے خیال کیا کہ عرب لوٹ مار کے لیے آئے ہیں۔ بادشاہ سے ہمارا پیچھا چھڑا کر واپس چلے جائے گے۔ بہتر یہ ہے کہ مقابلہ سے گریز کر جائیں۔ جنگ چھڑی تو ہسپانوی سپاہ خود بخود چھٹی گئی۔ راڈرک کی فوج میں سابق شاہ غنیشہ کے لڑکے بھی تھے۔ وہ راڈرک کے دشمن تھے لیکن اس کے خوف سے مجبوراً لشکر میں شامل ہوئے تھے۔ انہوں نے طارق سے نامہ و پیام کیا کہ ہماری جاگیر مل جائے تو ہم تمہارا ساتھ دینے کو آمادہ ہیں۔ طارق نے تسلیم کیا اور وہ اس کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ راڈرک کی رہی سہی جمعیت بھی پریشان ہو گئی۔ اس نے شکست کھائی۔ اس کے انجام کی صحیح خبر نہیں بعض کہتے ہیں کہ طارق کی تلوار کا شکار ہوا اور بقول بعض حالت فرار میں مارا گیا۔ م

طارق نے دادی لکہ سے سپین کے دارالملک طلیطلہ (Toleda) کا رخ کیا۔ دیگر بڑے بڑے شہروں کی طرف الگ فوجیں روانہ کیں۔ قرطبہ پر مغیث کو بھیجا۔ اس شہر کی فصیل بہت سنگین اور بلند تھی۔ مغیث نے محاصرہ ڈالا۔ کئی روز گزر گئے۔ آخر ایک رات بارش ہوئی اور کڑا کے کی سردی پڑی۔ مجاہدین مقامی گذریوں کی رہنمائی میں فصیل پھاند گئے۔ سنتری بے خبر پڑے سوتے تھے۔ مجاہدین نے دروازے کھول دیئے اور شہر سر ہو گیا۔ م اس کے بعد مالقہ اور غرناطہ فتح ہوئے۔ طلیطلہ والوں نے طارق کی پیش قدمی کا سنا تو جس قدر ساز و سامان اٹھا سکے لے کر نکل گئے۔ طارق نے خالی شہر قبضہ میں لے لیا۔ م

موسیٰ نہیں چاہتے تھے کہ اسلامی سپاہ ایک غیر ملک کے اندرون میں داخل ہو کر ہلاکت میں پڑے۔ انہوں نے طارق کو سخت چٹھی لکھی اور حکم دیا کہ قرطبہ سے آگے نہ جانا۔ م

موسیٰ کی آمد ۹۳ ہجری میں موسیٰ بھی اچانک سپین میں تشریف لے آئے۔ انہوں نے اپنی یلغار

۱۔ مفری۔ ابن اثیر۔ ۲۔ مفری۔ ابن قوطیہ۔ ۳۔ مفری صفحہ ۹۳ تا صفحہ ۱۹۷۔ ۴۔ تری۔ ابن اثیر۔ ۵۔ اذری۔

کے لیے جدا راستہ انتخاب کیا اور چین کے مغربی حصہ کا رخ کیا۔ پہلے قرمونہ لیا۔ اس کے بعد ایشیہ پر گھیرا ڈالا۔ یہ شہر کسی زمانے میں راجدھانی تھا اور بہت اہمیت رکھتا تھا۔ چند ماہ میں سر ہو گیا پھر مارده کی باری آئی۔ اس کے محاصرہ نے طول کھینچا۔ اہل اسلام نے بہت تکلیفیں اٹھائیں اور کئی معرکوں میں جانی نقصان کا بھی سامان کرنا پڑا۔ انجام کار محصورین نے صلح کر لی۔ ۱۔  
مارده کے محاصرہ نے بہت مدت لی تو ایشیہ والوں کو بغاوت کی سوجھی۔ موسیٰ نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ان کی خبر لینے بھیجا۔ اس نے ان کی خوب سرکوبی کی۔ ۲۔

موسیٰ نے ایک فوج سردانیہ (سارڈینیا) کے جزیرہ پر بھیجی۔ اہل جزیرہ ہلال کی فاتحانہ پیش قدمی سے پہلے ہی مرعوب تھے، فوراً ہتھیار ڈال دتے۔ انہوں نے سونے چاندی کے ذخیرے کچھ تو سفینہ گاہ کے پانی میں اور کچھ ایک کلیسا کی چھت میں چھپا دتے۔ اتفاقاً دیکھیے کہ سمندر کا دھبہ ایک مجاہد کو نہاتے ہوئے معلوم ہو گیا۔ کلیسا کا پوشیدہ خزانہ بھی اچانک طشت ازبام ہو گیا۔ زرد سیم کے یہ ڈھیر اہل اسلام کے حصہ میں آئے۔

حضرت موسیٰ بن نصیر طلیطلہ کی طرف بڑھے۔ طارق نے سنا تو استقبال کے لیے نکلا۔ راستہ میں ملاقات ہوئی موسیٰ نے جھڑکا کہ تم نے میری رائے کی مخالفت کیوں کی۔ کوڑا بھی اٹھایا لیکن طارق نے دم نہ مارا۔ ۳۔

یہ دونوں پہ سالار نئے علاقوں کی تلاش میں شمال کی طرف بڑھے طارق آگے آگے تھا فرانس کی سرزمین میں قدم رکھے اور ارادہ کیا کہ قسطنطنیہ سے ہو کر شام پہنچیں ایک ایک ولید نے موسیٰ اور طارق دونوں کو بلا بھیجا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مجاہدین کٹھن مہمات میں پڑ کر زندگی سے ہاتھ دھوئیں۔ ۹۴ ہجری میں انہوں نے چین کو الوداع کہا۔ موسیٰ کے فرزند عبدالعزیز وائسرائے مقرر ہوئے۔ انہوں نے قرطبہ کو مرکز بنایا۔ ۴۔

غنیمت کے لڑکے ولید کے پاس حاضر ہوئے اس نے عزت و احترام کے ساتھ واپس کیے اور ان کو الگ الگ جاگیریں عطا کیں۔ ۵۔

اسپین سے انبار در انبار غنیمت ملی۔ سونے چاندی کے علاوہ طرح طرح کے نوادر ہاتھ آئے۔ ایک سبز رنگ کا زبرجدی میز دستیاب ہوا۔ اس کے ۳۶۰ پائے تھے۔ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام سے منسوب کیا جاتا تھا۔ موسیٰ واپس آئے تو ان کے ساتھ اس متاع بے کراں کے علاوہ تیس ہزار اسیر تھے۔ ۶۔

انڈلس میں انقلاب : جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس وقت چین پر قوط کی نیم وحشی قوم کا راج تھا۔ یورپ کا دستور ان دنوں انصاف اور مساوات کے نام سے قطعاً آشنا نہ تھا۔ انسانیت کا احترام مفقود تھا۔ باشندے تین طبقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ سب سے اونچا طبقہ

۱۔ مرقی صفحہ ۲۱۲ تا صفحہ ۲۱۳ - ۲۔ ابن اثیر - ۳۔ مرقی صفحہ ۲۱۸ - ۴۔ ابن اثیر، الاماتہ والسیاتہ مرقی صفحہ ۱۳۵  
۱۸۱، ۲۲۱، ۲۲۳ مع حواشی - ۵۔ مرقی - ابن قوطیہ - ۶۔ ابن اثیر - مرقی -

امراء کا تھا۔ وہ لوگ گویا کھانے پینے اور خوش وقتی ہی کے لیے پیدا ہوئے تھے۔ دوسرے طبقہ کو ویسے تو متوسط درجہ حاصل تھا لیکن ان کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ حکومت کے اخراجات اور ٹیکسوں کا بوجھ یہی طبقہ اٹھاتا تھا۔ زمینوں کے مالک زمینیں فروخت نہیں کر سکتے تھے۔ بارہا وہ اس زلت کی زندگی سے بھاگ جاتے تھے۔ تیسرا طبقہ کاشتکاروں اور غلاموں کا تھا۔ کاشتکاروں کی حالت بھی غلاموں کی سی تھی۔ ساری عمر ایک ہی مالک اور ایک ہی قطعہ زمین سے وابستہ رہتے تھے۔ وہ قطعہ زمین کسی جدید مالک کے پاس جاتا تو کاشتکار بھی زبردستی منتقل کر دیتے جاتے تھے۔ کاشتکار مالک کی مرضی کے بغیر شادی بھی نہ کر سکتے تھے اگر میاں بیوی دو مختلف مالکوں کی زمینوں سے ہوتے تو ان کی اولاد ان دو مالکوں کے درمیان تقسیم ہو جاتی تھی۔ لہٰذا بردہ فروشی کا بازار گرم تھا۔ کاشتکار اور غلام بارہا اس زندگی سے تنگ آکر جنگلوں میں بھاگ جاتے اور راہزنی کر کے وقت گزارتے تھے۔ ۱

اندلس کی مذہبی حالت بھی ابتر تھی۔ یہ لوگ فقط نام کے عیسائی تھے۔ ان میں عیسائیت کی کوئی جھلک نہ تھی۔ پادری جو امراء کے ہم پایہ ہوتے تھے۔ عیش و عشرت میں غرق رہتے تھے۔ آدم خوروں سے بھی بڑھ کر سنگ دل تھے۔ مذہبی رواداری عنقا تھی۔ یہود کی اندلس میں بہت تعداد تھی۔ ان کو تبدیل مذہب پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اگر انکار کرتے تو طرح طرح کی سزائیں دی جاتی تھیں۔ ان کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔ بس چلتا تو بھاگ کر بربر کے ہاں اسلام کے زیر سایہ پناہ لیتے تھے۔ طارق کے حملہ سے پندرہ برس پہلے انہوں نے آزادی حاصل کرنے کے لیے ایک تحریک چلائی۔ حکومت کو علم ہو گیا ان کے مال و اسباب ضبط ہوئے اور ان کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لیا گیا۔ ان کے بچے تک چھین لیے گئے۔ اور یہودیت ممنوع قرار دی گئی۔ ۲

اسلام نے اندلس کی سرزمین سے ظلم و جہالت کی تہ بہ تہ تاریکیوں کو دور کیا اور زندگی کا نقشہ بدل دیا۔ سرکش امراء اور غاصب پادری عوامی سطح پر آگئے۔ ضعیف سے ضعیف انسان کو اہل وطن کے برابر حقوق حاصل ہوئے۔ زیریں طبقہ پر جو گردن شکن بوجھ تھے اتارے گئے۔ سنگدانہ قوانین پر خط تہنیخ کھچا اور اندلس کا گوشہ گوشہ عدل و مساوات کی نعمت سے ہمکنار ہو گیا۔ یورپی مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ سپین والوں کے لیے یہ فتح نفع کا سامان تھی۔

فتح کے وقت مختلف شہروں سے جو شرائط طے ہوئیں ان کو فاتحین نے نباہا۔ کسی امن پسند شہری کی جائیداد یا زمین نہیں چھینی۔ صرف انہی لوگوں کی زمینوں پر قبضہ ہوا جو ملک سے فرار ہو گئے تھے۔ البتہ جن امراء اور پادریوں کی غیر معمولی طور سے بڑی جاگیریں تھیں انہیں ختم کیا گیا اور طبقات کی تقسیم جاتی رہی۔ جن زمینوں پر غلام یا کاشتکار کام کرتے تھے وہ ان کے قبضے میں رہنے دی گئیں۔ مالکوں کو زمین فروخت کرنے کی اجازت حاصل ہوئی۔ مسلمانوں کی طرح

انہیں بھی پیداوار کا مقرر حصہ حکومت کو دینا ہوتا تھا جو زمین کی اہلیت کے موافق ہوتا تھا۔ بٹائی کی شرح مسلم و غیر مسلم سب کے لیے یکساں تھی۔ کاشتکاروں کو جب زمینوں پر مستقل حقوق عطا ہوئے تو انہوں نے زراعت میں خوب دل لگایا اور محنت کی۔ غلہ کی بہتات ہو گئی۔

جو غلام اسلام قبول کرتے وہ از خود آزاد ہو جاتے تھے۔ چین میں غلاموں کی تعداد آزاد باشندوں سے بدرجہا زیادہ تھی یہ لوگ جوق در جوق حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔

غیر مسلموں کو حسب حیثیت جزیہ ادا کرنا ہوتا تھا اس کی زیادہ سے زیادہ مقدار ۴۸ درہم تھی۔ غرباء سے صرف بارہ درہم سالانہ لیے جاتے تھے۔ جزیہ ماہوار اقساط میں وصول ہوتا تھا تاکہ ادا کرنے والوں کو سہولت رہے۔ یہ ٹیکس صرف انہی غیر مسلموں پر عائد ہوتا تھا جو جنگ کے قابل ہوتے تھے۔ بچے، بوڑھے، عورتیں اور معذور معاف تھے۔

غیر مسلموں کو حکومت کے کاروبار میں بھی شریک کیا گیا۔ ان سے اہم معاملات میں مشورے لیے جاتے۔ ضلعی حاکم اور کارپرداز بالخصوص لگان اور جزیہ وصول کرنے والا عملہ انہی میں سے ہوتا تھا ان کے مقدمات کے لیے الگ عدالتیں ہوتی تھیں جہاں غیر مسلم جج مامور ہوتے تھے۔ اندلس کا ملک پہلی بار مذہبی آزادی سے آشنا ہوا۔ یہود کے لیے یہ ایک بے کراں نعمت تھی۔ وہ مدت سے عیسائی فرمان رواؤں کے تعصب کا شکار ہو رہے تھے۔ اب انہیں آزادی سے عبادت کرنے اور زندگی گزارنے کا موقع ملا۔

چین کے عیسائیوں نے اہل اسلام کی عدل پروری، کرم گستری اور مسادات پسندی دیکھی تو اسلامی حکومت کو وطنی حکومت پر ترجیح دینے لگے ایک طویل مدت تک کسی طرف سے شورش یا بغاوت کی صدا نہ اٹھی۔ لوگ از خود اسلام قبول کرنے لگے اور ایک ہی پشت میں چین میں مسلمانوں کی وافر تعداد ہو گئی۔

اندلس پر اتنی دالٹ مندی اور عدل کے ساتھ آج تک حکومت نہ ہوئی تھی۔ مورخ لین پول حیرت سے پوچھتا ہے کہ صحرائین فاتحوں نے یہ اہلیت کہاں سے پیدا کی تھی۔ ۱۔  
حجاج بن یوسف کی موت: حجاج بن یوسف نے ۹۳ ہجری میں حضرت سعید بن جبیر کو اپنی آنکھوں کے سامنے قتل کرایا تھا حضرت سعید کا سر زمین پر گرا تو اس سے تین بار لا الہ الا اللہ کی صدا نکلی۔ یہ منظر دیکھ کر حجاج کے حواس مختل ہو گئے۔ وہ وحشت زدہ رہنے لگا۔ بارہا کہا کرتا تھا مجھے سعید بن جبیر سے کیا لینا تھا۔ ۲۔

حجاج نے ۹۵ ہجری میں تقریباً چوں برس کی عمر میں وفات پائی۔ مدت ولایت بیس برس ہے۔ ۳۔

حجاج بن یوسف ایک ظالم، خود رائے اور سرکش حکمران تھا۔ اس کی فرعونیت کا یہ حال تھا

۱۔ دیکھو لین پول (مورخان چین) صفحہ ۳ تا ۸ ذوزی (سینٹن اسلام)۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔



کہ نماز میں تاخیر کیا کرتا تھا۔ اس نے ایک لاکھ بیس ہزار آدمی گرفتار کر کے مروائے تھے۔ ۲۔  
اس کے عہد میں لوگ اسلام لاکر شہروں میں آباد ہونے لگے اور خراج گھٹ گیا تو اس نے حکم دیا  
کہ سب نو مسلم شہروں سے نکل جائیں اور حسب سابق جزیہ ادا کریں۔ ۳۔  
حجاج کے مظالم سے عراق کی حالت اس قدر زبوں ہو چکی تھی کہ سلیمان نے یزید بن مہلب  
کو یہاں کا والی بنایا تو اس نے دیکھا کہ بغیر ظلم و ستم کے عراق سے خراج کی پوری رقم وصول  
کرنا ناممکن ہے۔ وہ سلیمان کو ناراض نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے حیلہ کر کے اس ولایت سے جان  
چھڑائی اور خراسان پر مامور ہوا۔

ولید کی وفات: ولید نے ۹۶ ہجری میں رحلت کی۔ ۴۔

### ولیدی عہد پر تبصرہ

ولید کو اپنے باپ سے ایک پختہ اور استوار حکومت ورثہ میں ملی تھی۔ بد امنی کا نشان تک نہ  
تھا۔ سکون کی فضا طاری تھی۔ البتہ چند در چند مجبوریوں کی بنا پر بیرونی ممالک پر فوج کشی کی گئی  
اور اس سلسلہ میں ترکستان اور چین کے علاقے زیر نگیں آئے۔ ولید کی خوش قسمتی تھی کہ اسے  
محمد بن قاسم، موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد اور قتیبہ بن مسلم جیسے ماہرین جنگ ملے۔ انہوں نے  
نہ صرف اپنے نام تاریخ کے صفحات پر ثبت کیے بلکہ ولید کا نام بھی شہرت دوام کے ایوان میں  
لکھ گئے۔ توحید کی شعاعوں نے ایک طرف اندلس کو روشن کیا اور دوسری طرف ہندوستان کو  
منور کرنے لگیں۔

ولید کے عہد میں خزانہ بھرپور تھا۔ خوش حالی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا رفاہ عامہ کے  
متعدد کارنامے انجام پذیر ہوئے اور یادگار زمانہ تعمیرات وجود میں آئیں۔ اسلامی حکومت کا دبدبہ  
بڑے بڑے پر غرور بادشاہوں پر چھا گیا۔ روم کے قیصر نے مسجد النبی کی تعمیر کے لیے دل کھول کر  
مدد دی۔

نظام حکومت: ولید کا نظام حکومت نہایت شاندار تھا وہ ایک ایک جزئیہ کی طرف خود توجہ دیتا  
تھا۔

جس حکمران کی سطوت کا یہ حال ہو کہ تمام دنیا اس سے سہمتی ہو اور ملکی امور کی خبر گیری کا  
یہ عالم ہو کہ بازار کی سبزیوں کا بھاؤ بھی خود جا کر ملاحظہ کرے ۵۔ اس کے کاروبار میں خرابیوں کا  
دخل پانا مشکل تھا۔

ولید نے سرکاری ملازموں کا شمار کروایا اور تقریباً بیس ہزار آدمیوں کی چھانٹی کر دی۔ (یعقوبی)  
ولید کی مملکت اچانک دور دور تک پھیل گئی اور کئی اجنبی اقوام کا اقتدار سنبھالنا پڑا لیکن یہ

۱۔ صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ - ۲۔ ترمذی ابواب النمن - ۳۔ ابن اثیر واقعات ابن اثیر - ۴۔ ابن اثیر - کتاب  
الوزراء - ۵۔ ابن اثیر - ابن کثیر۔

دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ہر کہیں برابر کا امن و امان اور سکون تھا۔ نو تسخیر علاقوں میں نہایت سرعت سے جدید نظام قائم ہوا۔ اس انقلاب میں ہر پہلو سے خیر و فلاح کی صورت نظر آتی تھی۔ رعیت خور سند تھی اور راعی مطمئن۔ نظم و ضبط کا یہ حال تھا کہ وہ جرنیل جنہوں نے ایک عالم کو ہلا دیا تھا اپنے فرماں روا کے سامنے دم نہ مار سکتے تھے۔

عدل : اتنی وسیع حکومت کا اس قدر کامیاب نظام جمی چل سکتا ہے کہ اس میں عدل کی روح کار فرما ہو۔ ولید کی عدل پرستی کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ یمن کا والی اموال لایا۔ صحن کعبہ میں اسے پچاس قسمیں دیں کہ یہ مال حلال ہے اور عوام سے جبراً وصول نہیں ہوا۔ ۱۔

ولید کو جامع دمشق کے لیے تانبے کی ضرورت ہوئی۔ اسے معلوم ہوا کہ ایک عورت کے پاس کچھ مقدار ہے۔ ولید نے کارندے بھیجے تو اس عورت نے کہا، میں اسے دو گنا سونے کے عوض بیچوں گی۔ ولید مان گیا۔ عورت نے یہ سلوک دیکھا تو تانبا مفت دے دیا۔ ۲۔

تعلیم : ولید نے تعلیم کی طرف قومی پیانے پر توجہ دی اور قرآنی تعلیمات کی خوب اشاعت کی۔ علم کا ذوق و شوق پیدا کرنے اور علماء کو فکر روزگار سے فارغ رکھنے کے لیے فقہاء اور حفاظ قرآن کے وظائف مقرر کیے۔ وقتاً فوقتاً انہیں عطیے بھی دیتا تھا اور ان کے قرضے ادا کرتا تھا۔ ایک دفعہ ایک سائل نے ولید سے قرضہ میں مدد چاہی۔ ولید نے پوچھا، کیا قرآن پڑھ سکتے ہو؟ بولا، نہیں ولید نے کہا، تو قریب آؤ۔ اس کا عمامہ اتارا اور سر کو چھڑی سے خوب ٹھونک بجا کر ایک درباری کو حکم دیا کہ اس کو اپنے قبضہ میں رکھو۔ جب تک قرآن نہ پڑھ چکے جانے نہ دو۔ ۳۔

زراعت : ولید نے جزیرہ میں ایک نہر کھدوائی۔ اس کی گزر گاہ بنانے کے لیے جنگل کٹوا کر جگہ صاف کروائی۔ اس نہر کا نام نہر سعید بن عبد الملک تھا۔ ۴۔

فوج : ولید کے عہد میں سپاہ کی کثرت نہ تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سندھ اور چین ایسے خطرناک محاذوں پر مختصر فوج بھیجی گئی۔ لیکن جہاد کی روح تازہ تھی اور نظم و ضبط انتہا پر تھا۔ طارق بن زیاد پر موسیٰ نے سب کے سامنے کوڑا اٹھایا۔ تاہم طارق نے سعادت مند شالرد کی طرح اس سرزنش کا تحمل کیا۔

ولید کے عہد میں بحری بیڑے نے بہت ترقی کی۔ موسیٰ بن نصیر نے تیونس میں ایک دارالصناعت (کارخانہ) بنایا۔ یہاں جہاز تیار ہوتے تھے۔ بارہ میل لمبی نہر کھدوا کر اسے سمندر سے ملایا تاکہ جہازوں کی آمد و رفت ہو سکے۔ موسیٰ نے یہاں ایک سو سفینے بنوائے۔ ۵۔

رفاہ عامہ : ولید کو رفاہ عامہ سے طبعی لگاؤ تھا۔ اس کا یہ کارنامہ فراموش نہیں ہو سکتا کہ اس نے گداگری کے استیصال کی طرف عملی قدم اٹھایا۔ اس نے غریبوں اور کوڑھیوں کو سوال کرنے کی ممانعت کر دی اور ان کے وظائف مقرر کیے۔ فقراء میں چاندی کے ٹکڑے تقسیم کروایا کرتا

۱۔ طبری۔ ۲۔ خلاصۃ المذہب الجبہک از عبدالرحمان اربلی۔ ۳۔ طبری ۴۔ بلاذری صفحہ ۱۷۶۔ ۵۔ الامامہ

دالیات میں مذکور ہے کہ اسے موسیٰ نے ۸۳ ہجری میں بنایا۔ لیکن درست یہ ہے کہ موسیٰ ولید کے عہد میں والی مقرر ہوا۔

تھا۔ جو لوگ چلنے پھرنے سے معذور تھے ان کے لیے خادم اور اندھوں کے لیے رہنما مقرر کیے گئے۔  
 ۱۔ یتیم بچوں کے ختنہ کا سرکاری اہتمام کرایا۔ ان کے لیے اساتذہ بھی مقرر کیے۔ معذوروں اور  
 مسکینوں کے لیے ولید نے روزینے جاری کیے۔ (یعقوبی)

ولید نے ملک بھر میں اعلان جاری کیا کہ راستے ہموار کیے جائیں اور کنویں کھودے جائیں۔  
 حضرت عمر بن عبدالعزیز کو جو اس وقت مدینہ کے حاکم تھے ہدایت کی کہ مدینہ میں فوارہ بنوائے۔  
 چنانچہ ایک نہایت شاندار فوارہ تعمیر ہوا۔ مکہ میں حجوں کے مقام پر ایک کنواں کھدوایا۔ یہ کنواں  
 بعد میں مٹ گیا۔ ۲

ولید پہلا حکمران ہے جس نے عوام کے لیے بیمارستان کی تعمیر کی۔ اس نے مسافروں کی  
 سہولت کے لیے سرکاری مہمان خانے بھی بنوائے۔ ۳

ولید نے علم طب کی ترقی کی طرف قدم اٹھایا۔ ایک یہودی ماسر جو یہ نام نے طب کی ایک  
 کتاب کا سریانی سے ترجمہ کیا۔ یہ کتاب شاہی کتب خانہ میں رکھی گئی۔

تعمیرات: ولید نے تعمیرات میں کمال دلچسپی لی۔ دولت کی کمی نہ تھی دل کھول کر روپیہ لگایا۔  
 جامع دمشق: ولید کا سب سے بڑا تعمیری کارنامہ جامع دمشق ہے جسے جامع اموی بھی کہتے ہیں۔  
 یہ عجوبہ روزگار تھی اس کی جگہ پہلے ایک گرجا تھا۔ حضرت عمرؓ کی عہد میں دمشق فتح ہوا تو معاہدہ  
 کی رو سے اس کا آدھا حصہ مسجد کے لیے دے دیا گیا۔ گرجا اور مسجد چوں کہ ساتھ ساتھ تھے  
 اس لیے نماز میں خلل ہوتا تھا۔ ولید نے نصاریٰ سے طے کر کے یہ نصف گرجا بھی لے لیا اور  
 اس کے عوض ان کو ایک اور گرجا دیا۔ مسلمان اسے گرانے لگے تو عیسائیوں کا کہنا کہ جو شخص اسے  
 گرائے گا پاگل ہو جائے گا۔ ولید بولا تو پھر اللہ کی راہ میں سب سے پہلے میں پاگل ہوں گا۔ پھاوڑا  
 اٹھایا اور اسے کھودنا شروع کیا۔

کارگیروں کی ضرورت تھی قیصر روم کو لکھا تو اس نے دو سو کارگیگر بھیجے۔

مسجد کا گنبد بنانے لگے تو بنیادیں پانی تک کھودیں اور پھر انہیں پتھروں سے بھر کر ان پر گنبد  
 تعمیر کیا۔ چھت کو اندر سے سونے سے لپ دیا۔

اس تعمیر میں سونے کے چار سو صندوق خرچ ہوئے۔ ہر صندوق میں چودہ ہزار اور ایک  
 روایت کے مطابق ۲۸ ہزار دینار تھے۔ یہ سب روپیہ ولید کا ذاتی تھا۔ بیت المال پر بار نہیں  
 ڈالا۔

جامع دمشق ۸۶ ہجری سے ۹۶ ہجری تک تعمیر ہوتی رہی۔ جو کمی رہ گئی تھی سلیمان نے پوری  
 کی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہد میں اس جامع سے سونا اور قیمتی پتھر اکھیرنے کا ارادہ کیا

۱۔ ابن اثیر۔ تاریخ الخلفاء سیوطی۔ ۲۔ ابن اثیر ص ۸۸۔ ۳۔ طبری۔ ۴۔ ابن اثیر ص ۸۹۔

لیکن اس اثناء میں ایک عیسائی آیا اور مسجد کی عظمت و شوکت دیکھ کر بے ہوش ہو گیا حضرت عمر نے یہ سنا تو کہا کہ اغیار کو مرعوب کرنے کے لیے رہنے دو۔ ۱۔  
 مسجد النبی کی تعمیر جدید: ۸۸ ہجری میں ولید نے عمر بن عبدالعزیز کو حکم دیا کہ مسجد النبی کو ازسرنو تعمیر کیا جائے۔ حضرت عمر ثانی نے حکم کے بموجب امہات المؤمنین کے حجرے اور دیگر ملحقہ مکان خرید کر اس کے رقبہ میں ملائے ولید نے شام سے کاریگر بھیجے قیصر روم نے سونے کی ایک کثیر مقدار ایک سو کاریگر اور نبت کاری سے لدے ہوئے چالیس اونٹ پیش کیے۔ مسجد ۹۱ ہجری میں مکمل ہوئی۔ ولید نے دیکھنے کے لیے خود حاضری دی۔ ۲۔  
 بیت المقدس: ولید نے بیت المقدس کی مسجد پر گنبد تعمیر کرایا۔ ۳۔  
 کعبہ کی تزئین: ولید نے کعبہ کے دروازے، میزاب اور ستونوں پر سونا چڑھوایا۔ ۴۔  
 ان کے علاوہ ولید نے اور بھی کئی مسجدیں تعمیر کرائیں۔ ۵۔

۱۔ جامع دمشق کے عنوان کے لئے ابن کثیر اور طبری بردی کی تاریخیں دیکھی جائیں۔ ۲۔ ابن کثیر۔ طبری۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ خلاصۃ الذهب المسبوک عبدالرحمان اربلی۔ یعقوبی۔ ۵۔ ابن اثیر۔

## سلیمان بن عبد الملک

۹۶ھ تا ۹۹ھ ۶۷۱ء تا ۶۷۴ء

ولید کے بعد اس کا بھائی سلیمان، عبد الملک کی وصیت کے بموجب تخت نشین ہوا۔ ولید نے وفات سے قبل قتیبہ اور حجاج کی مدد اور تائید سے سلیمان کے بجائے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو خلیفہ نامزد کرنا چاہا تھا لیکن موت نے مہلت نہ دی۔

محمد بن قاسم کی شہادت : حجاج کی وفات کے بعد محمد بن قاسم نے سندھ سے واپسی کا ارادہ کیا۔ سلیمان خلیفہ ہوا تو اس نے یزید بن ابی کبشہ کو سندھ کا والی بنا کر بھیجا۔ اس نے محمد بن قاسم کو پاہ زنجیر کر کے عراق بھیجا۔ ابن قاسم نے اس موقع پر کہا:

اضاعونی وای فتی اضاعوا لیوم کریتہ و سداد ثغر

ترجمہ : انہوں نے مجھے کھو دیا اور کیسا جوان کھویا جو خوفناک جنگ اور سرحدوں کی حفاظت کے لائق تھا۔

محمد بن قاسم سندھ سے چلا گیا تو لوگ رونے لگے۔ اسے واسط پہنچایا گیا۔ وہاں کے حاکم صالح نے اسے دل دوز ایذاؤں سے شہید کیا۔ صالح کے ایک بھائی کو جو خارجیوں کا ہم خیال تھا حجاج نے قتل کیا تھا۔ صالح نے اس کا انتقام لیا۔

یزید بن ابی کبشہ سندھ پر صرف ۱۸ دن حکومت کر کے مر گیا اور اس کی جگہ حبیب بن مہلب آیا۔

قتیبہ کی موت : سلیمان خلیفہ ہوا تو اس نے قتیبہ کو خراسان پر بحال رہنے دیا لیکن قتیبہ کو یزید بن مہلب کی طرف سے اندیشہ تھا۔ یزید سلیمان کا دست راست تھا۔ قتیبہ نے اس کے اندیشہ کے پیش نظر سلیمان کی بیعت توڑ دی لیکن اس کی فوج کے ایک کثیر حصہ نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ فوج کے دو گروہ ہو گئے۔ ان میں جنگ چھڑ گئی جس میں قتیبہ کام آیا۔

مورخ دینوری نے لکھا ہے کہ قتیبہ نے ولید بن عبد الملک کے عہد میں اپنے لشکر والوں کے ہاتھ سے وفات پائی۔ اگرچہ قتیبہ کی موت کا سابقہ روایت کے پیش نظر ویسے بھی سلیمان پر الزام عائد نہیں ہوتا لیکن دینوری کے بیان سے قتیبہ کا سلیمانی عہد میں انتقال کرنا ہی مشکوک ہو جاتا ہے۔

موسیٰ بن نصیر کا انجام : موسیٰ بن نصیر اور طارق کو ولید نے اپنی زندگی میں واپس بلایا تھا۔ یہ جب شام پہنچے تو ولید وفات پا چکا تھا۔ سلیمان موسیٰ سے عناد رکھتا تھا۔ اسے سب عہدوں سے معزول کر دیا۔ قید میں ڈالا اور اتنا بھاری تاوان کیا کہ اسے اہل عرب کے سامنے دست احتیاج

دراز کرنا پڑا۔ ۱۔ کچھ مدت بعد عمر بن عبدالعزیز اور یزید بن مہلب کی وساطت سے سلیمان اس سے راضی ہو گیا اور تاوان چھوڑ دیا۔ ۲۔

سلیمان کی ناراضی کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جن دنوں موسیٰ اندلس سے واپس آ رہا تھا ولید بستر مرگ پر تھا۔ سلیمان نے چاہا کہ اندلس کے غنائم اس کے دور حکومت میں پیش ہوں۔ موسیٰ کو خط لکھا کہ آہستہ رفتار سے آؤ۔ اس نے جواب دیا کہ میں بے وفائی نہیں کروں گا اور جو رفتار اختیار کی ہے اسے نہ بدلوں گا۔ سلیمان تک یہ جواب پہنچا تو غصہ میں بھر گیا۔ جب خلیفہ ہوا تو موسیٰ کو بلا کر ڈانٹا۔ اسے عین دوپہر کے وقت دھوپ میں کھڑا کیا۔ موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ۳۔

کچھ مدت بعد موسیٰ بن نصیر کے بیٹے عبدالعزیز والی اندلس کا سر سلیمان کے سامنے پیش ہوا۔ عبدالعزیز کے قتل کے بارے میں دو روایات ہیں۔ ایک یہ کہ اس نے راڈرک کی بیوہ بے شادی کی تھی۔ وہ اس کے مزاج پر بہت حاوی ہو گئی اور کہا کہ میں تمہیں شاہوں کی شان سے دیکھنا چاہتی ہوں۔ امراء سے کہو تمہیں سجدہ کیا کریں۔ عبدالعزیز نے انکار کیا۔ لیکن بیوی نے ضد کی تو اپنے کمرہ میں ایک تنگ سا دریچہ بنوایا۔ امراء اس سے گزر کر آتے تو ان کے سر لا محالہ جھک جاتے تھے۔ عبدالعزیز کی بیوی کی تسلی ہو گئی۔ لیکن اس پر اکتفاء نہ کیا اور تاج بنوا کر عبدالعزیز کے سر پر رکھوایا۔ لوگوں میں شہرہ ہوا کہ عبدالعزیز نصرانی ہو گیا ہے۔ اسے ایک دن قتل کر دیا گیا۔ یہ روایت بے بنیاد نظر آتی ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ سلیمان کے سامنے کسی نے جھوٹ چغلی کھائی کہ عبدالعزیز نے تمہارے بارے میں سخت کلمات کہے ہیں۔ سلیمان نے آدمی بھیج کر اسے عین اس وقت مروا دیا جب وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ اس کا سر آیا تو سلیمان نے موسیٰ کے پاس بھیجا۔ موسیٰ نے دیکھ کر کہا، اس کو شہادت مبارک ہو۔ واللہ تم نے ایک پابند صوم و صلوة مرد کو قتل کیا۔ ۴۔ کہتے ہیں کہ سلیمان پر بعد میں حقیقت کھلی کہ عبدالعزیز اس کا وفادار تھا۔ وہ بہت نادم ہوا۔ موسیٰ کے ذمے جو تاوان تھا معاف کیا اور اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا رہا۔ موسیٰ ۹۷ ہجری میں اس کے ہمراہ مکہ کے سفر میں تھا کہ وفات پائی۔ سلیمان نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ ۵۔

موسیٰ ایک نیک دل اور خدا دست انسان تھا۔ اس سے کئی بار کرامات کا ظہور ہوا۔ ۶۔ وہ ایک باکمال خطیب اور انشاء پرداز تھا۔ مثلاً ولید کو چین کی فتوحات اور غنیمت کے بارے میں لکھا، یہ فتوحات نہیں حشر ہے۔ ۷۔

بعض مورخین نے کچھ ایسی روایات بھی لکھی ہیں جن میں سلیمان کی بدسلوکی کو بہت بڑھا

۱۔ ابن اثیر - ۲۔ الاماتہ والسیاتہ - فتوح البلدان - مقری - ۳۔ الاماتہ والسیاتہ - ۴۔ ابن اثیر - ۵۔ الاماتہ والسیاتہ - ۶۔ الاماتہ والسیاتہ - النجوم الزاہرہ - ۷۔ الاماتہ والسیاتہ - ۸۔ مقری صفحہ ۲۵۱۔

چڑھا کر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ موسیٰ نے سلیمان کے ہاتھوں گداگری کے عالم میں وادی القریٰ میں وفات پائی۔ لے یہ روایت درست نہیں۔

جرجان، قستان اور طبرستان کی فتوحات : یزید بن مہلب کی دیرینہ خواہش تھی کہ قتبہ کی طرح فتوحات میں نام پیدا کرے۔ خراسان کی ولایت پر مامور ہونے کے بعد اسے یہ موقع اس طرح ملا کہ جرجان کے لوگوں نے نہ صرف خراج بند کر دیا بلکہ خراسان کی راہ بھی روک دی۔ آس پاس کے اسلامی علاقوں میں قزاقی کرنے اور بد امنی پھیلانے لگے۔ یزید نے ایک لاکھ فوج کے ساتھ ان پر چڑھائی کی۔ راستہ میں قستان کے علاقے تھے۔ انہیں آسانی سے تخییر کر لیا۔ جرجان کی فتح میں بھی دیر نہ لگی۔ یزید کا حوصلہ بڑھا اور اسے طبرستان کی خواہش ہوئی۔ اس نے شاہ طبرستان اور اس کے مددگاروں کو زبردست شکست دی لیکن اس ملک پر قبضہ جمانے میں ناکام رہا اور واپس ہوا۔ راستہ سے لاعلمی کی وجہ سے اس کی فوج کا ایک کثیر حصہ گھر کرتاہ ہوا۔ یزید گھبرایا اور ایک مقامی مسلمان کو شاہ طبرستان کے پاس بھیجا کہ اسے صلح پر جھکاؤ۔ یہ شخص اہل وطن کی ہمدردی کا روپ بھر کر گیا۔ اور شاہ کو ڈرایا کہ یزید کی کمک آیا چاہتی ہے تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ صلح کر لو۔ یہ داؤ چل گیا اور صلح ہو گئی۔ یزید واپس آیا۔

قسطنطنیہ کی مہم ۶۹۸ھ : حضرت معاویہؓ کے عہد میں قسطنطنیہ پر حملہ ہوا تھا لیکن کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

سلیمان کے پاس آذر بایجان کا ایک عیسائی سردار ایون (لیو LEO) آیا اور کہا کہ قیصر مرچکا ہے۔ تم قسطنطنیہ پر حملہ کرو۔ میں فتح کا ضامن ہوں۔ سلیمان نے اپنے بھائی مسلمہ کو قسطنطنیہ کی تخییر کے لئے بھیجا۔ شہر والے قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ سردیاں آئیں تو مسلمہ نے لکڑی کی بارکیں بنوائیں۔ محاصرہ سخت سے سخت تر ہوتا گیا۔ محصورین نے صلح کی درخواست کی لیکن مسلمہ نے انکار کر دیا۔ اب شہر والوں نے ایون سے معاہدہ کیا کہ تم اسلامی لشکر کو پھیر دو تو تمہیں بادشاہ بنا لیں گے۔ ایون نے مسلمہ سے فریب کیا اور کہا کہ اگر تم بارکوں کو جلا دو تو شہر والے سمجھیں گے کہ اب تم قطعی فیصلہ پر تل گئے ہو اور وہ تمہاری اطاعت کر لیں گے۔ ایون دھوکے سے غلہ کی بھی ایک کثیر مقدار لے گیا۔

بارکیں جلا کر اور غلہ سے ہاتھ دھو کر اسلامی لشکر مصیبت میں پھنس گیا۔ کھالیں، درختوں کی جڑیں اور پتے غرض مٹی کے سوا کیا چیز تھی جو مسلمانوں نے جان بچانے کے لئے نہیں کھائی۔ جاڑے کے ستم ان پر طرہ تھے۔ سلیمان وابق میں متیم تھا۔ وہ مدد نہ بھیج سکا۔

اسلامی لشکر مصائب کا شکار تھا۔ کمک ناپید تھی۔ لیکن پھر بھی پلٹنے کا نام نہ لیا۔ ادھر روی بھی ہمت نہ کر سکے کہ شہر سے نکل کر کھلے میدان میں ان سے برسر جنگ ہوں۔

۱۔ قری۔ ۲۔ یا قستان اصل میں قستان ہے۔ یہاں ہرات اور نیشاپور کا درمیانی کوستان مراد ہے۔ ۳۔ ابن اثیر۔

ولی عہد کی نامزدگی اور سلیمان کی وفات : سلیمان نے کہا تھا کہ میں قسطنطنیہ سر کر کے آؤں گا ورنہ مرجاؤں گا۔ اس کا یہ عہد یوں پورا ہوا کہ وہ دابق ہی میں بیمار پڑا اور وفات پائی۔ مرض الموت میں اس نے اپنے بیٹے کو نامزد کرنا چاہا۔ مشہور محدث اور وزیر خاص رجاء بن حیوت نے جو اس وقت سلیمان کے ہمراہ تھا کہا کہ قبر میں خلیفہ کا بچاؤ اس بات سے ہوتا ہے کہ اپنا جانشین کسی صالح آدمی کو کر جائے۔ دونوں نے غور فکر کے بعد عمر بن عبدالعزیز کی ولی عہدی کا فیصلہ کیا۔ سلیمان کو ڈر تھا کہ خلافت آل عبدالملک سے نکلی تو وہ فساد کر دیں گے۔ اس لئے عمر ثانی کے بعد اس نے یزید بن عبدالملک کا نام رکھا۔ ارکان خاندان کو بلایا اور نامزد خلیفہ کا نام ظاہر کئے بغیر لفافہ میں بند وصیت نامہ پر بیعت لی۔ حضرت عمر ثانی نے رجاء سے کہا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دلا کر کہتا ہوں کہ اگر اس میں میرا نام ہے تو بتا دو تاکہ استغناء دے دوں۔ رجاء نے نہ بتایا۔ ۱

اس فریضہ سے فارغ ہونے کے بعد سلیمان نے ۹۹ھ میں ۳۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ مدت خلافت تقریباً دو سال آٹھ ماہ ہے۔

سلیمان کے یہ کارنامے آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں کہ ایک تو اس نے حجابی دور کے اہم ترین کاموں کی سعی کی اور دوسرے عمر بن عبدالعزیز کو اپنا جانشین کیا۔

۱- سلیمان نے حرم میں مینھا پانی پہنچانے کے لئے یہ اہتمام کیا کہ کوشبیر کے دامن میں ایک دس بنوایا اور اس سے ایک نلکے کے ذریعے سخن حرم میں فوارہ کی صورت میں پانی پہنچایا۔ یہ فوارہ بہت مدت تک باقی رہا۔ ۲

۲- سلیمان نے رملہ کا شہر آباد کیا اور یہاں شاندار عمارتیں بنوائیں۔ ۳



## حضرت عمر بن عبدالعزیز

(۹۹ھ تا ۱۰۱ھ)

**تعارف :** حضرت عمر بن عبدالعزیز مروان کے پوتے تھے۔ آپ کی والدہ ام عاصم حضرت عمر فاروقؓ کی نواسی تھیں۔ آپ اکٹھ یا تریسٹھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ کی جائے پیدائش کے بارے میں صحیح علم نہیں۔ بعض مصر اور بعض مدینہ بتاتے ہیں۔ آپ کے والد ماجد مصر کے گورنر تھے۔ انہوں نے آپ کو تحصیل علم کے لئے مدینہ بھیجا۔ آپ نے بچپن میں قرآن حکیم حفظ کر لیا۔ آپ نے مدینہ کے مقتدر اہل علم سے استفادہ کیا۔

آپ اپنی والدہ کے ماموں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بہت متاثر تھے۔ والدہ سے کہا کرتے تھے کہ میں ان کے مانند ہونا چاہتا ہوں۔ آپ کی والدہ کچھ عرصہ کے بعد جب اپنے شوہر کے پاس مصر گئیں تو آپ مدینہ میں حضرت عبداللہؓ ہی کے پاس رہے۔ بالغ ہو کر مصر اپنے والد ماجد کے پاس گئے اور پھر مدینہ آگئے۔

والد نے وفات پائی تو آپ کے چچا عبدالملک نے آپ کو دمشق بلا لیا اور اپنی بیٹی بیاہ

دی۔

آپ ۸۷ سے ۹۳ھ تک مکہ، مدینہ اور طائف کی ولایت پر مامور رہے۔ آپ حکومت کو قرآن و سنت کے رنگ میں رنگنا چاہتے تھے۔ مدینہ میں آپ نے شوریٰ کا اصول زندہ کیا۔ دس اہل الرائے فقہاء کی ایک مجلس قائم کی جس کے مشورہ سے حکومت کرتے تھے۔ ان ایام میں آپ خوش لباس اور نمائش پسند تھے۔ خوشبو کے بہت شائق تھے۔ جدھر سے گزر جاتے فضا میں خوشبو بن جاتی تھی۔ آپ کا لباس تیس اونٹوں پر بار ہوتا تھا۔ تاہم آپ عدل و انصاف کے بہت دلدادہ تھے۔

حجاج بن یوسف عراق کا گورنر تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اسے بہت ناپسند کرتے تھے۔ ایک دفعہ سنا کہ وہ حج کے لئے آ رہا ہے۔ آپ نے خلیفہ کو لکھا کہ حجاج کو ہدایت کی جائے کہ وہ مدینہ کے پاس سے نہ گزرے۔ عراق کے لوگ حجاج کے ظلم و ستم سے بھاگ کر آپ کے زیر سایہ حجاز میں پناہ لیتے تھے۔ حجاج نے ولید سے شکایت کی۔ اس نے آپ کو معزول کر دیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز شروع سے اموی خلفاء کی مطلق العنانی کے خلاف تھے۔ ایک دفعہ عبدالملک کو خط لکھا کہ تم رعیت کے نگہبان ہو اور تم سے باز پرس ہوگی۔

ایک دفعہ سلیمان کو بھیجیں کہیں اور تلخ کلامی تک نوبت پہنچ گئی۔ آپ ناراض ہو کر مصر

۱۔ تہذیب التہذیب۔ ۲۔ سیوطی۔ ۳۔ ابن عبدالحکم۔ ۴۔ سیوطی۔ ۵۔ ابن کثیر، ابن جوزی۔ ۶۔ ابن عبدالحکم۔ ۷۔ ابن کثیر، ابن کثیر۔ ۸۔ ۹۳۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹

چلے گئے۔ اس کے بعد مصالحت ہو گئی۔ ۱

بیعت خلافت : سلیمان نے اپنی زندگی میں جانشین کا نام ظاہر کیے بغیر وصیت نامہ پر بنو امیہ کی بیعت لے لی تھی۔ اس نے وفات پائی تو رجا بن حیوت نے کچھ دیر خبر پوشیدہ رکھی۔ بنو امیہ کو اکٹھا کیا۔ سلیمان کے سر بھر لفافہ پر دوبارہ ان سے بیعت حاصل کی۔ اس کے بعد لفافہ چاک کیا اور وصیت سنا کر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا اعلان کیا۔ عبدالملک کا بیٹا ہشام بول اٹھا، والد ہم اس کی بیعت کبھی نہیں کریں گے۔ رجا نے جرات سے کام لیا اور کہا، بیعت کو اٹھو ورنہ تمہاری گردن اڑا دوں گا۔ ہشام بے بس تھا۔ ناچار اٹھا اور بیعت کی۔ ۲

حضرت عمر نے خیال کیا کہ یہ بیعت جمہوری نہیں یوں نہ سلیمان نے موافق رائے سے آپ کو نامزد کیا تھا اور نہ بنو امیہ عوام کے نمائندے تھے۔ آپ نے دوسرے روز عوام کو جمع کر کے کہا:

”میں نے ظاہر یا باطنا کبھی خلافت کی تمنا نہیں کی۔ میری رائے اور مسلمانوں سے مشورہ کے بغیر مجھ پر یہ بوجھ ڈالا گیا ہے۔ میں تمہیں اپنی بیعت سے آزاد کرنا ہوں۔ جسے چاہو اپنا امیر چن لو۔“

حاضرین بہ یک آواز پکارے، ہم نے آپ کو امیر چن لیا۔ لوگوں کا جوش عقیدت دیکھ کر آپ نے یہ منصب منظور فرمایا۔ ۳

فقر کا دور : سلیمان کو دفن کرنے کے بعد آپ نے دیکھا کہ رعنا سواروں اور سائیسوں کا ایک جلوس کھڑا ہے۔ آپ نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ سواریاں آپ کے لئے ہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ انہیں لے جاؤ اور میرا خچر لاؤ۔ اس پر سوار ہو کر روانہ ہوئے تو دستور کے موافق پولیس کا افسر آگے آگے چلا۔ آپ کو یہ عجیبی تصنع پسند نہ آیا۔ اور افسر کو حکم دیا کہ ایک طرف ہو جاؤ۔ بیعت کے بعد گھر تشریف لائے تو نہایت فکر مند تھے۔ لونڈی نے حیران ہو کر پوچھا، آج مسرت کا دن ہے، پھر یہ تشویش کیسی؟ فرمایا، اس سے بڑھ کر اور کیا تشویش ہوگی کہ مشرق و مغرب میں امت محمدیہ کا کوئی فرد نہیں جو اس وقت مجھ سے حق طلب نہیں کر رہا چاہے اس نے مجھے لکھا ہے یا نہیں اور زبانی طلب کیا ہے یا نہیں۔ ۴

اپنی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک سے کہا کہ میرے ساتھ رہنا ہے تو فراغ حاصل نہیں ہو گا۔ چاہو تو بے شک میکے چلی جاؤ۔ یہ سن کر گھر کے سب آدمی رو دیے۔ کینڑوں کو بھی اجازت دے دی کہ میری طرف سے تم پر پابندی نہیں۔ تم آزادی اختیار کر کے جا سکتے ہو۔ آپ نے قیمتی لباس اتار ڈالا اور بدن سے خوشبو دھو ڈالی۔

سابق خلیفہ کی اقامت گاہ میں زرق برق کی بیش قیمت قالین اور پردے تھے۔ حکم دیا کہ

۱۔ ابن کثیر ۲، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳

انہیں اٹھوا کر بیچ دو اور رقم بیت المال میں جمع کر دو۔ لہٰذا اصطبل کے لئے آپ سے خرچ مانگا گیا۔ فرمایا، گھوڑوں کو فروخت کرو اور قیمت خزانہ میں جمع کر دو۔ میرے لئے خچر کافی ہے۔<sup>۱</sup>  
 اولین احکام : خلیفہ سلیمان کو دفن کرنے کے بعد آپ نے وہیں قلم دووات منگوا کر تین حکم لکھے۔ ایک یہ تھا کہ قسطنطنیہ کی مہم لوٹ آئے اور دوسرے دو حکم مصر کے صاحب الخراج اور افریقیہ کے والی کی سبک دوشی کے بارے میں تھے۔ یہ دونوں ظالم اور خود سر تھے۔ سب سے آپ کو گوارا نہ تھا کہ ان کی مصیبت کو رعیت کے سر سے ہٹانے میں ایک پل کی بھی تاخیر ہو۔

## اصلاحات

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلافت راشدہ کی نظیر کو سامنے رکھا۔ اور اس کی تقلید کی ہر ممکن کوشش کی۔ اس لئے آپ کا شمار خلفائے راشدین میں ہوتا ہے۔  
 آپ کو حضرت عمرؓ کے نقوش قدم پر چلنے کی بہت تمنا تھی۔ ان کی زندگی میں ڈھلنے کی کوشش کرتے تھے۔ لہٰذا آپ کو عمرؓ ثانی کہا جاتا ہے۔ آپ نے حضرت عمرؓ کے پوتے حضرت سالم کو لکھا کہ مجھے حضرت عمرؓ کی سیرت قلم بند کر کے بھیج دو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر آپ ان کی سیرت پر عمل پیرا ہوں تو ان سے بھی افضل ہوں گے۔ نیکی میں ان کے کئی مددگار تھے۔ ان کا کوئی نہیں۔<sup>۲</sup> بنو امیہ دیکھ دیکھ کر کڑھتے تھے کہ ہم نے حضرت عمرؓ کے گھرانے سے رشتہ کیوں کیا۔

حضرت عمرؓ کے سامنے انقلابی اصلاحات کا ایک عظیم پروگرام تھا۔ اس کے لئے جس قوت ایمانی اور سیرت کی ضرورت تھی۔ حضرت عمرؓ ثانی اس سے مالا مال تھے۔ آپ نے متعدد اصلاحات کیں۔ مثلاً :

۱۔ اصول حکمرانی : آپ نے اموی اصول جہاں داری کو جس پر مطلق العنانی کا رنگ چھایا ہوا تھا بدلنے میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ بنو امیہ تلملواتے تھے، لیکن دم نہ مار سکتے تھے۔ ایک دفعہ ہشام بن عبدالملک آپ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ سابقہ خلفاء کے فیصلوں کو نہ بدلیں، انہیں بحال رہنے دیں۔ آپ نے پوچھا، دو فرمان ہوں، ایک حضرت معاویہؓ اور ایک عبدالملک کا تو میں کس پر عمل کروں؟ ہشام نے جواب دیا، پہلے فرمان پر۔ آپ نے فرمایا، تو قرآن کا فرمان سب پر مقدم ہے۔<sup>۳</sup>

اموی حکومت میں دنیا کا پلڑا بھاری ہو رہا تھا۔ آپ نے اسلامی اصول کے بموجب دین و دنیا دونوں کا معتدل توازن پیش کیا۔ آپ کا نصب العین محض لطم و نسق کا اہتمام ہی نہ تھا بلکہ دین کی اشاعت، اخلاق کی اصلاح و تربیت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی تھا۔ حکام

۱۔ ابن عبدالحکم۔ ۲۔ ابن جوزی، ابن کثیر۔ ۳۔ سیوطی۔ ۴۔ ابن کثیر، سیوطی۔ ۵۔ ابن جوزی۔

سے بھی آپ یہی توقع رکھتے تھے کہ محض سرکاری فرائض میں محدود نہ رہیں۔ نیکی کی تبلیغ اور برائی کے استیصال میں برابر کوشاں رہیں۔

اموی خلفاء کی قوت اقتدار میں حکام بھی حصہ بنا لیتے تھے۔ رعیت پر بارہا ناروا سختی کرتے تھے۔ حضرت عمر ثانی حکام پر کڑی نگرانی رکھتے تھے۔ ان کو اکثر خطوط لکھتے رہتے تھے اور ان کو فرائض سے آگاہ کرتے تھے۔ اموی راج جبر کے بل بوتے پر قائم تھا۔ لوگوں کو ادنیٰ ادنیٰ جرم پر خوفناک سزائیں ملتی تھیں۔ ایک شخص کے جرم پر پورے خاندان کو تباہ و برباد کر دیتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آمریت کا یہ داغ آئین کے ماتھے سے دھویا اور حکم دیا کہ صرف مجرم کو سزا دی جائے۔

کسی کو سزا دینا منظور ہوتا تو آپ مجرم کو تین روز حراست میں رکھتے اور ان ایام میں اس معاملہ پر غور کرتے تاکہ عجلت میں زیادتی نہ ہو جائے۔ لا موصل کے حاکم نے لکھا کہ یہاں چوری اور نقب زنی کی وارداتیں بہت ہوتی ہیں۔ کیا لوگوں کو شبہ پر سزا دوں یا ثبوت کے بعد؟ آپ نے لکھا کہ سنت نبوی کے موافق گواہ طلب کرو ورنہ سزا نہ دو۔ اگر ان کی اصلاح حق سے نہیں ہوتی تو کبھی نہیں ہوگی۔ ۱۱

۲۔ حق و عدل کا قیام : حکومت کا کارخانہ عدل و انصاف ہی سے درست چل سکتا ہے ورنہ رعیت تالاں ہو جاتی ہے۔ حضرت عمر ثانی کی بصیرت پر یہ راز بخوبی فاش تھا۔ آپ نے اصلاحات میں عدل و انصاف کے قیام کو مرکزی حیثیت دی۔

خراسان کے حاکم نے آپ کی خدمت میں لکھا کہ رعیت بہت بگڑ گئی ہے۔ کوڑے اور تلوار کے بغیر درست نہیں ہوگی۔ آپ نے جواباً تحریر فرمایا، تم جھوٹ کہتے ہو۔ کہ اصلاح کے لئے کوڑے اور تلوار کی ضرورت ہے۔ ان کی اصلاح حق و عدل سے ہوگی۔ ان سے خوب کام لو۔ ۱۲ ایک اور حاکم نے لکھا کہ شہر کی حالت خراب ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمان بھیجا کہ اس کے گرد عدل کی دیوار کھینچو اور راستوں سے ظلم دور کرو۔ ۱۳

آپ دفعہ آپ حمص کے بازار میں سوار چلے جاتے تھے۔ ایک شخص نے سواری روک لی اور کہا کہ میرا انصاف کیجئے۔ آپ سواری سے اترے اور پوچھا، کیا شکایت ہے؟ وہ بولا، ایک شخص نے میری زمین چھین لی ہے۔ آپ نے وہیں حاکم کو خط لکھا کہ اس کے معاملہ میں تحقیق کر کے فیصلہ کرو۔ آپ نے اس شخص کو زادراہ کے لئے رقم دی۔ ۱۴

ایک عورت شکایت لے کر آئی۔ آپ نے فرمایا، بعد میں آنا، میں حکم لکھ دوں گا۔ پھر کہا ٹھرو، شاید جب تک زندگی نہ ہو۔ ابھی حکم لکھ دوں۔ ۱۵

مدینہ کے حاکم نے لکھا کہ فلاں شخص نے آپ کو گالی دی ہے۔ میرا ارادہ اسے قتل کرنے کا

۱۔ سیوطی۔ ۲۔ سیوطی۔ ۳۔ سیوطی۔ ۴۔ ابونعیم صفحہ ۳۰۵۔ ۵۔ ابونعیم صفحہ ۲۸۰۔ ۶۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۳۲۔

ہے۔ آپ نے جواب لکھا، اگر تم نے اسے قتل کیا تو میں قصاص میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ گالی کی سزا قتل نہیں سوائے اس کے کہ کوئی شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے۔ ۱۔  
ایک شخص نے حاضر ہو کر شکایت کی کہ میں نے فصل بوئی تھی۔ شامی لشکر ادھر سے گزرا

اور اس نے برباد کر دی۔ آپ نے دس ہزار دینار ہرجانہ کے طور پر دیے۔ ۲۔

۳۔ ظالم حکام کا استیصال : حکومت کی اصلاح جیسی ممکن ہے کہ حکام کی اصلاح کی جائے اور ناقابل اصلاح حکام کو سزا دی جائے۔ حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے اسی طرف توجہ دی۔ خلیفہ سلیمان کو دفن کرنے کے بعد اسی جگہ جو احکام تحریر فرمائے ان میں سے ایک یہ تھا کہ مصر کے صاحب الخراج اسامہ بن زید بنوخی کو قید کر دیا جائے اور صرف نماز کے وقت اس کی بیڑیاں اتاری جائیں۔ دوسرا حکم یہ تھا کہ افریقیہ کے والی کو سبک دوش کر دیا جائے۔ یہ والی بہت سنگ دل تھا۔ ۴۔ آپ نے ان سب حکام کو جن کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگین تھے، علیحدہ کر دیا۔ ۵۔

آپ نے عراق ک نامور والی یزید بن مہلب سے سلیمانی عہد کا حساب مانگا۔ اس نے معذوری ظاہر کی اور کہا، میرے اور سلیمان کے درمیان معاملہ واحد تھا۔ آپ نے اسے قید میں ڈال دیا۔ ۶۔ آپ بیمار پڑے تو یزید جیل سے بھاگ نکلا اور خط لکھا کہ مجھے آپ کی زندگی کی امید ہوتی تو نہ بھاگتا۔ آپ نے دعا کی، اے اللہ! لوگوں کو اس کے شر سے بچا۔ ۷۔

آپ ایک طرف حضرت فاروق اعظمؓ کو نیکی کی نظیر مانتے تھے اور دوسری طرف حجاج بن یوسف کو بدی کی مثال کے طور پر پیش کرتے تھے۔ آپ نے عمال کو حکم دیا کہ حجاج بن یوسف کا طریقہ اختیار نہ کرو۔ وہ نہ وقت پر نماز پڑھتا تھا اور نہ واجب زکوٰۃ لیتا تھا۔ ۸۔ آپ نے حجاج کے سارے خاندان کو یمن کی طرف چلا وطن کیا اور وہاں کے حاکم کو لکھا، میں تمہارے پاس آل عقیل کو بھیج رہا ہوں جو بدترین عرب ہیں۔ انہیں ان کی فروماگی کے اندازے سے صوبہ میں منتشر کر دو۔ ۹۔ حجاج کا کل خاندان اس کے مظالم میں شریک تھا۔ اس لئے وہ اس سزا کے حقدار تھے۔

۴۔ حکام کو ذمہ داری کا احساس : اموی عہد میں اعلیٰ مناصب جاہ و حشمت اور عیش و عشرت کا سرچشمہ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمر ثانی نے اس غلط فہمی کی اصلاح کی۔ ایک عہدہ دار کو لکھتے ہیں : جو آدمی سلطنت کے کسی امر میں آزمایا گیا وہ سمجھے کہ عظیم آزمائش میں ڈالا گیا ہے۔ ۱۰۔ خلافت راشدہ میں امارت کا یہی تصور تھا۔ چنانچہ لوگ ذمہ داری کے مناصب سے پہلو تہی کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے عہد میں بھی وہی نقشہ نظر آنے لگا۔ آپ نے ایک صاحب کو کسی عہدے پر مامور کرنا چاہا۔ اس نے انکار کیا۔ آپ نے بہت اصرار کیا تو اس نے

۱۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۴۳۔ ۲۔ ابو نعیم صفحہ ۳۲۵۔ ۳۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۳۳۔ ۴۔ ابن جوزی۔ ۵۔ ابن کثیر۔ ۶۔ ابن کثیر۔ ۷۔ ابن جوزی۔ ۸۔ ابن جوزی۔ ۹۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۸۷۔

جواب دیا کہ مجھے ذمہ دار اٹھانے میں اللہ تعالیٰ کا خوف آتا ہے۔ ۱  
 ۵۔ رشوت کا قلع و قمع : آپ نے عمال کو رشوت خوری سے بچانے کے لئے اتنی تنخواہیں مقرر کر دیں کہ زندگی کی ضروریات انہیں نہ ستائیں۔ ۲

آپ کا اپنا یہ حال تھا کہ کسی کا تحفہ بھی قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک شخص نے آپ سے یہ عرض کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تحفہ قبول فرمایا کرتے تھے۔ جواب دیا، تحفہ آل جناب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہدیہ ہوتا تھا۔ ہمارے لئے رشوت کا قائم مقام ہے۔ ۳۔ آپ نے اپنے لئے قبر کی جگہ بھی بیس دینار میں خرید کر مخصوص کر لی تھی۔ ۴

۶۔ ناروا اموال کی واپسی : اموی خلفاء اور روساء نے سرکار اور عوام کی املاک چھین چھٹ کر اپنے قبضہ میں کر لی تھیں۔ عمر ثانی نے اس کا تدارک کیا۔ اموی تاجدار نے یا خاصہ کی زمین بھی اپنے ذاتی تصرف میں لے آئے تھے حالانکہ ان کی آمدن سرکاری اخراجات میں لگنی چاہیے تھی۔ آپ نے یہ سب زمین سرکاری تحویل میں دے دی۔ خود معمولی تنخواہ پر گزار کرتے تھے۔

ذک کی زمین جو ابتدا سے سرکاری اخراجات کے لئے وقف تھی بنو امیہ نے آپس میں بانٹ لی تھی۔ اس کا ایک حصہ حضرت عمر ثانی کے والد کے پاس بھی تھا۔ آپ نے یہ کل زمین سرکاری تصرف میں دے دی۔ ۵۔ آپ کو راشیہ بیمامہ میں کچھ زمین ملی تھی۔ یہ آپ کے ذاتی اخراجات کے لئے تھی۔ اس سے دست بردار ہو گئے۔ ۶۔ آپ کی زوجہ حضرت فاطمہ کے پاس ایک لونڈی تھی آپ کو معلوم ہوا کہ اسے زبردستی اپنے گھر سے جدا کیا گیا تھا۔ اسے گھر والوں کے پاس لوٹا دیا۔ ۷

آپ نے اپنی بیوی کو حکم دیا کہ اپنے زیور بیت المال میں جمع کر دو۔ انہوں نے تعمیل کی۔ ۸۔ آپ نے اپنی انگوٹھی کا گھینہ بھی بیت المال میں جمع کر دیا۔ ۹۔ اموی شہزادوں کو حکومت کی طرف سے وظیفے ملتے تھے۔ آپ نے بند کر دیے۔ انہوں نے گلہ کیا تو فرمایا کہ تمہارا حق دیگر مسلمانوں سے زیادہ نہیں۔ ۱۰

ایک روز ظہر سے کچھ قبل عوام کو مسجد میں جمع کیا اور فرمایا، لوگوں نے ہمیں کچھ عطیے دیے تھے جن پر نہ میرا حق ہے اور نہ دیگر آل مروان کا۔ آج وہ عطیے ہم تمہیں واپس کرتے ہیں۔ آپ کے پاس ایک تھیلہ تھا۔ اس میں سابقہ خلفاء کے قبائل تھے۔ خود منبر پر بیٹھے اور ایک شخص کو یہ تھیلہ دے کر پاس کھڑا کیا۔ وہ ایک ایک قبائل نکال کر پڑھتا اور حضرت عمر کے ہاتھ میں دیتا۔ آپ کے ہاتھ میں قینچی تھی۔ آپ قبائل کو لے کر کاٹ دیتے۔ قبائل کاٹتے کاٹتے ظہر اذان ہو گئی۔ ۱۱

ابو نعیم۔ ۲۔ ابن جوزی۔ ۳۔ سیوطی، ابو نعیم۔ ۴۔ ابن عبدالحکم ص ۱۱۳۔ ۵۔ ابن کثیر، ابن جوزی۔ ۶۔ ابن جوزی۔ ۷۔ ابن عبدالحکم۔ ۸۔ ابن کثیر۔ ۹۔ ابن جوزی۔ ۱۰۔ سیوطی۔ ۱۱۔ ابن جوزی۔

لوگوں نے آپ کی انصاف پروری کا سنا تو حق طلب کرنے کے لئے جوق در جوق آنے لگے۔ چند عرب کاشت کار آئے اور تالش کی کہ ہم نے کچھ ویران زمین آباد کی تھی، ولید نے چھین کر اپنے اعزہ کو دے دی۔ حضرت عمر نے کہا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ زمین اللہ کی ہے اور بندے بھی اللہ کے ہیں۔ جس نے ویران زمین آباد کی وہ اسی کی ہوگی۔ زمین کاشت کاروں کو لوٹا دی۔ ۱

خلیفہ ولید کے بیٹے عباس کے خلاف ایک بوڑھے شخص نے فریاد کیا کہ اس نے میری زمین چھینی ہے۔ عباس نے کہا مجھے ولید نے دی تھی اور فرمان لکھ دیا تھا۔ فرمایا، ولید کی تحریر پر اللہ کی کتاب مقدم ہے۔ زمین واپس کر دو۔ ۲

اموی ارکان کی ظلم سے بنی ہوئی املاک ہاتھ سے نکل گئیں تو آپ کے پاس سفارش کے لئے گئے۔ انہوں نے بہت اصرار کیا تو فرمایا، مجھے چھوڑ دو ورنہ مکہ چلا جاؤں گا اور خلافت اسی اہل تر آدی کے سپرد کر جاؤں گا۔ ۳

ایک دفعہ بنو امیہ آپ کے دروازے پر اکٹھے ہوئے اور آپ کے بیٹے عبدالملک کی زبانی کہلا بھیجا کہ سابقہ خلفاء ہمیں عطیے دیتے تھے اور ہمارا حق پہچانتے تھے۔ آپ نے ہم پر دروازہ بند کر دیا ہے۔ آپ نے جواب بھیجا، میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرنا ہوں۔ ۴، آپ کا ایک رشتہ دار آیا اور رزق کی شکایت کی۔ فرمایا، موت کو کثرت سے یاد لیا کرو۔ تنگی جاتی رہے گی۔ ۵

آپ نے شہزادوں سے چھینا جھپٹی کا مال باری باری اگلوایا۔ ان کی تعداد بہت تھی، اس لئے یہ قدم یک بارگی نہیں اٹھا سکتے تھے تاکہ حکومت میں انتشار پیدا نہ ہو جائے۔ ۶

آپ نے عمدہ داروں سے بھی چھینا ہوا مال واپس دلوا دیا۔ ۷ علم عام جاری کیا کہ میں نے منسوبہ اموال واپس کرنے کا حکم دیا تھا۔ پھر منع کر دیا کیوں کہ لوگ جھوٹے دعوے پیش کرنے لگے۔ لیکن اب پھر حکم دیتا ہوں کہ اموال حق داروں کو پھیر دو۔ میں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ بدگمانی کے ساتھ اموال واپس کروں بجائے اس کے کہ روک رکھوں اور کل (آخرت کو) معاملہ کھل کر سامنے آجائے۔ ۸

۷۔ تاوانوں کی واپسی : حجاج بن یوسف نے عوام پر جس قدر تاوان لگائے تھے آپ نے سب واپس کر دیے۔

۸۔ ظالمانہ ٹیکسوں کی تہنیت : آپ سے پہلے اموی خلفاء نے عوام کو بوجھل ٹیکسوں سے زیر بار کر رکھا تھا۔ آپ نے یہ سب ٹیکس منسوخ کیے۔ اور حکم دیا کہ صرف وہی ٹیکس وصول کیے جائیں گے جو شرع میں جائز ہوں۔ ۹، آپ نے ایک اعلان عام جاری فرمایا کہ نو روز اور مہرجان کے تحفے، فراہم کی قیمت، پیادوں کی اجرت، نقد کی رکھ کرنے والے سرکاری ملازموں کے

۱۔ ابن جوزی۔ ۲۔ ابن کثیر، ابن جوزی۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ ابو نعیم۔ ۵۔ ابو نعیم۔ ۶۔ ابن جوزی۔ ۷۔ موطا امام مالک۔ ۸۔ ابن عبدالحکم۔ ۹۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۶۵۔

عوضانے اور عمال کی خوراک اور مہمانداری ممنوع ہے۔ لہ اس نرمی کے باوصف آپ کے عہد میں حجابی دور کی نسبت خراج بڑھ گیا۔ ۷

۹۔ نو مسلموں سے جزیہ لینے کی ممانعت: بنو امیہ اور ان کے امراء کی زر طلبی کا یہ حال تھا کہ جو ذمی اسلامی قبول کر لیتے ان سے بھی بدستور جزیہ وصول کرتے تھے۔ یہ ٹیکس خلاف اسلام تھا۔ اس کے برابر سنگدلانہ ٹیکس شاید ہی کوئی اور ہو۔ آپ نے حکم دیا کہ کسی کلمہ گو سے جزیہ نہ لیا جائے اور نہ اسے ذمی شمار کیا جائے۔ سچے ایک عامل نو مسلموں سے جزیہ لیتا تھا اور انہیں اسلام لانے سے روکتا تھا۔ آپ نے یہ لکھ کر اسے معزول کر دیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے نہ کہ وصولی کے لئے۔ سچے ایک حاکم نے لکھا لوگ کثرت سے مسلمان ہو گئے ہیں اور جزیہ کم ہو گیا ہے۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا، کاش سب لوگ مسلمان ہو جائیں اور ہم تم کھیتی باڑی کر کے روزی لمائیں۔ ۸

۱۰۔ بیت المال کا صحیح مصرف: عمر ثانی سے قبل اموی بادشاہ بیت المال کو ذاتی ملک سمجھتے تھے اور اپنی خوشی سے خرچ کرتے تھے۔ آپ نے بیت المال کے بارے میں خلافت راشدہ کا نظریہ زندہ کیا کہ یہ عوام کا مال ہے اور انہی کی ضرورتوں میں لگنا چاہیے۔ خلیفہ کا بیت المال کی رقم پر ایک رتی بھی حق نہیں۔ آپ نے صرف خود بیت المال کے معاملہ میں بہت محتاط تھے بلکہ عمال اور دیگر عہدہ داروں پر بھی کڑی نگاہ رکھتے تھے۔

آپ کا سالانہ وظیفہ چار سو درہم تھا یعنی تقریباً ایک درہم یومیہ۔ آپ کی خوراک بالعموم دال ہوتی تھی۔ ایک دفعہ بیوی سے پوچھا، کیا تمہارے پاس ایک درہم نہیں جس سے انگور خریدوں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ لیکن نیا امیر المومنین ہو کر بھی آپ کے لئے ایک درہم دشوار ہے۔ فرمایا، ہاں۔ دوزخ میں بھننے سے یہ آسان سمجھتا ہوں۔ ۹

آپ کے پاس روشنی کے لئے ایک شمع ہوتی تھی اور ایک دیا۔ شمع سرکاری تھی اور دیا ذاتی۔ شمع کو صرف سرکاری کام کے لئے روشن کرتے تھے۔ ۱۰

ایک دفعہ ذاتی ضرورت کے لئے شہد منگوا یا۔ معلوم ہوا کہ سرکاری جانوروں پر رکھ کر لایا گیا ہے۔ آپ نے شہد بیچ ڈالا اور رقم بیت المال میں جمع کر دی۔ ۱۱

ایک بار گوشت منگوا یا۔ نوکر سے کہا کہ بھون لائے۔ وہ جلدی سے سرکاری مطبخ میں بھون لایا۔ آپ کو علم ہوا تو اسے کہا، تم خود ہی کھا لو۔ ۱۲

ایک دفعہ آپ کا ملازم سرکاری باورچی خانہ میں پانی گرم کر لایا۔ آپ کو معلوم ہوا تو ایک درہم کا ایندھن خرید کر بھجوا دیا۔ ۱۳ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو یہ بھی منظور نہ تھا کہ آپ کے کام کے لئے سرکاری جانور بلکہ سرکاری باورچی خانہ کی آگ تک استعمال ہو۔ حد یہ

۱۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۳۱۱۔ ۲۔ مستدرک باب ۱۹ صفحہ ۳۲۔ ۳۔ ابن جوزی۔ ۴۔ ابن کثیر۔ ۵۔ ابن جوزی، ابو نعیم۔ ۶۔ سیوطی۔

۷۔ ابن عبدالحکم، ابن کثیر۔ ۸۔ ابن جوزی۔ ۹۔ ابن جوزی۔ ۱۰۔ سیوطی۔



ہے کہ ایک دفعہ بیت المال کی خوشبو آپ کے سامنے لائی گئی تو آپ نے ناک پر کپڑا رکھ لیا اور کہا کہ خوشبو کا یہی تو فائدہ ہے کہ اسے سونگھا جائے۔ ۱۔ (آپ نے یہ فائدہ اٹھانا قبول نہ کیا اس لئے کہ خوشبو آپ کی نہ تھی، سرکاری تھی)

آپ سے قبل خلیفہ کی ذات کے لئے تین سو محافظ اور تین سو سپاہی پولیس کے ہوتے تھے۔ آپ نے ان سے کہا، تقدیر میری پاسان اور اجل محافظ ہے۔ تم میں سے جو جانا چاہے جا سکتا ہے۔ ۲۔

تقریباً پچاس برس کے بعد دنیا کے سامنے ایک بار پھر خلافت راشدہ کا منظر آگیا کہ خلیفہ بغیر پہرہ اور حفاظتی دستہ کے عوام میں پھر رہا ہے۔

ایک دن سرکاری سبب تقسیم کر رہے تھے۔ ایک سبب آپ کے بچے نے اٹھا لیا۔ آپ نے اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ گھر آئے تو فرمایا، میں نے بچے سے سبب چھینا تو گویا اپنے دل سے نوج لیا۔ لیکن یہ نہ چاہا کہ ایک سبب کے عوض اللہ تعالیٰ کے فضل سے محروم ہو جاؤں۔ ۳۔ ایک حاکم نے کاغذ مانگے۔ اسے لکھا، قلم باریک کرو۔ سطریں قریب قریب لکھو۔ حاجتیں مختصر کرو۔ میں نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کا مال بے فائدہ خرچ کروں۔ مدینہ کے قاضی ابو بکر نے درخواست بھیجی کہ فجر کی نماز کو جانے کے لئے شمع کے پیسے چاہیں۔ آپ نے جواب دیا، مجھے معلوم ہے کہ ایک وقت بارش کی اندھیری رات میں تم پیدل جایا کرتے تھے۔ اور آج کل تو تمہاری حالت بہتر ہے۔ ۴۔

وہب بن منبہ یمن کے صاحب بیت المال تھے۔ ان سے ایک دینار کھو گیا۔ آپ نے لکھا، میں آپ پر بے دینی یا بددیانتی کی تہمت نہیں لگاتا لیکن نقصان کا الزام دیتا ہوں۔ آپ حلف اٹھائیں۔ ۵۔

۱۱۔ اخلاقی اصلاح : آپ نے عوام کی اخلاقی اصلاح کی طرف بہت توجہ دی۔ شراب کی بندش کی امکانی کوشش کی۔ عورتوں کو پبلک حماموں میں غسل کرنے سے روکا اور مردوں کو ضرورت سے بڑھ کر بال سنوارنے سے منع کیا۔

۱۲۔ ایک بری رسم کا انسداد : بنو امیہ کا طریقہ تھا کہ جمعہ کے خطبہ میں حضرت علیؑ کے خلاف گستاخانہ فقرے کہتے تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ آئندہ ایسے فقرے نہ دہرائے جائیں اور ان کے بجائے خطبہ میں قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھی جائے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِتْيَاۤءِ ذِي الْقُرْبٰى وَنَهٰى عَنِ الْفَحْشَاۤءِ وَالْمُنْكَرِ وَاَنْۢ لَّبِىۡ بِعٰظِمٰتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوۡنَ۔

۱۳۔ اہل الذمہ کے حقوق کی بحالی : جس دور حکومت میں اسلامی رعیت کے حقوق بحال

۱۔ ابن کثیر، ابن عبدالحکم صفحہ ۴۳، ابو نعیم، ۲۔ سیوطی، ۳۔ ابن جوزی، ۴۔ ابن جوزی، ابو نعیم، ۵۔ ابن جوزی، ابن عبدالحکم۔

نہ تھے وہاں غیر مسلموں کو انصاف کی توقع کیوں کر ہو سکتی تھی۔ ان کی حالت بہت کمزور پڑ گئی تھی۔ حضرت عمر ثانی نے اس بات کا احساس کیا کہ غیر مسلم بھی سلطنت کے اعضاء ہوتے ہیں۔ ان کے کمزور پڑنے سے سلطنت کمزور ہو جاتی ہے۔ آپ نے ایک مامل کو لکھا، اہل الذمہ کی طاقت بڑھاؤ۔ انہیں ہمارے ساتھ صرف دو سال نہیں رہتا ہے۔ ۱۔

حجاج ذمیوں کے کندھوں پر مہر کرواتا تھا۔ آپ نے یہ ظامانہ طریتہ منسوخ کیا۔ ۲۔  
اسلام نے اہل ذمہ کے جو حقوق مقرر کئے ہیں وہ بحال ہوئے۔ ان کو مذہبی آزادی حاصل ہوئی۔ کوئی شخص ان پر قلم نہیں کر سکتا تھا۔ ایک مسلمان نے ایک ذمی کو مار ڈالا۔ تو آپ نے قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا۔ ۳۔ ایک مسلمان نے ایک ذمی کے گھوڑے کو بیگار میں پکڑا۔ آپ نے اس مسلمان کو چالیس کوڑے پٹوائے۔ ۴۔

بربر کے ایک قصبہ لواتہ کی کچھ لونڈیاں مسلمانوں کے ہاں تھیں۔ حضرت عمر نے حکم دیا کہ یا تو ان کے آباء کی اجازت لے کر ان سے نکاح کرو یا انہیں گھروں کو لوٹا دو۔ ۵۔  
سابقہ ایام میں اہل ذمہ کے ساتھ جو بے انصافیاں ہوئی تھیں آپ نے ان کی تلافی کی۔

## متفرق کارنامے

### رفاہ عامہ

۱۔ اشاعت علم : آپ کو علم کی ترقی سے بہت لگاؤ تھا۔ کہا کرتے تھے، اگر ہو سکے تو عالم بنو، ورنہ منقطع ہو جاؤ۔ اگر یہ دونوں کام نہ کر سکو تو عالم و منقطع سے محبت رکھو اور اگر یہ بھی نہ کر سکو تو ان سے بغض نہ رکھو۔ ۶۔ آپ نے اہل علم کو حکم دیا کہ مسجدوں میں علم کی نشر و اشاعت کریں کیونکہ سنت سے لوگ غافل ہو گئے ہیں۔ ۷۔ آپ نے کتابت حدیث کی پرزور تحریک چلائی اور علماء کو لکھا کہ احادیث کو احاطہ تحریر میں لاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ یہ علم کھو جائے۔  
۲۔ سرکاری مہمان خانے : آپ نے بعض جگہوں میں مہمان خانے بنوائے جہاں مسلمان مسافروں کے لئے ایک دن تک سرکاری طور سے اقامت اور خوراک کا اہتمام ہوتا تھا۔ ۸۔  
۳۔ نہراہن عمر : آپ نے زر کثیر خرچ کر کے عراق میں ایک نہر کھدوائی جسے نہراہن عمر کہا کرتے تھے۔

۴۔ آپ نے معذوروں کی خدمت کے لئے خدام مہیا کئے۔ ۹۔

۵۔ مقروضوں کے بارے میں بالخصوص جو وفات پا چکے تھے حکم دیا کہ ان کے قرضے بیت المال سے ادا کیے جائیں۔ ۱۰۔

۶۔ سلیمان نے قسطنطنیہ کے محاذ پر ایک مہم بھیجی تھی جو بہت تکلیفوں میں مبتلا تھی۔ سلیمان

۱۔ ابن عبد الجہم صفحہ ۶۷۔ ۲۔ ابو نعیم صفحہ ۳۰۶۔ ۳۔ تاریخ اسلام شاہ معین الدین بحوالہ نسب الراہ۔ ۴۔ تاریخ اسلام شاہ معین الدین بحوالہ ابن سعد۔ ۵۔ بلاذری صفحہ ۲۵۵۔ ۶۔ ابن عبد الجہم صفحہ ۱۳۷۔ ۷۔ ابن جوزی۔ ۸۔ ابن۔ ۹۔ ابن عبد الجہم صفحہ ۵۵۵۔ ۱۰۔ ابن عبد الجہم صفحہ ۱۷۱۔

اس کو واپس نہیں بلانا چاہتا تھا۔ عمر ثانی خلیفہ ہوئے تو پہلا کام یہ کیا کہ اس کی واپسی کا حکم بھیجا۔ ۱۔ رومیوں کے ہاتھ میں ایک مدت سے مسلمان اسیر مصیبت کے دن گزار رہے تھے۔ آپ نے رومی اسیر اور فدیہ دے کر چھوٹے بڑے، مرد، عورت اور غلام و آزاد سب کو رہا کرایا اور انہیں آزادی ملنے پر مبارک باد بھیجی۔ ۲۔ آپ نے عمال کو حکم بھیجا کہ قیدیوں کو آزاد کراؤ چاہے خزانے خالی ہو جائیں۔ ۳۔

۷۔ آپ نے تمام اسلامی قلمرو میں باٹ اور ماپ یکساں کر دیے۔ ۸۔

۸۔ اشاعت اسلام : آپ نے غیر مسلم بادشاہوں کو قبول اسلام کے دعوت نامے بھیجے۔ ان کے جواب میں راجہ داہر کا بیٹا جیسو اور چند دیگر ہندوستانی راجے اسلام لائے۔ ان کے اسلامی نام رکھے گئے اور انہیں ملک پر بحال رہنے دیا گیا۔ ۹۔ آپ کی دعوت پر ماوراء النہر کے بھی پیش لوگ اسلام لائے۔ ۱۰۔

نظم و ضبط : حضرت عمر نے بے مثال نظم و ضبط قائم کیا۔ آپ کا دور اصلاحات کا دور ہے۔ جس فرماں روا کو ہر صیغہ حکومت اور شعبہ حیات میں اصلاحات نافذ کرنا ہوں اس کے خلاف قدم قدم پر شورش کا خطرہ رہتا ہے۔ لیکن آپ کا دور خلافت امن و سکون کا دور تھا۔ آپ نے پیش بینی سے کام لیا۔ سب سے زیادہ سختی آپ نے اموی ارکان پر کی۔ ان کی طرف سے بغاوت کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ اس کے انداد کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان سے باری باری اور درجہ بدرجہ مظالم کی تلافی کرائی۔ ۱۱۔

آپ کا دستور تھا کہ حتی الوسع نرمی اور دل جوئی سے کام لیتے تھے۔ خوارج تک آپ کے حسن عمل اور حسن سلوک سے متاثر ہو کر خاموش ہو گئے۔ لیکن جہاں آپ دیکھتے تھے کہ سختی کے بغیر چارہ نہیں تو کوڑے یا تلوار کو ہاتھ میں لینے سے نہیں ڈرتے تھے۔ کتنے ہی حکام آپ کے ہاتھ سے معزول ہوئے یا کوڑوں سے پٹے یا قید و بند میں مبتلا ہوئے۔

ولید بن عبد الملک کا ایک اجڈ سا بیٹا روح نام تھا۔ اس نے حمص کے شہر میں لوگوں کی دکانیں قبضہ میں کر لی تھیں۔ عمر بن عبدالعزیز کے پاس شکایت آئی۔ آپ نے روح کو حکم دیا کہ دکانیں واپس کرو۔ فریقین واپس ہوئے تو روح نے ایک شاکی کو دہمکی دی۔ اس نے لوٹ کر حضرت عمر کو اطلاع کی۔ آپ نے ایک افسر کو حکم دیا کہ جاؤ اور دیکھو۔ روح دکانیں واپس کر دے تو بہتر ورنہ اس کا سر کاٹ لاؤ۔ روح کو معلوم ہوا تو دکانیں واپس کر دیں۔ ۱۲۔ بنو مروان آپ کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک اموی نے آپ کو نازیبا خط لکھا۔ آپ طیش میں آگئے اور فرمایا، اللہ تعالیٰ کو بنو مروان کا فزع کرانا منظور ہے۔ یہ گلو تراشی کہیں

۱۔ ابن عبد الجلم۔ ۲۔ ابن عبد الجلم صفحہ ۱۷۰، ابو نعیم صفحہ ۲۹۰۔ ۳۔ ابو نعیم صفحہ ۳۱۲۔ ۴۔ ابن عبد الجلم صفحہ ۹۸۔ ۵۔ ابن اثیر ذکر سن ۹۵۔ ۶۔ بلاذری صفحہ ۳۲۶۔ ۷۔ ابن عبد الجلم صفحہ ۵۹۔ ۸۔ ابن عبد الجلم صفحہ ۵۹۔

حیرے ہاتھوں واقع نہ ہو۔ بنو امیہ تک یہ کلمات پہنچے تو ایسی حرکتوں سے باز آگئے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حضرت عمر جب کوئی عزم کر لیتے ہیں تو رکتے نہیں۔<sup>۱</sup>  
حضرت عمر نے اعلان کیا کہ جو شخص ہمیں کسی ظلم کی اطلاع دے گا یا ایسی بات کی جس کی رو سے خاص و عام کو فائدہ پہنچے اس کو تین سو دینار تک انعام ملے گا۔<sup>۲</sup>

وفات : آپ نے اڑھائی برس کے خلافت کے بعد بیس روز بیمار رہ کر انتقال فرمایا۔ موت غالباً سل کے مرض سے واقع ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بنو امیہ نے آپ کے ملازم کو ایک ہزار دینار رشوت دے کر کھانے میں زہر ڈلوا دیا تھا جس سے آپ وفات پا گئے۔<sup>۳</sup> لیکن یہ بیان درست نظر نہیں آتا کیونکہ زہر اپنا کام کرنے میں بالعموم اتنی مدت نہیں لیتا۔  
آپ نے زندگی کی ابھی چالیس بہاریں بھی نہیں دیکھی تھیں۔

اوصاف و اخلاق : حضرت عمر ثانی صاحب علم، ماہر فقہ اور پیکر و رع تھے۔ بڑے بڑے علماء کے سامنے شاگرد نظر آتے تھے۔<sup>۴</sup> آپ کے فتوے اسلامی فقہ میں سند ہیں۔

آپ از بس سادہ، متواضع اور مسادات پسند تھے۔ آپ کے عمدہ خلافت سنبھالنے کے بعد لوگ آپ کی تعظیم کو کھڑے ہوئے تو آپ نے منع فرمایا اور کہا میرے سامنے مت کھڑے ہو۔ صرف اللہ کے آگے کھڑا ہونا چاہیے۔<sup>۵</sup> ملازموں کو سلام کہنے میں پہل کرتے تھے۔<sup>۶</sup> ایک دفعہ ایک جنازے میں شریک ہوئے۔ لوگوں نے چٹائی بچھا دی۔ آپ نے اسے پاؤں سے ہٹا دیا اور عوام کے ساتھ فرش زمین پر بیٹھے۔<sup>۷</sup>

ایک رات رجا بن حوت کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے۔ دیے کی لو بجلائی۔ ایک طرف خادم سو رہا تھا۔ حضرت رجا نے کہا، اسے جگاتا ہوں کہ اٹھ کر بتی اکسائے۔ عمر بن عبدالعزیز خود اٹھے اور روشنی درست کر کے فرمایا، جب میں اٹھا تو عمر بن عبدالعزیز تھا اور دیا ٹھیک کر کے واپس آیا ہوں تو اب بھی عمر بن عبدالعزیز ہوں۔<sup>۸</sup>

سادگی کا یہ عالم تھا کہ مرض الموت کے ایام میں آپ کے پاس ایک ہی لباس تھا جسے پہن رکھا تھا۔<sup>۹</sup>

آپ کے بیٹے عبدالملک بہت پارسا، عوام پرور اور اصول پرست تھے۔ آپ کے دست راست تھے۔ انہوں نے جوانی میں وفات پائی۔ آپ ایک دن ان کی تعریف کر رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا، آج وہ زندہ ہوتے تو آپ انہیں جانشین کر جاتے۔ فرمایا، نہیں عین ممکن ہے وہ مجھے اس لئے اچھا نظر آتا ہو کہ وہ میرا بیٹا تھا۔<sup>۱۰</sup>

قبول عامہ : عامۃ الناس کو آپ سے بہت محبت تھی۔ ایک دفعہ حج کے ایام میں آپ کی

۱۔ ابو نعیم صفحہ ۲۸۱۔ ۲۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۳۱۔ ۳۔ ابن اثیر، ابن کثیر۔ ۴۔ سیوطی، ابو نعیم۔ ۵۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۳۷۔ ۶۔ ابن عبدالحکم صفحہ ۳۸۔ ۷۔ ابو نعیم صفحہ ۲۸۹۔ ۸۔ سیوطی، ابو نعیم۔ ۹۔ ابن سیوطی۔

محبوبت دیکھ کر آپ کے ایک معاصر نے کہا، لوگوں کی یہ محبت بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی آپ سے محبت ہے۔ ۱۔ حضرت سعید بن المسیب کو امراء کے دروازوں پر جانا منظور نہ تھا لیکن آپ کے پاس جانے میں عار نہیں کرتے تھے۔ ۲۔

خلافت راشدہ کے بعد یہ محبوبیت کسی فرماں روا کو حاصل نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ شاہ روم نے بھی آپ کی وفات کا سن کر کہا، اگر عیسیٰ علیہ السلام کے بعد مردوں کو زندہ کرنے والا کوئی شخص ہوتا تو عمر بن عبدالعزیز ہوتے۔ ۳۔

خلافت عمر کے دور رس نتائج: حضرت عمر بن عبدالعزیز نے طرز حکومت میں ایک خاموش انقلاب برپا کیا۔ یہ انقلاب نظر بہ ظاہر آپ کی وفات کے بعد باقی نہ رہ سکا کیونکہ آپ کو مددگار میسر نہ تھے۔ آپ کی مثال ایک کامل صنّاع کی تھی جس کے پاس اوزار نہ ہوں۔ تاہم آپ کی مختصر سی مدت خلافت کے نہایت گہرے اور دور رس نتائج تھے۔

عوام بنو امیہ کی چیرہ دستی سے نالاں تھے۔ انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی حکومت میں خلافت راشدہ کا رنگ دیکھا تو ہر طرف اطمینان کی لہریں موجزن ہوئیں۔ انہیں آسرا لگا کہ آبرو اور جان و مال کے احترام کے دن آگئے ہیں۔ لیکن آپ کے آنکھیں بند کرتے ہی ان کے ارمانوں کا خون ہو گیا، ایسے ایسے تاجدار بھی آئے جنہیں اخلاص و مروت سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ نتیجہ یہ کہ اولاد امیہ کے خلاف جذبات ابھرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے شورش و اضطراب کے طوفان چل نکلے اور شہریاروں کا سکون لٹ گیا۔ عباسی تحریک کی جڑیں مضبوط ہوئیں اور اموی سلطنت متزلزل ہو گئی۔

۱۔ صحیح مسلم۔ ۲۔ تہذیب التہذیب۔ ۳۔ ابو نعیم ص ۲۹۰۔

## یزید ثانی بن عبد الملک

(۱۰۱ھ تا ۱۰۵ھ) (۷۱۹ء تا ۷۲۳ء)

یزید بن عبد الملک خلیفہ ہوا تو شروع میں حضرت عمر بن عبد العزیز کی ہی سیرت اختیار کی اور کہا کہ وہ مجھ سے بڑھ کر رضائے الٰہی کے محتاج نہ تھے لیکن چالیس روز کے بعد اچانک عادت بدل گئی۔ لہٰذا اس کی دو لونڈیاں تھیں مہلبہ اور عاتقہ۔ ان کی محبت میں ایسا کھویا کہ حکومت کی کچھ خبر نہ رہی۔

آل مہلب کی ہلاکت: یزید بن عبد الملک کو یزید بن مہلب سے دیرینہ عناد تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ابن مہلب نے سلیمان کے معمر سے حجاج بن یوسف کے خاندان سے چھینا جھینٹا کا مال اگلوانے میں بہت شدت کی تھی۔ حجاج کی ایک بھتیجی یزید بن عبد الملک کی بیوی تھی۔ ابن مہلب نے اس پر اور بہتوں بعض اس کی بیوی پر سختی کی۔ یزید سفارش کے لئے ابن مہلب کے مکان پر گیا تو اس نے ان سے کہی کہ یزید نے دھمکی دی کہ میں خلیفہ ہوا تو تمہیں تلوار سے تراش ڈالوں گا۔ ابن مہلب نے جواب دیا کہ تم نے ایسا کیا تو میں تم پر ایک لاکھ تلواریں برساؤں گا۔

یزید بن مہلب کو حضرت عمر بن عبد العزیز نے غبن کی پاداش میں قید کر رکھا تھا۔ حضرت عمر مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو ابن مہلب جیل سے فرار ہو گیا۔ اسے یقین تھا کہ یزید بن عبد الملک انتقام لے گا۔

ابن مہلب ہاتھ سے نکل گیا تو یزید بن عبد الملک نے اس کے تین بھائیوں مفضل، صیب اور مروان کو جو بصرہ میں تھے جیل میں ڈلوا دیا۔ ابن مہلب بصرہ آیا۔ یہاں کے لوگوں میں وہ ہر دلعزیز تھا۔ اس نے نہایت آسانی سے بصرہ پر قبضہ کیا اور اس کے اضلاع پر حکومت قائم کر لی۔ اس نے عوام کو بنو امیہ کے خلاف جوش دلانا شروع کیا۔ ایک تقریر میں کہا کہ میں کتاب و سنت اور جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دیتا ہوں۔ شامیوں کے ساتھ جہاد کرنا ترک و ولیم کے جہاد سے افضل ہے حضرت حسن بصری موجود تھے۔ انہوں نے پکار کر کہا ہمیں تمہاری ولایت اور حکومت کا تجربہ ہے۔ تمہارے منہ سے یہ باتیں انوکھی نکلتی ہیں۔ حضرت حسن اس کے بعد بھی لوگوں کو اس سے خبردار کرتے رہے۔

خلیفہ نے ابن مہلب کے خلاف پے در پے لشکر بھیجے۔ ایک بار جب شاہی فوج مسلمہ بن

۱۔ سیرت۔ ۲۔ فخری۔ ۳۔ مسعودی۔ ۴۔ ابن اثیر، ابن کثیر۔ ۵۔ ابن اثیر۔

عبدالملک کے زیر قیادت ابن مہلب کے مقابلہ پر میدان میں آئی تو ابن مہلب کی فوج بھاگ نکلی۔ اس کے ساتھ مختصر سی جماعت رہی۔ تاہم وہ نہ گھبرایا۔ اور بہادرانہ جان دی۔ اس کا بھائی بھی اس جنگ میں کھیت رہا۔ مفضل اپنے دیگر تین بھائیوں اور اہل خاندان کو لے کر قدانہیل (سندھ) کی طرف فرار کر گیا۔ اس کے ساتھ کچھ مددگار تھے۔ ان میں سے اکثر راہ سے پلٹ آئے۔ قدانہیل کا حاکم آل مہلب کا پروردہ تھا لیکن اس نے ان کے خلاف تلوار بے نیام کر لی۔ ایک ہلکی سی جھڑپ میں مہلب کے سب بیٹے مارے گئے۔ مستورات اور دیگر ارکان کو قید کر کے خلیفہ کے پاس روانہ کر دیا۔ مہلب کے نامور خاندان کا یوں انجام ہوا۔

آل مہلب یعنی تھے۔ ان کی بربادی پر یمنی قبائل تلملا اٹھے یمانیہ اور مصر کے درمیان دبی ہوئی آگ بھڑک اٹھی۔

بغادتیں اور شورشیں: یزید بن عبدالملک کے خلاف عام میں ہر کہیں ناراضی کے آثار نظر آنے لگے۔ ایک تو آل مہلب کے ہوا خواہ اس سے متنفر تھے۔ اور دوسرے نیکوں کے بوجھ سے عوام برگشتہ ہونے لگے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں نرمی اور رواداری کا سلوک ہوتا تھا۔ اب دوبارہ حجاج کی پالیسی پر عمل ہوا تو سپین، افریقہ اور ماوراء النہر ہر کہیں بغاوت کے جھنڈے کھڑے ہو گئے۔

خوارج: خوارج نے ایک بار پھر سراٹھایا۔ لیکن اب ان میں پرانے دم خم نہ تھے۔ شکست کھا کر دب گئے۔

افریقہ: یہاں کے وائی نے نو مسلموں پر جزیہ عائد کیا۔ لوگوں نے اسے مار ڈالا اور بغاوت پھیل گئی۔

ماوراء النہر: ترکوں نے حسب عادت غداری کی اور اپنے ہاں کے مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔ اسلامی افواج نے پہنچ کر انہیں چھڑایا اور جہاں جہاں بغاوت کا دورہ تھا ختم کیا۔

خزر: آذر بایجان کے لوگوں نے جو خزر کہلاتے تھے اسلامی فوج کو شکست دی۔ ان کے ساتھ طویل معرکے چھڑ گئے۔ طرفین کا بھاری نقصان ہوا۔

رومی محاذ: یزید کے عہد میں رومی محاذ پر بدستور سرگرمی رہی۔ مجاہدین نے کچھ مزید نلاتے لئے۔

وفات: یزید نے ۱۰۵ ہجری میں چالیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ اس کی وفات کا قصہ یہ ہے کہ اس کی ایک محبوب لونڈی حبابہ نے اچانک رحلت کی۔ یزید نیم دیوانہ ہو گیا۔ اس کی میت کو دفن نہیں ہونے دیتا تھا۔ تین روز بعد جب کہ حبابہ کی میت سڑنے لگی تو مشکل سے اسے چھڑا کر دفن کیا گیا۔ یزید سل کا مریض تھا۔ اس صدمہ نے اور ستم کیا۔ پندرہ روز غم میں گھل کر جان دے دی۔

## ہشام بن عبد الملک

۱۰۵ تا ۱۲۵ ہجری

یزید ثانی کی سند اس کے بھائی ہشام نے سنبھالی۔ یزید ثانی کے عہد میں حکومت کی چولیس ڈھیلی پڑ چکی تھیں اور ہر شعبہ میں بگاڑ راہ پا چکا تھا۔ ہشام نے سب خرابیوں کی سیخ کنی کی ٹھان لی۔

**جنگی مہمات:** ہشام کے عہد میں جنگ کے محاذ سب سرحدوں پر گرم رہے۔ مثلاً ۱۔ سندھ: جنید والی سندھ نے راجہ داہر کے بیٹے جیہ سے بگاڑ پیدا کر لیا۔ جیہ مرتد ہوا اور مقابلہ کو اٹھا۔ ایک فیصد کن جنگ ہوئی۔ جیہ گرفتار ہو کر مارا گیا۔ اس کے بعد اسلامی افواج نے فتوحات کا دائرہ خوب پھیلایا۔ ازین (ابجین) اور مالہ (مالوہ) تک چھا گئیں۔ جنید کے بعد یہ علاقے ہاتھوں سے نکل گئے اور بڑی مشکلوں کے بعد واپس ملے۔ عرب سپاہ کی اقامت کے لئے دو شہر آباد کئے گئے۔ ایک کا نام محفوظ تھا جو سندھ کے مشرقی کنارے تھا۔ دوسرے کا نام منصورہ تھا۔ یہ سندھ کی غربی سمت میں تھا۔ ۲۔

۲۔ ترکستان: یہاں کا محاذ وسیع اور پرخطر تھا۔ پر پچ گھائیوں میں ہر جگہ بغاوت کے شعلے لپک رہے تھے۔ ہشامی افواج قدم قدم پر جانی اور مالی نقصان سے دو چار ہوئیں۔ مہم کا سررشتہ حاکم خراسان کے ہاتھ میں تھا۔ ہشام کو آئے دن کی ناکامیوں کے سبب پے درپے خراسان کے حاکم بدلنا پڑے۔ چار برس کے بعد (۱۰۹ھ میں) اس منصب پر اشرس سلمیٰ کی باری آئی۔ اس نے شمشیر کی جگہ تدبیر اور تبلیغ سے کام لیا۔ لوگوں کو اسلام کے دعوت نامے بھیجے۔ قبیلوں کے قبیلے اسلام میں داخل ہونے لگے لیکن جزیہ بہت گھٹ گیا تو اشرس کو فکر لگی۔ اس نے صاحب الخراج کو لکھا کہ لوگ جزیہ سے بچنے کے لئے اسلام کا نام لے رہے ہیں۔ جو آدمی فرائض کا پابند ہے اور قرآن کی کم از کم ایک سورت پڑھ سکتا ہے صرف اس سے جزیہ اٹھاؤ۔ اس اقدام پر نو مسلم بگڑ بیٹھے۔ ایک صاحب ابوالسیداء نامی تبلیغ پر مامور تھے۔ انہوں نے بھی نو مسلموں کا ساتھ دیا اور بعض دیگر قدیمی مسلمان بھی احتجاج میں شریک ہوئے۔ اشرس نے گاہے چلے اور گاہے جبر سے کام لیا۔ اس نے ابوالسیداء اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کیا اور عجم کے سرداروں کی تذلیل کی۔ لوگ اور بھڑکے بغاوت کی آگ تیز تر ہوئی کئی لوگ مرتد ہو گئے۔ ترکی قبائل ان کی مدد کو آئے۔ سخت و تند معرکے ہوئے۔ دو سال بعد ۱۱۱ھ میں ہشام نے اشرس کو الگ کر کے جنید کو مامور کیا۔ اس عرصہ میں ترکستان کا خاقان بھی مسلمانوں کے خلاف میدان میں آپکا تھا۔ جنید پانچ برس تک اس کے ساتھ الجھا رہا۔ جنگ کے پلڑے تقریباً برابر رہے۔ کبھی مسلمان زک اٹھاتے

۱۔ ہشام میں شین بنغیر تشدید کے ہے۔ ۲۔ بلاذری۔



اور کبھی خاقان کا لشکر ہار کھا جاتا۔ ۱۱۶ ہجری میں ہشام نے جنید کی جگہ عاصم ہدالی کو دی۔ اب ایک مسلمان سردار حرث (یا حارث) نے سرتابی اختیار کی۔ عاصم نے ہشام کو لکھا کہ یہ تلامذہ اس وقت تک نہیں تھے گا جب تک خراسان کو عراق کے صوبہ میں نہ ملایا جائے۔ ہشام نے یہ تجویز منظور کی اور متحدہ صوبہ پر عبداللہ بن خالد قسری کا تقرر کیا۔ عاصم کو امید تھی کہ یہ عہدہ اسے ملے گا۔ اب جب پانسہ اس کے خلاف پڑا تو اسے خود مختاری کی سوجھی۔ اس نے حرث سے اتحاد کرنا چاہا لیکن شامی فوج نے انکار کر دیا۔ عاصم نے دوبارہ حرث سے جنگ چھیڑی اور اسے فیصلہ کن شکست دی۔ لیکن حکومت کی نگاہ میں اپنا گناہ نہ دھوسکا۔ اس کے جانشین اسد نے آتے ہی اسے گرفتار کر لیا۔

اسد نے حرث کا زور بالکل توڑ دیا۔ وہ خاقان کے سایہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ خاقان کو اس کے ایک برگشتہ امیر کو رصول نے قتل کر دیا۔ اور رصول نے اہل اسلام سے جنگوں کا سلسلہ جاری رکھا۔

دو سال بعد ۱۲۰ ہجری میں اسد نے وفات پائی۔ اس کی جگہ نصر بن سیار نے لی۔ اس نے نظام کار کی اصلاح کی۔ مظالم کا انسداد کیا۔ صیغہ خراج کو درست کیا اور نو مسلموں سے جزیہ ہٹایا۔ ۱

کو رصول گرفتار ہوا کر انجام کو پہنچا۔ ترکستانیوں کے حوصلے ٹوٹ گئے اور جگہ جگہ سے صلح کی پیشکش ہونے لگی۔ سفد کے ساتھ نصر کی جو شرائط ملے ہوئیں وہ یہ تھیں کہ کوئی نو مسلم مرتد ہو جائے تو اس پر گرفت نہیں ہوگی۔ کسی کو تبدیل مذہب پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ قبائل کے پاس جو مسلمان قیدی ہیں ان کا قرضہ قاضی کے سامنے پیش ہو گا۔ اور وہ گواہیاں سن کر فیصلہ کرے گا۔ ۲

۳۔ آرمینیہ اور آذربائیجان : ان علاقوں کے باشندوں نے آرمینیہ کے والی کو ہذاک کر دیا اور موصل تک بڑھ آئے بڑی مشکل سے انہیں روکا گیا۔ مروان بن محمد نے ۱۱۳ ہجری میں بیس ہزار فوج کے ساتھ ان پر حملہ کیا۔ وہ بہت ثابت قدم اور قابل سپہ سالار تھا۔ ترک اس سے دب گئے۔ بحر خزر کے کنارے جس قدر علاقے تھے اس کے مطیع ہو گئے۔ ۳

۴۔ رومی محاز : اس محاز پر ہشام کا بھائی، اس کا عم زاد مروان بن محمد اور دیگر امراء معرکہ آرا رہے۔ انہوں نے ایشیائے کوچک کے کئی شہر فتح کئے اور نصف سے زائد حصے پر چھا گئے۔ بحری بیڑہ ان کی مدد پر مصروف کار رہا۔

۵۔ بربر : طنجہ کا والی نہایت بدسیرت تھا۔ اس نے بربری مسلمانوں پر ظم لگایا۔ مسلم و غمہ مسلم سب باغی ہو گئے۔ ان کا سرغنہ ایک خارجی سردار تھا۔ باغیوں نے طنجہ پر قبضہ کر لیا۔ چند

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ آج کل یہاں ترکی کا ملک ہے۔

روز بعد انہوں نے خارجی سردار کو مار دیا لیکن بدستور باغی رہے عربوں نے ان معرکوں میں بہت جانی قربانی دی۔ ایک معرکہ میں تو انہوں نے ناقابل فراموش ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ ان کے سردار چٹانوں کی طرح جم گئے۔ کٹ کٹ کر گرے۔ لیکن پیچھے نہ ہٹے۔ اس جنگ کا نام جنگ اشرف پڑا۔ ہشام نے ۱۲۳ ہجری میں ایک جرار لشکر بھیجا۔ بربر نے اسے ہزیمت دی۔ لیکن شاہی افواج بدستور سرگرم رہیں۔ باغیوں نے ۱۲۳ ہجری میں قیروان پر حملہ کر دیا۔ اب زندگی اور موت کا سوال تھا۔ علمائے شہر نے جماد کی منادی کی۔ سورتوں نے میدان میں نکل کر ہوش دلایا۔ شاہی فوج بے جگری سے دشمن پر ٹوٹی۔ بربر تقریباً دو لاکھ لاشیں چھوڑ کر بھاگے۔ ان کا سردار حنظلہ مارا گیا۔ یہ دو ٹوک فتح تھی۔ اس کے بعد بربر کے حوصلے ماند پڑ گئے۔ لیکن اس جنگ و فساد کی چنگاریاں اڑ کر اندلس پہنچیں اور وہاں کے خرمین امن کو جلا دیا۔ اندلس میں بربر اہل شام اور فہریوں کی گروہ بندی ہو گئی۔ انہوں نے ایک دوسرے پر تگواریں سونت لیں۔

۶۔ فرانس : ہشام کے عہد میں مجاہدین نے جنوبی فرانس میں دور تک قدم بڑھائے۔ یورپ کے فرماں رواؤں نے اس پیش قدمی کو روکنے کے لیے اتحاد کیا۔ ۱۱۳ ہجری میں ٹورز (Tours) کے مقام پر لشکر آنے سامنے ہوئے۔ چھ روز معمولی جھڑپیں ہوئیں ساتویں روز فیصلہ کن جنگ چھری۔ امیر عبدالرحمان جو اندلس کے والی تھے، سوزنم کھا کر شہید ہوئے۔ اسلامی افواج پسپا ہو گئیں۔ اس جنگ کے بعد اسلامی عساکر کے قدم دوبارہ فرانس کی طرف نہ بڑھے۔ اس لئے اسے یورپ کی تاریخ میں بے اندازہ اہمیت حاصل ہے۔ یورپی افواج کا قائد فرانس کا نواب اعظم چارلس تھا۔ اسے مارٹل (Martell) میں تیسویں دن کا خطاب ملا۔ یورپ والے چارلس بہت نخرارتے ہیں۔

۷۔ متفرق فتوحات : سنیہ (۱۰۹ھ) سوس (۱۱۶ھ) سوزان (۱۱۶ھ) اور سزانہ (۱۲۲ھ) پر فاتحانہ یلغاریں ہوئیں۔

حضرت زید بن علی کی شہادت : حضرت زید حضرت امام زین العابدین کے فرزند تھے اور ان کی طرح خواص و عوام کا مرجع تھے۔ ہشام کو یہ مقبولیت کھٹکتی تھی۔

ان کی طرح خواص و عوام کا مرجع تھے۔ ہشام کو یہ مقبولیت کھٹکتی تھی۔ خالد حاکم مدینہ نے حضرت زید کے ساتھ گستاخانہ سلوک کیا۔ حضرت زید شکایت لے کر ہشام کے پاس گئے۔ وہ حقارت سے پیش آیا اور آپ کو طعنہ دیا کہ کینر زادے ہو کر خلافت کی تمنا کرتے ہو۔ آپ نے جواب دیا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک لونڈی کے فرزند تھے اور ان کا بھائی آزاد عورت کے بطن سے تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ترجیح دی اور ان کی اولاد میں سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ اے ہشام! جس کا نانا سرور دو

۱۔ ابن اثیر ذکر ۱۱ ہجری وغیرہ۔ ۲۔ ابن اثیر، لین پول۔ ۳۔ ابن اثیر۔

عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہو اور واداعلیٰ ہو اس کے لئے لونڈی کے بطن سے پیدا ہونا کوئی مضائقہ نہیں۔ ہشام نے آپ کو اپنے پاس سے اٹھوایا۔ آپ کوفہ چلے گئے۔

قیام دمشق کے دوران میں ایک دفعہ جب آپ ہشام کے پاس سے اٹھ کر آئے تو آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ جو آدمی دنیا سے محبت رکھتا ہے وہ ضرور ذلت اٹھاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ دمشق سے اموی استبداد سے چھٹکارا پانے کا تہیہ کر کے روانہ ہوئے۔ آپ کوفہ تشریف لائے تو آپ کی نیک نفسی اور شیریں کلامی نے بہت جلد اہل عراق کو مسحور کر لیا۔ لوگ ہجوم ہجوم آپ کے حلقہ ارادت میں خفیہ طور سے داخل ہو گئے۔ یوسف بن عمرو والی عراق نے آپ کو شہر سے نکال دیا۔ حضرت زید شہر سے نکل کر کچھ دور آئے تو چالیس ہزار شمشیر بردار آپ کے پاس حاضر ہوئے اور حمایت کا یقین دلا کر بنو امیہ کے خلاف تگوار اٹھانے پر اصرار کیا۔ آپ نے فرمایا، اے کوفہ والو! میں ڈرتا ہوں کہ تم مجھے اکیسے چھوڑ دو گے اور دشمن کے حوالے کر دو گے۔ اہل کوفہ نے قسمیں کھائیں اور آپ کو واپس لائے۔

والی کوفہ کو معلوم ہوا تو حضرت زید کی تلاش میں آدمی مقرر کئے۔ حضرت زید نے برسر میدان آنے کا ارادہ کیا۔ اتنے میں آپ کی جماعت والے آپ کے پاس حاضر ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا، اللہ ان پر رحم کرے اور مغفرت نصیب کرے۔ میں نے اپنے گھر والوں سے ان کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سنا۔ کوفہ والے فوراً بدل گئے اور آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ آپ نے انہیں رافضہ (چھوڑ دینے والے) کا نام دیا۔

حضرت زید کے ساتھ مٹھی بھر جان نثار رہ گئے۔ آپ نے ہمت نہ ہاری۔ جنگ کے دوران میں ایک تیر آپ کے سر مبارک پر لگا اور دماغ میں پیوست ہو گیا۔ آپ جانبر نہ ہو سکے۔ آپ کے حامیوں نے اس خوف سے کہ دشمن آپ کی بے حرمتی نہ کرے آپ کو دفن کر کے اوپر پانی بہا دیا لیکن سرکاری کارندوں نے کھوج نکال لیا۔ انہوں نے یوسف بن عمرو کے حکم سے آپ کا سر کاٹ کر دمشق بھجوایا اور بدن سولی پر لٹکایا۔ ولید کے عہد میں یوسف نے آپ کی نعش کو جلوا دیا اور خاکستر فرات میں بکھروا دی۔

حضرت زید کی شہادت کا واقعہ محرم ۱۳۱ ہجری کا ہے۔

حضرت زید کے نام سے شیعہ اصحاب میں ایک نیا فرقہ اٹھا جسے زیدیہ کہتے ہیں۔

وفات: ہشام نے ۱۳۵ ہجری میں وفات پائی۔

اوصاف و اخلاق: ہشام کی ایک آنکھ میں عیب تھا۔ اگرچہ اس میں طبیعت کی کچھ خامیاں بھی تھیں۔ تاہم وہ بنو امیہ کے بہترین خلفاء میں شمار ہوتا ہے۔ وہ نہایت حلیم اور سادہ مزاج تھا۔

اسراف کو ناپسند کرتا تھا۔

ہشام دیندار اور مذہب پرست تھا۔ ایک دفعہ اس کا ایک بیٹا جمعہ کی نماز کو نہ آیا۔ ہشام نے سبب پوچھا تو جواب دیا 'سواری نہ تھی۔ ہشام نے کہا، کیا چل نہیں سکتے تھے؟ ہشام نے اسے یہ سزا دی کہ ایک برس تک اس کی سواری موقوف کر دی۔ ۱

ہشام نغمہ و رنگ کے خلاف تھا۔ ایک بڑھے کو مطربائیں، شراب اور بربط رکھنے کے جرم میں اس کے پاس پیش کیا گیا۔ ہشام نے کہا کہ ظنہورہ اس کے سر پر مار کر توڑ دو بڑھا رونے لگا۔ لوگوں نے کہا، صبر سے کام لو۔ اس نے جواب دیا کہ میں مار کے سبب سے نہیں روتا بلکہ اس لئے کہ بربط کو ظنہورہ کہہ کر ہشام نے اس کی تحقیر کی ہے۔ ۲

کارنامے

۱۔ دفتری انضباط : ہشام نے دفتری نظام کو بہت ترقی دی۔ اموی دور میں دفتری کاروبار کے لحاظ سے اس کا دور بہترین تھا۔ میں مالیات پر بہت دھیان دیا۔ خزانہ سے ایک پائی بھی بے سبب نہیں نکل سکتی تھی۔ غالباً اسی لئے بعض لوگوں نے ہشام کو بخیل کہا ہے۔

۲۔ شہروں کی آبادی : سندھ میں آئے دن راجپوتوں کی بغاوتیں اٹھتی رہتی تھیں۔ فوجی استحکام کے لئے منصورہ اور محوونہ دو شہر آباد کیے۔ ۳

شام میں ایک رصافہ یعنی چمنستان کو اتنی رونق دی کہ وہ اسی نام سے شہر بن گیا۔ ۴

شامی سرحد پر قطرغاش کا قلعہ تعمیر کیا۔ ۵

۳۔ مذہبی خدمات : ہشام کو دین سے بہت محبت تھی۔ اس نے اصلاح کے مسلمہ عقاید پر یلغار کرنے والوں کو سخت سزائیں دیں۔ ایک شخص غیلان بن یونس کو عقیدہ قدر کے جرم میں ہاتھ پاؤں قطع کروا کر سولی دی۔ جعد بن درہم نے خلق قرآن کے عقیدہ کا اظہار کیا تو اسے مروا ڈالا۔ ۶ ایک جادوگر نے عجیب و غریب عقاید کا فرقہ بنایا۔ عراق کے گورنر نے انہیں جلا دیا۔ ۷

ہشام بن عبدالملک کی ایک قابل قدر خدمت یہ ہے کہ اس نے سنت رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے امام زہری سے چار سو حدیثوں کا ایک مجموعہ لکھوایا۔ ۸

۴۔ شام کے گورنر خالد بن عبداللہ قسری نے نہر مبارک لہدوائی۔ ۹

۵۔ علمی خدمات : ہشام کو متفرق علوم سے بہت شوق تھا۔ اس نے ملوک عجم کی ایک مفصل اور مفید تاریخ کا ترجمہ فارسی سے عربی زبان میں کرایا۔

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ بلاذری۔ ۵۔ ابن اثیر، بلاذری، معجم البلدان۔ ۶۔ بلاذری۔ ۷۔ ابن اثیر، کثیر۔ ۸۔ ابن اثیر ۱۱۸ ہجری۔ ۹۔ تاریخ اسلام شاہ معین الدین بجوالہ تذکرہ ذہبی۔ ۱۰۔ بلاذری صفحہ ۲۹۰ مع حاشیہ۔

## ولید ثانی بن یزید بن عبد الملک (۱۲۵ھ تا ۱۲۶ھ)

ہشام کے بعد یزید ثانی کا بیٹا ولید ثانی تخت پر بیٹھا۔ یہ شخص نا اہل اور بد کردار تھا۔ ہشام نے اس کی عیش پرستی کو دیکھ کر اس کے بجائے اپنے بیٹے کو ولی عہد کرنا چاہا لیکن موت نے چلنے نہ دی۔

ولید کے مظالم : ہشام کی وفات کے بعد ولید نے اس کی سب املاک ضبط کر لیں یہاں تک کہ ہشام کو کفن بھی اس کے ایک آزاد کردہ غلام نے دیا۔ ہشام کی اولاد اور ان مشیروں پر جنہوں نے ولید کو ولی عہدی سے ہٹوانا چاہا تھا اس نے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ اس کے بیٹے سلیمان پر کوڑے برسائے۔ اس کی داڑھی منڈوائی اور زندان میں ڈال دیا۔ ہشام کے ماموں کے دو بیٹوں کو اپنے ماموں یوسف بن محمد ثقفی والی حجاز کے حوالے کیا۔ وہ انہیں زنجیروں میں باندھ کر مدینہ لایا۔ لوگوں کے سامنے ان کی تذلیل کی اور پھر شام لوٹا دیا۔ ولید نے انہیں کوڑوں سے پٹوایا اور کوفہ کے سنگ دل حاکم یوسف کی تحویل میں دے دیا۔ اس نے انہیں عذابوں سے ہلاک کیا۔ ہشام کے متعلقین پر اس قدر ستم کیے کہ ایک دفعہ اس کی قبر پر ایک خادم آیا اور رو کر کہا، کاش تم دیکھتے کہ ولید ہمارے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہے۔ ۱۲

یحییٰ بن زید کی شہادت : حضرت زید کی شہادت کے بعد ان کے فرزند حضرت یحییٰ خراسان چلے گئے تھے۔ یوسف والی عراق کی فرمائش پر نصریہ نے انہیں گرفتار کر لیا ولید کا حکم آیا کہ انہیں آزاد کر کے میرے پاس بھیج دو۔ راستہ میں حضرت یحییٰ نے جان کے خوف سے تاخیر کر دی۔ نصر بن سيار کو عذر کا شبہ ہوا اور آپ کے خلاف دس ہزار کا لشکر پہنچا آپ کی معیت میں کل ستر آدمی تھے۔ تاہم آپ نے سرکاری لشکر کو شکست دی۔ اب دوسرا لشکر آیا۔ حضرت یحییٰ اس کے ہاتھوں شہید ہوئے اور آپ کے سب ساتھی کام آئے۔ آپ کے بدن کو سولی پر لٹکا دیا گیا اور مسلم مزاحمت نے طاقت پکڑی تو اسے اتار کر دفن کیا۔ ۱۳ اس سال خراسان میں جو بچہ بھی پیدا ہوا اس کا نام زید رکھا گیا یا یحییٰ۔ ۱۴

خانہ جنگی : ولید نے ہشام کی اولاد اور اس کے متوسلین پر ظلم کر کے خاندان میں پھوٹ پیدا کر دی۔ ولید اول کا بیٹا یزید انتقام کو اٹھا۔ اس نے خفیہ گروہ بندی شروع کی۔ یعنی قبائل اس کی مدد پر کمر بستہ ہو گئے۔

یمن کے قبائل اس سے قبل اموی بادشاہوں کے وفادار تھے اور ان کی حکومت کے ستون شمار ہوتے تھے۔ لیکن ولید نے بد اندیشی سے انہیں ناراض کر دیا۔ عرب قبائل کی دو بڑی قسمیں تھیں : نزار یا مضر جن کے اجداد شمالی عرب میں اور دوسرے

۱۔ ابن اثیر، ابن کثیر، ۲۔ ابن اثیر، ۳۔ ابن اثیر، مسعودی، ۴۔ مسعودی۔

یعنی جن کے اجداد جنوبی عرب میں مقیم تھے۔ ان دو فریقوں میں شروع سے چشمک تھی۔ ولید نے اسے خون کا رنگ دیا۔ اس نے خالد بن عبداللہ قسری کو جو یمانیہ کا سردار تھا یوسف والی کوفہ کے حوالے کر دیا جس نے اسے نہایت ہی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا۔ اس بارے میں ایک لفظ کی اشاعت ہوئی جس میں یمانیہ پر طنز تھی۔ اس لفظ کو ولید سے منسوب کیا گیا۔ یمانیہ اور مشتعل ہوئے۔ انہوں نے ولید کی ہجو میں شعر کہے۔ اور اس کے درپے ہو گئے۔

**ولید کا قتل :** یزید کی طاقت بڑھی تو اچانک دمشق پر قبضہ کر لیا۔ ولید ان دنوں باہر تھا۔ یزید نے اس کے خلاف فوج بھیجی۔ ایک معمولی معرکہ ہوا ولید نے شکست کھائی اور محل میں گھس گیا۔ یہاں اسے قتل کر دیا گیا۔

ولید کی مدت خلافت ایک سال دو ماہ ہے۔  
ولید لہو و لذت اور شراب و شعر کا دلدارہ تھا۔

## یزید ثالث بن ولید بن عبد الملک

(۶۷۳۳) ۱۲۶ھ

انقلاب حکومت کے نتائج : یزید ثالث نے ولید ثانی کا صفایا آسانی سے کیا تھا۔ لیکن اب اس کے لئے بھی چین کا سانس لینا مشکل ہو گیا۔ یزید کی اس حرکت کے ایسے دور رس نتائج نکلے جو نہ صرف یزید بلکہ کل بنو امیہ کے لئے نہایت زہر ناک ثابت ہوئے۔ ان نتائج کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے۔

- ۱- ولید ثانی کمپرسی کی حالت میں فوجیوں کے ہاتھوں ذبح ہوا تھا۔ اس سے اموی ملوکیت کے وقار کو زبردست ٹھیس پہنچی۔ عوام میں بنو امیہ کی پہلی سی دہشت نہ رہی۔
- ۲- خلیفہ کے نام کو کم از کم سادہ لوح عوام میں ایک گونہ تقدس حاصل تھا۔ ولید ثانی ہزار ہا سنی لیکن جب اس کے قتل کی خبر آئی تو حمص کے شہر میں تالہ دبا کا شور ہو گیا۔
- ۳- کئی اموی شہزادے ولید کا انتقام لینے کو یزید ثالث کے خلاف اٹھے۔ شاہی خاندان میں پہلے ایک حد تک نظم و ضبط تھا لیکن اب اس کا شیرازہ منتشر ہونے لگا۔ خانہ جنگی کا دروازہ کھل گیا۔
- ۴- ولید کی ماں مضری قبیلہ قیس سے تھی۔ اس لئے مضر کو صدمہ ہوا۔
- ۵- یزید ثالث نے یمانیہ کے بل پر خلافت پائی تھی۔ ان کا زور ہوا اور مضر کی شامت آگئی۔ عراق کے والی یوسف کو یزید نے معزول کیا۔ وہ خلیفہ کے پاس گرفتار ہو کر حاضر ہوا۔ خلیفہ نے سردربار اس کی تذلیل کی۔ اس کو گھنی اور لمبی داڑھی سے پکڑ کر جھٹکا اور زندان نشین کر دیا۔ مضر جہاں جہاں تھے طیش میں آگئے۔
- ۶- یزید معتزلی تھا۔ معتزلہ کے عقائد اسلامی دنیا کے لئے بالکل نرالے تھے۔ یزید کا غلبہ گویا مسلک اعتزال کا غلبہ تھا۔ صحیح العقیدہ مسلمانوں نے ضروری جانا کہ یزید کا تخت الٹ دیا جائے۔
- ۷- یزید ثانی نے لوگوں کے وظائف بڑھا دیے تھے۔ یزید نے گھٹا کر ہشامی دور کے سے کر دیے۔ لوگوں نے اسے ناقص (گھٹانے والا) کہنا شروع کیا۔ اس تخفیف سے عام ناراضی پیدا ہوئی۔ اس کی سیاسی قوت کو بہت ضعف پہنچا۔
- ۸- جگہ جگہ بغاوت کے شعلے بھڑکے۔ حمص، فلسطین اور اردن کے اضلاع میں خلیفہ کے خلاف لام بندی ہوئی۔ اموی شہزادوں نے ان جگہوں میں باغیوں کی رہنمائی کی لیکن شاہی افواج ہی غالب آگئیں۔

۹ - عراق، خراسان اور یمامہ میں بھی اضطراب پیدا ہوا۔ خراسان میں نصر بن سيار کی حکومت تھی۔ وہ مضری تھا۔ اس کی روش درست نہ تھی۔ تاہم یزید نے اسے بحال رہنے دیا۔ مضری کا اپنے حریف جدیع بن علی کرمانی کے ساتھ مخالفت کا دور چلا جو آگے چل کر بنو امیہ کے حق میں تباہی خیز ثابت ہوا۔

مروان بن محمد اموی ارمینہ کا حاکم تھا۔ اس نے جزیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اور ولید کے انتقام کی خاطر یزید کے خلاف فوج لے کر چلا لیکن ابھی راستہ ہی میں تھا کہ صوبوں کی ولایت کے عوض یزید کی بیعت کر لی۔

وفات : یزید ثالث نے چھ ماہ کی پر آشوب حکومت کے بعد ۱۳۶ ہجری میں وفات پائی۔



## ابراہیم بن ولید بن عبد الملک

(۱۳۶ھ تا ۱۴۷ھ) (۶۷۳ء تا ۶۸۵ء)

یزید ثالث کی وفات کے بعد اس کا بھائی ابراہیم خلیفہ ہوا جسے یزید نے خود جانشین نامزد کیا تھا۔

مروان کی چڑھائی : ابراہیم کی خلافت پر دمشق ہی میں اتفاق رائے نہ تھا۔ مروان اسی ہزار سپاہ کے ساتھ دمشق پر بڑھا۔ قسریں اور عس پر آسانی سے قبضہ جما لیا۔ ابراہیم نے ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر سلیمان بن ہشام کے زیر کمان روانہ کیا۔ عین الجمر کے مقام پر لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ مروان نے کہا اگر ولید کے بیٹوں حکم اور عثمان کو رہا کر دیا جائے تو مجھے اور کسی چیز سے سروکار نہیں۔ لیکن اس کی تجویز رد ہوئی اور زور کی جنگ چھڑی۔ سلیمان بن ہشام شکست کھا کر بھاگا۔

ابراہیم کے طرفداروں نے سوچا کہ مروان بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اگر وہ کامیاب ہوا اور ولید کے بیٹے آزاد ہو کر صاحب اختیار ہو گئے تو ہماری خیر نہیں۔ انہوں نے ان دونوں کو قتل کر دیا۔ مروان نے دمشق میں قدم رکھا تو ابراہیم روپوش ہو گیا۔ ابراہیم کی مدت خلافت کل چار ماہ ہے۔ مروان کی بیعت : مروان نے دمشق پر قبضہ کر لیا لیکن حکم اور عثمان کی فقط لاشیں ہی دیکھ سکا۔ ان کے ساتھ ایک سردار قید تھا۔ اس نے مروان کو بتایا کہ مرنے سے پہلے وہ تمہیں اپنا جانشین نامزد کر گئے ہیں۔ دمشق میں مروان کی بیعت ہو گئی۔

بعد میں سلیمان بن ہشام اور ابراہیم مروان سے عفو کے طلبگار ہوئے۔ اس نے معاف کر

دیا۔

## مروان ثانی بن محمد بن مروان

(۱۲۷ھ تا ۱۳۲ھ) (۶۷۵ء تا ۶۷۹ء)

مروان ایک جہاں دیدہ اور آزمودہ کار جرنیل تھا میدان جنگ میں اس ثابت قدمی اور تحمل کا مظاہرہ کرتا تھا کہ اس کا لقب حمار (گدھا) پڑ گیا کیونکہ گدھے میں برداشت کا ملکہ بہت ہوتا ہے اس کے تحمل کی ایک نمایاں مثال یہ ہے کہ اموی وتیرہ کے برعکس اس نے اپنے شکست خوردہ حریف ابراہیم کو معاف کر دیا۔

**شور شیش:** مروان کے عہد تک اموی تاج و تخت یعنی اور تراری قبائل کی خوں بار رقابت کا سرچشمہ بن چکا تھا۔ مروان الحمار نے نزاریہ کی مدد سے تاج حاصل کیا تھا لہذا یعنی قبائل مخالف ہو گئے۔ ان کے اثر سے شام میں جگہ جگہ بغاوت کی آگ بھڑکی ہشام کے بیٹے سلیمان نے باغیوں کی کئی جگہوں میں قیادت کی لیکن مروان نے سب کے چھکے چھڑا دیے۔

حضرت عبداللہ بن معاویہ کی شہادت: کوفہ کے والی عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز بہت نرم مزاج تھے۔ وہ حیرہ گئے تو عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر نے زیدی شیعہ اور دیگر کوفیوں کی مدد سے کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور والی سے جنگ کرنے کے لئے حیرہ کی طرف نکلے۔ چند جھڑپیں ہوئیں۔ آپ کے بعض سرداروں نے عین موقع پر ساتھ چھوڑ دیا اور آپ کو شکست ہوئی۔ کوفہ آئے۔ یہاں کئی روز جنگ کی۔ آپ کی طاقت روز بروز ٹھنسی جاتی تھی۔ امان حاصل کر کے مدائن چلے گئے۔ وہاں سے شمالی ایران کے بعض علاقوں پر قابض ہوئے۔ تقریباً دو برس حکومت کی۔ اس دوران میں فارس پر بھی قبضہ کیا۔ آخر مروانی فوجوں سے بھاگے اور اس امید پر کہ ابو مسلم کی حمایت ملے گی۔ خراسان گئے۔ وہاں عباسی داعی محض اس لئے مخالف ہو گئے کہ آپ کے باپ کا نام معاویہ کیوں ہے۔ ابو مسلم خراسانی کو آپ کی آمد کی خبر ملی تو ہرات کے مقام پر چپکے سے مروا دیا۔

یہیں آپ کا مزار ہے۔

**خوارج:** خوارج نے دیکھا کہ مروان شام کی بغاوتوں میں مصروف ہے اور عراق میں بد نظمی ہے تو انہیں جرات ہوئی۔ ان کے سردار ضحاک نے کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ عراق کے والی عبداللہ بن عبدالعزیز کو مروان نے سبک دوش کر دیا تھا۔ اس نے نامزد والی کو چارج دینے سے انکار کیا اور اس سے جنگ چھیڑ دی۔ ضحاک کا مقابلہ بھی ضروری تھا۔ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز نے ایک مدت تک تو اس کا مقابلہ کیا، لیکن پھر اس خیال سے ضحاک کی بیعت کر لی۔ کہ یہ مروان سے لڑ کر فیصلہ کر لے تو پھر دیکھا جائے گا سلیمان بن ہشام مروان کا حریف تھا۔ وہ بھی ضحاک کی صفوں

س شامل ہو گیا۔ ضحاک کی طاقت بہت بڑھی۔ اور اس نے شام کی طرف پیش قدمی کی۔ راہ میں مروان سے ٹکر ہوئی۔ ضحاک مارا گیا۔ تاہم خوارج ڈٹے رہے۔ ایک بار انہوں نے مروان کو بھگا بھی دیا لیکن بالآخر میدان مروان کے ہاتھ رہا۔ اس کے بعد موصل کے قریب تقریباً چھ ماہ تک مروان اور خوارج کے درمیان معرکے ہوتے رہے۔ آخر کار خوارج پسپا ہو گئے لیکن عراق پر اب بھی ان کا قبضہ تھا۔ مروان نے یزید بن عمر بن ہیرہ کو ان کی سرکوبی پر مامور کیا۔ اس نے انہیں عراق سے نکالا۔ سلیمان بن ہشام بھاگ کر سندھ پہنچا۔ ۱۔

ادھر ایک خارجی سردار ابو حمزہ نے مکہ پر قبضہ کر لیا اور یہاں سے مدینہ کا رخ کیا۔ مدینہ سے کچھ ادھر جنگ ہوئی۔ اہل مدینہ کی ایک کثیر تعداد کام آئی۔ کوئی گھرماتم سے خالی نہ تھا۔ ابو حمزہ نے اب شام کا قصد کیا۔ راستے میں مروانی فوج سے سامنا ہوا۔ ابو حمزہ نے منہ کی کھائی اور پلٹا۔ شاہی فوج نے تعاقب کر کے مار دیا۔ ۲۔

عباسی تحریک : عباسی تحریک جو ایک مدت سے مستور چلی آتی تھی۔ مروانی عہد میں منصفہ ظہور پر آئی۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے اموی حکومت کا چراغ گل کر دیا۔

اموی استبداد نے پرزور مخالفتوں اور شورش انگیز بغاوتوں کے باوجود شمشیر کی قوت، خاندانی عصیت، سیاست کی پرکاری اور ماحول کی یادری کے بل پر اپنے بازار کی رونق قریب قریب ایک صدی تک قائم رکھی۔ ان کی عظمت و شوکت کے مینار کو مسمار کرنا آسان نہ تھا۔ یہ کام اگر کسی کے بس کا ہو سکتا تھا تو وہ پاک نہاد اور پاک ضمیر خانوادہ رسول تھا۔ بنو امیہ کو ان سے ہر دم اندیشہ رہا۔ اس لئے انہوں نے سادات کے آئمہ کو ہمیشہ کڑی نگاہوں کے پیرے میں رکھا۔ جہاں کسی سید زادے سے بدگمانی ہوئی اسے کسی نہ کسی حیلہ و حربہ سے اپنی راہ سے صاف ہٹا دیا۔ تاہم سادات کا اثر و رسوخ روز بروز بڑھتا رہا اور بنو امیہ انحطاط کے سایے میں آتے گئے۔

اہل اسلام کے ایک گروہ کا نظریہ تھا کہ خلافت اہل بیت کا حق ہے۔ سادات کے بعض عمائد کے طرف سے وقتاً فوقتاً خلافت کے لئے جدوجہد بھی ہوئی۔ مثلاً جناب زید نے ہشام کے خلاف اور حضرت یحییٰ نے ولید کے خلاف علم بلند کیا۔

اہل بیت کے حق میں جو تحریک رواں تھی اس کی راہ میں ایک ایسا موڑ آیا جس نے اچانک بجائے اہل بیت کے بنو عباس کو مسند خلافت پر جلوہ آرا کر دیا۔ اس کی روداد یہ ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہ کے بعد ان کے بیٹے ابو ہاشم عبداللہ ان کے جانشین ہوئے۔ اور پوشیدہ طور سے حصول خلافت کے لئے سرگرم رہے۔ انہوں نے ۹۹ ہجری میں شام کے ایک شہر حمیمہ کے مقام پر رحلت کی اور اپنا منصب حضرت عبداللہ بن عباس کے پوتے محمد بن علی کو سونپ گئے۔

محمد بن علی نے تحریک کو منظم کیا۔ آپ کی تنظیم عباسی تحریک کا سنگ بنیاد ہے۔ بنو امیہ کے

خلاف یہ پہلی تحریک تھی جو پوشیدہ ہونے کے ساتھ کلاماً مربوط اور منظم بھی تھی۔ محمد بن علی نہایت ذہین خوش تدبیر اور صاحب الرائے تھے۔ انہوں نے بھانپ لیا کہ کامل تیاری سے پہلے حکومت کے مقابل ہونا پر خطر اقدام ہو گا۔ اس لئے آپ نے تحریک کو رازداری سے برہمایا۔

محمد بن علی کی تحریک حضرت عباسؓ کے نام نامی سے عباسی تحریک کہلاتی ہے حضرت عباسؓ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ وہ حضورؐ کے بعد کافی عرصہ زندہ رہے لیکن خلافت کی طلب کبھی نہیں کی۔ ان کے بیٹے عبداللہ بن عباسؓ ایک مقتدر صحابی اور بلند پایہ عالم تھے۔ وہ حضرت علیؓ کے حامی تھے۔ بعد میں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے حامی اور ہوا خواہ رہے۔ انہوں نے اپنے لئے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔

محمد بن علی تحریک عباسیہ کے بانی تھے۔ انہوں نے ۱۰۰ ہجری میں جب کہ عمر بن عبدالعزیز خلیفہ اسلام تھے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ آپ نے بارہ نقیب مقرر کیے۔ اور ان کے تحت داعیوں کا عملہ ساری مملکت اسلامیہ بالخصوص عراق اور خراسان میں پھیلا دیا۔

آپ کی سیاسی تگ و دو کی بولان گاہ زیادہ تر عجم کا علاقہ تھا۔ اہل عجم کے دل حقیقی طور سے بنو امیہ کے ساتھ کبھی وابستہ نہ ہوئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اموی سومت میں یا عربوں کا ہاتھ تھا یا شامیوں کا دخل و اثر۔ اہل عجم کی حیثیت ان کے مقابلے میں زیر دستوں کی تھی۔ عبدالملک نے عربی کو دفتری زبان بنا کر عجم کا دفتری کاروبار میں جو تھوڑا سا حصہ تھا وہ بھی چھین لیا۔ عجم والوں کی تحقیر کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ بعض دفعہ ان کے نو مسلموں سے جزیہ لیا گیا۔ نتیجہ یہ کہ عجمی حدود میں آئے دن بغاوتوں کا غلغلہ اٹھتا رہتا تھا۔ اسلام سے قبل اہل عجم نے وطنی حکومت کی یادگار عالم بہار دیکھی تھی کسروی دور میں ان کی عظمت کے چرچے ساری دنیا میں پھیلے ہوئے تھے۔ اسلام آیا اور خلافت راشدہ میں عجم مفتوح ہوا تو ان کے ساتھ برابر کا سلوک ہوا لیکن اموی عہد میں ان کی قدر ٹھنسی گئی۔ اس لئے ان کا بنو امیہ سے متنفر ہونا طبعی تھا۔ وہ ایسے مرد خدا کے لئے چشم براہ تھے جو ان کو مساوات کی سطح پر لے آئے۔ محمد بن علی کی تحریک میں انہیں امید کی جھلک نظر آئی اس لئے فوراً اس سے وابستہ ہو گئے۔

حالات قدم قدم پر محمد بن علی کا ہاتھ بٹا رہے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد اموی حکومت کے پائے ڈگمگائے۔ ولید اور یزید کا ناکام دور گزرا تو ہشام نے حکومت سنبھالی۔ وہ باہمت اور اولوالعزم بادشاہ تھا لیکن اس کی حکومت کے کامل بیس برس داخلی شورشوں میں کھپ گئے۔ اس کی توجہ یا تو باغی سرداروں اور خوارج پر مبذول رہی یا ترکستان کے مسلسل اور تشویشناک حوادث میں کھوئی رہی۔ محمد بن علی برق رفتاری کے ساتھ کامیابی کی منزلیں مارتے گئے اور ہشام کو کوئی خاص خبر نہ ہوئی۔

محمد بن علی کے انتھک اور جاں فروش داعی راہ گیروں اور سوداگروں کے بھیس میں شہر شہر اور گلی گلی پھرتے تھے۔ نہایت ہنرمندی سے ارباب حکومت کے داغ چمکاتے، عوام کے دلوں میں نیم بیدار عداوتوں کو جگاتے اور اہل بیت کی عقیدت کو مستحکم کرتے تھے۔ یہ پوشیدہ سلسلہ سرعت سے بڑھا اور دور دور تک پھیل گیا۔ ۱۔

محمد بن علی نے ۱۲۳ ہجری میں بعد ہشام انتقال کیا اور ان کے بیٹے ابراہیم جانشین ہوئے۔ ۲۔ اس اثناء میں کچھ ایسے دل خراش سانحے رونما ہوئے جنہوں نے بنو امیہ کی رہی سہی ساکھ بھی ڈبو دی۔ حضرت زید بن علی نے ہشام کے مقابلے میں اٹھ کر شہادت پائی تو ان کی نعش کو سولی پر لٹکا دیا گیا اور بعد میں جلا دیا گیا۔ ان کے بعد ولید ثانی کے عہد میں حضرت یحییٰ بن زید کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ خراسان میں گھر گھر صف ماتم بچھ گئی۔ حضرت یحییٰ کی شہادت کے سال پیدا ہونے والے ہرنچے کا نام حضرت زید یا حضرت یحییٰ کے نام پر رکھا گیا۔ ۳۔ ان علوی دعویداروں کو تو اپنی قربانیاں کام نہ آئیں لیکن آل عباس کو ان سے یہ فائدہ ہوا کہ ان کے حریف بنو امیہ کی فوجی طاقت کو سخت صدمے پہنچے۔

ولید ثانی کے عہد سے عرب کے مغربی اور یمنی قبائل میں خلفشار پیدا ہو گیا۔ خود اموی شہزادے بھی خانہ جنگی کے بیچ میں آئے۔ حکومت کی یہ پرآگندہ حالی عباسی تحریک کے لیے بہت سازگار تھی۔ اس کی جزیں اس قدر چھٹیں کہ بظاہر بنو امیہ کی حکمرانی تھی لیکن عجم میں اندرونی طور سے عباسی تحریک کی متوازی حکومت چل رہی تھی۔

اس عرصے میں عباسی تحریک کو ایک ایسا صاحب ہمت کاروان اور صاحب تدبیر خادم ہاتھ آیا جس نے اس تحریک کو ایک گام میں کامیابی کی منزل سے ہمکنار کر دیا۔ یہ ابو مسلم عبدالرحمن بن مسلم خراسانی تھا۔ ۴۔

ابو مسلم کے اوائل زندگی کے بارے میں تاریخ بہت حد تک خاموش ہے یہ بتانا بھی مشکل ہے کہ اس نے عباسی داعیوں کے زمرے میں کب بار پایا۔ یہ سلا عجمی تھا کوفہ کے علاقہ میں پیدا ہوا بعض مورخین نے آزاد بتایا ہے اور بعض نے غلام لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عباسی داعیوں نے اسے چار سو درہم میں خریدا اور امام محمد بن علی کے پاس پیش کیا۔ اسے ابتداء ہی سے عباسی داعیوں کی آغوش تربیت نصیب ہوئی۔ قوت فہم، جوہت ذہن اور محنت پسندی نے جلد ہی اسے ایک بلند مقام پر پہنچا دیا۔ ۵۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن علی نے اسے داعی اعظم بتایا تھا۔ لیکن یہ درست نہیں ہو سکتا امام محمد نے ۱۲۳ ہجری میں وفات پائی۔ اس وقت ابو مسلم کی عمر زیادہ سے

۱۔ ابن اثیر، ابن کثیر، ۲۔ ابن اثیر، ابن کثیر، ۳۔ بلاذری، ابن اثیر، ۴۔ مسعودی، ۵۔ ابن کثیر، ابن اثیر۔

زیادہ پندرہ برس کی ہو سکتی تھی۔ اتنی کم عمر میں اس کا داعی اعظم بننا ناممکن نظر آتا ہے۔ بہر حال اس قدر ضرور قرین قیاس ہے کہ امام محمد کی زندگی میں ابو مسلم ایک ممتاز داعی تھا۔ امام ابراہیم نے اسے ۱۲۸ یا ۱۲۹ ہجری میں عراق و خراسان کا داعی اعظم بنایا۔ اس وقت اس کی عمر انیس برس کی تھی۔ نو عمری کی وجہ سے کارکنوں نے اسے نہ مانا۔ یہ امام ابراہیم کے پاس شکایت لایا۔ انہوں نے داعیوں کو تاکید کی کہ اس کی پیروی کی جائے۔ اسے حکم دیا کہ ہر مشکوک شخص پر ہاتھ صاف کرو اور ممکن ہو تو ہر عربی بولنے والے کا خاتمہ کر دو۔ ۱۔

ابو مسلم کو امیران بیت رسول کا لقب ملا۔ ۲۔

ابو مسلم کا ظہور عباسی تحریک کا ایک نیا نقطہ آغاز ہے اس کی ہمت اور تدبیر نے تین برس کے اندر امام محمد اور امام ابراہیم کے سامنے خواب کی تعبیر پیش کر دی۔ یہ شخص یکم رمضان ۱۲۹ ہجری کو خراسان آیا اور صوبہ بھر میں داعی پھیلا دیے۔ خراسان کا اموی حاکم نصر بن سیار اپنے حریف کرمانی سے مصروف جنگ تھا اس طرف توجہ نہ دے سکا لوگ جوق در جوق ابو مسلم کے حلقہ بگوش ہونے لگے۔ ۲۵ رمضان کی رات کو ایک بہت بڑا الاؤ روشن کیا۔ یہ علانیہ اجتماع کی علامت تھی۔ دوسری صبح اس کے فداکاروں کے جنگل کے جنگل امنڈ آئے ان کا شعار سیاہ لباس اور سیاہ جھنڈا تھا۔ ۳۔

عید الفطر کی نماز عباسی داعی نے پڑھائی۔ ۴۔

بنو امیہ کا شیرازہ تیزی سے بکھر رہا تھا۔ ولید ثانی کو یزید ثالث نے ختم کیا۔ یزید ثالث کل تین ماہ جیا۔ اس کی جگہ اس کے بھائی ابراہیم نے لی۔ مروان نے اس سے تخت چھین لیا۔ دشمنوں نے مروان کو بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ سلیمان بن ہشام بغاوت پر اتر آیا۔ مروان کے عہد میں حضرت عبداللہ بن معاویہ کے واقعات اور خوارج کی شورشوں نے ابو مسلم کی مزید دلچسپی کی۔ مضری اور یمنی قبائل کے مابین مخالفت کی آگ تیزی سے بھڑکی اور اموی تاج و تخت اس کی لپیٹ میں آگئے۔

ابو مسلم نے اپنی تحریک کا اعلان کرنے کے بعد نصر بن سیار کو پیروی کا دعوت نامہ لکھا اس نے جواب میں فوج بھیجی جس کا مقابلہ ابو مسلم کے جرنیل مالک نے کیا اور اسے شکست فاش دی۔ ۵۔

نصر بن سیار ابو مسلم کے خلاف مزید کارروائی کرنے سے قاصر تھا ان دنوں وہ یمنی قبائل سے دست و گریبان تھا۔ نصر مضری تھا اس نے یمانہ کے ساتھ بہت بد سلوکی کی ان کا سرغنہ ان دنوں جدلیج بن علی کرمانی تھا۔ وہ نصر کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ نصر نے اسے قید کر دیا۔ جدلیج بھاگ نکلا اور جنگ آزمائی پر تل گیا۔ ۶۔

۱۔ ابن اثیر، ابن کثیر، ۲۔ ابن کثیر، ۳۔ ابن کثیر، ابن اثیر، ۴۔ ابن اثیر، ۵۔ ابن کثیر، ۶۔ ابن اثیر۔

ابو مسلم کے لیے فراست و سیاست دکھانے کا خوب موقع تھا۔ اس نے نصر اور جدلیج دونوں کی آنکھوں پر پٹی باندھی اور انہیں اپنی بساط سیاست کے مرے بنالیا ابو مسلم اس وقت تک بہت قوت فراہم کرچکا تھا۔ اس نے دونوں کو الگ الگ اپنی حمایت پر لپکا کر ایک دوسرے کے خلاف گمانے کی کوشش کی۔ وہ چاہتا تھا کہ عرب آپس میں لڑ بھڑ کر اس قدر ضعیف ہو جائیں کہ ان کی پامالی مشکل نہ رہے۔ جدلیج اس کے جھانے میں آگیا۔ ۱۔

نصر اور جدلیج کے لشکر آمنے سامنے خیمہ زن ہوئے۔ ابو مسلم نے اپنا لشکر ان دونوں کے درمیان ڈال دیا۔ ہر ایک کو اپنی مدد کے وعدے دلانے لگا۔ نصر بن سيار بہت کایاں تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ حالات دگرگوں ہو رہے ہیں اس نے مروان کو نہایت دردناک اشعار لکھے جن میں ابھرتی ہوئی تباہی کی تصویر کھینچی۔ وہ زندہ جاوید اشعار یہ تھے: (اردو ترجمہ)

میں خاکستر کے نیچے آگ کی چنگاریاں دکھتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ بھڑک نہ اٹھیں  
آگ دو لکڑیوں سے جلائی جاتا ہے اور جنگ کی ابتداء کلام سے ہوتی ہے  
تعب سے کہتا ہوں کاش میں بوجھ سکوں کہ بنو امیہ خوابیدہ ہیں یا بیدار؟ ۲۔

نصر نے کسی طرح جدلیج کو صلح پر آمادہ کر لیا۔ جدلیج ایک سو آدمیوں کو ساتھ لے کر نصر کی ملاقات کو روانہ ہوا۔ نصر کے دل میں جدلیج کی طرف سے بدگمانی اٹھی۔ کرمانی ابھی راہ میں تھا کہ اس پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔ عربوں کے اتحاد کے خواب پریشان ہو گئے۔ جدلیج کے بیٹوں نے ابو مسلم کے ساتھ قسمت وابستہ کر لی۔ ۳۔

نصر نے مروان سے مدد طلب کی تھی مروان اس وقت خوارج کے کانٹوں میں الجھا ہوا تھا۔ ان سے دامن چھڑوانا دشوار تھا اس نے جواب میں اشارتہ کہا کہ تم خود موقع پر موجود ہو۔ جو مناسب سمجھو کرو۔ نصر سمجھ گیا کہ مروان مدد بھیجنے سے قاصر ہے۔ مروان نے کوفہ کے والی ابن ہیرہ کو لکھا کہ نصر کو مدد بھیجو۔ اس نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک سپاہی بھی نہیں حلالاں کہ عراق کہ مردم خیز خطہ سے لاکھوں کی فوج اٹھ سکتی تھی بعد میں ابن ہیرہ نے کچھ مدد بھیجی لیکن اس برائے نام اور نادقت کی کمک سے پہلے ہی نصر کے قدم مروان سے اکھڑ چکے تھے۔ ۴۔

نصر نے آخر دم تک سرتوڑ کوشش کی اس نے یمانیہ اور ربیعہ کو پھر اپنی طرف مائل کر لیا۔ جدلیج کے بیٹے علی کرمانی نے معاہدہ پر دستخط بھی کر دے لیکن باپ کے قتل کے خیال سے اس کی نیت بدل گئی اور دشمنی از سر نو قائم ہو گئی نصر اور علی کرمانی دونوں نے مدد حاصل کرنے کے لیے ابو مسلم کے پاس وفد بھیجے ابو مسلم نے کرمانی کی مدد کا فیصلہ کیا اگلے برس ۱۳۰ ہجری میں ابو مسلم نے مروان پر فوج کشی کی۔

نصر کی شکست: نصر کے پاس طاقت نہ تھی اطاعت کا اظہار کر کے جان بچائی۔ اور رات کے

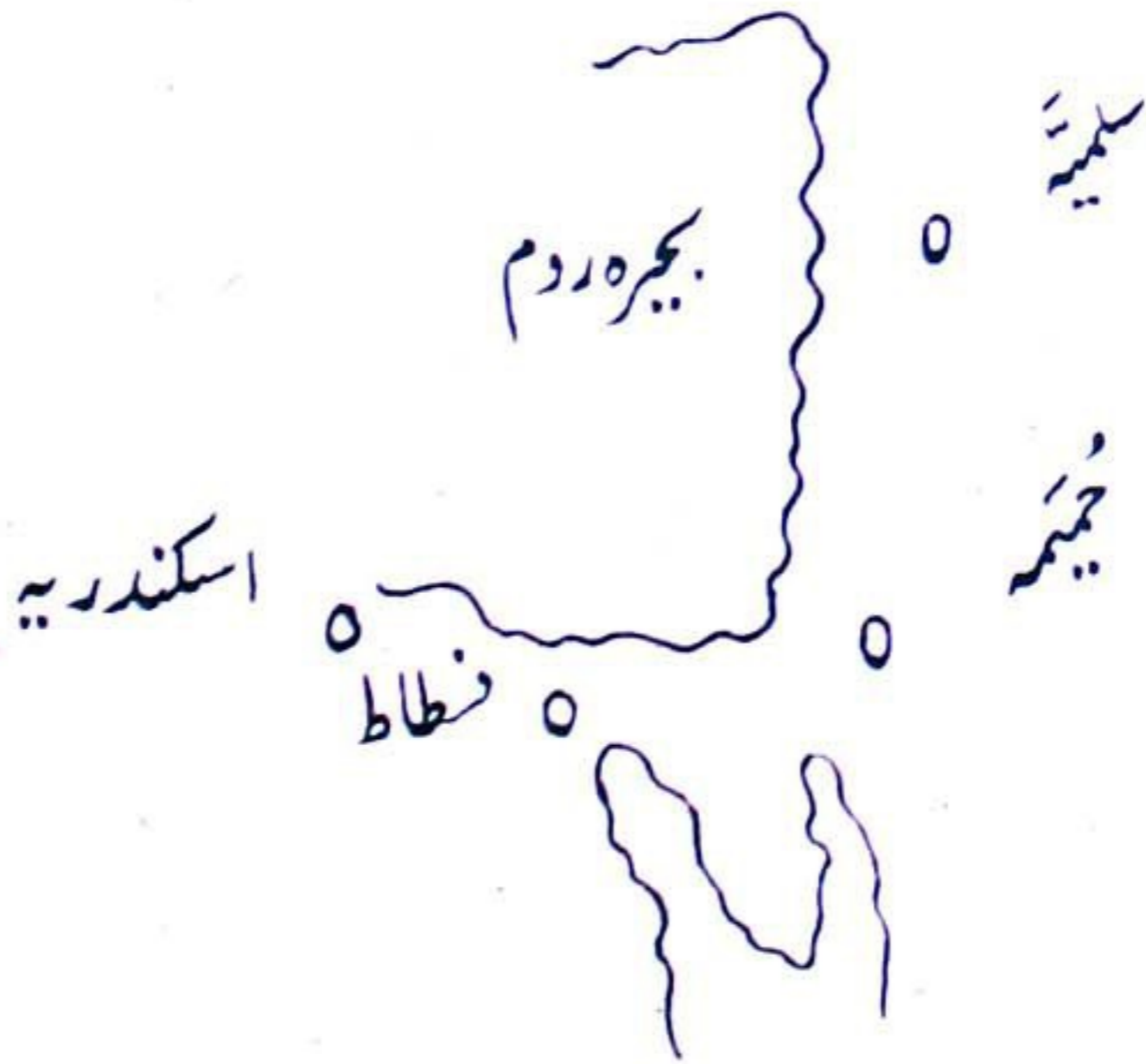
پردے میں بھاگ نکلا اب سارا خراسان ابو مسلم کے قدموں تلے تھا۔ نصر نے اثنائے فرار میں  
رے کے مقام پر بیمار پڑ کر وفات پائی۔ ۱۔

ابو مسلم سب عرب سرداروں کا دشمن تھا۔ نصر سے انتقام لے چکا تھا اب جدیع کرمانی کی اولاد  
کی باری تھا۔ اس نے اس کے بیٹوں علی اور عثمان کا خاتمہ کر دیا۔ ۲۔

قحطیہ کی پیش قدمی : ابو مسلم کا جرنیل قحطیہ خراسان سے روانہ ہوا اور فتح پہ فتح حاصل  
کر کے عراق جا پہنچا ادھر سے مروان بھی ایک لاکھ کا ٹڈی دل لے کر چلا۔ عراق کے والی ابن ہیرہ  
نے مروان کے پہنچنے سے قبل قحطیہ کا سامنا کیا اور شکست کھائی لیکن قحطیہ ڈوب کر مر گیا اور  
اس بیٹا حسن کماندار ہوا ابن ہیرہ واسط پہنچا حسن نے اس کو محاصرہ میں لے لیا۔ ۳۔

امام ابراہیم کی گرفتاری : اس اثناء میں امام ابراہیم حمیمہ میں سکونت پذیر تھے انہوں نے ابو  
مسلم خراسانی کو ایک خط لکھا۔ خط پکڑا گیا اور مروان پر سارا راز فاش ہو گیا۔ اس نے امام ابراہیم  
کو زنداں نشین کر دیا۔ امام نے گرفتاری سے قبل اپنے بھائی ابو العباس عبداللہ کو اپنا جانشین نامزد  
کیا اور گھرانے کو حکم دیا کہ کوفہ چلے جاؤ۔

ابو العباس اور منصور کوفہ میں : ابو العباس اور اس کا بھائی ابو جعفر منصور گھرانے کے دیگر  
افراد کے ساتھ حمیمہ سے نکلے اور کوفہ میں آکر مقیم ہو گئے یہاں ابو سلمہ خلال عباسی تحریک کے  
ایک سرگرم رکن تھے۔ خلال نے انہیں پوشیدہ طور سے ٹھہرایا۔



اس کے بعد انہیں پراسرار طریقے سے ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل کرتا رہا۔ بنو امیہ بے  
خبر رہے۔ ۴۔

امام ابراہیم کی وفات : ۱۳۲ ہجری میں امام ابراہیم نے وفات پائی۔ یہ خبر کوفہ پہنچی تو خلال نے

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن اثیر۔ ۶۔ ابن اثیر۔ ۷۔ ابن اثیر۔ ۸۔ ابن اثیر۔ ۹۔ ابن اثیر۔ ۱۰۔ ابن اثیر۔



چاہا کہ خلافت کا حق آل علی میں پھیر دیا جائے۔ عباسی تحریک کے دیگر رہنماؤں نے اتفاق نہ کیا اور ابو العباس کی بیعت ہو گئی۔ اتنے میں کوفہ فتح ہو چکا تھا۔ ابو العباس یہاں آیا اور دارالامارت (گورنمنٹ ہاؤس) میں قیام کیا۔ جامع مسجد میں خطبہ دیا اور کوفہ والوں نے بیعت کی۔!

جنگ زاب: ابو العباس نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو مروان سے نبڑنے کے لیے بھیجا مروان ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ جزیرہ کے علاقہ میں دریائے زاب کے کنارے خیرزن تھا۔ موصل کے قریب دو معرکے ہوئے پہلے معرکہ میں عبداللہ بن علی نے ایک دستہ بھیجا جو شکست کھا کر پلٹ آیا دوسرے روز عبداللہ بن علی بیس بائیس ہزار کے لشکر کے ساتھ خود مقابل ہوا مروان کی فوج بد دل تھی۔ جنگ میں حصہ نہ لیا اور بھاگ نکلی مروان کو بھی فرار ہونا پڑا۔

مروان کا قتل: مروان بھاگ کر شام پہنچا تقدیر منہ موڑ چکی تھی نمک خواروں نے بھی آنکھیں پھیر لیں۔ بے نوا تاجدار کو کہیں جائے پناہ نظر نہ آئی۔ تمس والوں نے اسے گالیاں دیں اور لوٹنا چاہا۔ مروان بھاگ کر مصر گیا۔ عباسی افواج نے تعاقب کیا اور ایک معرکہ میں مار دیا۔ اس کے ساتھ بنو امیہ کی ہزار ماہہ سطوت بھی آخری ہچکی لے کر دم توڑ گئی۔

بنو امیہ کا انجام: ابو العباس عبداللہ نے جو سفاکی کی وجہ سے سفاح (خون ریز) کہلاتا ہے تقریباً نوے امویوں کو دعوت پر بلایا اور انہیں ڈنڈوں سے مار مار کر ہلاک کر دیا۔ ان پر کپڑا بچھا کر کھانا کھایا۔ نیچے سے بعض بسک آرمیوں کی فریاد سنائی دیتی تھی۔ حضرت معاویہ سے لے کر بعد کے سب اموی تاجداروں کی قبریں اکھڑا ڈالیں۔ صرف ہشام کی لاش سالم نکلی اسے نکلوا کر سپرد آتش کیا ایک ایک اموی کو ڈھونڈ کر ہلاک کیا۔ شیر خوار بچے زندہ رہے یا وہ افراد جو بھاگ کر اندلس پہنچے۔

ایک اموی شہزادہ عبدالرحمان نامی اندلس پہنچا اور وہاں کی سلطنت پر قبضہ جما کر خود مختار ہو بیٹھا۔

## بنو امیہ کے زوال کے اسباب

اموی سلطنت کی ظاہری توانائی اور استحکام پر نظر کرتے ہوئے کون کہہ سکتا تھا کہ اس کے فلک بوس کنگرے بھی کبھی پیوند خاک ہو جائیں گے لیکن قدرت کا قانون ہے کہ وہی چیز دنیا میں قائم و دائم رہتی ہے جو کار آمد رہے۔ اموی حکومت آہستہ آہستہ نفع رسانی کے وصف سے عاری ہو گئی اور اس کی طاقت نا طاقتی میں بدل گئی۔ اس کے کئی اسباب تھے۔ مثلاً

۱۔ آمریت: بنو امیہ کے زوال کا سب سے بڑا سرچشمہ اس کی آمریت تھی یعنی دولت امویہ کی انتہا اس کے آغاز ہی میں پنہاں تھی۔ اس کو قابل اور اولوالعزم بادشاہ نہ ملے تو اس کی زندگی چند روزہ ہوتی۔

اسلام شخصی حکومت، شخصیت پرستی اور خاندانی استیلاء کو مٹانے کا پیغام لایا ہے۔ اموی طریق حکومت اسلام کی شورائی روح کے موافق نہ تھا۔ حق پرست مسلمان اگر وقتی مصلحت کی خاطر خاموش بھی تھے تو باطناً بنو امیہ کے مخالف رہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت معاویہ سے برسر اجلاس کہا تھا کہ یہ خلافت نہیں ہرقلیت ہے۔ اہل اسلام کے جذبات کو مٹانا آسان نہ تھا اور پھر خلافت راشدہ کو گزرے زیادہ مدت نہیں ہوئی تھی جب کہ حضرت عمر ایسے سخت گیر حاکم بھی مقامی عمدے داروں کا انتخاب بالعموم وہیں کے لوگوں کے سپرد کر دیتے تھے۔ قرآن حکیم کے الفاظ ”وامرہم شوریٰ نینہم“ (اور ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں) اور ”و شاورہم فی الامر“ (اے نبی! ان سے مشورہ کیجئے) بار بار عوام کو یاد دلا رہے تھے کہ حکومت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ ملک کا سربراہ فقط ایک امین ہوتا ہے۔ اس کو من مانی کرنے کا حق نہیں لیکن اموی حکومت کا آئین کچھ لہر تھا۔ حکومت کا سربراہ آمرانہ اور شاہانہ حیثیت کا مالک ہوتا تھا۔ بے شک دیگر معاصر حکومتوں کو دیکھا جائے تو ان کی نسبت سے اموی حکومت دنیا کی بہترین حکومت تھی اور عبید اللہ بن زیاد اور حجاج بن یوسف کے خونی دور سے قطع نظر اس کی آمریت مقابلہ بہت محدود تھی لیکن اسلام کا معیار کچھ اور ہے اس کی نگاہ میں یہ ایک غاصبانہ اور استبدادی حکومت تھی۔ اس قدر وہی کرتے تھے جو غرض کے بندے تھے ورنہ علمائے حق اور عامۃ المسلمین اس کے خیر خواہ نہ تھے۔ لہذا اموی دور میں جب کبھی عوام کو موقع ملا انہوں نے حکومت کے خلاف سراٹھایا۔ سوائے عمر بن عبدالعزیز کے کسی خلیفہ کو بغاوتوں کی طرف سے بے فکر ہونا نصیب نہیں ہوا۔

۲۔ دنیوی حکومت: بنو امیہ کی آمریت کا ایک سبب نہایت ہی نامرغوب پہلو دنیا پرستی کا تھا اگر آمریت کے ساتھ ساتھ یہ لوگ دنیوی اور روحانی دونوں لحاظ سے بند ہوتے تو ان کے حق میں

بہت بہتر ہوتا لیکن وہ روحانیت اور تدین میں اسلام کے معیار سے بہت فرو تھے۔ یہاں تک کہ بعض خلفاء نماز میں بھی تاخیر کر جاتے تھے۔ ۱۔ مروان اول کو لوگ منبر نبوی پر بیٹھا دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ عید کی نماز کے بعد لوگوں کو اس کا خطبہ سننا گوارا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے ایک دفعہ نماز عید سے قبل خطبہ دینا چاہا حضرت ابوسعید خدری نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر منبر کی طرف جانے سے روکنا چاہا لیکن ناکام رہے۔ ۲۔ حجاج کے عہد سے نو مسلموں سے جزیہ وصول ہونا شروع ہوا۔ مقصد یہ تھا کہ شاہی خزانے بھرتے رہیں چاہے اسلام کی اشاعت رک جائے اس بدعت کے خلاف نہایت خوفناک بغاوتیں ظہور پذیر ہوئیں۔

۳۔ اخلاقی زوال : دنیا پرستی کے طبعی اثر سے اموی خلفاء میں اخلاق کی قدر آہستہ آہستہ کھتی گئی۔ یزید ثانی کی بے دینی اور فسق و فجور کا جواب نہیں ملتا لازم تھا کہ ایسے بادشاہوں سے عوام نفور ہو جائیں۔

۴۔ علمائے حق کی مخالفت : بنو امیہ کے خلاف جس قدر معرکے میدان رزم میں ہوئے ان سے بڑھ کر موثر معرکے مدرسہ اور خانقاہ کے بوریہ نشینوں نے زبان اور قلم سے کیے۔ یہ لوگ بہت کم علانیہ برسر جنگ ہوئے۔ صرف عبدالرحمان اشعث کی بغاوت میں ان کا واشگاف شمول نظر آتا ہے لیکن تعلیم و تلقین کے اسلحہ سے یہ لوگ برابر تاج شاہی پر ضربیں لگاتے رہے اور بار بار صی جھیلے۔ اموی حکومت نے امام ابو حنیفہ کو سرکاری ملازمت پر مجبور کرنا چاہا۔ آپ نے تسلیم نہ کیا تو آپ کو کوڑوں سے پیٹا گیا لیکن آپ کے قدم نہ ڈگمگائے۔ ۳۔ یہ قربانیاں رائیگاں نہیں جاسکتی تھیں۔ انہوں نے اموی خاندان کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔

۵۔ بنو ہاشم کا مقابلہ : بنو امیہ کو نیچا دکھانے کی اہلیت اگر کسی میں تھی تو وہ بنو ہاشم تھے۔ حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ کی کشمکش کے بعد بنو امیہ اور بنو ہاشم کی رقابت شاید ختم ہو جاتی کیوں کہ اہل بیت قناعت پسند اور امن پرور لوگ تھے لیکن خلاف شرع امور کے خلاف بانگِ دل آواز اٹھانا اور ان کے مٹانے کے لیے جان کی بازی لگانا انہی کا حصہ تھا۔ حضرت حسینؑ نے یزید کی حکومت سے انکار کیا اور اسلامی اصول کے گلے کو چھری سے بچانے کے لیے اپنے گلے پر چھری پھر وادی اور تقریباً پورے کا پورا خاندان اسلام کی راہ میں قربان کر دیا۔ آپ اہل اسلام کو سکھا گئے کہ دین کی حفاظت میں جان کس طرح نچھاور کی جاتی ہے حضرت حسینؑ اس دنیا سے سفر کر گئے لیکن ان کی روحانی سلطنت بڑھتی ہی گئی اور بالآخر اسی روحانی سلطنت کے سہارے بنو عباس نے بنو امیہ کا خاتمہ کر کے اپنی حکومت جمائی۔

اہل بیت کی پاکیزگی، فراخ دلی اور کشادہ ظہنی میں انتہاء کی کشش تھی۔ اہل اسلام کا اس سے مسحور ہونا لازم تھا۔ حضرت معاویہؓ کی رواداری مشہور عام ہے لیکن حضرت علیؑ کی وفات کے بعد

۱۔ تاریخ الخلفاء کر سلیمان۔ ۲۔ مسلم کتاب الصلوٰۃ العیدین۔ ۳۔ البدایہ والنہایہ، الانقضاء۔

انہوں نے آپ کے خلاف برسر منبر تقریر کی رسم جاری کی۔ اس رسم کو ۹۹ ہجری میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ختم کیا۔ حضرت معاویہؓ جانتے تھے کہ شہید علیؓ زندہ علیؓ سے کم شہ زور نہیں۔ انہوں نے یہ رسم حضرت علیؓ کی روحانی قوت کو ضعف پہنچانے کے لیے چلائی لیکن حضرت معاویہؓ اور ان کے جانشین اپنا مقصود حاصل نہ کر سکے۔ نہ حضرت علیؓ کی طاقت گھٹی اور نہ بنو امیہ کی مقبولیت بڑھی بلکہ عوام کے دل ایسی حرکات سے برگشتہ ہونے لگے اور درد مند اہل اسلام کے جذبات اور جوش مارنے لگے۔

حضرت زین العابدینؓ، حضرت محمد باقر اور حضرت جعفر صادقؓ سیاست سے کنار کش اور دین کی اشاعت میں منہمک رہے۔ انہوں نے دین کی تعلیم نظری طور سے ہی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی دی عوام کے دلوں میں ان کی جو قدر و منزلت تھی وہ محتاج بیان نہیں۔ ان کے مقدس پیکروں کا وجود ہی اموی تاجداروں کی آن کو خاک میں ملانے کے لیے کافی تھا۔

بنو امیہ نے بنو ہاشم کو دبانے کے لیے سخت قدم اٹھائے لیکن تاریخ کی رفتار کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ بنو امیہ کا ہر وار خود ان کے اپنے خلاف پڑ رہا تھا۔ واقعات کا یہاں دہرانا غیر ضروری ہے۔ عباسی تحریک کے عنوان کے تحت ان کا سرسری جائزہ آچکا ہے۔

۶۔ خوارج : بنو امیہ کے کمزور پڑنے کا ایک سبب خوارج تھے۔ اس فرقہ کا سب سے بڑا اصول جمہوریت تھا۔ اس کے علاوہ یہ اخلاق میں بہت شدید تھے یہاں تک کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر اور مرتد کہتے تھے اور اس کا قتل مباح جانتے تھے۔ بنو امیہ سے انہیں بے پناہ عداوت تھی۔ ان کے پورے دور میں انہوں نے بازار جنگ گرم رکھا۔ اس جاں باز فرقہ کے پیرو ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے۔ لیکن آئے دن سے زور شور کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ وہ بنو امیہ کو تخت سے تو نہ اتار سکے لیکن یہ ضرور ہے کہ ان کی طاقت کا ایک کثیر حصہ سلب کر لیا جو دیگر حریفوں پر صرف ہوتا۔

۷۔ تاجداروں کا عوام سے دور رہنا : اموی بادشاہوں اور عوام کے درمیان براہ راست رابطہ نہ تھا۔ وہ عوام سے بالا اور دور رہتے تھے تاکہ رعب و داب میں فرق نہ آئے۔ وہ امراء کے ذریعے حکومت کرتے تھے۔ امراء کو عوام سے اس قدر ہمدردی نہیں ہوتی تھی جتنی اپنے آقاؤں یا اپنی ملازمت سے۔ ان کی کوشش زیادہ تر اس امر پر مرکوز رہتی تھیں کہ شاہی خزانوں کو بھر کر خلفاء کو خوشنود کریں یا اپنے ہاتھ رنگ لیں۔ لہذا عوام کو خوب لوٹتے تھے۔

دالیوں اور امراء کو وسیع اختیارات حاصل تھے۔ یہاں تک کہ جسے چاہتے بے دریغ قتل کر دیتے۔ کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ طاقت کے نشہ میں وہ بار بار حد سے گزر جاتے تھے۔ خلفاء اس

وقت تک امراء سے باز پرس نہیں کرتے تھے جب تک دیکھتے کہ حکومت کے پائے سلامت ہیں اور خزانہ میں دولت کے انبار چلے آتے ہیں۔ حجاج بن یوسف ایسا ظالم حکمران ہیں برس تک عراق میں فرعونیت کی شان دکھاتا رہا اور کسی نے اس پر گرفت نہ کی ایسے میں عوام یہ سمجھنے پر مجبور تھے کہ بادشاہ خود پرست ہیں اور رعیت کی بہبود سے غافل۔ عوام نے ان حالات کے خلاف بارہا الم بغاوت بلند کیا۔

۸۔ عہدوں کی فروخت : ولید ثانی کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عہدے بیچتا تھا

خراسان کا صوبہ یوسف بن عمرو کے پاس بیچا۔ یوسف نے عوام سے قیمت نکالنا چاہی۔ ۱۔

۹۔ خلفاء اور امراء کے درمیان عدم اعتماد : امراء بادشاہوں کی خوشنودی کے لیے رعایا پر ظلم کرتے تھے لیکن خود بادشاہوں سے بھی انہیں کوئی محبت نہ تھی۔ اکثر امراء مطلب کے بندے

ہوتے تھے۔ عبید اللہ بن زیاد جس نے یزید کی خاطر کربلا میں خون بہایا تھا یزید کے مرنے کے بعد خود عراق پر قابض ہونے کے لیے تیار ہو بیٹھا۔ اسی طرح دیگر امراء کی اکثریت بھی روگرداں

ہوتی رہی بعد میں تو خلفاء کو امراء پر قطعاً کوئی اعتماد نہیں رہا تھا۔ مثلاً سلیمان کے عہد میں اسلام کے نامور اور پاکیزہ دامن فاتح محمد بن قاسم پر جو ناحق مصائب توڑے گئے وہ بجائے خود تاریخ کا

ایک خونیں باب ہے۔ امراء کا بھروسہ بادشاہوں پر سے جاتا رہا۔ بعد میں امویوں کو مشکل سے کوئی وفادار جرنیل مل سکا۔ آخری اموی تاجدار مروان حمار جب زاب کے فیصلہ کن میدان میں

عبداللہ بن علی کے خلاف فوجیں لے کر آیا تو ایک ایک سردار نے اپنے قبیلے لڑانے سے انکار کر دیا۔ مروان نے ناچار ان کے سامنے زرد سیم کے ڈھیر لگا دے کہ جنگ کرو تو یہ تمہارا مال ہیں

مروان کی سپاہ اسے لوٹ کر ہزیمت! ہزیمت کی رٹ لگا کر فرار ہو گئی۔

۱۰۔ عرب اور غیر عرب کی رقابت : اموی دور میں رعایا عربی، شامی اور عجمی تین گروہوں

میں بٹ گئی اور ان کے درمیان رقابت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ ویسے تو بظاہر عربوں کی حکومت تھی لیکن انہیں شامیوں کا سا اقتدار حاصل نہ تھا۔ بنو امیہ نے اہل شام کے زور بازو سے

حکومت حاصل کی تھی اس لیے انہوں نے اپنا مرکز حکومت دمشق میں رکھا۔ شامیوں کو ان سے بہت وفاداری تھی۔ اور اموی خلفاء ان پر بہت اعزاز کرتے تھے۔ اگر کہیں عربی اور شامی کا سوال

پیدا ہوتا تو شامی کی طرف داری کرتے تھے۔ شامی سپاہ کی تنخواہ کی شرح عربی سپاہ سے زیادہ تھی۔ ابن اشعث کی بغاوت کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا۔ رہے اہل عجم، تو ان کا کوئی مقام و مرتبہ نہ

تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت کے خلاف موثر تحریکیں عجم ہی میں اٹھیں۔ خوارج کے مرکزی خطے فارس، مصر اور افریقیہ تھے۔ بنو عباس کی دعوت کا مولد و منشاء عراق، ایران و خراسان وغیرہ تھے۔

۱۱۔ عربوں کی باہمی رقابت : عربوں میں نسلی لحاظ سے دو بڑے گروہ تھے۔ مضر اور یمانیہ۔ ان کی رقابت کے بارے میں عباسی تحریک کے ضمن میں کافی لکھا جا چکا ہے۔ امویوں نے اس خاموش آگ کو جان بوجھ کر دوبارہ بھڑکایا۔ انہوں نے دیکھا کہ ہماری مقبولیت ختم ہو رہی ہے تو پھوٹ ڈال کر حکومت کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ انہوں نے سوچا کہ اہل عرب متحد ہو گئے تو ہماری حکومت کی بیخ کنی کر دیں گے۔ لیکن ان کا یہ داؤ خود اپنے خلاف پڑا۔

اس رقابت کی مختصر داستان یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کے عہد میں اہل شام اور یمینی قبائل برسر عروج تھے۔ ان ایام میں مضر زیر دست اور پامال رہے۔ عبدالملک اور حجاج بن یوسف کے عہد میں مضر کا دور دورہ ہوا۔ حجاج مضر ہی تھا۔ اگرچہ اس کے ظلم سے کوئی نہیں بچا لیکن یمینیوں پر خصوصی مظالم ہوئے۔ ان کا جانشین یزید بن مہلب یمینی تھا۔ اس نے سلیمان کے عہد میں آل حجاج اور مضر سے جن جن کر انتقام لیا۔ یزید ثانی خلیفہ ہوا تو ابن مہلب پر گردش آئی۔ اور اس کا سارا خاندان یزیدی قہر کا شکار ہو گیا۔ ہشام کے عہد میں خالد بن عبداللہ قسری والی عراق و خراسان کے دم سے پھر اہل یمین کا طوطی بولنے لگا لیکن یہ بہار بھی چند روز تھی۔ ولید ثانی کے عہد میں خالد قسری کی جگہ یوسف مضری نے لی جس نے خلیفہ کے اشارہ سے خالد کو سنگ دلانہ اذیتوں سے ہلاک کیا۔ یزید ثالث کا شش ماہ عہد۔ یمینیوں کے اقبال اور مضر کے ادبار کا عہد تھا۔ مروان ثالث کے تحت حالات نے پھر پلٹا کھایا۔ وہ حصول تخت کے لیے مضر کا مرہون منت تھا۔ اس نے انہیں بڑے بڑے عہدوں پر مامور کیا۔ یمینیوں نے دیکھا کہ اب پھر برے دن آتے ہیں تو کھلم کھلا بغاوت کر دی۔ ان کا سردار جدیع کرمانی تھا۔ وہ خراسان میں نصر بن سیار مضری کے خلاف صف آراء ہوا۔ ابو مسلم نے اس تفرقہ سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے دونوں گروہوں کو آپس میں لڑا کر کمزور کر دیا اور بالاخر انہیں ختم کر کے بلا شرکت غیرے خراسان کا مالک ہو گیا۔ پھر یہاں سے بڑھ کر ساری مملکت اسلامیہ پر چھا گیا۔

۱۲۔ فوج سے غفلت : اموی سلطنت کا فوجی نظام آہستہ آہستہ ٹھٹھل ہوتا گیا۔ آخری سالوں میں فوج کی طرف سے بہت غفلت ہونے لگی اور ان کی بہبود کو نظر انداز کر دیا گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان کی کئی کئی ماہ کی تنخواہ واجب الادا رہنے لگی۔ فوج دل برداشتہ ہو گئی۔ لہذا مروان نے جب نصر کی مدد پر فوج بھیجتا چاہی تو عراق سے بارہ ہزار آدمی بھی فراہم نہ ہوئے۔

۱۳۔ معاشی بد حالی اور زراعت کی تباہی : امرء کے استحصال کی وجہ سے ملک میں افلاس بڑھنے لگا۔ آئے دن حاکم بدلتے تھے۔ لہذا کاشت کاروں سے غلہ کا بیشتر حصہ چھین لیا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ زراعت تباہ ہو گئی اور اقتصادی تباہی ڈیرے ڈالنے لگی۔

۱۴۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز : حضرت عمر ثانی کی زندگی وفا کرتی تو آپ اموی حکومت کو

یقیناً ٹھکانے لگا جاتے۔ تاہم آپ نے عوام میں ایک مدت کے بعد خلافت راشدہ اور جمہوریت کا جو عملی نمونہ پیش کیا اس نے آل امیہ کے زوال پر ایک اور مہر لگا دی۔ آپ کے بعد جس قدر بادشاہ آئے انہوں نے آپ کی قابل تقلید زندگی سے ایک بھی درس نہیں لیا اور خاندانی ڈگر پر چلتے رہے۔ عوام کی نفرت شدید تر ہو گئی۔ چنانچہ عمر بن عبدالعزیز کے بعد حکومت سنبھل نہ سکی۔ باغی قوتیں زور و شور سے ابھریں۔ خوارج نے طوفان مچائے اور اندر ہی اندر عباسی تحریک کا جال پھیلنے لگا۔ اب کسی خلیفہ کے قدم مضبوطی سے نہ جم سکے۔

۱۵۔ ولی عہدی کا غلط طریقہ : بنو امیہ میں ایک غلط رواج یہ چلا کہ خلیفہ اپنے بعد بالعموم دو بیٹوں کو یکے بعد دیگرے جانشین نامزد کر جاتا تھا۔ پہلے جانشین کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ بھائی کو ولی عہدی سے الگ کر کے اپنے بیٹے کو جانشین کر جائے۔ اس سے بھائیوں میں تفریق پیدا ہو جاتی تھی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ خاندانی عصبيت جو اموی خاندان کی روح رواں تھی آہستہ آہستہ مضمحل ہو گئی۔

۱۶۔ خانہ جنگی : بنو امیہ کے زوال کی رہی سہی کسر خانہ جنگی نے پوری کر دی۔ اموی شہزادے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ باہمی تذلیل کا چکر چلا۔ بادشاہوں کی لاشیں سولی پر آویزاں نظر آئیں اور بادشاہ کے ساتھ خلافت کا جو کم از کم ظاہری تقدس تھا جاتا رہا۔

۱۷۔ عباسی تحریک کی تنظیم : بنو امیہ کی تباہی کا آخری سبب عباسی آئمہ کی ذہانت و قابلیت اور ابو مسلم کے خداداد جوہر تھے۔ عباسی قائدین اموی سیاست گروں کی خوب نگر ثابت ہوئے اور اپنی تنظیمی اہلیت اور سیاسی بصیرت کی مدد سے انہیں نیچا دکھایا۔ ابو مسلم ان کے حق میں آسمانی تائید کا نشان تھا۔

## اموی دور کی عوامی روح

اسلام کی تاریخ صرف سلاطین کی تاریخ نہیں۔ یہ عوام کی روداد بھی ہے۔ محض چند فرماں رواؤں کے عیب دیکھ کر ساری امت کو معیوب گردانا انصاف سے بعید ہوگا۔ اگر اس دور میں یزید اول، یزید ثانی اور ولید ثانی ایسے لاابالی امراء سامنے آئے تو ساتھ ہی ان کے اثرات کو زائل کرنے والی مقدس ہستیوں کی بھی کمی نہ تھی۔ جس دور میں امام علی زین العابدین، امام محمد باقر، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز ایسی رفیع القدر ہستیاں منصفہ شہود پر آئیں اس دور کی رفعت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ عوامی نقطہ نگاہ سے یہ وہ عہد تھا جس کی مثال خلافت راشدہ کے بعد کسی اور عہد یا ملک و ملت میں نظر نہیں آئے گی۔ یہ وہ ایام تھے جب دین کی روح شباب پر تھی اور شرم و حیا زندہ تھی۔ بے شک دنیا کی طرف بھی میلان تھا لیکن بحیثیت مجموعی لوگ دنیا کے غلام نہ تھے۔ اس کے مالک تھے۔ دین کو بالادستی حاصل تھی۔ جب قوم و ملت کی لاج کا سوال اٹھتا تھا تو مال و دولت کو مردانہ وار نچھاور کر دیا جاتا تھا، بلکہ زندگیوں سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔

ملک و ملت کی غیرت کا یہ عالم تھا کہ چند بے کس عورتوں کی فریاد رسی کے لیے سندھ میں جہاد کا محاذ کھول دیا گیا۔ یہ آسان کام نہ تھا۔ پہلی دو مہمیں اوپر تلے ناکام ہوئیں۔ لیکن غیور مسلمانوں کے دلولے اور بڑھے۔ جو قوم اللہ تعالیٰ کی راہ میں غیرت کا ثبوت دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کو پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلم خواتین کے پاسانوں کو بلاخر شاندار کامیابی سے سرفراز کیا اور کراچی سے لے کر ملتان تک وسیع علاقہ ان کے قدموں میں رکھ دیا۔

دیگر اقوام نے بھی ملک فتح کیے ہیں۔ لیکن اموی عہد کی شان فاتحانہ کچھ اور تھی۔ اسلامی یلغار پر رحمت حق کے پھریرے لہا رہے ہوتے تھے۔ فتوحات کے پیچھے دین کی حمیت اور قوم کی غیرت کار فرما تھی۔ ذاتی اغراض یا دنیوی حرص کی تحریک نہیں تھی۔ نیک نیتی کے نقوش کے زمانے کا بے رحم ہاتھ محو نہیں کر سکتا۔ ان کا نور تاریخ کے درپچوں سے ہمیشہ جھلملاتا نظر آتا ہے۔ بے شک بعد کے ادوار میں اموی جہانگیروں کی میراث کہیں کہیں لٹ بھی گئی لیکن حسن نیت کی شمع کو کون بجھا سکتا ہے۔ اندلس سے مسلمانوں کو جس بے دردی سے نکالا گیا وہ تاریخ کا ایک خونیں باب ہے لیکن آج یورپ والے بھی برملا اعتراف کرتے ہیں کہ جب اسلام کا قافلہ اندلس سے نکلا تو اس بد نصیب ملک پر اللہ کی رحمت کے دروازے بند ہو گئے۔

حقیقت شناس مورخ کی نگاہیں جب اسلام کے ماضی میں گزر کرتی ہیں تو وہ یہ دیکھ کر دم بخود رہ جاتا ہے کہ ہم جوں جوں قدامت کی طرف بڑھتے ہیں، ہمارے سامنے منور سے منور تر طبقے آشکارا ہوتے ہیں۔ تا آنکہ جب عہد نبوت کے قریب پہنچتے ہیں تو چکاچوند کا وہ عالم نظر آتا ہے



کہ آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔

جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے وہ ہیں کہ انہیں دیکھو تو اللہ کی رحمت یاد آجائے۔ اموی عہد کے مسلمانوں کی غالب اکثریت ایسے ہی رحمت نشاں بندوں پر مشتمل تھی۔ ملک زیر کر کے وہ شان دلنوازی دکھاتے تھے کہ مفتوح اقوام انہیں دیکھ کر اسلام کی گرویدہ ہو جاتی تھیں۔ آج ایسی اقوام کی دنیا میں کمی نہیں جنہوں نے وسیع علاقوں پر صدیوں فاتحانہ حکومت کی۔ انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ مفتوح اقوام کو اپنے مذہب کا پیرو کر دیں۔ لیکن ان کے مذہب سے رغبت کے بجائے الٹا نفرت پیدا ہو گئی کیوں کہ فاتحین رحمت الہی کے پیغام رساں نہ تھے۔ سنگ دلی اور بے مہری کے نقیب تھے۔ اموی کشور کشائیوں کی داستان اور ہے۔ لیکن ان پر ناقدانہ نظر ڈالنے کے لیے اس نور بصیرت کی ضرورت ہے جس کا سرچشمہ قرآن و حدیث ہے۔

اموی دور بظاہر ملوکیت کا دور تھا۔ بعض تاجدار مطلوبہ معیار سے گرے ہوئے تھے۔ لیکن جہاں تک عوام کا تعلق ہے ان کی حریت نواز روح جوان تھی۔ جو اثر ان کے قلوب اور اذہان پر قرآن و حدیث کا تھا وہ ملوک و امراء کا نہ تھا۔

اسلامی قوانین کی پابندی تھی۔ فقہ کا نہایت وسیع اور گراں قدر سرمایہ وجود میں آیا۔ یہ فقہ محض کبنتی رونق یا ذہنی عیاشی کے لیے نہ تھا۔ ملت اس پر عمل پیرا تھی۔ صرف اس فقہی سرمایہ کو ہی سامنے رکھ کر سوچے کہ جس دور میں اس پر عمل تھا وہ کس قدر صالح اور درخشاں دور ہوگا۔

اموی فرماں رواؤں کی خامیاں عوام کی نگاہ سے اوجھل نہ تھیں۔ عوام امراء کی خطاؤں اور قصوروں پر دلیری اور ثابت قدمی سے گرفت کرتے تھے۔ بنو امیہ کی شاہانہ زندگیاں عوام کی احتسابی نگاہوں کے محاصرہ میں رہتی تھیں۔ ملوکیت کبھی کھل کھیلتی تھی تو اسے سبق مل جاتا تھا۔ آج کل ہر حکومت کے احتساب کے لیے حزب مخالف کا وجود ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اموی دور میں جو حزب مخالف کار فرما تھی اس نے دیانت داری اور فرض شناسی کا ناقابل تردید ثبوت پیش کیا، گھریار لٹوائے، سر قلم کروائے، ملک بدر ہوئے، کوڑوں سے پٹے، قید و بند کے دکھ جھیلے لیکن عیب کو عیب بتانے سے کبھی نہ چوکه۔ اس حزب مخالف کے سامنے کوئی ذاتی اقتدار نہ تھا۔ یہ اللہ مستوں اور فقر دوستوں کی جماعت تھی۔ یہ لوگ ٹوٹے پھوٹے مکانوں میں رہتے تھے۔ یہ جماعت علمائے حق کی جماعت تھی۔ اس پاکیزہ گروہ نے اسلامی روح کے پاکیزہ ورثہ کو آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن سعی کی۔

تہذیب کا اصل کمال اس کے مادی ساز و سامان میں نہیں بلکہ اس کی مساوات، سادگی اور ہمدردی کی روح میں ہے۔ یہ روح جس بلند مرتبہ پر اموی دور میں تھی اس پر جتنا ناز آئے کم

## نظام حکومت

آئین : اموی دور کا نظام حکومت آمرانہ تھا۔ بیت المال پر آزادانہ تصرف رکھنے، عوامی سطح سے بلند تر رہنے اور بارہا حد سے نکلی ہوئی سخت گیری کی وجہ سے بنو امیہ کو اسلامی نقطہ نگاہ سے ملوک شمار کیا جائے گا۔ آن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں یہ سلطنت، ملک عضو، (سخت گیر حکومت) تھی۔ لیکن عوام میں اسلام کی حمیت زندہ تھی۔ اس لئے بادشاہ ہر جہت سے مطلق العنان نہیں ہو سکتے تھے۔ انہیں سخت گیری کے باوصف اسلامی قوانین کی پاسداری پر بہت حد تک مجبور رکھا جاتا تھا۔ بادشاہ حد سے گزرتے نظر آتے تو عوام جان کی بازی لگا دیتے تھے۔ اکثر اموی بادشاہوں کی یہ کوشش رہی کہ عوام کو ان پر اعتراض کرنے کا بہانہ نہ ملے۔ عبدالملک نے کسی سے پوچھا کہ آپ پر بڑھاپا بہت جلد چھا گیا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ منبر کی خطابت اور تلفظ کی احتیاط نے یہ حال کیا ہے۔

بادشاہی کے لوازم اور سخت گیری یقیناً از حد معیوب تھی لیکن اس وقت کی معاصر حکومتوں کو دیکھا جائے تو اموی آمریت ان کے مقابلہ میں بہت محدود تھی۔ تاہم اسلام کی نگاہ میں اس کو کوئی جواز حاصل نہ تھا۔

اختیار اعلیٰ بادشاہ کے پاس ہوتا تھا جو خلیفہ اور امیر المومنین کہلاتا تھا۔ بادشاہ مشاورتی کونسل رکھنے یا عوام سے مشورت کرنے کا پابند نہ تھا۔ لیکن ہم بارہا بادشاہ اور حکام کو قبیلوی سرداروں سے رائے طلب کرتے دیکھتے ہیں۔ قبیلوی نظام اب بھی ایک حد تک بدستور قائم تھا۔ قبیلہ کے سردار کی جو رائے ہوتی تھی سب اہل قبیلہ کو منظور ہوتی تھی۔

ملک بڑے بڑے صوبوں میں منقسم تھا۔ ہر صوبہ کا بالعموم ایک ہی والی ہوتا تھا۔ لیکن بعض اوقات ایک والی کے تحت ایک سے زائد صوبے بھی ہوتے تھے۔ والی کا تقرر خلیفہ کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ صوبائی افسروں کا تقرر بالعموم والی ہی کرتا تھا۔ لیکن خلیفہ ضروری سمجھتا تو دخل دیتا تھا۔ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے شعبے تقریباً ایک سے ہوتے تھے۔ اہم ترین شعبے دیوان خاتم، برید، دفتر اموال، دفتر عطیات فوج اور شرطہ کے تھے۔ کاتب اور حاجب کے عہدے، مرکز کے علاوہ صوبوں میں بھی ہوتے تھے۔

خلیفہ کا انتخاب : خلیفہ کا انتخاب وراثت کے اصول پر ہوتا تھا۔ خلیفہ اپنے جانشین کو نامزد کر جاتا تھا۔ بالعموم وہ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو ولی عہد بناتا تھا۔ عام اصول یہ تھا کہ سب سے بڑا بیٹا ولی عہد ہو۔

خانہ جنگی کے تدارک کے لئے خلیفہ اپنے بعد ایک سے زائد بیٹوں کو علی ترتیب ولی عہد نامزد کرتا تھا، لیکن اس رواج نے آہستہ آہستہ خرابیاں دکھانا شروع کیں۔ ہر جانشین کی یہ تمنا

ہوتی تھی کہ بھائی کو ولی عہدی سے ہٹا کر اس کا حق اپنے بیٹے کو دلا دے۔ اس سے شکر رنجی پیدا ہونے لگی۔ اور بالاخر خانہ جنگی کی نوبت آگئی۔

سیاسی پالیسی : ہر خلیفہ کی سیاسی روش اس کے مزاج کے اعتبار سے مختلف ہوتی تھی لیکن سخت گیری کا کم و بیش رنگ شروع سے آخر تک باقی رہا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اموی خلفاء کی چھاپ کی وجہ سے عوام کے دلوں میں جگہ پیدا نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے اپنا تسلط قائم رکھنے کے لئے انہیں بارہا قہرناہیت کے اوزار دکھانے پڑتے تھے۔

عوام کی خواہشوں کو ہر قدم پر ٹھکرانا ناممکن ہے۔ بنو امیہ اس رمز سے بخوبی آگاہ تھے۔ اس لئے عام حالت میں وہ عوامی خواہشوں کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس وقت کے عوام خلیفہ میں کیا اوصاف دیکھنا چاہتے تھے اس کا اندازہ یزید ثالث کے مندرجہ ذیل خطبہ سے ہوتا ہے جو اس نے ولید کا تخت الٹنے کے بعد دیا :

”یا معا الناس! تم پر میری اطاعت اس صورت میں لازم ہے کہ میں اپنے لئے نہ کوئی عمارت بناؤں، نہ نہر کھدواؤں، نہ ذاتی مال بربھاؤں اور نہ بیوی بچوں کو مال دار کروں۔ میں کسی شہر سے اس وقت تک مال نہ نکالوں گا جب تک اس کا دفاع مضبوط نہ کر لوں اور وہاں کے لوگوں کی حاجتیں پوری نہ ہو جائیں۔ فاضل مال اس کی قریبی بادی میں بھیجا جائے گا۔ سرحدوں کے معاملہ میں تمہیں مصیبت میں نہیں ڈالوں گا۔ تم پر دروازہ بند نہیں کروں گا۔ ذمیوں پر دست درازی نہیں کروں گا۔ تمہارے وظیفے ہر برس اور تمہاری تنخواہیں ہر ماہ ملیں گی اور قریب و بعید میں کوئی فرق نہیں ہو گا۔ اگر میں ان الفاظ کو نباہوں تو تم میرے احکام سنو، اور مانو اور میرا بوجھ بخوبی بناؤ۔ اگر میں انہیں نہ نباہوں یا پھر تائب نہ ہوں تو مجھے معزول کر دو۔ اگر تمہارے علم میں کوئی ایسا صالح شخص ہو جس سے تمہیں وہی امیدیں ہوں جو مجھ سے ہیں اور تم اس کی بیعت کرنا چاہو تو میں سب سے پہلے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دوں گا۔ اے لوگو! خالق کی نافرمانی کرنے والی مخلوق کی اطاعت مت کرو۔“

یزید ثالث اگر ان وعدوں کی بجا آوری کے باوصف ناکام رہا تو اس کی ایک قومی وجہ یہ تھی کہ وہ معتزلی عقائد رکھتا تھا۔ خلیفہ کے لئے ضروری تھا کہ وہ صحیح العقیدہ ہو۔

بنو امیہ کو بد قسمتی سے اکثر ایسے امراء ملے جو نہایت جابر اور جفا کار تھے۔ مثلاً زیادہ بن سمیہ، عبید اللہ بن زیاد، حجاج بن یوسف بن عمرو وغیرہ۔ ان کی خون آشامیوں کی ذمہ داری سے خلفاء بچ نہیں سکتے۔ جن امراء کے نام مذکور ہوئے ہیں۔ یہ سب عراق پر مامور ہوئے۔ دیگر صوبوں میں ایسے امراء کے نام کم نہ آتے ہیں۔ عراقی طبیعت کا جو خاصہ ہے اس کے لئے آہنی گرفت کی

ضرورت تھی۔ لیکن تاریخی واقعات یہ باور کراتے ہیں کہ ان امراء نے بارہا بے ضرورت سختیاں کیں۔ خلفاء نے ان سے دانستہ چشم پوشی کی۔ لہذا وہ بھی ان مظالم میں ایک حد تک شریک ٹھہرتے ہیں۔

خارجہ پالیسی : اندرونی پالیسی میں بارہا خلفاء کی ذاتی مصلحتیں ہمیں غالب نظر آتی ہیں۔ لیکن جہاں تک بیرونی پالیسی کا تعلق ہے اس میں نہ صرف بنو امیہ بلکہ ہر قبیلہ و عقیدہ کے لوگ ایک تھے۔ اس پالیسی کا ایک ہی نصب العین تھا اور وہ تھا اسلام کی آبرو۔ اگرچہ ہشام کے عہد میں حرث نے خاقان ترکستان سے ایکا کر کے اور عثمان نے ڈیوک آف ایگوی ٹین سے اتحاد کر کے غداروں کی فہرست بھی خالی نہیں رہنے دی لیکن یہ خال خال مثالیں ہیں۔ اموی دور کے مسلمان ہزار در ہزار آفرس کے حقدار ہیں کہ جب اسلام کا دشمن سامنے آتا تھا تو سب تفرقے بھلا کر اس کے خلاف ایک ہو جاتے تھے۔ اموی خلفاء اور حکام اس معاملہ میں کارواں کے رہبر تھے۔ حجاج کس قدر ظالم تھا۔ لیکن چند مظلوم مستورات کا انتقام لینے کے لئے اس نے سندھ کے دور افتادہ علاقہ پر فوج کشی کی ذمہ داری اٹھالی۔

مرکزی حکومت : اموی حکومت کا کاروباری نظام نہایت مختصر اور سیدھا سادہ تھا۔ اور نہایت خوش اسلوبی سے چل رہا تھا۔ تین عہدے دار ایسے تھے جن کے ہاتھ میں کوئی وسیع دفتری نظام تو نہ تھا لیکن ان کی اہمیت سب سے بڑھ کر تھی۔ ایک کاتب تھا، دوسرا حاجب اور تیسرا قاضی۔

۱۔ کاتب : کاتب کے لغوی معنی ہیں سیکرٹری۔ کاتب کے لئے انشاء پرداز ہونا ضروری تھا۔ اس کے علاوہ اس کا حسن رائے اور حسن تدبیر سے بھی متصف ہونا لازم تھا۔ وہ خلیفہ کے اسرار کا امانت دار ہوتا تھا۔

۲۔ حاجب : حاجب کے لغوی معنی ہیں ”روکنے والا“ اگرچہ اس کا کام ناخواستہ لوگوں کو خلیفہ سے روکنا اور دور رکھنا بھی تھا۔ لیکن ضروری ملاقاتوں کا انتظام کرانا بھی اسی کے ذمے تھا۔ ہم اسے افسر رابطہ کہہ سکتے ہیں۔

محلّاتی نظام بھی حاجب کے سپرد ہوتا تھا۔ اس اعتبار سے وہ امور خانہ داری کا وزیر تھا۔

۳۔ قاضی : یہ دمشق کا قاضی اعلیٰ تھا۔ مقامی عدلیہ کا نظام اسی کے تحت تھا صوبائی قضاة اس کے زیر انتظام نہ تھے۔

متفرق محکمے :

۱۔ دیوان خاتم : (ریکارڈ آفس)۔ اس دفتر میں خلیفہ کے فرامین کی نقول رکھی جاتی تھیں۔ خلیفہ کے فرمان کو بند اور سر بھر کر کے بھیجتے تھے۔ مہر کو عربی میں خاتم کہتے ہیں، اس لئے اس دفتر کا نام دیوان خاتم رکھا گیا۔ یہ دفتر کاتب کے زیر انتظام ہوتا تھا۔ دیوان خاتم کے بنا حضرت معاویہؓ

نے رکھی۔

۲۔ دیوان اموال : یہ مالیات کا دفتر تھا۔ خلافت راشدہ میں بھی بیت المال کی آمدن اور خرچ کا حساب رکھا جاتا تھا لیکن اموی دور میں اس شعبہ کی بہت توسیع ہوئی۔ آمدن کی یہ مدیں تھیں : زکوٰۃ، جزیہ، خراج، غنیمت، خاصہ کی زمین، تجارتی ٹیکس، تحائف وغیرہ۔

۳۔ دیوان عطایا : (یا اعطیات) یہ مردم شماری اور وظائف کا رجسٹر تھا۔ کلیدی شہروں یعنی مکہ، مدینہ، دمشق، کوفہ اور بصرہ کے لوگوں کو مقررہ وظائف ملتے تھے۔ نیز بڑے بڑے قبیلوں کے روساء کو بھی حکومت کی طرف سے وقتاً فوقتاً مالی مدد ملتی تھی۔ محتاجوں اور معذوروں کے نام بھی وظیفے جاری تھے۔ اس بارہ میں حکمرانوں کا اپنا اپنا طریق کار ہوتا تھا جس کی وجہ سے اصحاب عطایا میں کمی بیشی اور تبدیلی ہوتی رہتی تھی۔

۴۔ حرس : شاہی سپہ داروں کے دستہ کو حرس کہتے تھے۔ یہ ایجاد اموی عہد کی ہے۔ خلافت راشدہ میں خلفاء کی حفاظت کے لئے کوئی سپہ دار نہیں ہوتا تھا۔

۵۔ شرطہ : یعنی پولیس۔ اس کے ذمے شہری نظام کی نگرانی تھی۔ پولیس کے افسر اعلیٰ کو صاحب الشرطہ کہتے تھے۔ خلیفہ جب کہیں جاتا تو صاحب الشرطہ برچھی اٹھائے آگے آگے چلتا تھا تاکہ لوگ مرعوب رہیں۔

۶۔ احداث : ایک قسم کی ملیشیا تھی جس کا درجہ فوج اور پولیس کے درمیان ہوتا تھا۔ اس کے بانی حضرت عمرؓ تھے۔ خلافت راشدہ میں اس سے عارضی پولیس کا کام لیا جاتا تھا کیوں کہ اس وقت مستقل شرطہ کی ضرورت نہ تھی۔

حضرت معاویہؓ نے احداث کی نئے سرے سے تنظیم کی، لیکن بعد میں اس کی طرف کسی نے توجہ نہ دی۔ ہشام کا وقت آیا تو اس نے اس کی پھر تدوین کی۔ اس کو یہ ضرورت غالباً مالی بچت کی خاطر پیش آئی۔ احداث کا یہ فائدہ تھا کہ مستقل پولیس اور فوج کی حاجت گھٹ جاتی تھی اور خزانہ پر بوجھ ہلکا ہو جاتا تھا۔

۷۔ فوج : خلیفہ کے پاس مستقل فوج کی ایک پلٹن رہتی تھی۔ زیادہ فوج کی ضرورت ہوتی تو صوبائی حکام لشکر بھیجتے تھے۔ فوج کا دفتر دیوان الجند کہلاتا تھا۔

۸۔ بحریہ : بحریہ کا ناظم امیر البحر کہلاتا تھا۔ بحری بیڑہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں حضرت معاویہؓ کے ہاتھوں وجود میں آ گیا تھا۔ حضرت معاویہؓ فرماں روا ہوئے تو اس کی طرف مزید توجہ دی۔ بحریہ کا الگ شعبہ قائم کیا اور وسیع پیمانے پر جہاز سازی شروع کرائی۔ موسیٰ بن نصیر نے اسے اور وسعت دی اور تیونس میں جہاز سازی کا ایک نیا کارخانہ قائم کیا۔ ہشامی عہد میں اس کارخانہ کی توسیع کی گئی۔

۹- برید : یہ ڈاک کا محکمہ تھا۔ اس کے ذریعے سرکاری ڈاک کے علاوہ عوام کی ڈاک بھی جاتی تھی۔ اس کا رواج حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی تھا۔ لیکن اس کی باقاعدہ تدوین حضرت معاویہؓ نے کی۔ برید کا نام غالباً انہی کے عہد میں پڑا۔ ملک میں تقریباً بارہ بارہ میل کے فاصلے پر چوکیاں مقرر تھیں جہاں تیز رفتار گھوڑے تیار رہتے تھے۔ ہرکارے ان گھوڑوں پر نہایت سرعت سے منزل بہ منزل ڈاک پہنچاتے تھے۔ برید کے ذریعے ڈاک کی ترسیل ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ چھوٹی موٹی اشیاء بھی بھیجی جاتی تھیں۔ عبدالملک نے برید کی تنظیم کی طرف نئے سرے سے توجہ کی۔

عوام میں ڈاک بھیجنے کا وسیلہ برید ہی نہ تھی بلکہ قاصدوں اور اہلچلیوں سے بھی یہ کام لیا جاتا تھا۔ کبوتروں سے نامہ بری کا کام لینے کا بھی عام رواج تھا۔ اس مقصد کے لئے کبوتروں کو نہایت عمدہ تربیت دی جاتی تھی۔

اہل ذمہ : اموی دور میں اہل ذمہ کے ساتھ بالعموم اچھا سلوک رہا۔ بعض عیسائی نہایت بلند عہدوں پر پہنچے۔ حضرت معاویہؓ کے عہد میں ابن اوشال حمص کے دفتر خراج کا سیکرٹری تھا۔ ۱۔ عبدالملک کا کاتب سرحون اور سلیمان کا کاتب ابن بطریق نصرانی تھے۔ ۲۔

صوبائی نظام : صوبائی گورنروں کی ملازمت کی مقرر معیار نہیں ہوتی تھی۔ خلیفہ کو جب منظور ہوتا گورنر کو الگ کر دیتا تھا۔ گورنر کی سکونت گاہ دارالامارہ کہلاتی تھی جو مسجد جامع کے ساتھ ملحق ہوتی تھی۔ کیونکہ جمعہ کی نماز گورنر ہی پڑھاتا تھا۔ گورنر کا طرز زندگی اور طرز حکومت خلیفہ کی تقلید میں ہوتا تھا۔ مرکز کی طرح صوبائی دفاتر کا بھی کوئی وسیع عملہ نہ تھا۔ مختصراً مندرجہ ذیل شعبے ہوتے تھے۔

۱- دیوان خاتم : اسے دیوان رسائل بھی کہتے تھے۔ احکام اسی دفتر سے جاری ہوتے تھے۔  
۲- دیوان الخراج : یہ خراج کا دفتر تھا۔ اس کا ناظم اعلیٰ صاحب الخراج کہلاتا تھا۔ نظری لحاظ سے صاحب الخراج براہ راست مرکز کے تحت ہوتا تھا لیکن عملاً گورنر کو خزانہ پر پوری دسترس ہوتی تھی۔ خلیفہ دخل اندازی سے احتراز کرتا تھا۔ عبدالملک کے عہد تک خراج کے دفاتر صوبائی زبانوں میں ہوتے تھے۔ اس کے عہد میں عربی میں منتقل ہو گئے۔ دیوان اموال غالباً اسی دفتر کو کہتے تھے۔ آمدن کے مندرجہ ذیل شعبے تھے۔

زکوٰۃ، خراج، جزیہ، غنیمت، جرمانے، تجارتی ٹیکس وغیرہ۔ زکوٰۃ اہل اسلام سے وصول ہوتی ہے۔ خراج غیر مسلموں کی زمینی حاصلات پر وصول ہوتا تھا۔ جزیہ غیر مسلموں کی ذات پر عائد ہوتا تھا۔

۳- شرطہ : اس کے ناظم اعلیٰ کو صاحب الشرطہ کہتے تھے۔ جب کسی والی کے خلاف سارا شہر

۱۔ ہبیاری صفحہ ۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰ تیسرا والا شراف مسعودی۔

اچانک باغی ہو جاتا تو عام طور پر شرطہ ہی آڑے آتی تھی اور فوج کا کام دیتی تھی۔ ورنہ اس کے ذمے عام حالات میں پولیس کے فرائض ہوتے تھے۔

۴۔ قاضی : ہر صوبہ کے مرکزی شہر میں ایک قاضی اعلیٰ ہوتا تھا، جو صوبہ کے عدالتی نظام کا نگران ہوتا تھا۔ عدلیہ بالعموم انتظامیہ سے الگ ہوتی تھی لیکن خالد قری نے ہشام کے عہد میں احداث، شرطہ اور قضا کے محکمے ایک ہی شخص بلال بصری کو سونپے تھے اہل ذمہ مقدمات کا فیصلہ ان کے اپنے جج کرتے تھے۔

۵۔ فوج : چونکہ ہر مسلمان کے لئے بوقت ضرورت فوجی خدمت لازمی تھی اس لئے مستقل فوج کم تھی۔ وقت پڑنے پر منتوعہ یعنی رضاکاروں کی لام بندی کر لی جاتی تھی۔

زراعت : زراعت کی طرف اموی حکومت کی بہت توجہ رہی۔ متعدد نہریں کھدوائی گئیں عراق ہی میں نہروں کا جال نہیں بچھا بلکہ پہاڑی علاقوں میں بھی بعض جگہ نہریں کھودی گئیں۔ اگرچہ بعض گورنر زراعت سے غفلت کے مرتکب ہوئے۔ لیکن بالعموم کاشتکاروں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ اگر فوجی نقل و حرکت میں کسی کی فصل برباد ہو جاتی تو اسے حکومت سے ہرجانہ وصول کرنے کا حق حاصل تھا۔

## علم و حکمت

صدر اسلام کے عرب علوم میں سوائے لغت، احکام شریعت اور طب کے جن کی شدید حاجت تھی اور کسی چیز سے اعتنا نہیں کرتے تھے۔ یہ اس لئے کہ نئے علوم کے دخل سے اسلام کے عقائد و قواعد پختہ ہونے سے قبل ہی خلل پذیر نہ ہو جائیں۔ اموی دور میں غالب کیفیت یہی رہی۔ البتہ حضرت معاویہؓ کے پوتے خالد بن یزید نے کیمیا اور طب وغیرہ کی طرف توجہ کی۔

اموی دور میں علوم دین اور عربیت کے میدان میں بے بہا کارنامے انجام دیے گئے۔ یہ زیادہ تر اہل علم طبقہ کی ذاتی کوششوں کا ثمرہ تھا۔ شاہان وقت نے بھی اپنے طور پر علم کی قدر افزائی کی۔ حضرت معاویہؓ اور ہشام نے تاریخ میں کتابیں لکھوائیں۔ ولید نے قرآن کی تعلیم کی طرف پوری توجہ دی اور حفاظ و قراء وغیرہ کے وظائف مقرر کیے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی اشاعت علم کی طرف خوب توجہ دی۔

اموی خلفاء نے ایک شاہی کتب خانہ بھی بنایا تھا لیکن اس کی تفصیلات معلوم نہیں۔ الغرض کچھ حکمران طبقہ کی توجہ سے اور زیادہ تر علماء کی ذاتی جدوجہد سے متفرق علوم کو بہت وسعت ملی۔ اس کا مختصر تذکرہ ذیل میں درج ہے۔

عربیت : عجمی اقوام کے دائرہ اسلام میں آنے کی وجہ سے عربی لغت کو منضبط کرنے اور قواعد کو مرتب کرنے کی حاجت ہوئی۔ اس دور میں لغات و محاورات کی تحقیق کا دامن پھیلا اور صرف و نحو کے فنون ایجاد ہوئے۔ عربی قواعد کا سنگ بنیاد حضرت علیؓ نے رکھا تھا۔ ان کے شاگرد ابوالا سودی نے اس فن کو اور وسعت دی۔

قرآنی علوم : ابتداء قرآن میں اعراب نہ تھے۔ اموی عہد میں پچاس ہجری کے بعد لگائے گئے۔ اعراب پہلے نقطوں کی صورت میں لکھے گئے۔ دیگر نقطوں سے تمیز کرنے کے لئے انہیں الگ سیاہی میں لکھا جاتا تھا۔ یہ خدمت حضرت علیؓ کے شاگرد ابوالا سودی نے اور ان کے شاگرد نصر بن عاصم اور یحییٰ بن - عمر نے انجام دی۔ صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ کہ ان میں سے ہر ایک نے اس کار خیر میں کس قدر حصہ لیا۔ ۱۔

اموی دور میں تفسیریں بھی لکھی گئیں۔ ابن عباسؓ کے مولیٰ عکرمہ نے تفسیر میں ایک کتاب لکھی۔ سعید بن جبیر نے بھی ایک تفسیر سپرد قلم کی جو بعد میں عطا بن دینار کے نام سے مشہور ہوئی۔ تباہد تاجی کی تفسیر اور بدء الخلق میں ہمام بن منبہ کی کتاب بھی قابل ذکر ہیں۔ ۲۔ ضحاک بن مزاحم (وفات ۱۰۵ یا ۱۰۶ھ) نے بھی ایک تفسیر سپرد قلم کی تھی۔ ۳۔

ابن عباسؓ کے نام سے ایک تفسیر تنویر المعباس نام آج کل مطبوعہ ملتی ہے۔ ان کے نام سے تفسیر کی اور کتابیں بھی منسوب ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں خود نوشت نہیں بلکہ اموی

۱۔ تعارف قرآن از شیخ محمد اقبال۔ ۲۔ تعارف قرآن از شیخ محمد اقبال۔ ۳۔ فوح البلاد ان بلاذری صفحہ ۳۲۶، تہذیب الحدیب ابن حجر۔



دور میں آپ کی روایات تحریر کر دی گئیں اور آپ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ۱۔  
 حدیث : علم حدیث کے لئے زیادہ انحصار زبانی یادداشت پر تھا۔ تاہم اس دور میں حدیث کا ایک وسیع ذخیرہ معرض تحریر میں آیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کی کتابیں غالباً خلافت راشدہ کے بعد ہی لکھی گئیں۔ حضرت زید بن ثابت کی کتاب حضرت معاویہؓ کے عہد سے تعلق رکھتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی املا کردہ احادیث کی ایک کتاب الصیغۃ الصغیرۃ کے نام سے تھی۔ یہ حال ہی میں صحیفہ ہمام بن مہبہ کے نام سے چھپ گئی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ملک گیر پیمانے پر تحریر حدیث کی تحریک چلائی۔ امام زہری نے حدیث کی تحریروں کے انبار لگا دیے۔ امام مالک کی کتاب موطا کے بارے میں قطعیت سے کہا جا سکتا ہے کہ اس کا اولین مسودہ اسی دور میں لکھا گیا۔ بعد میں اس میں ترمیم ہوتی رہی۔ اسی دور میں ابن جریج، اوزاعی، سفیان ثوری، ابوسلمہ حماد بن دینار، معمر بن راشد اور عبداللہ بن مبارک ایسے محدث موجود تھے۔ ان سب نے حدیث میں کتابیں لکھیں لیکن ان کے بارے میں ہم حتمی فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ان کی کتابیں اموی دور کی پیداوار ہیں یا عباسی دور کی کیونکہ ان اصحاب نے عباسی دور میں وفات پائی۔ ۲۔

تاریخ : اس دور میں سیرت نبویؐ پہ لکھنے والے دو غیر فانی شہرت کے عالم موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق زندہ تھے۔ انہوں نے علی الترتیب ۱۳۱ھ اور ۱۵۰ھ ہجری میں وفات پائی۔ اس لئے ان کی کتابوں کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ اموی دور میں لکھی گئیں یا عباسی دور میں۔ موسیٰ بن عقبہ کی کتاب غالباً اسی دور میں لکھی گئی۔ ۳۔

حضرت معاویہؓ اور ہشام نے قدیم تاریخ کی کتابیں لکھوائیں۔ خالد بن ابی الحیاج نے ولید بن عبدالملک کے لئے تاریخ لکھی۔ عوانہ نے حضرت معاویہؓ اور بنو امیہ کی تاریخ لکھی (الفہرست) ابو مخنف صحابی نے تاریخ میں متعدد کتابیں لکھیں۔ (الفہرست)

فقہ : اس دور میں بہت بڑے بڑے فقہا پیدا ہوئے جن میں امام مالک اور امام ابوحنیفہ سر فہرست ہیں۔ امام مالک عمر بھر مدینہ میں رہے۔ لوگ دور دور سے کھچ کر آپ کے درس میں شامل ہوتے تھے۔ امام ابوحنیفہ کو بھی علم فقہ میں شہرت جاوید حاصل ہوئی۔ آپ نے ایک ہزار ارباب علم کی ایک مجلس مشاورت قائم کی۔ اس میں چالیس صاحب الاجتہاد علماء تھے جو علم و ادراک کے آسمان کے آفتاب و مہتاب تھے۔ آپ فقہی مسائل کو اس مجلس کے سامنے پیش کرتے اور خوب بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ کیا جاتا تھا۔ یہ مجلس اموی عہد کے اٹھارہ برس بعد تک قائم رہی۔ اس میں جو فتوے دیے جاتے تھے انہیں لکھ لیا جاتا تھا۔ ۴۔

حکمت : خالد بن یزید بن معاویہ اسلام میں غالباً پہلا شخص ہے جس نے حکمت کی طرف اس حد

۱۔ تعارف قرآن از شیخ محمد اقبال۔ ۲۔ تعارف حدیث از شیخ جلال۔ ۳۔ تعارف حدیث از محمد اقبال۔ ۴۔ تعارف فقہ از شیخ محمد اقبال۔

تک توجہ دی کہ غیر زبانوں سے ترجمہ کا اہتمام کیا۔

خالد کو حکیم آل مروان کہتے تھے۔ اس نے مصر سے فلاسفہ یونان کی ایک جماعت منگوائی اور اسے حکم دیا کہ صنعت کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرو۔ اس سلسلہ میں طب، نجوم اور کیمیا کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ اس نے خود بھی کیمیا میں کئی کتابیں تصنیف کیں جس سے چار کتابوں کا وجود چار صدی تک باقی رہا۔

مروان اول کے شاہی طبیب نے ایک سریانی کتاب کا ترجمہ کیا جسے شاہی کتب خانہ میں رکھا گیا۔

طب : اموی دور میں علم طب نے ترقی کی بہت سی منزلیں طے کیں۔ جراحی میں بعض اصحاب نے بہت دست گاہ پیدا کی۔ ایک جراح کے بارے میں یہ روایت ملتی ہے کہ اس نے ایک شخص کی آنکھ کا ڈھیلا نکال کر دوبارہ ٹھکانے جڑ دیا۔

## تہذیب و تمدن

اموی دور میں سین اور بحر ظلمات (بحر اوقیانوس) سے لے کر سندھ تک اسلامی حکومت پھیل گئی۔ لیکن اسلامی آبادی انہی حدود میں مقید نہ تھی۔ مشرق میں چین اور جاوا سماٹرا تک اسلامی مبلغ اور تاجر پہنچے۔ ہندوستان کے جنوبی ساحل کے قریب ایک چھوٹی سی ریاست قائم تھی۔ یہاں کا ایک راجہ شق قمر دیکھ کر اسلام لے آیا تھا۔ راجہ داہر کے قزاقوں نے جن لوگوں کو لوٹا تھا وہ انہی علاقوں سے آرہے تھے۔

اسلامی دور میں بیسیوں ملکوں اور قوموں کی تہذیب و تمدن کا سرمایہ یک جا ہوا۔ اس سنگم نے ایک نئی تہذیب کی بنا رکھی جو کسی جغرافیائی خطے سے منسوب نہ تھی۔ اس میں آفاقی وسعت تھی۔ دنیا کے جس خطے میں جو اچھی چیز تھی اسے اختیار کر لیا گیا۔ بے شک بعض ناپسندیدہ چیزیں بھی کہیں کہیں رائج ہوئیں لیکن ان کو اسلام کی منظوری حاصل نہ تھی۔ اس لئے انہیں اسلامی تہذیب کا جزو قرار دینا بہت بڑی غلطی ہے۔ اگر کسی شہر میں چند بد قماش افراد جوئے کا مرکز کھول لیں اور باقی شہر والے اس سے بیزاری کا اظہار کریں تو اس مرکز قمار کو اس شہر کے تمدن کا جزو قرار نہیں دیا جائے گا۔ کسی قوم سے وہی تہذیب و تمدن منسوب ہو سکتا ہے جسے اس کی اکثریت نے خوشی سے اختیار کیا ہو اور اس پر فخر کیا ہو۔ جب ہم اسلامی تہذیب و تمدن کے خد و خال تلاش کریں گے تو ان اجزاء کو خارج کرنا پڑے گا جنہیں اکثریت نے قبول نہیں کیا یا من حیث القوم ان پر فخر کا اظہار نہیں کیا گیا۔

اسلامی تہذیب و تمدن کے اجزاء کی ایک عام پہچان یہ ہے کہ ان سے فضول خرچی، تضحیح اوقات یا اخلاق سوزی وابستہ نہیں ہوتی۔ شطرنج، کبوتر بازی، کتوں اور بیٹوں کی لڑائی، فحش شاعری، عریاں لباس، لالابالی فیشن وغیرہ سے اسلامی تہذیب و تمدن کو کبھی واسطہ نہیں رہا۔ جب کبھی ان کا رواج ہوتا نظر آیا حکومت نے اس کا تدارک کیا۔ اس مقصد کے لئے احتساب کے سینہ سے کام لیا جاتا تھا۔

اسلامی تہذیب و تمدن میں بعض ایسی اشیاء بھی داخل ہو گئیں جن کے حق میں دینی نقطہ نگاہ سے شاید کوئی دلیل نہ دی جاسکے اور نہ ان کی تردید ہو سکے لیکن بعض امور کی وجہ سے اہل اسلام نے ان پر فخر کیا اور انہیں اپنی تہذیب کا جزو قرار دیا۔ خلیفہ ولید نے جامع دمشق پر بڑی دولت صرف کی۔ بعض جگہ اس کو سونے چاندی کے پتروں سے ڈھک دیا اور قیمتی پتھر جڑوائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حکم دیا کہ یہ قیمتی سامان مسجد سے اتار کر قوی رفاہ میں خرچ کیا جائے۔ کسی نے کہا کہ ایک عیسائی اس مسجد کو دیکھ کر اتنا مرعوب ہوا تھا کہ بے ہوش ہو گیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو جامع کو اپنے حال پر رہنے دو۔ اس

لحاظ سے پر شکوہ تعمیرات اسلامی تمدن کا جزو بن گئیں۔

**تعمیرات :** اسلام سادگی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لئے شروع میں رجحان عالی شان عمارات کے خلاف رہا۔ حضرت عمرؓ نے کوفہ اور بصرہ کے شہر آباد کرائے تو مکانوں کی گنجائش پر حد مقرر کر دی تھی۔ اموی دور میں آہستہ آہستہ پر شکوہ عمارتوں کا رواج پڑنے لگا۔ یہ ایرانی اور رومی تہذیب کا اثر تھا۔

سب سے پہلے حضرت معاویہؓ نے دمشق میں اپنے لئے محلات بنوائے۔ اس کے بعد صوبائی والیوں کا بھی ادھر میلان ہوا۔ ولید کا دور آیا تو امراء کو تعمیرات کا جنون سا ہو گیا۔ جگہ جگہ شاندار عمارتیں نظر آنے لگیں۔ مضبوطی کی خاطر زیادہ تر پتھروں کا استعمال ہوتا تھا۔

سب سے زیادہ توجہ مساجد کی طرف تھی۔ ولید کے عہد میں جو سب سے عالی شان عمارت بنی وہ جامع دمشق تھی۔ از بس دل کش تھی۔ مسجد النبی اور مسجد حرام کی بھی توسیع کی گئی اور ان کی شان میں اضافہ کیا گیا۔ جامع بصرہ، جامع کوفہ اور جامع عمرو بن العاص وغیرہ بھی اس سلسلہ میں قابل ذکر ہیں۔

گنبد کا رواج عرب سے بیرونی دنیا میں پہلے سے تھا۔ لیکن اسلام نے اسے اس طرح اپنایا کہ اسلامی فن تعمیر کا نشان امتیاز ہو گیا۔ سب سے پہلے حضرت معاویہؓ نے دمشق میں ہرے رنگ کا گنبد بنایا جس میں وہ چالیس برس رہے۔ اب عبدالملک نے بیت المقدس میں عہدہ پر جو گنبد بنوایا وہ آج بھی وجود میں ہے۔ اور دنیا کے نواہر میں سے ہے۔ حجاج بن یوسف نے واسط میں سبز گنبد بنوایا تھا جو مدت تک قائم رہا۔ اس کا دور دور تک شہرہ تھا۔

میناروں کا رواج حضرت معاویہؓ کے عہد میں ہوا۔ عربوں کو کشیدہ قامت کھجور سے جو محبت تھی معلوم ہوتا ہے کہ مینار اس کا مظہر ہے۔ یہ آہستہ آہستہ مساجد کی علامت جلال ٹھہرا۔

بڑی مسجدوں اور شاہی ایوانوں کے لئے بڑے بڑے کمرے بنائے جاتے تھے جن میں عموماً لکڑی کے ستوں استعمال ہوتے تھے لیکن اس مقصد کے لئے کہیں کہیں پتھر بھی استعمال ہوا۔ شہروں کی آبادی : اموی دور میں کئی نئے شہر آباد ہوئے اور ویران قبضوں میں نئے سرے سے رونق آئی۔ شہروں کی آبادی کے کئی اسباب تھے۔ مثلاً :

۱۔ فوج کے مستقروں کے لئے نئے مقامات کی ضرورت تھی تاکہ باہر سے آنے والے سپاہی قدیم آبادی سے دور رہیں۔ اس مقصد کے لئے جو شہر آباد ہوئے ان میں واسط بہت مشہور ہے۔ یہ کوفہ اور بصرہ کے درمیان ہونے کی وجہ سے واسط کہلاتا تھا۔ یہ دجلہ کے کنارے تھا۔ دوسری طرف کسکر کا قدیم قصبہ تھا۔

۲۔ سرحدی حفاظت کے لئے فوجی چھاونیاں قائم کرنی پڑیں جو بعد میں بہت بڑے شہر بن

گئے۔ اس سلسلہ میں قیروان، منصورہ اور محفونہ وغیرہ کے شہر قابل ذکر ہیں۔ یہاں عرب آباد ہوئے۔ ان شہروں میں کہیں کہیں نہایت مضبوط قلعے بھی بنائے گئے۔

۳۔ بعض شہروں کی بنا کا سبب کسی خلیفہ کی محض خوش ذوقی تھی۔ مثلاً ہشام نے نزہت گاہ کے طور پر رصافہ آباد کیا۔

نئے شہر کی پہلے خط کشی ہوئی اور ایک نقشہ کے موافق محلے، گلیاں اور بازار معرض وجود میں آئے۔ آب رسانی کا خاطر خواہ انتظام ہوا۔

دمشق : اموی دور میں یوں تو کئی شہروں کی رونق بڑھی لیکن دمشق کو جو شوکت اور رعنائی حاصل ہوئی وہ اسی کا حصہ تھا۔ اس خوب صورت شہر کی رونق نے نقطہ کمال کو چھو لیا۔

دمشق بنو امیہ کا پایہ تخت تھا۔ اس کی بڑی خوش قسمتی یہ تھی کہ نہایت زرخیز خطہ میں واقع تھا جہاں آب رسانی کا اہتمام آسانی سے ہو سکتا تھا۔ اس کی شان سرعت سے بڑھتی گئی۔

یہ ایک قدیم شہر تھا۔ اس کی ہزاروں برس کی عمر تھی۔ فوجی نقطہ نگاہ سے از بس اہمیت رکھتا تھا۔ اس کے گرد سنگین اور مستحکم فصیل تھی جس میں کئی مضبوط دروازے تھے۔

دمشق شام کے شہروں اور ایران و عرب وغیرہ سے قریب تھا۔ یہاں ایک بہت بڑی تجارتی منڈی قائم ہو گئی۔ بین الاقوامی تہذیب و تمدن کا سنگم بن گیا۔

پہلے یہاں عیسائی آباد تھے۔ اسلامی افواج نے اسے فتح کیا تو طے پایا کہ ایک حصہ میں عیسائی آباد رہیں گے اور ایک میں مسلمانوں کی آبادی ہوگی۔ اس سے غرض یہ تھی کہ باشندوں میں امن و امان قائم رہے۔ یہ مقصد پوری طرح حاصل ہوا اور سارے اموی دور میں یہ شہر سیاسی شورشوں سے مامون رہا۔ نتیجہ یہ کہ خوش حالی اور فارغ البالی انتہا کو پہنچی اور لوگ تہذیب و تمدن کی حیرت انگیز برکتوں سے ہم کنار ہوئے۔

دمشق میں شاندار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ جامع دمشق کا تو جواب ہی تھا۔ عالی شان گرجوں کی بھی کمی نہ تھی۔ پرشکوہ قصر وجود میں آئے۔ یہ عمارات صرف مسلمان امراء سے مختص نہ تھیں۔ نصاریٰ بھی ان میں برابر کے حصہ دار تھے۔

عیسائی اور مسلمان ساری آبادی فراغت سے بسر کرتی تھی۔ عیسائی بعض دفعہ نہایت اہم عہدے حاصل کر لیتے تھے اور شاہانہ ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔

دمشق جنت کا نمونہ تھا۔ آب رسانی کا جو اہتمام اموی دور میں ہوا وہ اہل اسلام کی خوش ذوقی اور ذہانت کا دائمی ثبوت فراہم کرتا ہے۔ گھر گھر پانی کی جدولیں پہنچیں۔ مکانوں کے ساتھ پائیں باغ تھے جہاں طرح طرح کے گل بوٹے بہار دکھاتے تھے۔ آب پاشی کا یہ نظام آج تک باقی ہے دمشق کے وسیع شہر میں کئی بازار تھے جو مستف تھے۔ یہ بازار گرمیوں میں خوب ٹھنڈے رہتے تھے۔

## بنو عباس ابوالعباس السفاح

(۱۳۲ تا ۱۳۶ھ) (۶۵۰ء تا ۶۵۴ء)

۱۳۲ ہجری (ذوالحجہ) میں عباسی حکومت کے بانی ابوالعباس عبداللہ بن علی کی بیعت ہوئی۔ اس کے بعد اس نے ایک خطبہ دیا جس میں کوفہ والوں کی ستائش کی اور کہا کہ میں نے تمہارے وظیفوں میں سو درہم بڑھا دئے ہیں۔ اب کمر باندھ لو۔ میں سفاح، غلظہ انداز، انتقام گیر اور ہلاکت خیز ہوں۔ اس نے اس اعلان کو سچ کر دکھایا اور تاریخ میں سفاح (یعنی خونریز) کے نام سے زندہ رہ گیا۔

ابوالعباس کے مسائل : ابوالعباس بے مثال حوصلہ و تدبیر کا مالک تھا۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اسے اپنے خاندان ہی میں ایسے کار آگہ اور بیدار مغز صلاح کار مل گئے جنہوں نے قدم قدم پر اس کی مدد کی اور اس کی مشکلات کو آسان کر دیا۔ ابوالعباس کے سامنے کئی حوصلہ آزما مسائل اٹھے جنہیں اس نے ہمت اور تدبیر سے چٹکیوں میں حل کر لیا۔ بعض مسائل درج ذیل ہیں :

۱۔ سابقہ خود سر امراء : جن دنوں بنو امیہ پر ادبار کی گھٹائیں چھا رہی تھیں کئی امراء خود سر ہو گئے۔ حکومت بدلنے پر انہیں خود مختاری کا مزید حوصلہ ہوا۔ ابوالعباس نے انہیں آسانی سے زیر کر لیا۔

۲۔ جدید بندوبست : اسلامی سلطنت نہایت وسیع و عریض تھی۔ سوائے سپین کے جس پر ایک اموی شہزادہ عبدالرحمن الداخل نے قبضہ کر لیا یہ ساری سلطنت بنو عباس کے ہاتھ میں آئی۔ اس میں ایک مضبوط بندوبست قائم کرنا تھا۔ ابوالعباس نے اس مقصد کے لئے سب صوبوں میں صاحب فہم اور قابل اعتماد امراء مقرر کئے۔ ان امراء کی وافر تعداد اس کے اپنے خاندان ہی سے فراہم ہو گئی۔ سوائے خراسان کے جو ابو مسلم کے تحت تھا باقی کل اہم صوبوں میں اس نے اپنے بھائیوں، چچاؤں اور بھتیجوں کو مامور کیا۔ ان لوگوں نے ذہانت اور وفاداری کا ثبوت دیا اور حکومت کے پائے مضبوط کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

۳۔ بنو امیہ کے حامی : سفاح نے بنو امیہ کے آثار حکومت مٹانے کی یہاں تک کوشش کی کہ ان کے بادشاہوں کی قبریں تک کھدوا ڈالیں۔ تاہم شام اور جزیرہ کے علاقہ میں اب بھی ایسے لوگ موجود تھے جو بنو امیہ کے پروردہ اور ہوا خواہ تھے، 'تسرین' حص اور جزیرہ کے علاقوں میں انہوں نے ہتھیار اٹھائے لیکن بنو عباس کے زور کے سامنے ٹھہرنا مشکل تھا۔ ہار مان لی۔

۱۔ اہل بیت کے حامی : بنو عباس کی تحریک اہل بیت کے نام پر اٹھی تھی۔ نگاہیں مشتاق

تھیں کہ کس وقت بنو امیہ کا قبضہ اٹھتا ہے اور مسند خلافت پر کوئی سید زاہد جلوہ افروز ہوتا ہے لیکن عوام کی تمنا بر نہ آئی۔ اہل بیت کے حامیوں نے سفاح کی بیعت کو پسند نہ کیا۔ ان کے قائدین میں ابو سلمہ خلال کا نام سرفہرست ہے۔

۵۔ ابو سلمہ خلال کا قتل : امام ابراہیم کی وفات کے بعد ابو سلمہ خلال نے خلافت اہل بیت میں منتقل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس لئے چالیس روز تک امام ابراہیم کی موت کی خبر پوشیدہ رکھی۔ جب داعیوں پر حقیقت کھلی تو انہوں نے ابو العباس عبداللہ کی بیعت کر لی اور ابو سلمہ کا ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ تاہم اس کے دل سے یہ خیال نہ نکلا۔ ابو العباس کو اس بات کا علم تھا۔ اس لئے اس نے ابو سلمہ کو رستہ سے ہٹانے کا ارادہ کر لیا۔

ابو سلمہ کی عوام میں بہت قدر و منزلت تھی۔ اس نے بنو عباس کی بے بہا خدمات انجام دی تھیں۔ اسے وزیر آل محمد کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ ایسے شخص کو علی الاعلان قتل کیا جاتا تو عوام مشتعل ہو جاتے۔ اس لئے سفاح نے پراسرار طریق اختیار کیا۔ ابو مسلم کی تائید ضروری تھی۔ اس کو اپنے ارادہ سے مطلع کیا۔ ابو مسلم نے جواب بھیجا کہ اگر آپ کو ابو سلمہ کے انحراف کے بارے میں اطلاع ہے تو اسے مار دیجئے۔ سفاح کو اس کے چچا داؤد بن علی نے رائے دی کہ تم خود اس کام کو ہاتھ میں نہ لو ورنہ ابو مسلم اس واقعہ کو کسی دن تمہارے خلاف حجت بنا کر لائے گا۔ ابو مسلم کو لکھو کہ وہی اس کام کو انجام دے۔ سفاح نے ابو مسلم کو حکم بھیجا۔ اس نے ایک خفیہ کارندہ بھیجا۔ اس نے آکر سفاح کو اپنے مشن سے مطلع کیا۔ سفاح نے ایک باقاعدہ منصوبہ بنایا۔ اس کے اعلاچی نے منادی کی کہ امیر المومنین اب ابو سلمہ سے خوشنود ہو گئے ہیں۔ سفاح نے ابو سلمہ کو خلعت پہنائی اور اس سے راہ و رسم بڑھائی۔ ایک رات ابو سلمہ دیر تک سفاح کے پاس بیٹھا رہا۔ واپس گیا تو تنہا تھا۔ ابو مسلم کے کارندے نے اس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرے دن مشہور ہو گیا کہ ابو سلمہ کو خارجیوں نے مار دیا ہے۔ سفاح کے بھائی نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ پایہ تخت ہاشمیہ میں (جو کوفہ سے ملحق تھا) دفن کیا گیا۔ یہ واقعہ ابو العباس کی تخت نشینی کے پہلے برس کا ہے۔ ۱۔

ابو العباس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ اہل بیت کے سب حامیوں کو مٹانے پر تل گیا اور ابو مسلم کے ذریعے ابو سلمہ کے مقرر کردہ سارے عمدہ داروں کو ہلاک کروا دیا۔ ۲۔

ابو سلمہ خلال کی وفات کے بعد ۱۳۳ ہجری میں خراسان کے تیس ہزار آدمی باغی ہو گئے کہ ہم نے بیعت خوں ریزی پر نہیں کی تھی۔ ابو مسلم نے اس بغاوت کو دبا دیا۔ ۳۔

۶۔ خوارج : خوارج جنہوں نے بنو امیہ کو ہمیشہ پریشان رکھا تھا بنو عباس کو کب چین سے بیٹھنے دتے تھے۔ یہ فرقہ جمہوریت کا قائل تھا۔ جب ایک آمریت کی لاش سے دوسری آمریت نے جنم

۱۔ ابن اثیر، ابن کثیر۔ ۲۔ ابن اثیر، ابن کثیر۔ ۳۔ ابن کثیر، ابن اثیر۔

لیا تو یہ لوگ برسرِ مقابلہ ہوئے اور جان کی بازی لگا دی۔ صرف ایک خارجی سردار جلندی ہی کے ساتھ دس ہزار آدمی مارے گئے۔ ابوالعباس نے ان کا زور توڑ دیا۔

۷۔ رومی محاذ: رومی حکومت نے اسلامی مقبوضات کی طرف پاؤں پھیلانا شروع کئے اور بعض اہم علاقے لے لئے۔ سفاح نے فوراً ایک مہم بھیجی جس نے دشمن کی پیش قدمی روک دی۔

دارالخلافہ: کوفہ کے قریب ایک بستی تھی جو اموی دور کے ایک گورنر ابن ہیرہ کے نام سے قصر ابن ہیرہ کہلاتی تھی۔ یہ دارالامارت یعنی گورنر کی رہائش گاہ تھی۔ سفاح نے اسے نئی رونق دی۔ اس کا نام بنو ہاشم کی نسبت سے ہاشمیہ رکھا اور وہاں اقامت اختیار کی، عوام کی زبان پر اموی دور کا نام ہی جاری رہا۔ ناچار اس نے ہاشمیہ کے نام سے قریب ہی ایک اور شہر آباد کیا۔ اسے دارالخلافہ قرار دیا۔ کوفہ کے اثرات یہاں بھی پہنچے تو اس جگہ سے بھی اٹھا۔ پاس ہی ایک اور آبادی میں جا بسا جو انبار کے نام سے معروف ہے۔ اب یہ دارالخلافہ تھا۔ ابوالعباس یہیں دفن ہوا۔

انبار کا یہ شہر بلخ کے اسی نام کے ایک قصبہ سے مختلف تھا۔

جدید انبار فرات کے کنارے آباد تھا۔ منصور شروع میں یہیں رہا۔ بعد میں اس نے چند میل دور بغداد کا شہر آباد کیا۔

وفات: سفاح نے ۱۳۶ ہجری (ذوالحجہ) میں چچک سے وفات پائی۔ عمر غالباً ۳۳ برس تھی۔ وفات سے قبل وہ ایک بند وصیت نامہ میں منصور اور اس کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو جانشین نامزد کر گیا۔

اوصاف اور اخلاق: سفاح بلند قامت، سفید فام اور خوب رو تھا۔ وہ فصیح الکلام اور صائب الرائے تھا۔ نہایت بلند سیرت کا مالک تھا۔ اس کا دامن بنو امیہ اور خلال کے خون کے چھینٹوں کے سوا بہت حد تک صاف ہے۔

پالیسی: سفاح کی پالیسی کے مندرجہ ذیل عناصر تھے:

۱۔ ارکان خاندان سے استمداد: اموی حکومت کے ایام میں بھی اگرچہ شاہی خاندان کے افراد کو بلند عہدے ملتے تھے لیکن اہم ترین صوبوں پر ان کا تقرر کم ہوتا تھا۔ اموی خلفاء صرف اہل اور وفائیکش اصحاب کو منتخب کرتے تھے۔ اس میں ایک خرابی یہ تھی کہ ان امراء کی نگاہ میں صرف خلیفہ کی وقتی خوشنودی ہوتی تھی۔ اموی حکومت کی نیک نامی اور بقا پر ان کا دھیان کم ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ کہ بنو امیہ عوام میں غیر مقبول ہونے لگے۔ سفاح نے کلیدی ولایات پر اپنے بھائیوں اور قریبی رشتہ داروں کو مقرر کیا جنہوں نے حکومت کو مستحکم کرنے میں ہر ممکن سعی کی۔



۲۔ سخت گیری : ابو العباس نے بنو امیہ کے ساتھ نہایت سنگ دلی کا سلوک کیا۔ اموی خاندان کے وہی افراد زندہ بچے جو بہت کم سن تھے یا قلمرو سے بھاگ نکلے۔ اس سخت گیری کا ایک فائدہ یہ ضرور ہوا کہ عوام پر ہیبت چھا گئی اور حکومت کا دبدبہ بیٹھ گیا۔

۳۔ عجم کی ترجیح : بنو امیہ کی حکومت شام والوں کے سہارے قائم ہوئی تھی اس لئے انہیں ترجیح دی اور دمشق کو دار الخلافہ قرار دیا۔ عباسی حکومت کا قیام اہل عجم کا مرہون منت تھا۔ اس لئے ابو العباس نے عجم کو عربوں پر بدھانا شروع کیا اور دار الخلافہ عراق میں بنایا۔

نظام حکومت : سفاح کا نظام حکومت اموی دور سے کچھ مختلف نظر نہیں آتا۔ البتہ وزارت کا قیام سفاحی حکومت کا ایک نمایاں امتیاز ہے۔

وزارت : وزیر کے لفظ سے عربی زبان پہلے سے آشنا تھی۔ وزیر کے معنی بوجھ کے ہیں اور وزیر کے معنی ہیں بوجھ اٹھانے والا۔ قرآن حکیم میں دو جگہ (طہ اور الفرقان میں) حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وزیر بتایا گیا ہے۔ لیکن وہاں اس کے معنی فقط مددگار اور کام بنانے والے کے ہیں۔

اسلام سے قبل ایران میں عمدہ وزارت کا وجود تھا لیکن عمدہ اسلام میں سب سے پہلے اسے بنو عباس نے قائم کیا۔ بے شک اموی دور کے اخیر میں مروان ثانی کے وزیر عبدالحمید بن یحییٰ کا ذکر آتا ہے۔ لیکن یہ بتانا مشکل ہے کہ عبدالحمید کا وہی مقام تھا جو عباسی وزراء کو حاصل تھا۔ مسعودی نے حضرت معاویہ کی مجلس وزراء کا ذکر کیا ہے لیکن ان وزراء سے مراد مختلف شعبوں کا نائبین اعلیٰ ہی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وزارت کی طرح بنو عباس نے ڈالی۔

سب سے پہلے وزیر کا لفظ ابو سلمہ خلال کے لئے مشہور ہوا۔ شروع میں یہ لقب اسے عوام نے محض اعزاز دیا۔ اسے وزیر آل محمد یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کا خادم کہتے تھے۔ عباسی حکومت میں اس کی زندگی فقط چند روزہ تھی۔ اس مختصر زندگی کے آخری ایام میں اس نے وزارت کے اختیارات پائے اور اپنی طرف سے کچھ عملہ بھی نامزد کیا جسے اس کی وفات کے بعد تہ تیغ کر دیا گیا۔

خلال کے ابو الجهم بن عطیہ سفاح کا وزیر ہوا۔ ۲۔ کہا جاتا ہے کہ خلال کے بعد خالد برمک نے وزارت پائی۔ لیکن یہ درست نہیں۔ وہ وزیروں کا سا مرتبہ رکھتا تھا لیکن سرکاری طور پر اسے وزیر نہیں کہا جاتا تھا۔ ۳۔

۱۔ ابن کثیر جلد ۱۰ ص ۵۵۔ ۲۔ ابن اثیر ذکر موت سفاح۔ ۳۔ النعمی۔

## ابو جعفر عبداللہ بن محمد المنصور

۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ (۶۷۳ تا ۶۷۷ء)

**تعارف :** منصور ۹۵ ہجری میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں سلامہ لوئڈی تھی۔ اپنے بھائی سفاح سے عمر میں بڑا تھا۔

منصور کی پرورش مدینہ کے شہر میں ہوئی جو علم کا مرکز تھا۔ اس نے یہیں تعلیم پائی۔ اموی عہد میں اسے ایک بار قید بھی بھگتنی پڑی۔ ابوالعباس خلیفہ ہوا تو اسے آذربائیجان اور آرمینیا کا گورنر مقرر کیا۔ مرنے سے پہلے اسے اپنا جانشین نامزد کر گیا۔ ۱۔

**خلافت :** سفاح کی وفات کے بعد منصور مکہ میں تھا۔ واپسی پر اثنائے سفر میں اسے سفاح کی موت کی خبر ملی اور رستہ ہی میں بیعت ہو گئی۔ ذوالحجہ کا مہینہ تھا۔ پہلے کوفہ آیا۔ بیعت لی اور پھر دارالخلافہ انبار میں چلا گیا اور انتظام و انصرام میں مشغول ہوا۔ ۲۔

منصور نے خلافت سنبھالی تو اسے قدم قدم پر آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا۔ مشکلات اس قدر ہجوم کر کے اٹھیں کہ نرے حوصلہ اور خالی شجاعت سے کام نکالنا مشکل تھا۔ منصور نے فریب کا حربہ بھی اٹھایا۔ جہاں دیکھا کہ سیدھی طرح بات نہیں بنتی وہاں فریب اور دھوکے سے حریف کو شکست دی یا اس کا کام تمام کر دیا۔

عبداللہ بن علی کی بغاوت۔ ۱۳۷ھ : منصور کو جس وقت خلافت کا مژدہ ملا وہ بہت فکر مند ہوا۔ ابو مسلم نے اس کے چہرے پر تفکر کے آثار دیکھے تو سبب پوچھا۔ منصور نے کہا کہ مجھے اپنے چچا عبداللہ بن علی کی طرف سے کھٹکا ہے۔ ابو مسلم نے کہا، یہ معاملہ مجھ تک چھوڑیے اور آپ بے فکر ہو جائیے۔ ۳۔

منصور کا اندازہ صحیح نکلا۔ عبداللہ بن علی نے بغاوت کر دی۔ وہ شام کا گورنر تھا۔ سفاح کی موت کی خبر آئی تو اس نے اعلان کیا کہ سفاح نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم مروان سے جنگ کر کے اس کا خاتمہ کر دو تو میں تمہیں اپنا جانشین کر جاؤں گا۔ بعض اصحاب نے عبداللہ بن علی کے اس دعوے کی تائید میں شہادت دی۔ اس کے پاس شام، جزیرہ اور خراسان کے جس قدر امراء تھے انہوں نے اس کی بیعت کر لی۔ وہ فوج لے کر عراق کی طرف روانہ ہوا۔ ۴۔

ابو مسلم خراسانی عبداللہ بن علی کے مقابلہ پر چلا۔ عبداللہ کو علم ہوا تو اپنی خراسانی سپاہ کو اس اندیشہ سے ابو مسلم سے مل نہ جائے یہ تیغ کر دیا۔ سترہ ہزار خراسانی مارے گئے۔ نصیبین کے مقام پر لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ پانچ ماہ تک معرکے ہوتے رہے۔ شامیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن ابو مسلم نے حربی لیاقت اور جرات کا خوب ثبوت دیا۔ عبداللہ بھاگ نکلا اور بصرہ جا کر

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن اثیر، ابن کثیر، ذم۔

اپنے بھائی کے پاس جو وہاں کا والی تھا روپوش ہو گیا۔ منصور نے دو برس بعد ۱۳۹ ہجری میں اس جیلہ سے گرفتار کر لیا۔ اسے آٹھ برس بعد ۱۳۹ ہجری میں مروا دیا۔ قتل کی ترکیب یہ کہ نمک کی بنیاد پر ایک مکان تعمیر کروا کر عبداللہ کو اس میں رکھوایا اس کے بعد بنیادوں میں پانی چھوڑ دیا۔ مکان گرا اور عبداللہ دب کر ہلاک ہو گیا۔ ۱۔

ابو مسلم کا قتل۔ ۷۱۳ ہجری: ابو مسلم خراسان کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ ایران کا بیشتر حصہ ان دنوں خراسان کہلاتا تھا۔ اس میں ایران کے سب مشرقی اور شمالی علاقے شامل تھے۔ باشندے سخت جان اور جنگ آرا تھے۔

منصور ایک مدت سے ابو مسلم کے خون کا پیاسا تھا اور مناسب وقت کا منتظر تھا۔ اس کے مزاج میں شک اور احتیاط کا مادہ غالب تھا۔ اسے جس آدمی کی طرف سے ادنیٰ خطرہ بھی ہوتا تھا۔ اسے ہلاک کئے بغیر چین نہیں لیتا تھا۔ ابو مسلم خراسانی سے اسے چند در چند وجوہ کی بنا پر بہت خدشات تھے۔ مثلاً:

۱۔ ابو مسلم کے عروج نے اس کا داغ بہت چڑھا دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ عباسی سلطنت میرے دم سے ہے۔ خلیفہ کو مجھ پر گرفت کرنے کا حوصلہ نہیں ہو سکتا۔ منصور کو تو وہ سفاح کی زندگی میں خاطر ہی میں نہ لاتا تھا۔

سفاح ابو مسلم کی بددماغی سے بہت آزرہ تھا۔ لیکن اس نے ہمیشہ درگزر کیا منصور نے اسے دوبار ابو مسلم کے قتل کی صلاح دی لیکن وہ ٹال گیا۔

۲۔ سفاحی عہد میں ابو مسلم کی رضا کے بغیر کوئی اہم کام طے نہیں ہوتا تھا۔ ان دنوں منصور نے سفاح کی منظوری سے ابن ہیرہ سے صلح کی۔ ابو مسلم نے نہ مانا اور سفاح کو لکھا کہ اسے قتل کر دو۔ منصور نے بار بار تحریر کیا کہ اس کا قتل بے فائدہ ہو گا لیکن سفاح مجبور تھا۔ ناچار منصور نے ابن ہیرہ کو قتل کر کے بدعہدی کی شرم اٹھائی۔ ۲۔

۳۔ ایک دفعہ ابو مسلم سفاح کے پاس حاضر ہوا اور اسے سلام کیا۔ منصور بھی پاس بیٹھا تھا لیکن اسے سلام نہ کیا۔ سفاح نے ابو مسلم کو توجہ دلائی اور کہا، یہ ابو جعفر (منصور) بیٹھا ہے۔ ابو مسلم بولا، اس جگہ فقط آپ کا حق ادا ہو گا۔ ۳۔

۴۔ سفاح کی زندگی کے آخری سال منصور اور ابو مسلم دونوں نے حج کا عزم کیا۔ سفاح نے منصور کو امیر حج مقرر کیا۔ ابو مسلم نے سنا تو بگڑ کر کہا، کیا منصور کو حج کے لئے کوئی اور برس نہیں ملتا تھا۔ ۴۔

۵۔ سفر حج کے دوران ابو مسلم کی شان و شوکت اور زرپاسی کے سامنے منصور کی حیثیت گہٹا گئی۔ ہر ایک زبان پر ابو مسلم کا نام تھا۔ منصور کے پہلو میں کانٹا گڑ گیا۔

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر جلد ۱۰ ص ۵۴، ۵۵۔ ۳۔ عیون الاخبار کتاب اول ص ۲۴۔ ۴۔ ابن اثیر۔

۶ - واپسی کے سفر میں ابو مسلم کی سواری منصور سے آگے آگے رہی۔ اس میں شہزادہ کی گستاخی تھی۔

۷ - اثنائے حج میں جب منصور حرم میں داخل ہوا تو جوتے اتار دیئے۔ باہر آیا تو ابو مسلم سے کہا کہ میرے جوتے لاؤ۔ وہ جوتے لایا لیکن منصور کو پہنائے نہیں۔ ایک اور رئیس نے منصور کی فرمائش پر اسے جوتے پہنائے۔ منصور نے ابو مسلم کی اس بے توجہی کو یاد رکھا۔ ۱۔

۸ - رستہ میں جب سفاح کی موت کی خبر آئی تو ابو مسلم نے ایک خط منصور کو لکھا۔ اس میں اسے خلافت کی تہنیت نہ دی۔ اگرچہ بعد میں بیعت کر لی لیکن منصور کے دل میں گہرہ پڑ گئی۔

۹ - جن دنوں ابو مسلم عبداللہ بن علی کے خلاف شام میں مصروف جنگ تھا منصور کو ایک شخص نے شکایت لکھی کہ تمہارا خط ابو مسلم کے پاس آتا ہے تو وہ اس کی ہنسی اڑاتا ہے۔ ۲۔

۱۰ - عبداللہ بن علی کی شکست کے بعد منصور نے ایک شخص ابو الحسب نام کو غنیمت کے حساب اور دیکھ بھال کے لئے بھیجا۔ ابو مسلم طیش میں آگیا اور ابو الحسب کو قتل کرنا چاہا لیکن لوگوں نے سفارش کر کے بچا لیا۔ ابو مسلم نے اس موقع پر کہا، خون ریزی میں تو مجھ پر اعتماد ہوتا ہے لیکن اموال کے معاملہ میں مجھے خائن سمجھا جاتا ہے۔ اس نے منصور کو گالیاں بھی دیں۔

منصور نے ابو مسلم کا صفایا کرنے کی ٹھان لی لیکن خراسانی فوج پر اس کا ایسا جادو تھا کہ اسے بر ملا قتل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے منصور نے ایک ترکیب کی۔ ابو مسلم ابھی شام میں تھا کہ اسے فرمان بھیجا کہ تمہیں بجائے خراسان کے شام اور مصر کا والی مقرر کیا جاتا ہے۔ مصر میں جسے چاہو نائب کر دو اور خود شام میں مقیم رہو۔ اس طرح تم میرے قریب رہو گے۔ مجھے تمہارے قرب کی خواہش ہے۔ ابو مسلم خراسان چھوڑنے پر آمادہ نہ تھا۔ وہ شام سے خراسان کی طرف روانہ ہو گیا۔

منصور نے دیکھا کہ ابو مسلم کھل کر برخلاف ہو گیا ہے تو وہ بھی مستعد ہوا۔ اسے جب خبر ملی کہ ابو مسلم نے خراسان کی طرف کوچ کر دیا ہے تو دار الخلافہ سے نکل کر مدائن چلا آیا۔ یہ جگہ شام اور خراسان کے رستہ کے قریب تھی۔ مدائن سے اس نے ابو مسلم کو ایک خط لکھ کر بلا بھیجا۔ ابو مسلم نے جواب لکھا کہ بندہ تابع فرمان ہے لیکن دور سے۔ منصور نے اسے نرمی اور دل جوئی سے خط لکھے اور قابل اعتماد امراء کو بھیجا کہ کس طرح اس کو پھانس لائیں ادھر ابو مسلم

۱۔ بیون الاخبار، کتاب اول، ص ۲۷-۲۸۔ ابن اثیر۔

کے نائب کو خراسان کی ولایت کا پروانہ بھیج دیا۔ وہ ابو مسلم کے خلاف ہو گیا۔ ناچار ابو مسلم نے مدائن جانے کا فیصلہ کیا۔ شہر سے باہر بنو ہاشم، امراء دولت اور عوام نے اس کا شاہانہ استقبال کیا۔ منصور کے پاس حاضر ہوا تو وہ بھی نہایت خوش خلقی اور تکریم سے پیش آیا۔ ۱۔

چند روز بعد منصور نے ابو مسلم کو خیمہ میں بلا بھیجا اور پانچ آدمیوں کو مامور کیا کہ اوٹ میں چھپ کر کھڑے رہنا۔ جب میں تالی بجاؤں تو آکر ابو مسلم کا کام تمام کر دینا۔ ابو مسلم حاضر ہوا تو منصور نے بہانہ سے اس کی تلوار لے کر بستر کے نیچے رکھ لی اور سخت الفاظ میں عتاب کرنا شروع کیا کہ تم نے سفاح کو اس انداز سے خط لکھے جیسے کوئی کسی کو دین کی تعلیم دیتا ہو۔ مکہ کے سفر میں تم مجھ سے پیش پیش رہے۔ تم نے عبداللہ بن علی کی لوٹڈی پر قبضہ کرنا چاہا۔ میرے حکم کے خلاف شام سے خراسان روانہ ہوئے۔ میری پھوپھی آمنہ کو نکاح کا پیغام دیا اور اپنے کو سلیط بن عبداللہ بن عباس کا بیٹا بتاتے ہو۔ ابو مسلم ایک ایک سوال کا جواب دیتا گیا اور کہا کہ مجھے ان الزاموں کا ہدف بنانا مناسب نہیں۔ میں نے تمہاری جو خدمت انجام دی ہے وہ ہر ایک جانتا ہے۔ منصور نے کہا اگر اس کام کے لئے کوئی حبشی لوٹڈی بھی اٹھ کھڑی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ہماری خاطر اسے کامیاب کر دیتا۔ اللہ کی قسم! میں تمہیں قتل کروں گا۔ ابو مسلم نے کہا، مجھ اپنے اعداء کے لئے زندہ رہنے دو۔ منصور بولا، تم سے بڑھ کر میرا عدو کون ہو گا۔ اس نے تالی بجائی۔ آدمی نکلے اور ابو مسلم پر تلواریں برسا دیں۔ منصور نے اس کی لاش پر چادر ڈلوادی۔ ۲۔ سر کٹوا کر سونے کے ٹکڑوں کے ساتھ اس کے سپاہ میں پھینکوا دیا۔ سپاہ سونا لوٹنے میں مصروف ہو گئی اور سر پر دھیان نہ دیا۔ ۳۔ اس کے بعد منصور نے لاش کے ٹکڑے کروا کر دجلہ میں ڈلوادئے۔ ۴۔

### بغاوتیں

۱۔ خراسان : ابو مسلم کو ایک گروہ خدا ماننا تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس گروہ کی دو شاخیں ہو گئیں۔ ایک کا خیال تھا کہ خدا کی روح اب فیروز میں آگئی ہے۔ دوسری شاخ ابو مسلم کی بیٹی فاطمہ کو خدا ماننے لگی۔ ۵۔

ابو مسلم کے قتل کی خبر خراسان پہنچی تو رنج و الم کی لہر دوڑ گئی۔ اسی سال ۱۳۷ ہجری میں سباد نام ایک مجوسی کے زیر قیادت خراسان کے لوگ بغاوت پر اتر آئے۔ منصور نے ایک سالار جہور ۶۔ (یا جمہور ۷۔) نام کے تحت فوج بھیجی۔ سباد بھاگ نکلا اور بعد میں مارا گیا۔ خراسان کے دور افتادہ علاقہ میں رہ کر اب جہور کے دماغ میں بھی بغاوت کی ہوا سمائی۔ جس قدر اموال ہاتھ آئے ہڑپ کر لئے۔ منصور نے محمد بن اشعث کو ایک عظیم لشکر کے ساتھ بھیجا۔ زور کی جنگ ہوئی۔ جہور بھاگ نکلا۔ بعد میں اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ وہ اس کا سر منصور کے پاس لائے۔

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ زمی۔ ۴۔ ابن کثیر۔ ۵۔ عبید اللہ سندھی المدنی از حسن ابراہیم ص ۳۳۔ ۶۔ طغری بردی، ابن کثیر۔ ۷۔ ابن اثیر۔

۲- تین برس بعد ۴۳۰ ہجری میں اہل بیت کے لئے ایک تحریک اٹھی۔ منصور نے اسے سخت سے دبایا اور کئی سردار مروا دئے۔

۳- خوارج : جزیرہ اور افریقیہ میں خوارج کی خاصی تعداد تھی۔ انہوں نے بارہا قتل و فساد کی راہ اختیار کی لیکن ہر بار مغلوب ہوئے۔

۴- سندھ : منصور کے عہد میں سندھ میں وقتاً فوقتاً بغاوتیں اٹھیں لیکن آسانی سے مٹا دی گئیں۔

۵- سرحدی علاقے : طبرستان کے علاقے میں آئے دن حکومت کے خلاف شورشیں اٹھتی رہتی تھیں۔ ۴۳۱ ہجری میں منصور نے ایک فوج بھیجی۔ یہاں کے امیر نے جو اہمبہد کہلاتا تھا اسے مار کر لی لیکن اگلے برس اس نے عہد شکنی کی اور کئی مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ ناچار پھر فوج کشی ہوئی۔ اہمبہد محصور ہو گیا۔ جب اسے بچ نکلنے کی آس نہ رہی تو زہریلی انگوٹھی چوس کر مر گیا۔

۴۳۳ ہجری میں دیلم والوں نے سرکشی کی۔ منصور نے ان کی گوشالی کے لئے ۴۳۴ ہجری میں ایک لشکر بھیجا جس نے انہیں زیر کیا۔ ۳

ترکستانی خطوں میں بھی آئے دن اسلامی حکومت کے خلاف فتنہ کی آگ بھڑک اٹھتی تھی ۴۳۶ ہجری میں ترکوں اور خزر نے آرمیہ کے مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا۔ اگلے برس انہوں نے پھر یہ حرکت کی۔ منصور نے ۴۳۸ ہجری میں ان پر فوج بھیجی۔ مجاہدین پہنچے تو ترکوں کو غائب پایا۔ ۴

رومی مہمات : منصور کی تخت نشینی پر ابھی دو ہی برس گزرے تھے کہ شاہ روم نے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ ۴۳۸ ہجری میں اس نے ملیطہ کا شہر لیا اور اس کی فصیلیں گرا دیں۔ ۴۳۹ ہجری میں اسلامی فوجوں نے اسے واپس لے لیا اور ایروں کا مبادلہ ہوا تاہم چپقلش ختم نہ ہوئی اور منصور کو آئے دن رومی حکومت کے خلاف مہمات بھیجنی پڑیں۔ آخر شاہ روم عاجز آ گیا اور ۱۵۵ ہجری میں اس نے جزیہ کی شرط پر صلح کی درخواست کی۔ کشیدگی پھر بھی نہ گئی۔ دو برس بعد اسلامی فوجوں کو رومی علاقوں کا پھر رخ کرنا پڑا۔ روم کے شہنشاہ نے ۱۵۸ ہجری میں وفات پائی تو سکون ہوا۔ یہی سال منصور کی وفات کا بھی ہے۔ ۵

راوندیہ کی بغاوت۔ ۴۳۱ ہجری : اصفہان کے قریب راوند ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اس کے انتساب سے ۴۳۱ ہجری میں ایک انوکھا فرقہ نمودار ہوا جسے راوندیہ کہتے تھے ان کے عجیب و غریب عقائد تھے۔ تناخ کے قائل تھے اور کہتے تھے کہ آدم کی روح ان کے لیڈر عثمان میں پلٹ آئی ہے اور ہشتم بن معاویہ جبرئیل ہے۔ بادشاہ وقت کو پروردگار مانتے تھے کہ یہ ہمیں کھلاتا پلاتا ہے۔ ایک دن ان کا چھ سات سو کا گروہ منصور کے محل کا طواف کرنے لگا اور یکارنا شروع کیا کہ یہ

۱- اصل میں یہ فارسی کا لفظ اہمبہد (یعنی سپہ سالار) ہے۔ ۲- ابن اثیر، ابن کثیر۔ ۳- ابن کثیر، ذبیحی۔ ۴- ابن کثیر۔ ۵- ابن کثیر۔

ہمارے پروردگار کا محل ہے۔ منصور نے ان کے سرغٹوں کو جیل میں ڈال دیا۔ راوندیہ بگڑ گئے۔ جیل پر حملہ کر دیا اور قیدیوں کو لے گئے۔ پھر منصور کا رخ کیا اور اسے مارنے پر تل گئے حالانکہ اسے خدا مانتے تھے۔ منصور کے حامی جاں نثاری نہ کرتے تو وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ اس نے ایک ایک راوندیہ کو مروایا۔ مقتولوں میں ان کا قائد عثمان بھی تھا۔ ۱۔

راوندیہ ابو مسلم خراسانی کے عقیدت مند تھے۔ ۲۔

استاز سیس کی بغاوت - ۱۵۰ ہجری : منصور کو ۱۵۰ ہجری میں خراسان کے ایک کافر استاز سیس کی بغاوت کی خبر ملی۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس کے ساتھ قزاق اور بد قماش تھے۔ استاز سیس کے پیروں کی تعداد اچانک بڑھ کر تین لاکھ ہو گئی۔ اس نے خراسان کے بیشتر حصہ پر قبضہ کر لیا۔ وہاں کے اسلامی دستہ نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن مارا گیا۔ منصور نے اب ایک بھاری فوج بھیجی جس نے بڑی مشکل سے استاز سیس کو شکست دی۔ اس کے ستر ہزار پیرو مارے گئے اور چودہ ہزار قید ہوئے۔ استاز سیس بھی کام آیا۔ ایک خیال یہ ہے کہ استاز سیس کی بغاوت ابو مسلم کے انتقام کے لئے تھی۔ ۳۔

اندلس : ایک اموی شہزادہ عبدالرحمن بن معاویہ بن ہشام بنو عباس سے جان بچا کر افریقیہ پہنچا۔ وہاں ایک جماعت فراہم کی اور اس کی مدد سے اندلس میں داخل ہو کر قابض ہو گیا۔ اب یہ صوبہ عباسی مملکت سے کٹ گیا۔

محمد نفس زکیہ کا مقابلہ : ۱۳۵ ہجری میں امام محمد بن عبداللہ بن حسن ثنی بن حسن بن علی نے منصور کے خلاف پرچم بلند کیا۔ آپ بنو ہاشم کے ایک ہر دل عزیز رکن تھے۔ آپ زہد و اتقاء اور پاکیزگی کا پیکر تھے اس لئے النفس الزکیہ یعنی پاکیزہ روح کہلاتے تھے۔

حروان ہمارے کے آخری ایام میں ایک رات بنو ہاشم نے مشورہ کیا تھا۔ اس میں حجاز کے بعض اور لوگ بھی موجود تھے۔ انہوں نے اس موقع پر امام محمد نفس زکیہ کی بیعت کی۔ بیعت کرنے والوں میں سفاح اور منصور بھی تھے۔ البتہ امام جعفر صادق موجود نہ تھے۔ ۵۔ جب اموی دولت کی شمع گل ہوئی تو بساط حکومت پر اچانک بنو عباس متمکن ہو گئے حالانکہ اس بیعت کی رو سے حق محمد نفس زکیہ کا تھا۔

منصور خلیفہ ہوا تو امام محمد بیعت کے لئے نہ آئے۔ منصور انتہا کا شکی اور پیش بین تھا اسے امام کی طرف سے کھٹکا لگا کہ کسی وقت وہ اٹھ کر عباسی حکومت کے خلاف شمشیر بہ کف نہ ہو جائیں۔ حضرت امام محمد بھی بے خبر نہ تھے۔ ابو مسلم وغیرہ کا انجام ان کے سامنے تھا۔ وہ جان بچانے کے لیے روپوش ہو گئے۔ ان کے ساتھ ان کے بھائی ابراہیم بھی تھے۔ دولوں، عساکری دور و نزدیک کے شہوں میں سر چھپاتے پھرے۔ یہاں تک کہ ہندوستان بھی آئے۔ شاہی عساکری اور

۱۔ ابن اثیر، ابن کثیر، ذمہ - ۲۔ النجوم الزاہرہ ۱۳۸، ۳۳۷ - ۳۔ النجوم الزاہرہ میں اسباب ہیں۔  
۴۔ عبید اللہ المہدی از حسن ابراہیم، ص ۲۳ - ۵۔ ابن اثیر، ابن کثیر، ابن خلدون، التعمری۔

کی طرح ساتھ ساتھ تھے اس لیے کسی ایک جگہ ٹک کر بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ آپ کی مقبولیت اور بیدار طبیعی کا یہ عالم تھا کہ منصور اپنے تمام شاہانہ وسائل کے باوجود سراغ نہ لگا سکا۔ اسے جب ناکامی کا خیال آتا تو جھنجھلا کر رہ جاتا۔ دونوں بھائی مکہ آکر بارہا حج بھی کر گئے اور منصور کو خبر نہ ہوئی۔ ایک دفعہ حج کے موقع پر امام محمد کے ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ منصور کو صفا و مروہ کے درمیان اچانک قتل کر دیں لیکن عبداللہ بن حسن نے اس جگہ کے شرف کے پیش نظر اجازت نہ دی۔ ۱۔

ایک دفعہ حج کے ایام میں منصور نے امام محمد کے والد جناب عبداللہ بن حسن سے کہا کہ اپنے بیٹوں محمد اور ابراہیم کا پتہ بتائیں۔ انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ منصور نے بار بار تقاضا کیا۔ عبداللہ غضب ناک ہو گئے اور کہا، اللہ کی قسم! اگر وہ اس وقت میرے قدموں کے نیچے ہوں تو بھی پتہ نہ دوں۔ منصور نے حضرت عبداللہ کو قید میں ڈال دیا اور ان کا مال و اسباب بکوا دیا۔ اسی پر بس نہ کیا بلکہ حضرت حسن مثنیٰ کی سب اولاد کو قید کیا۔ اس کے بعد امام محمد و ابراہیم کی تلاش تیز تر کر دی۔ ان کی موجودگی کا زیادہ تر امکان مدینہ میں ہو سکتا تھا اس لیے منصور نے اس شہر کے پے در پے کئی حاکم بدلے تاہم گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ مدینہ کے حاکم رباح نے اس سلسلہ میں لوگوں پر بہت مظالم ڈھائے لیکن وہ بھی ناکام رہا۔ ایک بار امام محمد کہیں جا رہے تھے کہ رباح کے سامنے آ نکلے۔ آپ مڑ کر ایک کنوئیں پر پانی پینے بیٹھ گئے۔ رباح نے نہ پہچانا اور دیکھ کر کہا، اس رسالت کی کنیاں کتنی حسین ہیں۔ ۲۔

آل حسن مثنیٰ کے قیدیوں میں ان کے ایک قریبی رشتہ دار محمد بن عبداللہ عثمانی بھی تھے۔ آپ حضرت حسین علیہ السلام کے نواسے تھے۔ منصور نے انہیں اپنی آنکھوں کے سامنے ۱۵۰ کوڑے پڑوائے۔ تیس کوڑے ان کے سر پر پڑے۔ آنکھ پھوٹ کر بہ گئی۔ کوڑوں کے اثر سے ان کا چاندی سا سفید بدن سیاہ پڑ گیا۔ چند خراسانیوں نے محمد بن عبداللہ عثمانی کی جاں بخشی کی سفارش کی۔ منصور نے ان کا سر کٹوا کر خراسان بھجوا دیا کیونکہ وہاں ان کے حامیوں کی خاصی تعداد تھی۔ ۳۔

سادات کو مدینہ سے اونٹوں پر بٹھا کر ہاشمیہ کے شہر میں منتقل کیا۔ ۴۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں طوق تھے۔ رستہ میں امام محمد و ابراہیم بدوؤں کے بھیس میں آتے اور والد ماجد سے برسر مقابلہ ہونے کی اجازت چاہتے وہ ہمیشہ یہی جواب دیتے کہ مناسب وقت کا انتظار کرو۔ قیدیوں کو ہاشمیہ میں ایک تنگ و تاریک زندان میں بند کر دیا گیا۔ منصور نے امام ابراہیم کے فرزند محمد کو اپنے سامنے بلوایا۔ اس سید زادے کے حسن سے آنکھیں چندھیا جاتی تھیں۔ انہیں رباج اصفر یعنی زرد ریشم کہا کرتے تھے۔ لوگ انہیں ایک نگاہ دیکھنے کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ منصور

۱۔ ابن اثیر، ابن کثیر، ابن خلدون۔ ۲۔ ابن کثیر، ابن اثیر۔ ۳۔ ابن کثیر، ابن اثیر۔ ۴۔ ابن خلدون۔



نے ان کو دو ستونوں کے درمیان زندہ ڈلوا کر اوپر دیوار چنوا دی۔ جو حضرات زندان میں رہے ان میں سے اکثر نے وہیں سفر آخرت کیا۔ جناب عبداللہ نے تین برس کی قید گزار کر زندان ہی میں وفات پائی جو اصحاب زندہ بچے ان کو منصور کے مرنے کے بعد رہائی ملی۔ ۱۔

منصور کے مظالم دیکھ کر امام محمد نے پہلے تو ارادہ کیا کہ اپنے کو منصور کے حوالے کر دیں لیکن قیدیوں کو علم ہوا تو انہوں نے روک بھیجا اور کہا کہ ہم استقامت دکھائیں گے۔ دونوں بھائیوں نے روپوشی ترک کی اور علانیہ میدان میں آگئے۔ کہتے ہیں کہ امام محمد نے مہدی کا لقب اختیار کیا کیونکہ ایک حدیث ہے کہ میرے بعد میرا ہم نام ایک شخص محمد بن عبداللہ اٹھے گا جو مہدی ہوگا۔ ۲۔ منصور کے بھی ایک بیٹے کا نام محمد تھا۔ اس کو بھی منصور نے مہدی کا لقب دیا۔ اتفاق دیکھئے کہ وہ بھی محمد بن عبداللہ (المنصور) تھا اس کو کسی نے مہدی نہ مانا لیکن امام محمد کو مہدی ماننے والوں کی کمی نہ تھی۔

امام محمد نے مدینہ میں اعلان جنگ کیا۔ مدینہ کی اکثریت نے آپ کی بیعت کی اور شہر پر آپ کا قبضہ ہو گیا۔ رباح حاکم مدینہ کو آپ نے گرفتار کر لیا۔ امام مالک اور ابوحنیفہ نے آپ کے حق میں فتوے دے دیے۔ آپ نے مکہ پر بھی فوج بھیج کر قبضہ کر لیا۔ الغرض حجاز، یمن اور بصرہ کے علاقے آپ کے مطیع ہو گئے۔ سندھ کا حاکم بھی خفیہ طور پر ساتھ مل گیا۔ آپ نے اہل شام کو بھی بیعت کی دعوت بھیجی لیکن انہوں نے غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کیا اور کہا کہ ہم جنگوں سے عاجز آچکے ہیں۔ ۳۔

منصور نے نفس زکیہ کے حالات سنے تو جان کے لالے پڑ گئے لیکن جی سنبھالا اور عدیم المثال سکون و متانت کا ثبوت دیا۔ اس نے جناب محمد کو لکھا کہ اگر تم میری بیعت کر لو تو تمہیں امان دے دوں گا اور تمہاری سب ضرورتیں پوری کروں گا۔ امام محمد نے جواب میں لکھا کہ میں بھی تمہیں امان پیش کرتا ہوں۔ میرا حق تسلیم کر لو۔ اس کے بعد مزید مراسلت ہوئی لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ ۴۔

منصور کو مشیروں نے صلاح دی کہ محمد کے مقابلہ پر ایسے شخص کو بھیجو جو خاندانی وجاہت اور اعزاز و احترام کا مالک ہو۔ منصور نے اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو دس ہزار منتخب سپاہ کے ساتھ روانہ کیا۔ ۵۔ عیسیٰ کو اس مہم پر بھیجنے کا ایک اور مقصد یہ تھا کہ وہ منصور کے بعد وارث تخت تھا۔ اگر وہ جنگ میں کام آجاتا تو منصور کے لیے اپنے بیٹے مہدی کی ولی عہدی کا رستہ صاف تھا۔ ۶۔ منصور نے عیسیٰ کو ہدایت کی کہ نفس زکیہ پر فتح پالو تو تم کواریام کر لینا اور امان عام دے دینا۔ امام محمد نے مدینہ میں بیٹھ کر جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس خندق کو جو نبی اکرم علیہ السلوٰۃ

۱۔ ابن کثیر، ابن اثیر، العری، ابن خلدون۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن کثیر، ابن اثیر، دطلان، ابن خلدون۔ ۴۔ ابن کثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔ ۶۔ دول الاسلام ذمبی، ۷۔ ابن اثیر۔

والسلام کی زندگی میں کھودی گئی تھی تازہ کرایا۔ ۱

عیسیٰ بن موسیٰ نے شہر کے باہر خیمے لگائے۔ مدینہ میں ایک لاکھ افراد تھے۔ امام محمد نے انہیں اکٹھا کر کے تقریر کی کہ میری طرف سے تم آزاد ہو۔ چاہو تو مدینہ میں رہو اور چاہو تو شہر سے باہر چلے جاؤ۔ شہر کی اکثریت جنگ سے یک سو رہنے کے لیے باہر نکل گئی اور نواحی زمینوں اور پہاڑیوں میں بیٹھ گئی۔ ۲ عیسیٰ نے محمد کو امان کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم میری دعوت قبول کر لو اور میرے ساتھ شرکت کرو۔ مجھے تو اپنے موقف سے موت ہی ہٹا سکتی ہے تین روز سفیروں کی آمد رفت رہی۔ صلح کی صورت نہ بنی۔ ۳

شاہی فوج کی آمد کے چوتھے روز جنگ چھڑی۔ عصر کے بعد تک جنگ رہی۔ امام محمد کے سپاہی چھٹتے گئے۔ عصر تک کل تین سو تیرہ آدمی رہے۔ مکہ ان میں بھی آئی گئی۔ امام نے شیر دلی کا ثبوت دیا۔ بعض ساتھی شہادت پا گئے۔ اور بعضوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ آخری لمحوں میں اکیلے رہ گئے۔ آپ کے ہاتھ میں حضرت علیؑ کی زوالفقار تھی۔ سامنے جو قسمت کا مارا آتا وہ نیم ہو کر رہ جاتا تھا۔ آپ نے اکیلی جان سے ستر دشمنوں کو ٹھکانے لگایا۔ دشمن چہار طرف سے گھیرے ہوئے تھا۔ آپ زخمی ہو کر گھٹنوں کے بل گرے ایک دشمن نے سر مبارک کاٹ کر الگ کر دیا۔ یہ رمضان ۱۳۵ ہجری کا واقعہ ہے اس جنگ میں زوالفقار بنو عباس کے ہاتھ آئی۔ ۴

امام محمد کا سر منصور کے پاس بھیجا گیا۔ اس نے ایک سفید طبق میں رکھوا کر مختلف شہروں میں پھروایا۔ مدینہ کے ان سرداروں کو بلوایا جنہوں نے امام محمد کا ساتھ دیا تھا۔ کسی کو معاف کیا کسی کو کوڑے پڑائے اور کسی کو قتل کروا دیا۔ ۵

ابراہیم بن عبداللہ کی شہادت : ابراہیم بن عبداللہ نے بصرہ میں پوشیدہ طور سے خاصی جمعیت پیدا کر لی تھی۔ امام محمد کے انتقال کے بعد علانیہ مقابلہ پر آئے۔ ۶ دونوں بھائیوں کو قرار داد کے موافق بیک وقت مدینہ اور بصرہ سے اعلان جنگ کرنا تھا لیکن ابراہیم پر چپک کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے انہوں نے تاخیر کر دی۔ ۷

منصور کو بصرہ کے حالات کا علم ہوا تو بغداد سے نکل کر کوفہ آیا تاکہ یہاں کی آبادی کو اپنی گرفت میں رکھ سکے جس کسی پر ابراہیم کی طرف داری کا شبہ ہوتا اسے رات کے وقت مروا دیتا تھا۔ عراق کے گوشہ گوشہ سے ابراہیم کے ہوا خواہ بصرہ کا رخ کر رہے تھے۔ منصور نے راہوں پر جگہ جگہ دستے مقرر کر دیے جو ان کے سرکات کر منصور کے پاس لاتے وہ سروں کو شہر میں جاہ جا آویزاں کردیتا تاکہ لوگ ہراساں ہوں تاہم ابراہیم کی طاقت بڑھتی گئی اس نے بصرہ کے حاکم کو نکال دیا اور عراق کے مرکزی حصوں نیز اہواز، فارس اور واسط وغیرہ کو زیر نگیں کر لیا۔ ۸

منصور یہ حالات سن کر بہت فکر مند ہوا اس کے لشکر اطراف میں پھیلے ہوئے تھے انہیں بصرہ

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر، زہبی۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔ ۶۔ ابن کثیر۔ ۷۔ ابن کثیر۔ ۸۔ ابن

اثیر۔ ۹۔ ابن کثیر۔

پر جمع ہونے کے فرمان بھیجے۔ پچاس روز اپنی نمازگاہ میں عبادت اور دعا میں مصروف رہا۔ اس نے عہد کیا کہ جب تک ابراہیم کا سر نہ دیکھ لوں گھر سے غرض نہ رکھوں گا۔ سولہ امام محمد کی وفات کی خبر ابراہیم کے لیے بہت اندوہناک تھی تاہم ہمت نہ ہاری۔ ایک لاکھ فوج لے کر کوفہ کی طرف کوچ کیا۔ منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ کے زیر کماں پندرہ ہزار فوج بھیجی۔ کوفہ سے سولہ میل دور باخراہ کے مقام پر لشکروں نے صف بندی کی اور خون ریز جنگ چھڑی۔ پہلی نوبت میں عیسیٰ کی فوج بھاگی لیکن وہ اپنے خاندان کے ایک سو آدمیوں کے ہمراہ ثابت قدم رہا۔ اس نے کہا کہ مرنے سے پہلے یہاں سے نہ ہوں گا پھر اچانک اس کی ہزیمت خورہ فوج واپس آگئی اور اس زور سے فوج ابراہیم پر حملہ کیا کہ اس کے قدم اکٹڑ گئے۔ جناب ابراہیم صرف پانچ سو آدمیوں کے ساتھ میدان میں رہ گئے۔ ان میں سے بھی لوے باقی رہے۔ ابراہیم نے بے جگری سے جنگ کی اور شہادت پائی۔ عیسیٰ نے منصور کو فتح کا مژدہ بھیجا۔ منصور کو اس وقت تک یقین نہ آیا جب تک کہ جناب ابراہیم کا سر پیش نہ ہوا۔ یہ واقعہ ۱۳۵ ہجری کا ہے۔ ۷

بہرو کے جن جن گھروں میں ابراہیم کی بیعت ہوئی تھی منصور نے انہیں مسمار کرادیا اور ان کے نخلستان برباد کرائے۔ ۸

عبداللہ بن محمد کی شہادت : امام محمد کے ایک فرزند عبداللہ نام نے سندھ جا کر وہاں کے گورنر کو اپنا ہمدرد بنا لیا تھا۔ وہ بظاہر منصور کا تابع رہا جب امام محمد کی وفات کی خبر آئی تو اس نے جناب عبداللہ کو ایک ہندو راجہ کی پناہ میں بھیج دیا۔ منصور نے سندھ میں ایک نیا گورنر بھیجا جس کے ایک دستہ سے عبداللہ کا کہیں سامنا ہو گیا۔ تلوار چل نکلی اور عبداللہ کام آئے۔ اس کے بعد سندھ کے والی نے ہندو راجہ پر چڑھائی کی اور اس کے علاقہ کو تاراج کیا۔ ۹

ولی عہدی میں تغیر : سفاح منصور کے بعد اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد مقرر کر گیا تھا۔ منصور نے چاہا کہ اسے الگ کر کے اپنے بیٹے مہدی کو ولی عہد کرے۔ اس نے عیسیٰ کو رستہ سے ہٹانے کے لیے ایک چال چلی۔ اپنے چاچا عبداللہ بن علی کو گرفتار کرنے کے بعد اس کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ اسے قتل کر دینا۔ عیسیٰ کو ہوا خواہوں نے مشورہ دیا کہ اگر تم نے عبداللہ کو قتل کیا تو کل منصور تمہیں یہ کہہ کر ہلاک کر دے گا کہ میں نے تمہیں قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔ عیسیٰ نے اس رائے کو قبول کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد منصور نے چند آدمیوں کی موجودگی میں عیسیٰ سے کہا کہ میں نے عبداللہ کو معاف کر دیا ہے اسے میرے سامنے پیش کرو۔ عیسیٰ نے جواب دیا کہ میں نے اسے آپ کے حکم سے مار ڈالا تھا۔ منصور بولا کہ میں نے تمہیں اس کو مار ڈالنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ منصور نے عیسیٰ کے قتل کا فرمان دیا تو عیسیٰ نے عبداللہ کو حاضر کر دیا اور جان بچالی۔ اس کے بعد منصور نے عیسیٰ کی ولی عہدی منسوخ کر دی۔ عیسیٰ تسلیم کرنے کو تیار نہ

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن اثیر۔ ۶۔ ابن کثیر۔ ۷۔ ابن کثیر۔ ۸۔ ابن کثیر۔ ۹۔ ابن کثیر۔

۱۰۳۔ ۱۰۶۔ ابن کثیر ۱۵۱ھ جلد ۱۰ ص ۱۰۸۔

تھا۔ منصور نے اس کی تحقیر و تذلیل کرنی شروع کی اور دھمکیاں دیں۔ مجبوراً عیسیٰ نے ولی عہدی سے دست بردار ہو کر عوض میں کچھ رقم لے لی۔ مہدی خواص و عوام میں بہت مقبول تھا۔ لوگوں نے نہایت گرم جوشی سے اس کی بیعت کی۔ اس کے بعد جس قدر عباسی خلفاء ہوئے منصور کی نسل سے تھے۔

منصور نے مہدی کے بعد عیسیٰ کو ولی عہد رکھا۔

وفات : منصور ۱۵۸ ہجری میں حج پر روانہ ہوا۔ راہ میں بیمار پڑ گیا۔ مکہ کی حدود میں پہنچا تو جان دے دی۔ وہیں دفن ہوا۔ آج اس کی قبر کا نشان بھی نہیں ملتا۔

### منصور کے عہد پر تبصرہ

: منصور کی بیدار مغزی، کار آگاہی اور حسن انتظام کو دیکھتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ کار فرمائے قدرت نے اسے جہاں بانی کے لیے ہی پیدا کیا تھا۔ سفاح کا عہد عبوری اور مختصر تھا۔ عباسی حکومت کا حقیقی بانی منصور ہی نظر آتا ہے کیونکہ اس نے حکومت کی بنیادوں کو خوب پختہ اور مرتب کیا وہ اختراعی ذہانت سے مالا مال تھا۔ اس نے ایک اچھوتا اور خوش آئند نظام قائم کیا۔ نئے قواعد بنائے اور دنیا کو دروبست کے جدید انداز سے آشنا کیا۔

منصور کی روشن طبیعت کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ ایک بار اس نے ایک جنگی مہم پر تشریف لے جانے کا ارادہ کیا لیکن منزل مقصود سب ارکان حکومت سے پوشیدہ رکھی۔ اس کے وزیر اور دیگر زعماء نے باہم مشورہ کیا اور منزل کا راز حاصل کرنے کے لیے اپنے میں سے ایک شخص کو بھیجا۔ وہ منصور کے پاس حاضر ہوا اور حیلہ کر کے اس کا عندیہ پانے کی کوشش کی۔ منصور تاز گیا۔ اس نے محض اندازہ سے اس کو ان کی مجلس کی تمام کاروائی بتادی، گویا وہ خود وہاں موجود تھا۔

منصور نے اپنے اطوار و کردار سے عمال کے ذہنوں میں یہ بات پختہ کر دی تھی کہ اس کی ملک دارانہ صلاحیتوں اور حاکمانہ گرفت سے سر نکالنا مشکل ہے۔ منصور اپنے ارکان دولت اور عمائد سلطنت کی اہلیت سے خوب کام لیتا تھا۔ وہ حکومت کے امور میں ان سے مشورہ کرتا تھا لیکن اپنی آہنی شخصیت کے جلال سے انہیں مرعوب کر رکھا تھا تاکہ وہ خود فریبی اور خود سری پر نہ اتر آئیں۔

ذاتی انہماک : منصور کو کاروبار سلطنت میں دن بھر انہماک رہتا تھا۔ عشاء کے بعد دیر تک جاگتا تھا اس وقت ڈاک کا مطالعہ کرتا اور احکام صادر کرتا تھا۔ رات کا صرف تہائی حصہ سوتا تھا۔ رعب و ضبط : منصور کی ہیبت امرائے سلطنت ہی پر نہیں کل رعیت پر چھائی ہوئی تھی باغیوں کو دردناک سزائیں دیتا تھا بنو عباس اچانک مسند خلافت پر پہنچے تھے اس سے قبل ان کی حیثیت

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ کتاب الوزراء، مشہور۔ ۴۔ طبری۔

اس قدر ممتاز نہ تھی اس لیے وقار کو مضبوط کرنے کے لیے منصور نے رعب و جلال کا شیوہ اختیار کیا تاکہ نہ صرف آل علیؑ اور بنو امیہ مرعوب ہو جائیں بلکہ دیگر کسی فریق کو بھی مقابلہ کا حوصلہ نہ ہو۔ بنو عباس کی شان بڑھانے کے لیے منصور نے انہیں بڑے بڑے عہدے دے اور ان کے گھرمال و دولت سے بھر دیے۔

منصور نہایت جبارانہ ہیئت سے دربار میں قدم رکھتا تھا۔ آنکھیں جلال سے سرخ ہوتی تھیں۔ بیٹوں سے کہا کرتا تھا کہ جب میں شاہی لباس پہن کر دربار عام میں جاؤں تو میرے قریب نہ پھٹکوں اپنے وزیر ابو ایوب موربانی کو جب کبھی بلاتا تو اس کا رنگ فق ہو جاتا تھا۔ اس کے سب عہدہ دار اس سے لرزاں رہتے تھے۔

والیوں کے خلاف شکایات آئیں تو توجہ سے سنتا تھا اور درست نکلتیں تو ان کو گوشمالی کرتا تھا ایک گورنر کے بارہ میں اطلاع ملی کہ شکار کا بہت شائق ہے۔ اسے خط لکھا کہ میں نے تمہیں مسلمانوں کے امور پر مقرر کیا ہے صحرائی جانوروں پر مامور نہیں کیا۔ اسے بھتیجے کے خلاف شکایت آئی تو اسے معزول کر دیا۔ اسے اپنے بھائی عباس کو جزیرہ کی ولایت سے سبکدوش کیا اور بھاری تادان لگایا۔ ایک امیر کو قیمتی لباس میں دیکھا تو پندرہ کوڑے مارے۔ ۵

منصور آئے دن گورنروں کی تہدیلیاں کرتا تھا اور اپنی شک پر انہیں قتل کر دیتا تھا۔ ابو ایوب موربانی کو قتل کیا تو ساتھ ہی اس کی کمائی پر پلنے والے سب رشتہ داروں کا صفایا کر دیا۔ جب کسی والی کو معزول کرتا تو اسے زیر حراست لے لیتا اور اس کا مال جمع کر لیتا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے ایک خزانہ اموال بنایا تھا جسے بیت المظالم کہا جاتا تھا۔

رواداری: منصور کی سخت گیری نظم و ضبط کے معاملہ میں تھی ورنہ رعیت کے حق میں بہت فراخ دل اور کشادہ ظرف تھا ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مسجد النبی میں خطبہ دے رہا تھا۔ ایک شخص نے اٹھ کر سختی سے ٹوکا۔ منصور نے عالی ظرفی کے ساتھ تحمل کیا۔

نصر بن سیار بنو امیہ کا ایک نمک حلال جرنیل تھا۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے اس کی اولاد میں سے ایک شخص کو جو روپوش ہو گیا تھا گرفتار کر کے مار ڈالا۔ منصور نے عیسیٰ کو سزا دینا چاہی لیکن پھر اس کی لاعلمی کا خیال کر کے چھوڑ دیا۔ اسے ایک خط لکھا کہ اب کے درگزر کرتا ہوں لیکن عرب کا باشندہ ہو یا مجھ کا سرخ قام ہو یا سیاہ قام کسی سے ایسا سلوک نہ کرنا اور نہ میرے حکم کے بغیر سزا دینا۔ ۶

خبر گیری: منصور اہتماماً کا خبر گیر تھا۔ حکومت کا کوئی کونہ گوشہ یا اہل کاروں کی کوئی حرکت اس سے پوشیدہ نہیں رہتی تھی۔ منصور کے ملازمین اس کے کامیاب تجسس سے اس قدر تنگ آ گئے تھے کہ انہوں نے اس کے طبیب کو درغلایا کہ منصور کو دوا کے بہانہ سے شراب کی لت لگا دو لیکن

۱۔ الحری۔ ۲۔ طبری۔ ۳۔ ہشیری۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ طبری۔ ۶۔ طبری۔

طیب ناکام رہا۔ ۱

منصور ایک دن محل پر بیٹھا دجلہ کا نظارہ کر رہا تھا دیکھا کہ ایک ماہی گیر نے ایک بہت بڑی مچھلی شکار کی ہے۔ منصور نے آدمی بھیجا کہ جس نے اس مچھلی کو خریدا اسے گرفتار کر لانا۔ ایک عیسائی پکڑا گیا منصور نے پوچھا تمہارے پاس اتنا روپیہ کہاں سے آتا ہے؟ راز کھلا کہ اس کے پاس نین کی دولت ہے۔ سب ضبط کر لی۔ ۲

صوبوں اور اضلاع میں خفیہ خبر رسانی کا کام برید کے ذمے تھا۔ منصور کو بلا ناغہ ملک کے کونہ کونہ سے ہر نوع کی خبریں آتی تھیں۔ منڈیوں کے بھادے کی اطلاع ملتی تھی۔ قضاة اور حکام کے معمولات اور فیصلوں کی رپورٹیں پہنچتی تھیں۔ خفیہ اطلاع نامے دن میں دو وقت آتے تھے رات کی خبریں فجر کو پہنچتیں اور دن کی مغرب کے بعد۔ منصور ان رپورٹوں پر غور کرتا۔ غلہ کے بھادے کو اعتدال میں رکھنے کے ذرائع سوچتا اور سرکاری منصب داروں کے خلاف شکایت آتی تو انہیں تنبیہ کرتا تھا۔ ۳

ارکان حکومت : منصور عمدہ داروں کے انتخاب میں بہت فکر و احتیاط سے کام لیتا تھا۔ حتیٰ الوسع کار آمد اور ذمہ دار عملہ ملازم رکھتا تھا۔ کہا کرتا تھا کہ حکومت کے چار ارکان ہوتے ہیں اول بے خوف قاضی، دوم صاحب الشرطہ جو ضعیف کو طاقت ور سے داد دلوائے، سوم صاحب الخراج جو ایک ایک پائی وصول کرے لیکن ظلم نہ کرے۔ چہارم، صاحب البرید جو ان کی درست اطلاع دے۔ ۴

منصور نے عملہ کے انتخاب میں اہلیت کے علاوہ وفاداری کو بھی مد نظر رکھا کلیدی عمدے اکثر اپنے اقرباء کو دے یا اہل خراسان کو جن کی نمک حلائی پر اسے اعتماد تھا اس نے عربوں کو بہت حد تک بے دخل کر دیا۔ عرب پر غیر ملکی حاکم سب سے پہلے منصور کے عہد میں مقرر ہوئے۔ خراسانیوں کا وقار حد سے گزرنے لگا۔

خلافت راشدہ اور اموی حکومت کے بعد منصور آخری حکمران ہے جس کی حکومت میں عورتوں کا دخل نہیں تھا۔ اس کے جانشین مہدی کے عہد سے عورتیں حکومت میں دخل ہونے لگیں۔

مالیات : منصور کہا کرتا تھا کہ جب تک خزانہ بھرپور ہو خلیفہ محبوب رہتا ہے وہ غیر ضروری خرچ سے بہت بچتا تھا۔ ستا جبہ پہنتا اور قبض میں پیوند لگاتا تھا۔ اہل کاروں سے ایک ایک پائی کا حساب لیتا تھا جس کی وجہ سے ابوالدوانیق یعنی دہڑیوں والا کہلاتا تھا۔ ۵

منصور نے ایک دفعہ دیکھا کہ گھر کی ڈیوڑھی میں تبدیل جل رہی ہے۔ حکم دیا کہ بلا ضرورت تبدیل مت جلاؤ۔ ۶ وہ اس قدر خزانہ چھوڑا کہ دس سال کے لیے کافی تھا۔ ۷

۱۔ کتاب الوزراء، ہشیاری۔ ۲۔ ہشیاری۔ ۳۔ طبری۔ ۴۔ طبری۔ ۵۔ ذوات الوفیات۔ ۶۔ ہشیاری۔ ۷۔ ابن اثیر، ابن خلدون۔

عدلیہ: منصور کو انصاف کا بہت دھیان رہتا تھا۔ اگر کسی قاضی کے خلاف شکایت آتی تو جواب طلب کرتا تھا۔

منصور ایک دفعہ مدینہ گیا تو چند شترانوں نے اس کے خلاف نالش کی۔ قاضی نے اسے عدالت میں بلایا۔ وہ آیا تو قاضی تعظیم کو نہ اٹھا اور اس کے خلاف فیصلہ دیا۔ منصور بہت خوش ہوا اور دس ہزار دینار انعام دے۔

ایک شخص کے ذمے منصور کا قرض تھا وہ مرا تو منصور نے عامل کو لکھا کہ اس کے ترکہ سے پہلے میرا حق وصول کرو اور جو باقی بچے قرض خواہوں پر بانٹ دو عامل نے خط نظر انداز کر کے رقم سب پر برابر تقسیم کر دی۔ منصور نے اسے لکھا کہ تم نے زمین کو عدل و انصاف سے لبریز کر دیا ہے۔

فوج: منصور نے فوج کی تعداد بڑھائی اور اسے مضبوط کیا وہ جانتا تھا کہ مستحکم حکومت کے لیے طاقتور فوج لازمی ہے۔ اس نے اپنے جانشین مہدی کو بھی نصیحت کی تھی کہ فوج اور اسلحہ بڑھانا۔

منصور کی فوجی تنظیم ہی کا نتیجہ تھا کہ اس نے بڑی بڑی زبردست قوتوں کو شکست دی اور بربر کے دور ترین علاقوں تک فتوحات پھیلا دیں۔

سرحدی حفاظت: رومی حکومت کی طرف سے ہیکم خطرہ رہتا تھا۔ منصور نے سرحدوں کا دفاع مضبوط کیا۔ شام کے ساحل پر قلعے بنوائے اور نئی آبادیاں بسائیں۔

خوشحالی: منصور کا عہد امن و سکون اور عافیت کا عہد تھا۔ قانون کا احترام کیا جاتا تھا اور عوام کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت تھی۔ غلہ سستا تھا۔

مسجد حرام کی توسیع: مسجد حرام کو وسیع تر کرنے کی ضرورت تھی منصور نے ۱۳۰ ہجری میں اس نیک کام کو انجام دیا۔

علمی حرکت کا آغاز: منصور علم کا جوہا تھا۔ اسے نہ صرف علم دین بلکہ دیر عوم سے جہی بہت شغف تھا۔ بغداد کی تعمیر کے بعد اس نے علماء و فضلاء کو اطراف ملک سے بلایا اور ان کی قدر افزائی کی۔ یہ اس علمی حرکت کا آغاز تھا جو عباسی حکومت کا طغرائی امتیاز ثابت ہوئی۔

منصور کے عہد میں غیر زبانوں میں لکھی ہوئی کئی قدیم کتابوں کو عربی زبان کا لباس پہنایا گیا۔ اگرچہ اس کام کی طرف سب سے پہلے اموی دور میں حضرت معاویہ نے توجہ دی تھی اور شاہی کتب خانہ قائم کیا تھا لیکن اس مہم کو ایک وسیع پیمانے پر ترتیب دینے کا سرا منصور کے سر ہے۔ اس نے ارباب کمال کی خوب قدر کی انہیں دریا دلی سے نوازا، نتیجہ یہ کہ اصحاب علم و حکمت دور دور سے کھچ کر اس کے دربار میں آئے اور بعید و قریب اقوام کے علوم عربی زبان کی

۱۔ تاریخ خلفاء سیوطی۔ ۲۔ مستوف باب ۱۹ ص ۱۳۲۔ ۳۔ بلاذری۔ ۴۔ النجوم الزاہراء۔ ۵۔ طبری، طغری بردی۔

گود میں گھر کرنے لگے اس کے عہد میں کئی متفرق کتب مثلاً کلیلہ و منہ، السند ہند اور اقلیدس وغیر ترجمہ ہو کر عوام میں پھیلیں اور لوگ ان سے استفادہ کرنے لگے۔

شہروں کی آبادی: منصور نے کئی شہر آباد کئے جن میں بغداد اہم ترین ہے۔ شام میں منصور نے اسی طرز پر رافقہ کا شہر آباد کیا اور اس کے گرد فصیل کھنچوائی۔ کوفہ، بصرہ اور نیشاپور کے شہروں کے گرد فصیلیں بنوائیں اور خندقیں کھدوائیں۔ لہٰذا افریقیہ میں عباسیہ کے شہر کی بنیاد ڈالی۔ ۳ بغداد: یہ منصور کا زندہ جاوید کارنامہ ہے۔ منصور نے اسے امن کی بحالی اور نظم و نسق کے استحکام کے لیے تعمیر کیا۔

کوفہ کا شہر امن سوز اور پر آشوب تھا امویوں نے والی کی سکونت گاہ کے لیے شہر سے باہر ایک بستی آباد کی تھی جو قصر ابن ہیرہ کہلاتی تھی۔ بنو عباس نے اس کے پہلو میں ہاشمیہ کے نام سے ایک اور قصبہ آباد کیا لیکن کوفہ کے اثرات سے یہ جگہ بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ عوام ارباب حکومت کو کسی پہلو چین نہیں لینے دیتے تھے لہٰذا دارالخلافہ انبار میں منتقل ہوا۔ راوندیہ کی بغاوت کے بعد منصور نے خالد بن برمک کے مشورہ پر اس شہر کو چھوڑ کر نیا دارالخلافہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ ۴

موزوں جگہ کے انتخاب کے لیے پہلے چند ماہرین روانہ کیے۔ اس کے بعد وجہ اور فرات کی وادی کا خود دورہ کیا۔ موجودہ بغداد کی جگہ پسند آئی۔ یہاں چند راتیں بسر کیں۔ صبح و شام کی صاف و بے غبار اور روح افزا ہواؤں نے اس کا دل موہ لیا۔ یہ جگہ قلمرو کے مرکز میں تھی اس لیے اطراف سلطنت سے رابطہ بہ آسانی قائم ہو سکتا تھا۔ اس کے علاوہ دفاعی نقطہ نظر سے بھی یہ جگہ بہت موزوں تھی وجہ و فرات اور دیگر نہروں کے درمیان ہونے کی وجہ سے حملہ آور کا یہاں تک بڑھنا دشوار تھا۔ ۵

۱۳۳ یا ۱۳۵ ہجری میں وجہ کے مغربی کنارے شہر کی تعمیر شروع ہوئی۔ پہلے اہل بھیسروں نے نقشہ تیار کیا۔ مٹی سے خط کشی ہوئی۔ منصور اس خاکہ میں خود پھرا اور اسے خوب سراہا۔ اس کے بعد چار صاحب کمال اہل بھیسروں پر کام بانٹ دیا۔ سنگ بنیاد خود رکھا۔ ۵ کارگیروں اور صناعتوں کی پیش قرار اجرتیں مقرر کیں۔ جگہ جگہ کے کارگیر ہزاروں کی تعداد میں اکٹھے ہوئے۔

منصور نے مدائن کے قصر ابیض کو جسے ساسانی بادشاہوں نے تعمیر کیا تھا مسمار کر کے اس کا سالہ بغداد لانا شروع کیا لیکن مزدوری زیادہ پڑتی تھی، اس لیے پھر چھوڑ دیا۔ واسط کے ایک محل میں بہت بڑے پتھر لگے ہوئے تھے۔ انہیں بھی منگوا دیا۔

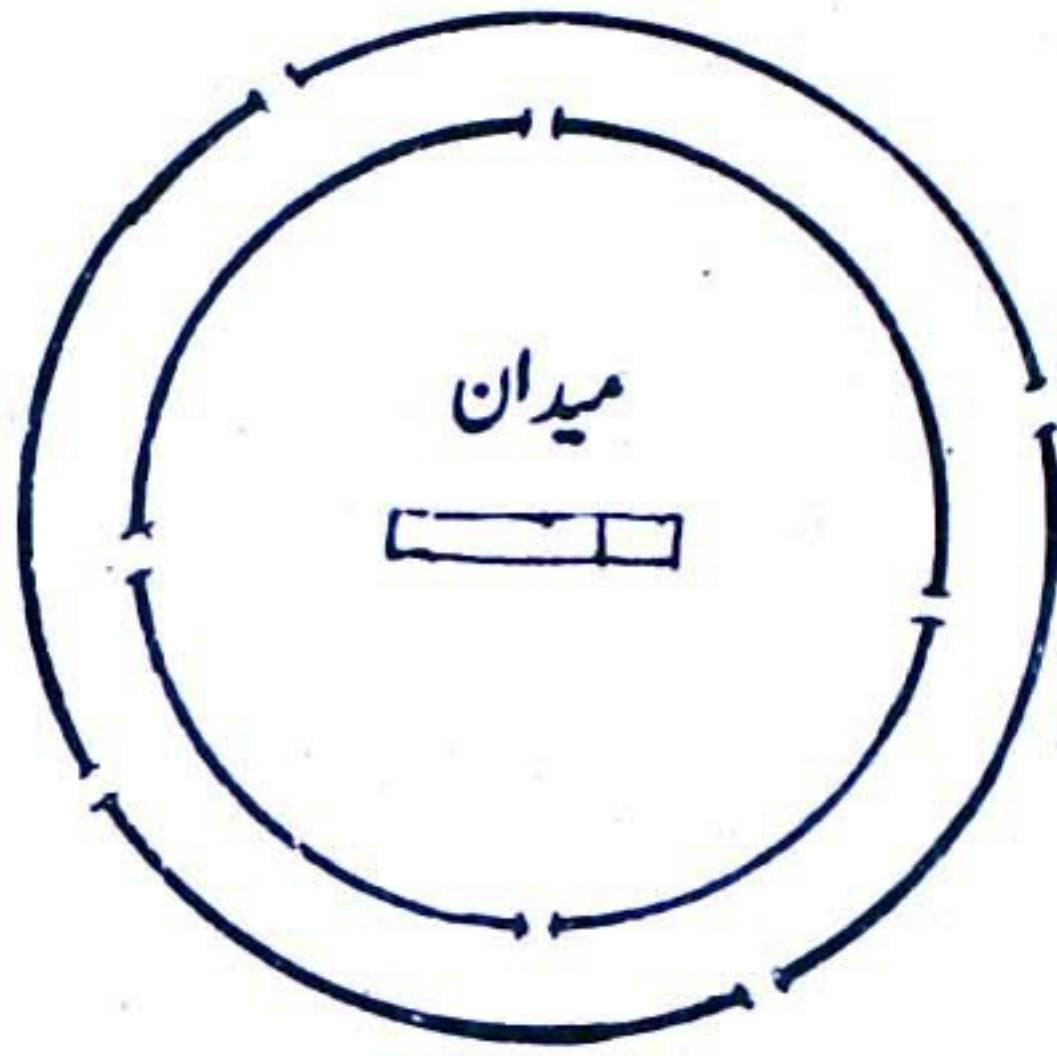
بغداد میں یہ جدت تھی کہ گول تھا کیونکہ منصور چاہتا تھا کہ سب اہل شہر سے اس کا برابر کا

۱- النجوم الزہراء، ابن کثیر۔ ۲- بلاذری۔ ۳- ابن کثیر، ابن کثیر، الخلیفہ۔ ۴- ابن اثیر، ابن کثیر، الخلیفہ۔ ۵- ابن کثیر۔



قرب رہے۔ شہر کی دو بلند فصیلیں تھیں اور باہر خندق تھی اندرونی فصیل بیرونی فصیل سے اونچی تھی۔ فصیلیں قاعدہ پر پچاس ہاتھ اوپر جا کر بیس ہاتھ چوڑی تھیں۔<sup>۱</sup> شہر کے چار بڑے دروازے تھے 'باب الکوفہ' 'باب الشام' 'باب البصرہ اور باب الخراسان۔ ہر دو دروازوں کے درمیان اٹھائیس برج تھے۔ دروازے دوہرے تھے اور درمیان ڈیوڑھی تھی۔ ہر دروازہ پر گنبد کی چھت کا ایک کمرہ تھا۔ منصور ان کمروں میں بیٹھ کر بیرونی دنیا کا نظارہ کیا کرتا تھا۔<sup>۲</sup>

### بغداد کا فرضی خاکہ



قصر خلافت شہر کے مرکز میں تھا۔ اس کے پہلو میں شاہی جامع مسجد تعمیر کی گئی جس کو جامع منصور کہتے تھے۔ عوام کے لیے الگ جامع مسجد تھی۔ جامع منصور کے سامنے ایک وسیع میدان تھا جس کے حاشیوں پر ارکان سلطنت کے محلات تھے۔<sup>۳</sup>

قصر خلافت نہایت دل کش تھا۔ اس کے وسط میں تین ہاتھ لمبا اور بیس ہاتھ چوڑا ایوان تھا۔ اس پر دوہرا گنبد تھا۔ بالائی گنبد سبز رنگت کی وجہ سے قبتہ الخضراء کہلاتا تھا۔ یہ سطح زمین سے اسی ہاتھ اونچا تھا۔ عرض میں بیس ہاتھ تھا۔ یہ بغداد کا تاج تھا۔ اس قدر مضبوط تھا کہ تقریباً دو سو برس تک سالم رہا۔<sup>۴</sup>

شہر سے باہر دجلہ کے کنارے منصور نے ایک اور محل بھی بنوایا جسے قصر المنصور کہتے تھے۔ اس پر سونے کا کام ہوا تھا۔ نہایت خوب صورت اور دل آویز تھا۔ اس لیے اسے قصر الخلد یعنی جنت کا محل بھی کہتے تھے۔<sup>۵</sup>

شروع میں بازار محل کے قریب تھے۔ شور و شغب سے بچنے اور جاسوسوں کو دور رکھنے کے لیے منصور نے ۱۵ ہجری میں دور ہٹوا دے۔ بازاروں کی وسعت بڑھوادی۔ رستے چالیس چالیس

۱۔ ابن کثیر، ابن اثیر۔ ۲۔ خطیب بغدادی، مسعودی۔ ۳۔ ابن کثیر، خطیب بغدادی، مسعودی۔ ۴۔ خطیب، ابن کثیر۔ ۵۔ خطیب بغدادی، ابن کثیر، ص ۲۲۳۔

ہاتھ چوڑے رکھوائے۔ ۱

شہر محلوں میں تقسیم تھا۔ ضرورت کی دکانیں ہر محلہ میں تھیں۔ مے پہلے پانی اور سبزہ کی کمی تھی۔ اس لیے منصور نے دجلہ و فرات سے نہریں کھدوائیں شہر کا گوشہ گوشہ سیراب ہوا اور کثرت سے باغ اور چمن نظر آنے لگے۔ ۲

۱۵۱ ہجری میں منصور نے اپنے بیٹے مہدی کے لیے دجلہ کے شرقی کنارے بغداد کے مقابل رصافہ یعنی جہسان آباد کیا۔ اس کو بعد میں مہدیہ بھی کہتے تھے۔ غری شہر ایک مدت تک مدینہ ابو جعفر یا مدینتہ المنصور کہلا رہا۔ دونوں حصوں کو ملا کر بغداد کہتے تھے۔ ۳

رصافہ کے گرداگرد فصیل و خندق اور اس سے متصل باغ تھے۔ ۴

دجلہ کی وادی کو وادی السلام کہتے تھے۔ منصور نے اسی نسبت سے شہر کا نام دارالسلام رکھا۔ سرکاری اور دفتری نام یہی رہا لیکن عوام میں قدیمی نام بغداد ہی مقبول تھا کیونکہ اس نام کی پہلے یہاں ایک بہت پرانی بستی تھی۔ بعض لوگ بغداد کو زوراء بھی کہتے تھے۔ ۵

لفظ بغداد کے کئی معنی بتائے جاتے ہیں لیکن غالباً باغ اور داد سے مرکب ہے اس کے ایک معنی تو یہ بتاتے ہیں کہ داد نام ایک شخص تھا جس کا یہاں باغ تھا اور دوسرے یہ کہ باغ ایک عجمی بت کا نام تھا لہذا بغداد کے معنی ہیں 'باغ کا دیا ہوا'۔

بغداد کی رونق دن دوگنی اور رات چوگنی بڑھتی گئی۔ علم اور تہذیب کا معدن ہو گیا۔ بغداد کو سینکڑوں مایہ ناز علماء کا مسکن ہونے کا فخر حاصل ہے۔

ابتداء میں یہ شہر نہایت خوشحال اور فارغ البال تھا۔ اشیاء بہت سستی تھیں۔ امام شافعی کا قول ہے کہ میں نے ہر سفر میں مسافرت کے انداز دیکھے لیکن بغداد میں خود کو گویا اپنے گھر میں پاتا ہوں۔

۱۔ ابن اثیر، ابن کثیر، ۲۔ ابن اثیر، ۳۔ خطیب، ۴۔ مسعودی، ابن کثیر، ص ۲۶۳، خطیب، ذحی، امیر علی، الحموی۔  
۵۔ ابن کثیر، ۶۔ ابن کثیر۔

## محمد المہدی

(۱۵۸ھ تا ۱۶۹ھ) (۶۷۷ تا ۶۸۵ھ)

منصور نے مکہ میں وفات پائی تو بنو ہاشم کے سرداروں اور دیگر ارکان سلطنت نے جو اس وقت وہاں موجود تھے منصور کے دفن سے پہلے مہدی کی بیعت کر لی اور اس کی اطلاع مہدی کو بھیج دی۔ بغداد میں بھی اس کی بیعت ہو گئی۔ ۱۔

## جنگی مہمات

۱۔ رومی محاذ: مہدی کے اثنائے خلافت میں تقریباً ہر سال روم سے معرکہ آرائی ہوئی اور طرفین کے نقصان ہوتے رہے۔ شہزادہ ہارون الرشید نے ۱۶۳ اور ۱۶۵ ہجری میں جو حملے کیے ان میں رومیوں کی بہت تباہی ہوئی۔ دوسرے حملہ پر روم کی ملکہ نے خراج دے کر صلح کر لی۔ ۲۔

۲۔ سندھ: مہدی نے ۱۵۹ ہجری میں باربد (بھاڑ بھوت) کے ہندو راجہ کے خلاف ایک گراں لشکر بھیجا۔ راجہ کو شکست ہوئی اور مال غنیمت ہاتھ آیا۔ ۳۔

۳۔ اندلس: ۱۶۱ ہجری میں ایک سردار کو اندلس فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ مارا گیا۔ ۴۔

## بغاوتیں

۱۔ ۱۶۰ ہجری میں خراسان میں ایک شخص یوسف بن ابراہیم نے جو یوسف البرم کہلاتا تھا بغاوت کی۔ خلق کثیر اس کی تابع ہو گئی اور اس کی طاقت بہت بڑھی۔ مہدی نے اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر گردن مروا دی۔ اس کے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیا گیا۔ ۵۔

۲۔ ۱۶۲ ہجری میں جرجان میں عمرہ یعنی سرخ پوشوں کا فرقہ عبدالقہار نام ایک شخص کے زیر قیادت اٹھا۔ شاہی فوجوں نے انہیں ٹھکانے لگا دیا۔ ۶۔

۳۔ ایک شخص عبدالسلام بن ہاشم نے تہرین کے علاقہ میں علم بغاوت بلند کیا۔ بہت لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔ اس نے شاہی افواج کو پے در پے شکستیں دیں لیکن سلطنت کے مقابلہ میں اس کی طاقت بالا خر ٹوٹ گئی اور وہ قتل ہوا۔ ۷۔

۴۔ خوارج: خوارج نے موصل کے علاقہ میں سر اٹھایا۔ مہدی نے وفات سے ایک سال قبل ان کا خاتمہ کر دیا۔ ۸۔

۵۔ مقتع خراسانی: اس کا نام عطاء تھا۔ عوام میں حکیم کے نام سے مشہور تھا۔ نہایت ذہین سائنس دان تھا۔ اس نے اپنی سائنس دانی کو غلط مصرف میں برتا اور خدائی کا

۱۔ ابن کثیر، ابن اثیر۔ ۲۔ ابن کثیر، ابن السعری۔ ۳۔ ابن اثیر، ابن کثیر، تاریخ اسلام شاہ معین الدین۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔ ۶۔ ابن کثیر۔ ۷۔ ابن کثیر۔ ۸۔ ابن کثیر۔

دعوئی کر کے نادان لوگوں کو ساتھ ملا لیا۔ پست قد، کانا اور بد صورت تھا۔ چہرے پر طلائی نقاب ڈالے رکھتا تھا۔ اس لیے لوگ اسے مقنع (نقاب پوش) کہتے تھے۔ ۱۔  
مقنع خراسان کے شہر مرو کا رہنے والا تھا۔ ابتداء میں دھوبی تھا لیکن کرشمہ بازی کر کے اس نے لوگوں کو اپنے دام میں پھانس لیا۔ اس نے یہ فلسفہ بگھارا کہ اللہ تعالیٰ کی روح پہلے آدم میں آئی۔ پھر انبیاء میں ہوتے ہوئے ابو مسلم کے بدن میں منتقل ہوئی اور اس کے بعد ہاشم میں حلول کیا۔ مقنع نے اعلان کیا کہ ہاشم میں ہوں۔ اس نے پیروؤں کی ایک کثیر جماعت پیدا کر لی۔ اس کو سجدہ کیا جاتا تھا۔ ۲۔

مقنع نے ۱۵۹ ہجری میں سیحوں پار کے علاقہ میں ظہور کیا۔ اس نے ایک چاند ایجاد کیا جس کی روشنی دو میل کی مسافت سے نظر آتی تھی۔ ۳۔ فارسی ادب میں اس چاند کی بہت شہرت ہے۔ اسے ماہ نخب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ نخب (یا نعب) مادراء النہر کا ایک مشہور شہر ہے۔

بخارہ اور مغد کے علاقہ میں ایک سفید پوش فرقہ نمودار ہوا جسے میفہ کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ اگرچہ بظاہر مقنع کے دین کے پیرو نہ تھے لیکن اس کی عقیدت سے خالی بھی نہ تھے۔ انہوں نے مقنع کی کھلم کھلا مدد کی۔ غیر مسلم ترکوں نے بھی اس کا ساتھ دیا اور مسلمانوں کو لوٹ لیا۔ ۴۔

شاہی فوجیں مقنع کے سر پر پہنچیں تو وہ علاقہ کش کے ایک قلعہ میں محصور ہو گیا۔ مسلمانوں نے زور ڈالا تو کئی ساتھی اس سے الگ ہو گئے۔ اس کے پاس گنتی کے افراد رہ گئے۔ آخر مقنع مایوس ہو گیا۔ قلعہ کی سب چیزوں کو نذر آتش کیا۔ پھر ایک الاؤ روشن کیا۔ اور ہمراہیوں سے کہا کہ جو شخص میرے ساتھ آسمان کو پرواز کرنا چاہتا ہے وہ اس آگ میں کود پڑے۔ یہ کہہ کر بال بچوں سمیت آگ میں چھلانگ لگا دی۔ اس کے مریدوں نے بھی تقلید کی۔ مسلمان قلعہ میں داخل ہوئے تو ہر طرف خاکستر نظر آ رہی تھی۔ ۵۔  
ایک بیان یہ ہے کہ مقنع نے مایوس ہو کر زہر کھالی اور بیویوں کو بھی زہر کھلا کر ہلاک کر دیا۔ اس کا سرمہدی کے پاس لایا گیا۔ ۶۔ مقنع کا خاتمہ ۲۱۱ ہجری میں ہوا۔ اس کے بعد سفید پوش فرقہ کی گوشالی میں تقریباً چار ماہ لگے۔ ۷۔

ولی عہدی میں تبدیلی : مہدی نے ۲۱۰ ہجری میں عیسیٰ بن موسیٰ کو مجبور کر کے ولی عہدی سے دستبردار کرایا اور اپنے بیٹے موسیٰ کے لیے بیعت لی۔

وفات : مہدی نے ۲۱۹ ہجری (محرم) میں وفات پائی۔ وفات کی روایات مختلف ہیں۔ قابل

۱۔ ابن کثیر، ابن اثیر۔ ۲۔ ابن اثیر، ابن کثیر، الطبری۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن کثیر، ابن اثیر، الطبری۔  
۶۔ ابن کثیر، ذہبی۔ ۷۔ ابن اثیر۔

وثوق روایت یہی نظر آتی ہے کہ ایک دفعہ شکار کے پیچھے گھوڑا ڈالا۔ شکار ایک پرانے کھنڈر میں جاگھا۔ مہدی کا گھوڑا دروازے سے گزرا تو اسے چوٹ آگئی۔ اس سے جانبر نہ ہو سکا۔

## مہدی کے عہد پر تبصرہ

مہدی کا دور حکومت بعض معمولی شورشوں کو چھوڑ کر خوش حالی اور امن و سکون کا دور ہے۔ سفاح اور منصور نے حرفوں کو رستہ سے ہٹا دیا تھا اور حکومت کو جن جن رختوں سے کچھ خطرہ ہو سکتا تھا وہ بند کر دیئے تھے۔ انہوں نے اپنے سترہ سال کے دور حکومت میں عباسی سلطنت کی بنیادیں خوب پختہ کر دی تھیں۔ خزانہ کو معمور کر دیا اور محاصل بڑھا دیئے۔ عوام کی نگاہ میں عباسی حکومت اب ایک مستقل حکومت تھی۔

منصور کی مال اندیشی نے مہدی کی مقبولیت کے لیے کئی سامان پیدا کر دیئے تھے۔ منصور نے اپنے عہد میں جس قدر تادان لگائے تھے۔ وہ مظالم کے بیت المال میں نشان لگا کر رکھ دیئے تھے۔ مرنے سے پہلے مہدی کو وصیت کی کہ میرے بعد یہ تادان مالکوں کو واپس کر دینا۔ اس سے تم ہر دل عزیز ہو جاؤ گے۔ اے مہدی نے نہ صرف یہ کہ اس نصیحت پر عمل کیا بلکہ منصور کے عہد میں مدینہ کے جن باشندوں کے وظائف ضبط ہوئے تھے بحال کیے اور منصور کے کل سیاسی قیدی رہا کر دیئے۔ صرف ان قیدیوں کو جیل میں رہنے دیا جو قتل، لوٹ مار یا فساد کے مجرم تھے۔ ۲۔ عوام مہدی کے اس اقدام سے بہت خوش ہوئے۔ وہ شہزادگی ہی میں پسندیدہ اطوار تھا اور فیاضی کی وجہ سے خاصا مقبول تھا۔ اب اس کی مقبولیت کو چار چاند لگ گئے۔ مہدی نے دست سخاوت ہمیشہ کشادہ رکھا۔ صرف مکہ کے لوگوں پر وقتاً فوقتاً لاکھوں دینار تقسیم کیے۔ اہل مدینہ کی خوشنودی کی خاطر پانچ سو انصار اپنے محافظ دستہ کے لیے منتخب کیے۔ ۳۔

**نظم و ضبط :** مہدی سادہ طبیعت تھا۔ اس سے قبل خلفاء کا دستور تھا کہ دربار میں اہل دربار سے پس پردہ بیٹھتے تھے۔ مہدی نے یہ تکلف اٹھا دیا۔ ۴۔ لیکن طبعی نرمی اور عفو شعاری کے باد صغف و نسق کے معاملہ میں سخت گیر تھا۔ اس نے ایک نیا دفتر قائم کیا جس کا نام دیوان الازمہ تھا۔ ۵۔ اس محکمہ کا کام دیگر محکموں کی نگرانی کرنا تھا۔

ہر عامل کو نگرانی میں رکھنے کے لیے اس نے امین مقرر کیے۔ امناء کے ذمے یہ کام تھا کہ عامل کو خلیفہ کی طرف سے جو احکام جائیں ان کی تعمیل کروائیں۔ ۶۔

**عدل و انصاف :** مہدی کے ایام میں عدل کی پوری رعایت تھی۔ ایک دفعہ اس کے

۱۔ الحری۔ ۲۔ ابن اثیر، ابن کثیر۔ ۳۔ ابن اثیر، ۴۰ ہجری۔ ۴۔ المامون، طبری۔ ۵۔ ابن اثیر، ۱۳۳ ہجری۔ ۶۔ ابن کثیر، ۱۳۷ ہجری۔

مستم نے ایک آدمی کی زمین پر قبضہ کر لیا۔ اس نے آکر مہدی کے پاس درخواست دی۔ قاضی بھی موجود تھا۔ اس نے مہدی سے سوال کیا تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ مہدی بولا، یہ زمین میری ہے اور میرے قبضہ میں ہے۔ قاضی نے پوچھا، تم نے اس پر کب قبضہ کیا، خلافت سے پہلے یا بعد؟ مہدی نے جواب دیا بعد میں۔ قاضی نے حکم دیا، تو پھر یہ زمین اس شخص کے حوالے کرو، مہدی نے تعمیل کی۔ ۱۔  
مہدی نے بصرہ میں دو قاضیوں کا بیج قائم کیا۔ ۲۔

**مالیات :** خراج کی وصولی کے لیے مستقل ضوابط کی ضرورت تھی۔ مہدی نے اس طرف توجہ دی اور اپنے وزیر معاویہ سے خراج پر ایک کتاب لکھوائی۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب تھی۔ ۳۔ مہدی کا اس ضمن میں ایک اور کارنامہ یہ ہے کہ اس نے امام ابو یوسف کو قاضی بنایا۔ قاضی صاحب بہت بڑے قیاس تھے اور خراج میں مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے کتاب الخراج لکھی جس کو آج تک سند کا درجہ حاصل ہے۔

**برید (ڈاک) :** مدینہ اور یمن کے درمیان برید کا انتظام نہ تھا۔ مہدی نے ان علاقوں میں برید جاری کی۔ ۴۔

**دینی خدمات :** مہدی کے دل میں دین کی بہت حمیت تھی۔ اس نے مسجد النبی اور مسجد حرام کی توسیع کرائی۔ اس مقصد کے لیے ملحقہ مکانات خرید کر ان کا رقبہ ان مسجدوں میں ملایا۔ ۵۔ مہدی نے کعبہ کو ابن زبیر کی مقرر کردہ بنیادوں پر تعمیر کرانا چاہا۔ امام مالک سے مشورہ کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اسے اپنے حال پر رہنے دو ورنہ خلفاء اسے کھیل بنا لیں گے۔ ۶۔

مہدی ۱۲۰ ہجری میں حج کے لیے گیا تو لوگوں نے کہا، کعبہ پر بہت غلاف چڑھ چکے ہیں، مبادا عمارت ان کے بوجھ تلے دب جائے۔ مہدی نے سب غلاف اتروائے اور نیا غلاف چڑھایا۔ ۷۔

مسجد النبیؐ میں حضرت معاویہؓ کے وقت سے ایک مقصورہ تھا جہاں خلفاء ذاتی تحفظ کی خاطر عام صفوں سے الگ نماز پڑھتے تھے۔ مہدی نے اسے گروا دیا اور حکم جاری کیا کہ کسی مسجد میں مقصورہ نہ ہو۔ ۸۔ ایک اور فرمان یہ دیا کہ کسی مسجد کا منبر مسجد النبیؐ کے منبر سے بڑا نہ ہو۔ ۹۔

**زندقہ کا استیصال :** بے ڈھب اور مخلوط عقائد کا نام زندقہ ہے۔ ایسے عقیدہ والے شخص کو زندیق کہتے ہیں۔ زندیق کی جمع زنداقہ ہے۔

۱۔ طبری۔ ۲۔ تاریخ القضاة ابن مرون۔ ۳۔ العمري۔ ۴۔ سیوطی۔ ۵۔ ابن اثیر، ابن کثیر، ۱۲۵، ۱۲۷ ہجری۔ ۶۔ ابن کثیر۔ ۷۔ ابن اثیر۔ ۸۔ ابن اثیر، ابن کثیر۔ ۹۔ ابن کثیر۔

یہ لوگ ہنگامی ضرورتوں اور سفلی جذبات کی تسکین کے لیے کچھ عقائد ادھر ادھر سے مانگ لیتے ہیں اور کچھ اپنے پاس سے گھرتے ہیں۔ زندیقوں کا کوئی ایک ٹولہ نہیں ہوتا۔ ہر شاطر رہنما ایک نیا فرقہ تخلیق کرتا ہے۔ زنادقہ میں حسب ذیل باتیں مشترک ہوتی ہیں۔

(۱) کسی مقبول دین سے ظاہری وابستگی: عجم کے زنادقہ دو خداؤں کے قائل تھے۔

عضوں نے اسلام کے نام کا سہارا لیا۔

(۲) اشمالییت اور آزادگی: اس کے اثر سے بالخصوص جنس کے پیاسے لپک کر آتے ہیں۔

زنادقہ کے کھانے پینے اور پہننے کے انداز نئے سے نئے ہوتے ہیں چنانچہ عمرہ اور میفہ کے نام ہی لباس کے انوکھے پن کی طرف اشارہ کرتے ہیں خرمیہ اور مفسع کے پیرو بھی اسی قبیل سے تھے۔

(۳) غلبہ کی تلاش: ان کا ایک بنیادی نصب العین حکومت پر قبضہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔

(۴) قانون شکنی: زندیقوں کی راہیں کسی الہامی دین یا منظم افکار سے سازگار نہیں ہوتیں اس لیے حکومت اور قانون کا وجود ان کے لیے سنگ گراں ہوتا ہے طاقت حاصل ہو جائے تو قتل و غارت شروع کر دیتے ہیں عجم کے زنادقہ معصوم بچوں تک کو اٹھا کر لے جاتے تھے۔

قدیم ایران کے معتقدات پر مزدک اور مانی کا گہرا اثر تھا۔ انہوں نے اشمالییت اور اخلاقی بے قیدی کی راہ دکھائی تھی اگرچہ انہیں مرے ایک مدت ہو چکی تھی لیکن ان کے نظریات میں رہ کر نئی جان آجاتی تھی۔ زنادقہ انہی نظریات کی شاخوں کے برگ و بار تھے۔ مہدی کے عہد میں ان پر ایک بار پھر شباب آیا۔ بعض علاقوں میں حکومت کا نظام معطل ہو کر رہ گیا۔ لہذا مہدی نے زندیقوں کو مٹانے پر کمر باندھ لیا۔ اس نے اس غرض کے لیے ایک شعبہ قائم کیا۔ جس کا ناظم صاحب الزنادقہ کہلاتا تھا۔ اس محکمہ نے زندیقوں کا کھوج لگایا اور چار سو سے تلاش کر کے انجام کو پہنچایا۔ ان کی کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلائیں البتہ یہ بات ضرور کھلتی ہے کہ مہدی نے بعض لوگوں کو محض شبہ پر بغیر ثبوت قتل کر دیا۔

مہدی نے اہل علم اور مشتمین کو ہدایت کی کہ زندیقوں کے خلاف کتابیں تحریر کریں۔

۲

رفاہ عامہ: عراق اور مکہ کی راہ دشوار اور ویران تھی مہدی نے حکم دیا کہ اس راہ پر

۱۔ سجلی، ذمبی، ابن اثیر۔ ۲۔ مسعودی ذکر قاهر بالاد۔

کنوئیں کھودے جائیں اور اقامت گاہوں کی تعمیر ہو۔ دس برس تک تعمیرات کا کام ہوتا رہا حتیٰ کہ یہ عمدہ ترین اور محفوظ ترین رستہ ہو گیا۔ ۱۔

قیدیوں اور کوڑھیوں کے وظائف: کوڑھیوں کو وظائف سابق حکومتوں میں بھی ملتے رہے لیکن ملک بھر میں قیدیوں کے وظیفے جاری کرنے کا امتیاز مہدی ہی کو حاصل ہے۔  
سرحدی انتظامات: منصور نے شامی سرحدوں کے استحکام کی خاطر تعمیرات کا جو سلسلہ شروع کیا تھا مہدی نے اسے تکمیل کو پہنچایا۔ ۲۔

ملکہ خیزران: خیزران لغت میں نرم شاخ کو کہتے ہیں۔ مہدی کی ملکہ کا نام تھا۔ خیزران یمن کی رہنے والی تھی۔ کمسنی میں اسے بردہ فروش پکڑ لائے مہدی نے اسے ایک لاکھ درہم میں خریدا۔

خیزران نے شاہی محل میں پرورش پائی۔ نہایت ذہین تھی۔ مروجہ علوم میں مہارت حاصل کر لی جو ان ہوئی تو مہدی نے اس سے نکاح کر لیا۔ وہ جلد ہی مہدی کے دل و دماغ پر چھا گئی۔

مہدی خلیفہ ہوا تو خیزران نے حکومت کے کاروبار میں دخل دینا شروع کیا اور ملکہ نورجہان کی طرح آہستہ آہستہ زمام اختیار ہاتھ میں لے لی۔ مہدی اس کے معاملات میں حتیٰ الوسع دخل سے گریز کرتا تھا۔

ہادی اور ہارون خیزران کے بطن سے تھے۔ ہادی خلیفہ ہوا تو خیزران نے بدستور اپنا تسلط رکھنا چاہا لیکن ہادی نے آہستہ آہستہ اسے بے دخل کر دیا۔ ہارون کی خلافت کے ساتھ خیزران کا اقتدار پھر بحال ہوا لیکن دو تین برس بعد ۱۷۳ ہجری میں انتقال کر گئی۔

خیزران پاک باز اور دین دار عورت تھی اس نے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت گاہ پر ایک مسجد تعمیر کرائی۔ حضرت ارقمؓ صحابی کا گھر اسلام کی تاریخ میں بہت مشہور ہے۔ یہاں خیزران نے نئے سرے سے مکان بنوایا جسے دارالارقم کے علاوہ دارالخیزران بھی کہنے لگے۔



## موسیٰ الہادی

۱۶۹ تا ۷۰ھ ۷۸۵ تا ۷۸۶ھ

موسیٰ الہادی نے ۱۶۹ھ میں مسند خلافت سنبھالی۔ اس وقت وہ تقریباً بائیس برس کا تھا۔ اس کی ماں خیزران ایک لونڈی تھی۔

معرکہ فح : حسین بن علی بن حسن ثنی نے مدینہ میں مقابلہ کی ٹھانی لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور مکہ چلے گئے۔ ہادی نے ایک لشکر بھیجا جس نے ایام حج کے فوراً بعد مکہ کے قریب فح (ف) کے مقام پر ان سے جنگ کی۔ حسین بن علی کام آئے۔ ان کے بھتیجے اور یس بن عبداللہ بھاگ کر مغرب پہنچے۔ وہاں اورسی حکومت کی بنیاد رکھی۔

رومی محاذ : رومی محاذ پر مختصر سے معرکے ہوئے۔

خوارج : خوارج نے جزیرہ کے علاقہ میں حرکت کی۔ شاہی افواج نے انہیں جلد ہی زیر کر لیا۔

ولی عہدی کا قضیہ : ہادی کی خواہش تھی کہ ہارون کی ولی عہدی منسوخ کر کے اس کا منصب اپنے نابالغ بیٹے جعفر کو دے۔

مہدی کی بیوی ملکہ خیزران حکومت کے کاروبار میں بہت دخیل تھی۔ مہدی کے ایام حکومت میں ارکان سلطنت اس کے اشاروں پر چلتے تھے۔ یہی کیفیت کچھ عرصہ ہادی کے عہد میں بھی رہی لیکن اس نے چار ماہ بعد اعلان کیا کہ جو امیر خیزران کے دروازے پر جائے گا اس کی گردن اڑا دوں گا تاہم ملکہ کے اثر و رسوخ کو مٹانا آسان نہ تھا۔ خیزران ہارون الرشید کے حق میں تھی اور نہیں چاہتی تھی کہ اسے ولی عہدی سے ہٹایا جائے۔ ۱۔

ہارون الرشید خلافت چھوڑنے پر آمادہ تھا لیکن اس کے اتالیق یحییٰ نے منع کیا۔ ہادی نے یحییٰ کو قید میں ڈال دیا۔ یحییٰ نے ملاقات کی درخواست کی اور حاضر ہو کر ہادی سے کہا کہ جعفر نابالغ ہے۔ آپ اس کا نام ہارون الرشید کے بعد رکھیں۔ اگر آج آپ کا وقت آخر ہو جائے تو عوام اس کی خلافت کو نہیں مانیں گے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اغیار طالع آزمائی کرنے لگیں؟ ہادی یہ سن کر خاموش ہو گیا تاہم یحییٰ کو دوبارہ قید کر دیا۔ ۲۔

وفات : ہادی نے ۱۷۰ھ ہجری میں وفات پائی۔ ایک قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی ماں خیزران نے اس کا کام تمام کر دیا۔ ۳۔ خیزران کو ایک تو یہ رنج تھا کہ مہدی نے اسے حکومت

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ یہ روایت ابن خلدون نے بیان کی ہے۔

سے بے دخل کر دیا تھا اور دوسرے وہ ہارون الرشید کی ولی عہدی کو منسوخ نہیں دیکھنا چاہتی تھی، اس لئے اس نے مہدی کی جان لے لی۔ یہ قصہ ایک تو نظر بہ ظاہر ہی قابل قبول نہیں اور دوسرے آگے جا کر اس میں واضح تضاد پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک بیان یہ ہے کہ خیزران نے اسے زہر دلایا اور دوسرا یہ کہ سوتے میں ایک لونڈی کے ہاتھ سے مروا ڈالا۔ ان متضاد بیانات سے قصہ کا رہا سہا اعتبار بھی اٹھ گیا ہے۔

## ہارون الرشید

۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ ۶۷۸۶ء تا ۶۸۰۹ء

ہارون الرشید نے ۱۷۰ ہجری میں ہادی کی وفات کے بعد نظام حکومت سنبھالا۔ اس وقت اس کی عمر بائیس برس تھی۔ یہ خیزران کے بطن سے تھا۔

### بغاوتیں اور شورشیں

۱۔ یحییٰ بن عبداللہ کا مقابلہ : محمد نفس زکیہ کے چھوٹے بھائی یحییٰ بن عبداللہ نے ۱۷۶ ہجری میں دیلم کے علاقہ میں حکومت کے خلاف جنگ کی طرح ڈالی۔ دیلم اور اس کے نواح کی ایک کثیر آبادی نے ساتھ دیا اور شوکت و جمعیت کے سامان پیدا ہو گئے۔ ہارون نے سنا تو گھبرا اٹھا۔ فضل بن یحییٰ کو پچاس ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ پر بھیجا۔ فضل نے یحییٰ بن عبداللہ کو خط لکھا جس میں بہت امیدیں دلائیں اور وعدہ کیا کہ اگر وہ اس کے پاس آجائے تو اسے رشید سے معافی دلا دے گا۔ اس اثنا میں ہارون نے بھی دیلم کے حاکم کو لکھا کہ اگر وہ یحییٰ کو اس کے پاس بھیج دے تو دس لاکھ درہم انعام پائے گا۔ یحییٰ نے ان حالات میں صلح میں بہتری دیکھی اور فضل کو خط لکھا کہ میں سپرد ہونے کو تیار ہوں بشرطیکہ رشید اپنے ہاتھ سے امان نامہ لکھ کر بھیجے۔ رشید نے منظور کیا اور امان نامہ تحریر کر کے بھیجا جس پر قضاة، فقہاء اور ہاشمی رواساء کے دستخط تھے۔ رشید نے اس تحریر کے ساتھ تحفے بھی روانہ کیے۔ یحییٰ بغداد آئے تو رشید نے عہد شکنی کی اور انہیں جیل میں ڈال دیا۔ تین روز کے بعد انہیں جیل سے نکالا اور اپنی بدسلوکی پر پشیمانی کا اظہار کر کے ان کے نام ایک بھار وظیفہ جاری کیا۔ جناب یحییٰ اس کے بعد کل ایک ماہ زندہ رہے۔ اہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ یحییٰ نے قید میں وفات پائی۔

۲۔ نزار و یمانیہ کا فتنہ : عرب کے قبائل نسلی لحاظ سے دو بڑے گروہوں میں منقسم تھے : نزار (یا مضر) اور یمانیہ یعنی یمینی قبائل۔ ان کے درمیان اسلام سے قبل گہری رقابت تھی جو وقتاً فوقتاً جنگ و جدل کی صورت اختیار کر لیتی تھی۔ اسلام نے اس رقابت کو بہت حد تک دبا دیا۔ خلافت راشدہ کے اختتام تک یہ قبائل صلح و صفائی سے رہے۔ اموی عہد میں بعض بادشاہوں نے اپنی مصلحت کی خاطر خفتہ عصبیت کو جگایا اور انہیں باہم دست و گریباں کر دیا۔ عباسی دور میں نزار اور یمانیہ کی آتش رقابت کچھ عرصہ بجھی رہی لیکن ہارون کے عہد میں اچانک بھڑک اٹھی۔ ۱۷۶ ہجری میں شام کے علاقہ میں ان کے درمیان خوفناک فساد پیدا ہوا۔ بے شمار آدمیوں کا خون بہ گیا اور جاہلیت کی یاد تازہ ہوئی۔ ہارون الرشید نے موسیٰ بن عیسیٰ کو چند قومی رہنماؤں کے ہمراہ مداخلت کے لئے بھیجا۔ انہوں نے صلح کرا دی اور فتنہ گر سرداروں کو بغداد لے آئے۔ چار برس

اہ ابن کثیر۔

بعد فساد کی ایک اور لہر اٹھی۔ ہارون نے اس کے مداوا کے لئے جعفر برکمی کو بھیجا۔ اس نے خوش تدبیری سے کام لیا اور فریقین کو رام کر لیا۔ امن کو دیرپا بنانے کے لئے اس نے شام کے لوگوں سے اسلحہ جمع کر لیا۔ ۱۔

شام کی خانہ جنگی نے سندھ کو بھی لپیٹ میں لے لیا۔ حکومت کئی برس کی مشکلات کے بعد یہاں امن قائم کرنے میں کامیاب ہوئی۔ ۲۔

۳۔ خوارج: خوارج نے ۱۷۱ ہجری میں جزیرہ کے علاقہ میں سر اٹھایا لیکن جلد ہی دب گئے۔ اس کے بعد ۱۸۰ ہجری میں انہوں نے بہت زور و شور سے بغاوت کی۔ جزیرہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں مار دھاڑ کر کے دہشت پھیلا دی۔ ان کا سردار ولید بن طریف تھا۔ اس نے بہت شوکت پیدا کی۔ ہارون نے یزید بن مزید کو اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ ولید بن طریف کام آیا۔ اس کی بہن لیلیٰ نے کچھ دیر مقابلہ کیا لیکن وہ بھی شکست کھا گئی۔ ۳۔

۴۔ زنادقہ: ۱۸۰ ہجری میں جرجان میں زندیقوں کی ایک جماعت عمرہ (سرخ پوش) نے بغاوت کی۔ ان کا سردار مارا گیا۔ اگلے سال انہوں نے جرجان میں غلبہ حاصل کر لیا لیکن کچھ عرصہ بعد یہاں بھی ان کا زور توڑ دیا گیا۔

۵۔ افریقیہ کی بغاوت: افریقیہ میں ایک شخص عبداللہ بن جارود کے زیر قیادت بغاوت ہوئی۔ ۱۷۸ ہجری میں باغیوں نے افریقیہ کے والی فضل بن روح کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ ہارون الرشید نے ہرثمہ کو بھیجا۔ ابن جارود مقابلہ سے عاجز آیا اور گرفتار ہو گیا۔ تاہم افریقیہ کا طلاطم تھمتا نہیں تھا۔ ہرثمہ نے ناچار استعفاء دے دیا۔ ہارون نے اپنے رضاعی بھائی محمد بن مقاتل کو اس کی جگہ مامور کیا۔ ابن مقاتل بد خو اور بے تدبیر تھا۔ فوج ناراض ہو گئی۔ اس کے ایک گروہ سے ابن مقاتل کی جنگ چھڑ گئی۔ ہارون نے اسے الگ کر کے ابراہیم بن اغلب کو بھیجا۔ اگرچہ وہ ابتداء میں کامیاب رہا لیکن پھر اسے بھی شورشوں نے گھیر لیا۔ ۴۔

۶۔ مصر کی بغاوت: ۱۷۸ ہجری میں قیس اور قضاہ کے قبیلوں نے مصر کے والی کے خلاف بغاوت کر دی۔ ہارون نے ہرثمہ کو بھیجا۔ اس نے باغیوں کے دم خم نکال دیے۔ ۵۔

۷۔ سمرقند: ۱۹۰ ہجری میں سمرقند کے حاکم نے سرتابی کی۔ اس کی بغاوت کو جلد فرو کر دیا گیا۔

رومی محاذ: ہارون الرشید نے شہزادگی کے دوران میں رومی محاذ پر شاندار فتوحات حاصل کی تھیں۔ اس کی خلافت کے اثناء میں بھی اس محاذ کو رومیوں نے ٹھنڈا نہ پڑنے دیا۔ ۱۸۱ھ میں ہارون الرشید بنفس نفیس فوج لے کر گیا۔

روم کا شہنشاہ قسطنطین ایک کم سن بچہ تھا۔ اس کی ماں رینی Rene سربراہ تھی۔ اس ظالم عورت نے اس اقتدار پر قناعت نہ کی۔ ۱۸۲ ہجری میں اپنے بیٹے کی آنکھوں میں سلائی پھروا کر

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔

اسے اندھا کر دیا۔ اور خود اغسطہ Augusta کے لقب سے تخت نشین ہوئی۔

مہدی کے عہد میں جب ہارون الرشید نے روم پر حملہ کیا تھا۔ تو ملک روم نے ستر ہزار دینار سالانہ خراج پر صلح کی تھی۔ ۱۸۷ ہجری میں رومیوں نے رینی کو معزول کر کے اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی اور نقفور Nicephorus نے تاج و تخت سنبھالا۔ رینی نے اسلامی حکومت سے صلح کا جو معاہدہ کیا تھا نقفور نے توڑ ڈالا۔ ۱۔

نقفور کو روما والے بہت بہادر مانتے تھے۔ وہ شجاعت کے نام سے متوالا ہو کر ہارون الرشید کے خلاف کمر بستہ ہو گیا۔ اس نے ہارون کو ایک خط لکھا کہ ملکہ رینی نے جو خراج تمہیں ادا کیا تھا حق یہ ہے کہ تم اس سے کئی گنا زیادہ خراج اسے ادا کرتے مگر عورت ذات کی کم عقلی اور کمزوری نے یہ گل کھلایا۔ تم یہ خط پڑھتے ہی تمام ادا شدہ خراج واپس کر کے اپنی جان بچالو۔ ورنہ ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ ۲۔

ہارون نے یہ خط پڑھا تو غصے سے ایسا بھڑکا کہ اہل دربار دیکھ کر سکتے میں آگئے۔ اس کی طرف نہ کوئی نظر اٹھا سکا اور نہ زبان ہلا سکا۔ ہارون نے قلم دوات منگوا کر خط کی پشت پر لکھا: رومی کتے نقفور کی طرف!

میں نے تمہارا خط پڑھا۔ تم اس کا جواب سننے سے پہلے دیکھ لو گے۔

اس کے بعد ہارون نے فوراً کوچ کیا اور ہرقلہ Heracleh کے دروازے پر جادم لیا۔ شہر کو تلوار کے زور سے سر کیا اور قتل و غارت کرتا رومی سلطنت میں بڑھتا گیا۔ نقفور کے اوسان خطا ہوئے اور خراج کی شرط پر صلح کی درخواست کی جسے ہارون نے منظور کیا اور واپس روانہ ہو گیا۔ ۳۔

ہارون نے رومی سلطنت سے قدم نکالے ہی تھے کہ نقفور وعدہ سی پھر گیا۔ اس کا خیال تھا کہ کڑا کے کے جاڑے میں اور برف باری کے ایام ہیں ہارون کا پلٹ کر آنا ناممکن ہے۔ لیکن اس کے اندازے غلط نکلے۔ ہارون کو جونہی اس غداری کا علم ہوا سردی اور برف باری سے بے نیاز ہو کر اٹھے پاؤ مڑا اور رومیوں کو بد عہدی کا مزا چکھایا۔ ۴۔

اگلے برس ۱۸۸ ہجری میں ہارون نے ابراہیم بن اسرائیل کو نقفور کو سبق پڑھانے کے لئے بھیجا۔ نقفور مقابلہ پر نکلا لیکن راہ سے پلٹ گیا۔ واپسی میں ایک اسلامی دستہ سے ٹکرا بھینٹ ہوئی۔ نقفور نے تین زخم اٹھائے۔ اس کے چالیس ہزار سے زائد آدمی ڈھیر ہوئے۔ ۵۔

۱۹۰ ہجری میں ہارون نے خود رومی سرزمین میں یلغار کی۔ اس نے طوانہ میں جا کر ڈیرے ڈالے ہی تھے کہ نقفور نے سر اطاعت خم کر دیا اور خراج اور جزیہ حاضر کیا۔ آئندہ تیس لاکھ دینار سالانہ دینے کا وعدہ کیا۔ نقفور کی بہو ہارون کے پاس اسیر تھی۔ اسے ہارون نے تحائف کے

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن العبری، دول الاسلام صدی۔ ۳۔ ابن اثیر، ابن کثیر، ذمی۔ ۴۔ ابن اثیر، ذمی۔ ۵۔ ابن اثیر۔

ساتھ واپس کیا اور نفقور سے عہد لیا کہ وہ ہرقلہ کو آباد نہیں کرے گا۔ ۱۔

۱۹۱ ہجری میں نفقور نے پھر بد عہدی کی اور جنگوں کا سلسلہ دوبارہ چلا۔ بالاخر رشید نے خود کمان سنبھالی اور ایک جرار لشکر لے کر پہنچا۔ ہارون نے ہرقلہ کی چھاؤنی فتح کر کے برباد کر دی اور رومی علاقوں پر فوج پھیلا دی۔ پانچ سالار مقرر کیے اور انہیں مختلف اطراف میں بھیجا۔ بعض بری علاقوں کے علاوہ قبرص کے جزیرہ پر بھی حملہ ہوا اور یہاں کے لوگوں کو خوب سزا ملی۔ ۲۔ اگلے برس دونوں حکومتوں میں صلح ہوئی۔ ۳۔

ہارون کی توجہ کئی برس رومی محاذ پر رہی۔ اس نے سرحدی شہر رتہ ہی میں اقامت اختیار کر لی اور رومی مفسدہ پروازوں کے خلاف استحکامات میں مصروف رہا۔

**براکمہ کا عروج و زوال :** شخصی حکومتوں میں افراد کا اچانک عز و قار کے آسمان پر پہنچنا اور وہاں سے سر کے بل زمین پر آنا شب و روز کا تماشا ہوتا تھا۔ ہارون رشید کے عہد میں براکمہ کے سر پر بھی ایسی ہی گھڑیاں گزر گئیں۔ انہوں نے اسلام کی تاریخ میں بہت نام پیدا کیا۔ رعایا کی نگاہ میں ان کا احترام بادشاہ سے بھی دو چند تھا۔ پھر تقدیر نے پلٹا کھایا اور ان کی تباہی دنیا والوں کے لئے عبرت کا درس بن کر رہ گئی۔

براکمہ اپنے مورث اعلیٰ برکمہ کے نام سے منسوب ہیں۔

**برکمہ :** بلخ کے شہر میں بدھوں کا ایک شہرہ آفاق تیرتھ تھا جس کو نو بہار کہتے تھے۔ اس کا سربراہ برکمہ کہلاتا تھا۔ آخری برکمہ کشمیر میں پلا۔ وہیں اس نے طب، نجوم اور دیگر علوم میں مہارت پیدا کی۔ اموی عہد میں بلخ فتح ہوا اور وہ اسلام لایا۔

برکمہ کی اموی امراء کے ہاں بڑی قدر و منزلت تھی۔ اسے بعض دفعہ نہایت اہم امور سونپے گئے۔ عباسی تحریک پھیلی تو یہ اس سے منسلک ہوا اور ابو مسلم کی فوج میں شامل رہا۔ ۴۔ خالد : برکمہ کے پوتے خالد نے نمایاں مقام پیدا کیا۔ سفاح نے ۱۳۳ ہجری میں اسے دیوان خراج کا ناظم مقرر کیا۔ ۵۔ نہایت ذہین اور طباع شخص تھا۔ سفاح کے عہد سے اس کا اقتدار بڑھتا گیا۔ منصور کے مشیروں میں شامل ہوا۔ منصور کو بغداد آباد کرنے کی صلاح خالد ہی نے دی تھی۔

منصور نے ۱۵۸ ہجری میں ناراض ہو کر خالد پر تاوان لگایا اور تین دن کی مہلت دی۔ وہ رقم پوری نہ کر سکا۔ موت کا انتظار کر رہا تھا۔ کہ حالات نے اچانک یاوری کی۔ موصل میں فساد اٹھا۔ اس کو دبانے کے لئے خالد سے بڑھ کر موزوں آدمی کوئی نہ تھا۔ منصور نے ناچار اسے موصل کا والی بنا کر روانہ کیا اور اس کے بیٹے یحییٰ کو آذربائیجان کی حکومت دی۔ ۶۔ خالد وفات

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن اثیر نے یہ واقعہ ۱۴۰ ہجری میں بیان کیا ہے۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن کثیر اور ابن اثیر کے متفرق نسخوں۔ مجمع البلدان ذکر نو بہار۔ ۵۔ ابن کثیر۔ ۶۔ ابن اثیر، ابن کثیر۔

تک موصل کی حکومت پر فائز رہا۔ اس کا سال وفات ۱۶۶ ہجری ہے۔ ۱۔  
 یحییٰ: منصور کے عہد میں آذربائیجان کا والی ہوا۔ مہدی کے دور میں اس کا ستارہ خوب چمکا۔  
 مہدی نے اسے دفتر عطا اور دفتر رسائل کا ناظم مقرر کیا۔ ۲۔ اس کے علاوہ ہارون الرشید کی  
 تربیت بھی اسے سپرد کی۔

رشید نے یحییٰ کی بیوی کا دودھ پیا تھا۔ اس لئے یحییٰ کو اس سے بہت الفت تھی۔ ہادی نے  
 جب ہارون الرشید کو ولی عہد سے ہٹانا چاہا تھا تو ہارون دست برداری پر آمادہ ہو گیا تھا لیکن یحییٰ  
 نے روکا۔ ہادی نے اس کی پاداش میں اسے قید کر دیا۔ یحییٰ زندان میں تھا کہ ہادی نے وفات  
 پائی۔ ہارون نے قید سے نکالا اور مسند وزارت پر بٹھایا۔ ۳۔ وہ یحییٰ کو ابا کہا کرتا تھا۔ آہستہ  
 آہستہ سب اختیارات اس کے حوالے کر دیئے۔ یحییٰ ملکہ خیزران کے زیر ہدایت حکومت کا  
 کاروبار چلاتا تھا۔ اس کے وقار کا یہ حال تھا کہ وہ بغیر اجازت حاصل کیے خلیفہ کے پاس آ جاتا تھا۔  
 یحییٰ نہایت قابل اور کرم شعار شخص تھا۔ علماء و فضلاء اور ارباب فنون کا قدردان تھا۔ یحییٰ  
 کے چار لڑکے تھے۔ فضل، جعفر، موسیٰ اور محمد۔ فضل اور جعفر نے بہت شہرت پائی۔ یہ دونوں  
 بھائی وزیر صغیر کہلاتے تھے۔ ۴۔

فضل: فضل یحییٰ کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ ہارون الرشید سے عمر میں صرف چھ روز بڑا تھا۔ ۵۔  
 رشید کا رضاعی بھائی تھا۔ خیزران نے فضل کو دودھ پلایا تھا اور ام الفضل نے رشید کو۔ ۶۔ فضل  
 کا رشید کے ہاں بڑا مرتبہ تھا۔ کئی عہدوں پر فائز رہا۔ اس نے بڑی بڑی مہمات انجام دیں۔ اور  
 شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔ یحییٰ علوی کو بغیر جنگ و پیکار کے ہارون کی اطاعت میں لانا فضل ہی  
 کا کام تھا۔ اس نے کابل اور مادراء النہر کے کئی علاقے فتح کیے۔ بغداد واپس آیا تو ہارون نے اکابر  
 ملت، شعراء اور خطباء کو لے کر پیشوائی کی۔ ۷۔  
 فضل بہت فیاض تھا لیکن تکبر اور ترش روئی سے خالی نہ تھا۔

جعفر: اس نے سات برس جاہ و جلال سے وزارت کی۔ تدبیر کے جوہر سے آراستہ تھا۔ شام میں  
 نزار اور یمانیہ کا فتنہ اس نے محض حکمت عملی سے فرو کیا۔ لیاقت کا یہ عالم تھا کہ ایک رات  
 ہارون کے سامنے ایک ہزار احکام لکھے۔ ان میں ایک غلطی بھی نہیں کی۔ ہارون نے مامون کو ولی  
 عہد بنایا تو جعفر کو اس کا امالیق مقرر کیا۔ دیوان خاتم پہلے فضل کے پاس تھا۔ ہارون نے جعفر کو  
 دلویا۔ ۸۔ جعفر فصاحت و بلاغت میں جواب نہیں رکھتا تھا۔ جود و سخا میں ممتاز تھا۔ خوش مزاج  
 اور کشادہ جبیں تھا۔

جعفر ہارون کا ہم نوالہ و ہم پالہ تھا۔ اس پر اس حد تک حاوی تھا کہ ایک رات اس سے  
 پوچھے بغیر اس کی بیٹی کا عقد ایک شخص سے کر دیا۔ دوسرے دن ہارون کو بتایا اس نے تسلیم کر

۱۔ ابن خلدون، طبری بروجی۔ ۲۔ ابن کثیر و ابن اثیر ۱۶۳ ہجری۔ ۳۔ ابن اثیر، ابن کثیر، فخر رازی۔ ۴۔ دول الاسلام  
 فخر رازی۔ ۵۔ ابن اثیر۔ ۶۔ ابن اثیر۔ ۷۔ ابن کثیر۔ ۸۔ دول الاسلام فخر رازی۔

لیا۔ ا۔

یجی کے چاروں بیٹوں نے بلند مرتبے حاصل کیے اور بے پناہ دولت کمائی۔ منصور کے آباد کردہ بغداد کے سامنے ان کے پر شکوہ محلات تھے۔ ان کے دروازوں پر سائلوں اور حاجت مندوں کا ہجوم رہتا تھا۔ عوام ان کے مداح خواں اور شعرا قصیدہ گو تھے۔

براکہ کا زوال: سترہ برس کے جاہ و جلال کے بعد ۱۸۷ ہجری میں براکہ پر اچانک ہارون کا غضب برقی بن کر گرا اور ان کے خرمن حیات کو راکھ کر دیا۔ دنیا انگشت بہ دندان ہے کہ ہارون نے ایسا کیوں کیا؟ لوگوں نے سراغ لگانے کے لئے بہت سرمارا لیکن ناکام۔ ایک دفعہ کسی نے ہارون سے براکہ پر ناراضی کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ اگر میری قیض کو بھی اس راز کا علم ہو جائے تو اسے جلا دوں۔ قطعی ثبوت چونکہ میسر نہ تھا اس لئے لوگوں نے اپنے اپنے خیال دوڑائے۔ مثلاً

۱۔ ہارون کی ایک بہن تھی جس کا نام عباسہ تھا۔ اس کی شادی ایک رشتہ دار محمد بن سلیمان سے ہوئی تھی۔ لیکن ایک ہی برس بعد محمد بن سلیمان نے وفات پائی۔ ایک رات عباسہ حسب معمول ہارون اور جعفر کی مجلس طرب میں شامل تھی۔ ہارون نے اس کا نکاح جعفر سے کر دیا۔ ایک مدت بعد ہارون نادم ہوا اور جعفر پر غصہ نکالا۔

۲۔ رشید نے یجی بن عبداللہ کو جعفر برکنی کے حوالے کیا کہ قید میں رکھو۔ جعفر نے ان سے نرمی کا سلوک کیا اور پھر چھوڑ دیا۔ ہارون الرشید کو علم ہوا تو قسم کھائی کہ جعفر کو قتل کر کے رہوں گا۔

یجی بن عبداللہ کے حالات سابقہ صفحات میں آچکے ہیں۔ ان کے انجام کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ ہارون نے انہیں آزاد کر کے ان کا وظیفہ جاری کیا اور دوسری یہ کہ انہوں نے قید خانہ میں وفات پائی۔ یہ تیسری روایت بالکل مختلف ہے، لہذا ناقابل اعتبار۔ اس کے علاوہ ایک اور قابل غور امر یہ ہے کہ یجی علوی کا واقعہ ۱۷۶ ہجری کا ہے اور جعفر کا قتل ۱۸۷ ہجری میں پیش آیا۔ گیارہ برس تک ہارون کو کس بات کا انتظار تھا؟

۳۔ کہا جاتا ہے کہ براکہ عقائد کے لحاظ سے زندق تھے۔ اس لئے رشید نے ان کا کام تمام کیا۔ یہ بھی محض افسانہ ہے۔ البتہ براکہ آزاد خیال ضرور تھے۔

۴۔ براکہ اہل بیت کے معتقد تھے لہذا ہارون نے ان کا استیصال کر دیا۔ یہ بیان بھی درست نظر نہیں آتا۔ بیشک براکہ کو اہل بیت سے اعتقاد تھا لیکن ہارون کی ناراضی کا سبب یہ نہیں ہو سکتا۔ ہارون انہیں شروع ہی میں بسکدوش کر سکتا تھا۔

۵۔ ایک گمان یہ ہے کہ براکہ ہارون الرشید کی خلافت کی بنیاد کنی کرنا چاہتے تھے لیکن اس

۱۔ دول الاسلام فخر رازی، تحفہ المجالس سوطی۔



کا ثبوت کسی واقعہ سے نہیں ملتا۔

۶۔ براۓ حکومت پر ایسے چھا گئے تھے کہ ہارون کا فقط نام باقی رہ گیا تھا بلکہ بعض علاقوں میں تو نام بھی جعفر کا چلتا تھا۔ ہارون اگر کسی ولایت، بستی یا کھیت سے گزرتا تو یہی سنتا کہ یہ سب کچھ جعفر کا ہے۔ ہارون آہستہ آہستہ بدگمان ہو گیا۔ ابتدائے خلافت کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ یحییٰ کے دروازے پر سانکوں کا ہجوم دیکھ کر ہارون نے کہا کہ خدا یحییٰ کو جزائے خیر دے۔ اس نے مجھے صعوبت سے بچا رکھا ہے۔ لیکن ایک مدت بعد یحییٰ کے دروازے پر ایسی ہی بھیڑ دیکھ کر بولا، یحییٰ نے سب امور پر قبضہ کر لیا ہے۔ اصل خلافت اس کی ہے۔ میرا فقط نام ہے۔

۷۔ جعفر نے ایک مکان بنایا جس پر دو کروڑ درہم اٹھے۔ رشید کو شک گزرا کہ اس کے دیگر اخراجات کا کیا عالم ہو گا۔ یحییٰ پر بھی شبہ تھا کہ اس نے خزانہ میں خورد برد کیا ہے۔ ہارون کو ضرورت ہوتی تو ٹال دیتا تھا اور وہ خود اور اس کے بیٹے بے دریغ رقمیں لٹاتے تھے۔

۸۔ حاسدوں نے براۓ کے خلاف ہارون کے کانوں میں زہر بھرا۔ چنانچہ ہارون نے ایک بار خود بھی کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے جس نے مجھے براۓ کے خلاف بھڑکایا۔

براۓ کے بدخواہوں میں ملکہ زبیدہ اور فضل بن ربیع کا نام لیا جاتا ہے لیکن قطعیت سے بتانا مشکل ہے کہ واقعی انہوں نے براۓ کی تباہی کا سامان کیا۔ براۓ کے بعد فضل بن ربیع وزیر ہوا۔ عین ممکن ہے یہ سب اس کی کارستانی ہو۔

۹۔ اتنا یقین سے کہ جا سکتا ہے کہ براۓ کی تباہی کا بنیادی سبب جعفر اور ہارون کا حد سے بڑھا ہوا قرب تھا۔ یحییٰ جانتا تھا کہ شاہوں کے پیار میں قہر کے بھی آثار ہوتے ہیں۔ اس نے جعفر کو آگاہ بھی کیا تھا کہ تم انجام بھگت کر رہو گے۔ یحییٰ کہا کرتا تھا کہ ہمارے گھرانے کی ہلاکت جعفر کے ہاتھوں ہو گی چنانچہ ہارون نے براۓ میں سے صرف اسی کو قتل کیا۔ اس کے بھائیوں کو گرفتار کیا لیکن قید میں عموماً ان کے ساتھ اچھا سلوک رکھا اور انہیں بیڑیاں نہیں پہنائیں یحییٰ کو پہلے اس کے گھر میں نظر بند رکھا اور پھر اجازت دی کہ جہاں چاہو جا سکتے ہو لیکن اس کے لئے اب گوشہ راحت کہیں نہ تھا۔

واقعات : براۓ پر تباہی نازل کرنے سے کچھ عرصہ قبل ہی ہارون کی روش میں تغیر آ گیا تھا۔ اس نے فضل کو کل عہدوں سے الگ کر دیا تھا۔ یحییٰ نے پھانپ لیا کہ علامات خطرہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ وہ ہارون کے دل سے عبار دور کرنے کی تدبیروں میں مصروف ہو گیا لیکن

ہارون کی بدگمانی کم نہ ہوئی اگرچہ اس نے اسے حتی الوسع چھپانے کی کوشش کی۔ ۱۔

براکہ کے خلاف عملی قدم اٹھانے سے ایک برس پہلے ہارون نے ایک افسر سے کہہ دیا تھا کہ اگلے برس آج کی تاریخ براکہ اور ان کے اموال و املاک کو تمہیں نگرانی میں لینا ہو گا۔ ۲۔

۱۸۷ ہجری میں ہارون حج سے لوٹا تو انبار کے مقام پر پڑاؤ کیا۔ جعفر بھی اس کے ساتھ تھا۔ ایک رات جدا ہوئے تو ہارون نے جعفر کو سینے سے لگایا الوداع کہا اور ایک آدمی کو چپکے سے روانہ کیا کہ بغداد میں جا کر براکہ کے گھروں کو نگاہ میں رکھو۔ ۳۔

جعفر نے قیوم گاہ میں جا کر مجلس سرور گرم کی۔ وقتاً فوقتاً خلیفہ کے قاصد خیر خواہی اور خیریت طلبی کے پیغام لاتے رہے۔ جعفر شاداں و سرشار تھا۔ رات گزرنے والی تھی کہ اچانک ہارون کا خادم آیا اور کہا امیر المومنین نے تمہاری موت کا حکم صادر فرمایا ہے۔ اس کو گھروالوں سے ملاقات کی اجازت بھی نہ ملی۔ اسے ذلت سے کھینچ کر ہارون کے پاس لے گئے۔ ہارون نے ایک کمرے میں بند کرا دیا اور جلاد کو اس کی گردن مارنے بھیجا۔ جعفر نے منتیں کر کے ٹالا کہ دوبارہ پوچھو شاید ہارون نے نشہ میں حکم دیا ہو۔ ہارون نے پھر وہی حکم دیا۔ اب کے بھی جعفر نے جلاد کو تحقیق کے لئے واپس بھیجا۔ ہارون ناراض ہوا اور جلاد سے کہا کہ جعفر کا سر لاؤ ورنہ تمہارا سر منگوا لوں گا۔ اس نے جعفر کا سر اتار کر ہارون کے آگے ڈال دیا۔ رات نہایت سرد تھی۔ ہارون نے حکم دیا کہ بنو برک جہاں کہیں ملیں انہیں گرفتار کر لو۔ چھوٹے بڑے سب قید میں ڈال دیئے گئے فضل کو سو کوڑوں کی مزید سزا دی۔ ہارون نے جعفر کی لاش کے دو ٹکڑے کروائے اور بغداد کے دونوں پلوں پر آویزاں کر دیئے۔ بعد میں انہیں جلوا دیا۔ یحییٰ کے بیٹے محمد کو خلیفہ نے امان دے دی اور کہا کہ یہ میرا خیر خواہ ہے۔ قید خانے براکہ کے نمک خواروں سے بھر گئے اور ان کے گھریاں اجڑ گئے یحییٰ نے دو برس بعد ۱۸۹ یا ۱۹۰ ہجری میں اور فضل نے چند مزید برس گزار کر قید میں وفات پائی۔ براکہ کے بعد ہارون کی زندگی بے کیف اور بے راحت ہو گئی۔ کما کرتا تھا کاش میں آدمی عمر اور آدمی سلطنت دے دیتا اور انہیں اپنے حال پر رہنے دیتا۔ ۴۔

براکہ کے بعد بخت یثوع طبیب اور اس کا بیٹا ہارون کے مشیر خاص اور محرم راز ہوئے۔

**ولی عہدی کا قضیہ:** ہارون الرشید کے تین بیٹے تھے محمد (امین) عبداللہ (مامون) اور قاسم (موتمن)۔ امین زبیدہ کے بطن سے تھا۔ مامون مراجل لونڈی کا بیٹا تھا۔ موتمن کی ماں بھی لونڈی تھی۔ اس کا نام قصف تھا۔ ہارون مامون کا برا مداح تھا اور اسے جانشین کرنا چاہتا تھا لیکن بیوی زبیدہ کے ہاتھوں مجبور ہو کر امین کو ولی عہد بنایا۔ ۵۔ ہارون کو اپنے بیٹوں سے اتحاد کی توقع نہ تھی۔ اسے اندیشہ تھا کہ یہ حکومت کے لئے دست درگبیاں ہوں گے چنانچہ ہارون نے زندگی کے

۱۔ ہشیری۔ ۲۔ ہشیری۔ ۳۔ مروج الذهب۔ ۴۔ ہشیری، ابن کثیر ذکر ۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۳ ہجری۔ ۵۔ ابن کثیر جلد ۱ ص ۷۵۔

آخری ایام میں ایک بار کہا بھی تھا کہ میرے تینوں بیٹے میرے سانس گن رہے ہیں۔ ۱۔ ہارون نے بیٹوں کو خانہ جنگی سے بچانے کے لئے ملک کو تین حصوں میں بانٹ دیا خلافت و اقتدار اعلیٰ اور عراق و شام کے علاقے امین کو دیئے۔ شرقی بلاد مامون کو ملے اور جزیرہ مع سرحدی علاقوں کے موتمن کے حصہ میں آیا۔ ہارون نے اس مضمون کی ایک دستاویز لکھ کر وزرا اور امراء کے دستخط کرائے اور اسے کعبہ میں محفوظ رکھ دیا۔ ۲۔

وفات : ہارون کو آنتوں کی دق تھی۔ سفر کے دوران میں طوس کے مقام پر وفات پائی۔ طوس کی ایک بستی سنا باز میں دفن ہوا۔

## ہارون کے عہد پر تبصرہ

ہارون کے عہد کو ابتداء سے بنو عباس کا زرین دور شمار کیا جاتا ہے۔ خلیفہ لائق، مدبر اور صاحب ہمت تھا۔ اس کے علاوہ انتہا کا خوش ذوق اور خوش طبع تھا۔ دولت کی بے مثال فراوانی تھی۔ پانچ کروڑ دینار فقط خراج کے وصول ہوتے تھے۔ اجناس اور مال غنیمت اس کے سوا تھے۔ اس زمانے میں جب کہ حکومت کے محکمانہ اخراجات بہت کم تھے خزانوں کا بھرپور ہو جانا لازم تھا۔ لیکن ہارون نے منصور کی طرح خزانوں پر قفل نہیں ڈالے۔ دل کھول کر خرچ کیا۔ اس سے بڑھ کر داد و دہش برامکہ نے کی۔ یہ سب دولت علمی، ادبی اور تمدنی تحریکوں پر اٹھ رہی تھی۔ اس لئے بغداد میں خوب رونق اور گہما گہمی ہوئی۔ شہر تہذیب و تمدن کا گوارا بن گیا۔ منصور کے عہد میں تدین پر بہت توجہ رہی۔ وہ ظہور کا نام تک نہیں جانتا تھا۔ ہارون کو بھی مذہب کا خیال تھا لیکن اس نے خوش وقتی کی بزم بھی جمائی۔ شراب کو منہ لگایا، نغمہ و رنگ میں دل دیا اور چوگان اور شطرنج وغیرہ میں حصہ لیا۔

ہارون ایک سال حج کو جاتا تھا اور ایک سال تلوار سنبھال کر جہاد کے میدان میں اترتا تھا۔ ایک طرف عبادت گزاروں میں نام پایا اور دوسری طرف غازیوں کی صف اول میں کھڑا نظر آیا۔ عوام میں محبوب ہونے کے علاوہ یہی دو وصف کافی تھے لیکن عجم کی بہار آفرین سرزمین پر رہ کر وہ شعر و نغمہ اور بادہ کشی سے دور رہتا تو شاید ایک آدھ گروہ میں اس کا مقام کم ہوتا۔ الغرض ہارون خواص و عوام سب میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ حق پرست علماء اس کے بعض افعال کو یقیناً اچھا نہیں جانتے ہوں گے لیکن اس کی تاجدارانہ عظمت کا کوئی بھی منکر نہ تھا۔ دولت کی ریل پیل تھی۔ خوش حالی اور خوش باشی کے دن تھے۔ دور و نزدیک کے علاقوں میں امن و امان تھا اس لئے زبان خلق نے فتویٰ دیا کہ ہارون کی حکومت بہترین اور خوب ترین ہے۔ ہارون فیاض اور دریا دل تھا۔ مورخین، حفاظ اور فقہاء کے گراں قدر وظائف مقرر تھے جتنے

اہل علم، نیکو کار اور پرہیزگار لوگ رشید کے عہد میں تھے اتنے بعد کے کسی دور میں نہ ہوئے۔ بغداد جو مرکز خلافت تھا عروج کے آخری نقطہ پر پہنچا۔ یہاں غریبی اور محتاجی کا قلع و قمع ہو گیا۔ ہارون نے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ ہر روز اپنے مال سے علاوہ زکوٰۃ کے ایک ہزار درہم کا صدقہ دیتا تھا۔ بغداد دنیائے اسلام کا تجارتی مرکز بھی تھا۔ اس لئے ہر طرف سے دولت سمٹ کر آنے لگی۔ زندگی نے خوش باش کا وہ رنگ اختیار کیا جس کی ساحرانہ جھٹک آج بھی الف لیلہ کی داستانوں میں ملتی ہے۔ بے شک اس میں تخریب کا پہلو بھی تھا لیکن یہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ ہارون الرشید کا عہد فارغ البالی کے مرتبہ کمال پر تھا۔

منصور کے بعد بغداد کی نظر فریب اور عالی شان عمارتوں میں برابر اضافہ ہوتا رہا تھا۔ دجلہ کے دونوں طرف امراء کے خوش نما محلات کھڑے تھے۔ براۓ کے قصر سب سے بازی لے گئے۔ جعفر نے جو محل بنایا اس پر اتنی دولت خرچ ہوئی کہ ہارون بھی بدگمان ہو گیا۔

الغرض بغداد اپنی وضع و صورت، زیب و زینت، خوش حالی اور خوش وقتی کے لحاظ سے ایک طلسماتی دور سے گزر رہا تھا۔ اس میں ہارون کی خوش انتظامی اور خوش ذوقی بہت حد تک کار فرما تھی۔

**نظم و نسق:** ہارون کے عہد میں ابتدا کچھ شورشیں ہوئیں لیکن ان کا سختی سے قلع و قمع ہوا۔ ۱۸۰ ہجری کے بعد ملک سے بد امنی اور بغاوت کے آثار تقریباً معدوم ہو گئے۔ ہارون کو رعایا کی بہبود و آسائش کی بہت لگن تھی۔ بارہا رات کو بھیس بدل کر گلیوں میں پھرتا تھا۔ ایسے خلیفہ کے عہد میں امن شکنی کا وجود مشکل تھا۔ اس نے اپنے حجاب کو حکم دے رکھا تھا کہ جو عرضی بھی آئے اسے میرے سامنے پیش کرو۔

**عدلیہ:** ہارون الرشید نے عدالتی نظام بہتر کرنے کے لئے چند نہایت کارآمد اقدام کیے مثلاً

- ۱۔ قاضی القضاة کا عہدہ قائم کیا۔ تمام مملکت کے قاضی ایک محکمہ میں منسلک ہو گئے۔ قاضی القضاة ان کا نگران اعلیٰ تھا۔ وہ ان کو ہدایات دیتا تھا اور ان کی کارگزاری کو زیر نگاہ رکھتا تھا۔ خلیفہ قاضیوں کا تقرر اسی کے مشورہ سے کرتا تھا۔ اس عہدہ کی خوش قسمتی دیکھئے کہ سب سے پہلے امام ابو یوسف نے اسے زینت دی۔ ان کی کتاب جامع الفتاویٰ رہنمائی کا کام دیتی تھی۔

۲۔ قاضیوں کا خاص لباس تجویز ہوا تاکہ وہ عوام سے ممتاز رہیں۔

۳۔ ہارون الرشید سے قبل عدالتی ریکارڈ کی حفاظت کا خاص اہتمام نہ تھا۔ اب زیر سماعت مقدموں کو مہر کردہ صندوقوں میں رکھنے کا بندوبست ہوا۔

قاضی کے انتخاب میں ہارون الرشید کی نظر کس قدر صائب تھی اس کا اندازہ اس مثال سے

۱۔ تاریخ القضاة فی الاسلام ابن عرنوس۔ ۲۔ ابن عرنوس۔

کہتے تھے کہ ایک دفعہ اس نے ایک شخص کو قاضی بنانا چاہا۔ اس نے جواب دیا کہ میں قیسہ میں۔ ہارون نے کہا تم میں شرف ہے، اس لئے گھٹیا پن سے بچتے رہو گے۔ دوسرے تم حلیم ہو، اس لئے عجلت نہ کرو گے۔ اور جو شخص جلد باز نہیں ہوتا وہ غلطیاں کم کرتا ہے تیسرے تم مشورہ کرتے ہو ایسے شخص کے فیصلے اکثر درست ہوتے ہیں۔ رہا فقہ تو کسی قیسہ کو تمہارے ساتھ کر دیا جائے گا۔ اس قاضی کے دوران منصب میں کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔<sup>۱</sup>

فوج : ہارون کو جہاد میں جو بصیرت حاصل تھی وہ کسی اور عباسی تاجدار میں نظر نہیں آتی۔ رومیوں سے اس کے تلے ہوئے معرکے ہوئے۔ اس مقصد کے لئے ہارون نے لشکر کا خاطر خواہ اہتمام کیا۔ اسلحہ کا اس قدر شاندار ذخیرہ بہم پہنچایا کہ اس میں دس ہزار تلواریں تو ایسی تھیں جن پر سونا چڑھا ہوا تھا۔<sup>۲</sup>

ہارون کو جہاد میں حصہ لینے کا بہت شوق تھا۔ ہر دوسرے سال رومی محاذ پر جا کر شرکت کرتا تھا۔ اس نے رومی پیش دستی کا استیصال کا اور حریفوں کے سر جھکا دیئے۔

سمرقندی استحکام : ہارون نے سمرقند کو بیش از پیش مضبوط کیا۔ اس سلسلہ میں اس نے مندرجہ ذیل اقدام کیے۔

۱- جزیرہ اور شام کی بعض سمرقندوں کو ملا کر ایک الگ ولایت (یعنی صوبہ) بنایا تاکہ ان کا انتظام بخوبی ہو سکے۔ اس کا نام عواصم رکھا۔<sup>۳</sup>

۲- سمرقندوں پر اسلامی آبادی بڑھائی۔ رومیوں کے مقابلہ میں طرسوس کے سمرقندی شہر کی تعمیر و آبادی کی ضرورت مدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ ہارون نے ۱۷۲ ہجری میں اس ضرورت کو پورا کیا۔ اس کے لئے اس نے مصیصہ، مرعش، عین زربا اور ہارونیا وغیرہ کے سمرقندی شہر آباد کیے اور قلعے بنوائے۔<sup>۴</sup>

مالیات : عباسی حکومت جب سے قائم ہوئی تھی خراج اور لگان کا دروبست عمدہ تھا۔ ہارون کے عہد میں صیغہء محاصل کا انتظام اور بھی بہتر ہوا۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج لکھی جو اپنے فن میں لاجواب ہے۔ یہ محکمہ مال کے اہل کاروں کے لئے ایک دستور نامہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے بدولت تمام مملکت میں مال گزاری کے قواعد یکساں ہو گئے اور بدعنوانیوں کا احتمال بہت گھٹ گیا۔

رفاہ عامہ : ہارون حج بیت اللہ کا بہت دلدادہ تھا۔ ایک دفعہ اس نے پیدل حج کیا اس مقصد کے لئے مکہ کی راہ ہموار کی گئی۔ جا بجا نہروں اور حوضوں وغیرہ سے پانی کا اہتمام ہوا۔ مکہ اور مدینہ کے شہروں میں بھی اس نے آب رسانی کا عمدہ بندوبست کیا۔ اس سلسلہ میں اس کی بیوی

۱- کتاب عیون الاخبار ۱- ۲۲- ۲- المامون فیہ- ۳- بلاذری- ۴- بلاذری، مسعودی ذکر قاصر باللہ۔

ملکہ زبیدہ کا کارنامہ خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ اس نے طائف اور مکہ کے درمیان مشاش نام پہاڑیوں سے ایک بارہ میل لمبا چشمہ کھدوایا۔ اس کا نام عین المشاش تھا۔ اس کا پانی عرفات سے گزر کر مکہ میں آیا۔ رستہ میں گھاٹیوں اور پہاڑیوں کی رکاوٹیں آتی تھیں۔ زبیدہ نے زر کثیر صرف کر کے چشمہ کو ان میں سے گزروایا۔ لہٰذا یہ چشمہ اب بھی نہر زبیدہ کے نام سے موجود ہے۔  
**محکمہ صحت :** ہارون الرشید کے عہد میں پہلی بار شفاخانوں کا ایک مستقبل صیغہ نظر آتا ہے۔ ہارون اور براکہ طب کے بہت سرپرست تھے۔ انہوں نے متعدد ہسپتال بنوائے۔ ان میں کثیر عملہ کام کرتا تھا۔ ایک ایک ڈاکٹر کے تحت کئی شفاخانے ہوتے تھے۔ ان سب کا نگران اعلیٰ رئیس الاطباء کہلاتا تھا۔

**علم و حکمت :** بنو عباس کا خانوادہ شروع سے علم و حکمت کا شیدا تھا۔ ہارون نے یہ وصف وراثتاً پایا اور اسے بڑھایا۔ جس علمی حرکت کا آغاز منصور نے کیا تھا ہارون نے اسے کمال تک پہنچایا۔

شعراء اہل عرب اور فقہاء کی طرف ہارون کا طبعی میلان تھا۔ ایک بار ایک نابینا عالم کو دعوت پر بلایا اور اس کے ہاتھ خود دھلوائے۔ حضرت امام مالک سے موٹا سننے کے لئے مدینہ حاضر ہوا۔ علماء کے پاس بیٹھنے کا اس قدر فریفتہ تھا کہ بھیس بدل کر خود ان کی محفلوں میں جا پہنچتا تھا۔ ہارون نے علمی ذوق کی پرورش کے لئے نہایت عمدہ ماحول پایا۔ ایک تو بغداد کا شہر جس کی فضائیں ہی علم کی بے تاب روح سے معمور تھیں۔ اس کے علاوہ قاضی ابو یوسف، خاندان براکہ اور ملکہ زبیدہ، سب علم کے سرگرم خادم تھے۔ براکہ نے بے اندازہ دولت کمائی لیکن علم و ادب کی سرپرستی میں اڑا دی۔ ہارون نے ان کا مال ضبط کیا تو جعفر اور موسیٰ کے گھر سونے، چاندی کی ٹھیکریوں سے خالی پائے۔ ملکہ زبیدہ کی علم پرستی کا یہ عالم تھا کہ اس کی سولونڈیاں تھیں اور وہ سب حافظ قرآن تھیں۔ ہارون نے ارباب علم کی قدر افزائی کی اور ان کو مال و دولت سے نوازا۔

ہارون نے ملک ملک سے علماء و حکماء کو بلایا۔ اس باب میں مذہب و ملت کا کوئی فرق نہ کیا۔ منک طبیب کو ہندوستان سے منگوا دیا۔ بخت یسوع کے بن جوڑ جس اس کا شاہی طبیب عیسائی تھا۔ یہ عمدہ اس کے بعد اس کے بیٹے جبریل کو ملا۔ باپ بیٹا دونوں رئیس الاطباء رہے۔  
**بیت الحکمت :** منصور نے اپنی عہد میں غیر ملکی کتابوں کا ترجمہ عربی میں شروع کرایا تھا۔ ہارون نے اسے ایک ادارہ کی حیثیت دی اور ترجمہ کا ایک محکمہ قائم کیا جو بیت الحکمت کہلایا۔ یہ ایک وسیع کتب خانہ اور متعدد ترجمہ نگاروں پر مشتمل تھا۔

۱۔ الامات و الیات، مسعودی حال قاہرہ باللہ، مجم البلدان، ۲۔ رسائل ثعلبی بحوالہ طبقات الاطباء، ۳۔ تاریخ الخلفاء سیوطی، ۴۔ الامات و الیات، ۵۔ ہشیری، ۶۔ ابن کثیر ۲۰۶ ہجری، ۷۔ اصل میں بخت یسوع ہے یعنی مسیح کا عطیہ عربی والے نام کو مفتوح کر کے بخت یسوع بولتے ہیں۔

کتب خانہ کو خزانہ الحکمت کہتے تھے۔ اس کا افسر اعلیٰ جو ایک بلند پایہ عالم ہوتا تھا امین خزانہ الحکمت کہلاتا تھا۔

بیت الحکمت میں عظیم پیمانہ پر کام ہوا۔ ایشیائے کوچک کی فتوحات کے دوران میں بے شمار یونانی کتابیں ہارون کے ہاتھ آئیں۔ ان کو سنبھال کر ساتھ لایا اور خزانہ الحکمت میں داخل کیا۔ اور ان کو عربی کا جامہ پہنوا یا۔

بیت الحکمت کا سب سے پہلا امین ایک عیسائی طبیب یوحنا بن ماسویہ تھا۔ اس نے کئی کتابوں کا ترجمہ کیا۔

ہارون نے ہندوستان سے بھی بعض طبیب منگوائے جنہوں نے سنسکرت کی کتابوں کو عربی میں منتقل کیا۔ ان میں منہ بہت مشہور تھا۔ یہ براہمہ کے ہسپتال کا ناظم اعلیٰ تھا۔

**صنعت و حرفت :** ہارون کے عہد میں صنعت کے بعض گوشے اچانک ترقی کی اس قدر بلندی پر نظر آتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ہارون الرشید نے شارلیمین شہنشاہ فرانس کو ایک گھڑی بھجی۔ اس میں چھوٹے چھوٹے بارہ دروازے تھے۔ ہر گھنٹہ کے گزرنے پر گھنٹوں کی تعداد کے موافق دروازے کھلتے تھے اور اسی تعداد کے موافق تانبے کی گولیاں ایک آہنی توے پر گر کر آواز دیتی تھیں۔ یہ دروازے برابر کھلتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب دور پورا ہو جاتا تو بارہ سوار دروازوں سے نکل کر گھڑی کی بالائی سطح پر چکر لگاتے تھے۔

**تجارت :** بین الاقوامی تجارت اموی عہد سے مسلمان تاجروں کے ہاتھ میں تھی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا اسے ترقی ملتی گئی۔ ہارون کے عہد تک بغداد تجارتی لحاظ سے نہ صرف اسلامی مملکت کا دل تھا بلکہ عالمی تجارت کا بھی مرکز تھا۔ دور دراز خطوں کی خام اشیاء مصنوعات اور دولت امنڈ کر اس شہر میں جمع ہونے لگی۔ سیاست کا افق پھیلا اور تہذیب تمدن کا چہرہ روشن ہوا۔

**تاریک پہلو :** ہارون الرشید کے عہد کا جائزہ لیتے وقت ایک باریک بین نگاہ یہ دیکھ کر ٹھنک جاتی ہے کہ زندگی کی رعنائیوں میں تخریب کے عناصر بھی پوشیدہ تھے۔ جس عیش و عشرت کی بنا ہارون نے رکھی اس نے اس کے خانوادے کو بہت جلد ڈبو دیا۔ امین ہارون کا لاڈلا تھا۔ اس نے جس انداز سے حکومت کی اگر مامون سامنے نہ آتا تو عباسی حکومت کے فوری خاتمہ میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی۔ ہارون نے شاہی محلات کو نشاط کے گہوارے بنا کر بعض پہلوؤں سے ملک و ملت کو شدید نقصان پہنچایا۔ اس صاحت اقبال تاجدار کی سیرت میں ۱۰۰۰ اور تاریک پہلو دونوں پوری قوت سے جلوہ گر ہیں۔

۱۔ رسائل ثعلبی۔ ۲۔ ابن الندیم، ابن العبری۔ ۳۔ رسائل ثعلبی صفحہ ۱۷۳۔ ۴۔ رسائل ثعلبی۔

## محمد الامین

۱۹۳ھ تا ۱۹۸ھ ۶۸۰۹ تا ۶۸۱۳

ہارون کے بعد محمد الامین کی بیعت ہوئی۔ امین ملکہ زبیدہ کے بطن سے تھا جو ہارون الرشید کے چچا کی بیٹی تھی۔ امین نے ۱۷۰ ہجری میں رصافہ میں ولادت پائی تھی۔ امین بے پردا اور شوقین مزاج تھا۔ لہو و لعب اور خوش وقتی کا قائل تھا۔ نہایت فیاض تھا۔

امین و مامون کی ناچاقی : ہارون کو اپنے بیٹوں سے یگانگت کی توقع نہ تھی۔ اس لئے وہ ان کے مناصب کی تقسیم خود ہی کر گیا تھا۔ افسوس اس کی پیش بندی نے کچھ کام نہ دیا۔ اس کے آنکھ بند کرتے ہی امین اور مامون کے درمیان اختلاف نے سر اٹھایا جس نے بڑھتے بڑھتے جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ امین کا وزیر فضل بن ربیع تھا اور مامون کا مشیر بابتدیر ذوالریاستین فضل بن سل۔ انہوں نے بھائیوں کے درمیان آگ بھڑکانے کی تابڑ توڑ کوششیں کیں۔ اگر یہ دونوں وزیر صلح جویمانہ روش اختیار کرتے تو حالات رو بہ اصلاح ہو جاتے لیکن انہوں نے اپنے مفاد کی خاطر ہارون اعظم کے بیٹوں میں تلوار چلا دی۔

اختلاف کی ابتداء یوں ہوئی کہ ہارون نے مامون کی دلجوئی کے لئے مرنے سے پہلے حکم دیا کہ میرا ذاتی سامان، اسلحہ اور گھوڑے وغیرہ مامون کے پاس بھیج دیئے جائیں۔ امین کو اس حکم کی خبر ہوئی تو برا مانا۔ اس وقت ابن ربیع ہارون کے ساتھ تھا۔ اس نے امین کے حکم سے یہ سب اشیاء بغداد پہنچا دیں۔ مامون خراسان میں تھا۔ اسے خبر گئی تو رنجیدہ ہوا لیکن تحمل سے کام لیا۔ امین کو اطاعت کا خط لکھا اور تحائف بھیجے۔ امین نے مامون اور موتمن دونوں کی ولایت ان کے علاقوں میں تسلیم کر لی۔ ۱۔

۱۹۳ ہجری میں امین نے اپنے بھائی موتمن کو جزیرہ سے معزول کر کے بغداد بلا لیا۔ یہ اقدام ہارون کے طے کردہ عہد نامہ کے خلاف تھا۔ مامون کا ماتھا ٹھنکا کہ کسی دن میری سبکدوشی بھی ہو جائے گی۔ اس نے خراسان میں اپنی پوزیشن مستحکم کرنی شروع کر دی۔ قیام حق، احیائے سنت اور استیصال مظالم کی طرف توجہ کی۔ سرداران قبائل کی دل جوئی کی اور ان کے مراتب بڑھائے۔ خراج کا چوتھائی حصہ معاف کر دیا۔ لوگ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ مامون ہمارے نبی کا چچرا بھائی اور ہمارا بھانجا ہے۔ ۲۔

فضل بن ربیع کو مامون ناپسند کرتا تھا۔ اسے خدشہ ہوا کہ اگر خلافت کسی روز مامون کے ہاتھ

۱۔ ابن اثیر، ابن کثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔



میں آئی تو مجھ پر ترس نہیں کرے گا۔ اس لئے وہ مامون کو ولی عہدی سے ہٹانے کے لئے فکر کرنے لگا۔ امین کو پٹی پڑھائی کہ اپنے بیٹے موسیٰ کو ولی عہد نامزد کر دو۔ امین نے شروع میں ہاں نہ بھری لیکن پھر مان گیا۔ اور موسیٰ کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا۔ مامون کو علم ہوا تو امین سے مراسلت ترک کر دی۔ اس کا نام سکوں پر کندہ کرنا چھوڑ دیا اور کھلم کھلا اختلاف کا اظہار کیا۔ ۱۔

اس اثنا میں رافع بن لیث اور ہرثمہ نامی دو جرنیل مامون سے ملحق ہو گئے۔ امین کو برا لگا اس نے مامون کو خط لکھا اور سرکردہ امراء کو سفیر کر کے بھیجا کہ موسیٰ کی ولی عہدی تسلیم کرو۔ ان میں سے ایک نے مامون کی بیعت کر لی اور بغداد جا کر مامون کے لئے خفیہ خبررسانی کا کام کرنے لگا۔ ۲۔ اس کے بعد امین نے مامون سے کچھ علاقہ طلب کیا۔ مامون نے اس سے بھی انکار کیا۔ ۳۔ اب امین نے مامون کے پاس تحفے بھیج کر اسے بلا بھیجا۔ مامون تیار ہو گیا کیونکہ اس میں مقابلہ کا حوصلہ نہ تھا لیکن ذوالریاستین نے ہمت بندھائی اور جانے سے منع کیا۔ مامون نے امین کو تحریر کیا کہ والد ماجد نے مجھے اس صوبہ میں مقیم کیا تھا تاکہ سرحدوں کی حفاظت کروں۔ میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ ۴۔ فضل بن ربیع کے لئے نادر موقع تھا۔ اس نے امین کو آسا کر مامون کی ولی عہدی کی منسوخی کا اعلان کر دیا۔ امین اور مامون کے درمیان طویل خط و کتابت ہوئی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ ۵۔ مامون نے تیاریاں تیز تر کر دیں اور تاکے بند کر دیئے تاکہ جاسوسی نہ ہو سکے۔ ۶۔ مامون نے آس پاس کے سرحدی بادشاہوں کے ساتھ دوستی کے معاہدے طے کر لیے۔ ۷۔ امین نے کعبہ سے ہارون کا وصیت نامہ منگوا کر چاک کر دیا اور اعلان کیا کہ وہ سب سکے جن پر مامون کا نام ہے غیر قانونی ہیں۔ آئندہ خطبات میں مامون کا نام نہ لیا جائے۔ ۸۔ ادھر مامون نے بھی امام المومنین کا لقب اختیار کر لیا۔ ۹۔

امین اور مامون کے درمیان جنگ: پہلی فوج: امین نے ۱۹۵ھ میں علی بن عیسیٰ کو جو ابن ماہان کہلاتا تھا چالیس ہزار کا آراستہ لشکر دے کر مامون کے خلاف بھیجا۔ روانگی سے قبل زبیدہ لشکر میں آئی اور علی بن عیسیٰ کو نصیحت کی کہ مامون کو گرفتار کرنے کے بعد اس کے ساتھ تعظیم و تکریم سے پیش آنا۔ اسے نقرئی بیڑی دی کہ مامون کو اس میں باندھ کر احترام سے لانا۔ امین نے بھی ہدایت دی کہ مامون کو مارنے کے بجائے گرفتار کرنے کی کوشش کرنا۔ رے کے مقام پر مامون کے جرنیل طاہر بن حسین نے چار ہزار لشکر کے ساتھ سامنا کیا۔ بغدادی فوج کو خراسانی فوج کے سامنے ٹھہرنا مشکل تھا۔ خراسانی ایک تو بغداد کی شہری فوج کے مقابلہ میں زیادہ بہادر اور سخت جان تھے اور دوسرے انہیں مامون سے پچی ارادت تھی۔ بغدادی فوج بھاگی اور ابن ماہان مارا گیا۔ امین مچھلی کا شکار کر رہا تھا کہ یہ خبر پہنچی۔ سن کر قاصد سے کہا، ہمارا برا ہو، مجھے نہ

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن کثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔ ۶۔ ابن اثیر۔ ۷۔ ابن اثیر۔ ۸۔ ابن کثیر۔ ۹۔ ابن کثیر۔

چھیڑو۔ کوثر (غلام) نے دو مچھلیاں شکار کر لی ہیں اور میں نے ایک بھی نہیں پکڑی۔ بعد میں جب امین نے دیکھا کہ شکست نے بغداد میں اضطراب پیدا کر دیا ہے تو ہوش آئے اور عمدہ ہنسنی پر

تادم ہوا۔ ۱

دوسری فوج (۱۹۵ھ) : امین نے اب ایک اور لشکر بھیجا جس کی تعداد بیس ہزار تھی اس کا سالار عبدالرحمن بن بید تھا۔ طاہر بن حسین سے ہمدان کے قریب ایک شدید جنگ ہوئی دونوں طرف سے کثیر جانیں ضائع گئیں۔ بغدادی فوج نے بزدلی دکھائی۔ عبدالرحمن بن بید بھاگ کر ہمدان میں پناہ گیر ہوا۔ مختصر سے محاصرے کے بعد اس نے صلح کی التجا کی۔ طاہر نے امان دے دی عبدالرحمن بغداد کا قصد کر کے روانہ ہوا۔ امین پھر خراسانی فوج کو خانقاہ دیکھ کر اس پر حملہ کر دیا اور بہت لوگ مار دیے۔ خراسانیوں نے مقابلہ پر تلوار اٹھائی تو بغدادیوں سے قدم نہ جم سکے۔ عبدالرحمن کام آیا اور اس کے ساتھی بھاگ گئے۔ ۲

قراری فوج شہر میں آئی تو پہلے میچ گئی اور نظام متزلزل ہونے لگا۔ طاہر نے امین کے عمدہ داروں کو قزدین اور اس کی اطراف سے نکال دیا۔ وہاں کے کارندوں نے کام سنبھالا اور اس کی طاقت بڑھ گئی۔ ادھر شام میں اچانک بغادت ہو گئی۔ امین کو اس کی سرکوبی کے لئے لشکر بخشی کرنی پڑی۔ ۳۔ امین ان حالات میں بھی گھبرایا۔ برابر خوش وقتی اور تادنوش میں مصروف رہا۔ فضل بن ربیع جنملا اٹھا۔ اس نے ایک عرب سردار اسد بن یزید کو بلایا۔ فضل کی آنکھیں اس وقت غصہ سے انگارہ تھیں۔ اس نے اسد سے کہا امین نشہ میں ڈوبا ہوا ہے۔ مامون دور بیٹھے تاک تاک کر موت کے تیر نشانہ پر پھینک رہا ہے۔ ہلاکتیں گھوڑوں پر صف بستہ ہیں۔ مصائب نے نیزوں کی انیوں اور تلواروں کی دھاروں کو نشیمن بنا لیا ہے۔

اے اسد! ہم ایک تنے کی دو شاخیں ہیں۔ تنہ پختہ رہا تو ہم بھی تو اتار رہیں گے اور کمزور ہوا تو ہم بھی ناپاقت ہو جائیں گے۔ مجھے ڈر ہے کہ ہم بھی اس کے ساتھ ہلاک نہ ہو جائیں۔ مجھے تجھ پر بھروسہ ہے۔ تم مامون کے مقابلے میں تیار ہو جاؤ۔ ربیع اور اسد دونوں امین کے پاس گئے۔ اسد نے رائے دی کہ اگر مامون اطاعت نہ کرے تو اس کے دونوں بیٹے جو اس وقت بغداد میں امین کے پاس ہیں قتل کر دیئے جائیں۔ امین کی حمیت نے جوش کھایا اور اسد سے کہا کہ میں تمہیں رفعت دلا رہا ہوں اور تم مجھے اپنی اولاد اور کنبہ کو ذبح کرنے کا سبق پڑھاتے ہو۔ امین نے اسد کو قید میں ڈال دیا اور پھر اس کے چچا احمد بن مزید کی سفارش پر رہا کیا۔ ۴

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ امین کے دل میں اپنے بھائی کے خلاف عداوت تھی بھی تو دیوانہ کی حد تک نہ تھی۔ ایک تو وہ طبعاً اباہی تھا اور دوسرے یہ دیکھ کر کہ کا مقابلہ بھائی سے ہے اس نے گھبراہٹ کا اظہار نہ کیا جنگی تیاریوں میں فضل بن ربیع کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔ جسے

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔

امین سے زیادہ اپنی گردن کی فکر تھی۔

تیسری فوج: امین نے احمد بن مزید اور عبداللہ بن قحطبہ کو بیس بیس ہزار کے لشکروں کے ساتھ روانہ کیا۔ امین کی یہ فاش غلطی تھی کہ ایک ہی فوج پر دو الگ الگ سردار مقرر کیے۔ طاہر بن حسین نے اس دوئی سے خوب فائدہ اٹھایا۔ طاہر اس وقت حلوآن میں تھا۔ شاہی فوج قریب آئی تو اس نے اپنے گرد خندق کھودی اور سر میدان آنے کے بجائے انہیں دھوکے سے شکست دینے کی سوچی۔ اس نے شاہی کیمپ میں جاسوس روانہ کیے تاکہ دونوں سرداروں اور فوج کے درمیان پھوٹ پیدا کریں۔ انہوں نے طرح طرح کی افواہیں پھیلائیں جس میں سے ایک یہ تھی کہ امین نے اپنے ملازموں میں تنخواہیں تقسیم کر دی ہیں اور ان کی شرحیں بہت بڑھا دی ہیں۔ اس افواہ سے نہ صرف فوج میں بلکہ سالاران لشکر میں بھی نزاع پیدا ہو گئی اور باہم تلوار چل گئی۔ نتیجہ یہ کہ دونوں امیر طاہر سے جنگ کے بغیر واپس چلے گئے۔ ۱۔

مامون ابھی تک امام المومنین کہلاتا تھا۔ اب اس نے خلافت کا دعویٰ کیا اور امیر المومنین کہلانے لگا۔ ۲۔ اس نے طاہر کے علاوہ ہرثمہ بن امین کو بھی امین کے خلاف مامور کیا۔ ۳۔ یہ دونوں سالار نہایت تیز رفتاری سے امین کے علاقے زیر نگیں کرتے ہوئے آگے بڑھے۔

مامون کی حرمین میں بیعت: مکہ کے عامل داؤد بن علی نے عمائد ملت کو اکٹھا کر کے کہا کہ ہارون نے اپنے بیٹوں کے حق میں ہماری بیعت لی تھی اور قرار داد کعبہ میں محفوظ رکھ دی تھی لیکن امین نے عہد شکنی کی اور اپنے دودھ پیتے بچے کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا۔ اس نے اللہ کی نافرمانی کی ہے لہذا ہماری اطاعت کا حق دار نہیں۔ سب نے اتفاق کیا امین کی بیعت فسخ کر دی اور مامون کی اطاعت کر لی۔ ۴۔

بغداد کا حال: امین کی پے در پے ناکامیوں کو دیکھ کر بغداد کی ایک کثیر آبادی نے اس سے سرکشی کی اور مامون کے حق میں ہو گئے۔ بغداد کے گلی کوچوں میں جنگ چھڑ گئی۔ عباس بن موسیٰ بن عیسیٰ نے امین کو حراست میں لے لیا اور اس کی ماں زبیدہ کو کوڑوں سے پٹوایا۔ لیکن فوج نے امین کا ساتھ دیا اور اسے رہا کر کے زمام اختیار سوئی۔ چند روز بعد فضل بن ربیع فرار ہو گیا۔ ۵۔

خلیفہ امین بغداد کی شورشوں میں گرفتار تھا اور طاہر اس کے صوبوں پر قبضہ کیے جا رہا تھا۔ امین کے تصرف میں بہت کم علاقے رہ گئے۔ طاہر نے بغداد کا رخ کیا اور مصر صندی کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ امین نے اس کو روکنے کے لئے یکے بعد دیگرے کئی لشکر بھیجے لیکن ناکام۔ ۶۔

طاہر اور ہرثمہ نے ۱۹۷ ہجری میں بغداد کو گھیرے میں لے لیا۔ شہر کے باہر مجتہدین نصب کیے۔ اور اندر جاسوسوں اور کارندوں کو بھیجا کہ امین کے خلاف بے چینی پھیلائیں۔ جگہ جگہ

۱۔ ابن اثیر، ابن کثیر۔ ۲۔ ابن اثیر۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن اثیر، ابن کثیر۔ ۶۔ ابن کثیر، ابن اثیر۔

فتنے بھڑکنے لگے امین کے حامیوں اور مخالفوں میں جھڑپوں کا دروازہ کھل گیا۔ شہر کا نظام درہم برہم ہوا۔ لوت مار عام ہو گئی، یہاں تک کہ بھائی کی تلوار بھائی کی گردن پر چلنے لگی۔ ۱۔  
 امین پر حصار کا دائرہ تنگ ہوتا گیا۔ اس کے لشکری ایک ایک کر کے بھاگنے اور طاہر کے پاس پناہ لینے لگے۔ امین کی نقدی ختم ہو گئی۔ سرکاری سامان بیچنا شروع کیا اور سونے چاندے کے سکے ڈھلوائے۔ جب مایوس ہوا تو جانے کس مصلحت سے گراں بہا محلات اور مکانوں کو نذر آتش کرنے کا حکم دیا۔ ادھر طاہر نے بھی بیرونی علاقوں میں یہی کارروائی شروع کی۔ یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ بغداد راکھ کا ڈھیر ہو جائے گا۔ ۲۔

طاہر نے اعلان کیا کہ جو شخص مامون کی بیعت کر لے گا اس کو امان حاصل ہوگی۔ چیدہ چیدہ امراء اور عوام نے اس کا رخ کرنا شروع کیا۔ جو محلے اس کے قبضہ میں تھے وہاں امن و امان بحال ہوا۔ ۳۔ اس لئے لوگ اس طرف اور راغب ہونے لگے۔

محاصرہ پر تقریباً ایک برس گزر گیا۔ امین کی تنگ دستی اور تنگ حالی حد سے گزرنے لگی۔ ایک دن امیروں اور مشیروں کو اکٹھا کیا۔ پوچھا کہ اب کیا کیا جائے بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ ٹھہرا کہ امین ہرثمہ کے پاس پناہ لے۔ ہرثمہ کو پیغام بھیجا گیا تو اس نے بخوشی منظور کیا اور قول دیا کہ فلاں رات امین کو خود لینے آؤں گا۔ امین نے مقررہ وقت پر خلافت کا لباس زیب تن کیا۔ بچوں کو بلا کر سینے لگایا اور آنسو پونچھتا ہوا محل سے نکلا۔ ہرثمہ پیشوائی کو موجود تھا اس نے اپنے ساتھ کشتی میں بٹھالیا۔

طاہر کو اس منصوبہ کا علم ہو گیا تھا۔ اس نے خیال کیا کہ امین میری فوج کے علاقہ میں ہے اور میرے محاصرے سے عاجز آکر امان کا طالب ہوا ہے۔ اب اگر وہ ہرثمہ کی پناہ اختیار کرے تو فتح ہرثمہ کے حصے میں آئے گی۔ طاہر چند آدمی لے کر موقع پر پہنچا اور کشتی پر پتھر برساکر اسے غرقاب کر دیا امین بڑی مشکل سے تیرتا ہوا کنارے لگا۔ چند سپاہیوں نے اسے گرفتار کر کے ایک مکان میں بند کر دیا۔ وہ نیم لباس میں تھا۔ خوف و دہشت سے اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ بحر قریب تھی۔ طاہر کے آدمی اسے قتل کرنے آئے۔ امین اٹھا اور کہنے لگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کیا میرا کوئی فریاد رس نہیں؟ اس نے سرانہ اٹھا کر اپنی ڈھال بتایا اور قاتلوں کو روکنا چاہا۔ انہوں نے زخمی کر کے گرایا اور سرکاٹ کر الگ کر دیا۔ ۴۔

امین کے قتل کے بعد شہر میں امن ہو گیا۔ لوگوں نے مامون کی بیعت کر لی۔ ۵۔

امین کا سر طاہر کے سامنے پیش ہوا۔ اس نے نیزہ پر گاڑ کر ایک دروازے کے پاس نصب کیا۔ اس کے پاس مامون کے پاس روانہ کیا۔ مامون دیکھ کر سجدہ شکر بجالایا لیکن اس کے دل میں طاہر کے خلاف گرہ پڑ گئی کیونکہ مامون نے امین کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔ ۵۔

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر، ابن اثیر۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ ابن کثیر، ابن اثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔

فضل بن ربیع امین کو موت کے حوالے کر کے روپوش ہو گیا۔ مامون نے اسے امان نامہ لکھ بھیجا۔ جب وہ اس کے پاس حاضر ہوا تو معاف کر دیا لیکن فضل کے بگڑے دن سنور نہ سکے۔ وہ ۲۰۸ ہجری میں گتائی کی موت مر گیا۔ ۱۔

امین اور مامون کی خانہ جنگی کے نتائج : مامون اور امین کی خانہ جنگی کے مندرجہ ذیل نتائج تھے۔

- ۱۔ بغداد کے شہر کو بے اندازہ نقصان پہنچا۔ کتنے ہی گھر خاک سیاہ ہوئے اور گھرانے بربادی کی آغوش میں چلے گئے۔
- ۲۔ خلیفہ کو گرفتار کر کے نہایت بے دردی سے ذبح کیا گیا۔ اس سے خلافت کی بے رعبی ہوئی۔
- ۳۔ فضل بن سهل خلیفہ پر حاوی ہو گیا۔ اسے بہت مدت تک کاروبار حکومت سے جدا رکھا۔ جگہ جگہ بغاوتیں رونما ہونے لگیں۔
- ۴۔ فضل بن سهل عجیب تھا۔ اس کے دم سے عجمیت کا فروغ شروع ہوا اور عربوں کی قومیت اور تہذیب کا وقار گھٹنے لگا۔
- ۵۔ علویہ کی قدر بڑھی۔ عجم کے لوگ اہل بیت کے بہت معتقد تھے۔ ان کی برتری کے ساتھ اہل بیت کی قدر و منزلت بھی جم گئی۔ مامون نے حضرت علی الرضا کو اپنا ولی عہد نامزد کیا۔

## عبداللہ المامون

۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ ۷۱۳ء تا ۸۳۳ء

**تعارف:** امین کے قتل کے بعد مامون حکومت پر قابض ہوا۔ مامون ۱۷۰ ہجری میں ایک لوندی مراحل کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ جس رات وہ عالم وجود میں آیا اس رات ہادی نے وفات پائی اور مامون کے باپ ہارون کو خلافت کا مژدہ ملا۔

المامون نے متعدد علوم میں دستگاہ پیدا کی تھی۔ قرآن حکیم کا حافظ تھا۔ حدیث اور فقہ کے علاوہ نحو، عربیت، علم الکلام اور علم نجوم میں بھی کمال رکھتا تھا۔ اس کو خوش قسمتی سے جعفر برکی ایسا اتالیق میسر ہوا۔ جس نے اس کی قدرتی استعداد کو چمکا کر قابلیت کے انتہائی درجہ تک پہنچا دیا۔

### مامونی حکومت کا پہلا دور

المامون کے عہد حکومت کو ہم دو حصوں میں تقسیم کریں گے۔ پہلا دور ۱۹۸ تا ۲۰۲ھ تک ہے۔ ان دنوں مامون خود خراسان کے مرکز مرو میں مقیم رہا اور سلطنت میں ہر طرف فتنوں کے جھکڑ چلتے رہے۔ دوسرا دور قیام بغداد کا ہے۔ یہ امن اور تعمیر کا دور ہے۔

مامون نے اپنے وزیر فضل بن سہل کی مدد سے حکومت حاصل کی تھی اس لیے اس کا مرہون احسان تھا۔ اسے ذوالریاستین کا لقب دیا اور بعض بڑے بڑے صوبے اس کے تصرف میں دے دیئے۔ ۱۔ ذوالریاستین کے معنی ہیں، دو ریاستوں والا یعنی ریاست حرب (امارت فوج) اور ریاست تدبیر (وزارت) دونوں کا مالک۔ ۲۔

فضل بن سہل سیاہ و سفید کا مالک تھا، اس کی کوشش رہی کہ مامون مرو ہی میں بیٹھا رہے اور اسے امور حکومت کی کوئی اطلاع نہ ہو۔ مامون نے تقریباً چار برس یہیں اقامت رکھی۔ فضل اس اثناء میں من مانی کاروائیاں کرتا رہا۔ فضل کی خود سری کی وجہ سے لوگ اسے پسند نہیں کرتے تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ عوام میں مشہور ہو گیا کہ اس نے مامون کو مغلوب کر کے ایک قلعہ بن کر رکھا ہے۔ ۳۔ یہ سن کر بنو ہاشم اور دیگر عمائد قوم فکر مند اور رنجیدہ تھے۔ عوام میں بھی شبہات پھیلے۔ قسمت آزماؤں کو موقع ملا اور ہر طرف فتنوں اور شورشوں کا دور دورہ ہو گیا۔

**نصر بن سیار بن شہت کی بغاوت:** المامون کی خلافت کے پہلے ہی برس شام کے علاقہ میں ایک شخص نصر نام نے جو امین کا حامی تھا بغاوت کر دی۔ وہ تقریباً گیارہ برس تک حکومت کو چیلنج کرتا رہا۔ مامون کی چھوٹی موٹی مہمیں ناکام رہیں۔ آخر عبداللہ بن طاہر بن حسین نے پانچ برس کی جنگ کے بعد اسے محصور کیا۔ نصر نے تنگ آ کر امان طلب کی۔ عبداللہ نے مامون کو

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ہیشاری صفحہ ۳۰۵۔ ۳۔ ابن اثیر۔

اطلاع دی۔ اس نے اجازت دے دی۔ اور نصرامان حاصل کر کے ۲۱۰ ہجری میں بغداد میں مامون کے پاس حاضر ہوا۔ ۱۔

**حسن ابن الهرش کی بغاوت :** ۱۹۸ ہجری میں ایک شخص حسن بن الهرش نے علم بغاوت بلند کیا۔ لوٹ مار کی اور فساد پھیلایا۔ مامون کے لشکر نے ۱۹۹ ہجری میں اس کا خاتمہ کیا۔ ۲۔

**ابن طباطبا :** ۱۹۹ ہجری میں محمد بن ابراہیم نے جو ابن طباطبا کہلاتے تھے کوفہ میں خروج کیا۔ آپ حضرت حسن ثنی کی اولاد سے تھے۔ رضا من آل محمد اور کتاب و سنت کی دعوت دیتے تھے۔ کوفہ اور اس کے نواح کے علاوہ بعض دور افتادہ علاقوں کے بادیہ نشین بھی ان کی فوج میں شامل ہو گئے۔ ۳۔

ابن طباطبا کا دست راست ایک شخص ابو الرایا سری بن منصور شیبانی نام تھا۔ ۴۔

ابو الرایا کے معنی ہیں لشکروں والا۔ پہلے گدھے کرایہ پر چلاتا تھا۔ پھر لوٹ کھسوٹ اور قزاقی کا پیشہ اختیار کیا۔ بعد میں مختلف امراء فوج کے تحت وقتاً فوقتاً کام کرتا رہا۔ امین کے محاصرہ کے دوران میں ہرثمہ کے لشکر میں تھا۔ پھر اس سے ناراض ہو کر چلا گیا اور ادھر ادھر چھاپے مارتا رہا۔ محمد بن ابراہیم سے ملاقات ہوئی تو ان کی بیعت کر لی۔ کوفہ کے قبضہ میں اس کی مدد شامل تھی۔ ۵۔

حسن بن سہل نے بغداد سے دس ہزار فوج کوفہ کی بازیافت کے لئے بھیجی۔ مقابلہ ہوا تو ابن طباطبا نے فتح پائی لیکن دوسرے روز اچانک رحلت کر گئے۔ آپ کی وفات کے بارے میں خیال ہے کہ ابو الرایا نے آپ کو زہر دے دی تھی۔ آپ کی زندگی میں ابو الرایا کا چراغ جلنا مشکل تھا۔ وہ اقتدار کا بھوکا تھا، اس لئے راستہ سے ہٹا دیا۔ ۶۔

ابو الرایا نے ایک کم عمر سید زادے محمد بن محمد کو ابن طباطبا کا جانشین کیا۔ محمد بن محمد حضرت حسین کی اولاد سے تھے۔ ابو الرایا نے آپ کی کم سنی سے فائدہ اٹھا کر اختیارات کی زمام اپنے ہاتھ میں رکھی۔ بغداد سے چار ہزار کا لشکر آیا۔ ان میں سے کوئی واپس نہ جاسکا، مارا گیا یا گرفتار ہوا۔ ۷۔ اس کے بعد ابو الرایا ک طاقت اچانک بڑھ گئی۔ حجاز، یمن، فارس وغیرہ پر اس کے عمال قابض ہو گئے۔ کوفہ میں ابو الرایا نے اپنے سکے ڈھالے۔ ۸۔

حالات دگرگوں ہو گئے تو حسن بن سہل نے ہرثمہ بن اعین کو مدد کے لیے لکھا۔ ہرثمہ نے ابو الرایا کے لشکروں کو تازہ توڑ شکستیں دیں اور انہیں کوفہ تک محدود کر دیا۔ پھر کوفہ پر محاصرہ ڈالا۔ کوفیوں نے تنگ آکر ابو الرایا کا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ کوفہ سے نکل گیا اور ہرثمہ نے قبضہ کر لیا۔ ابو الرایا پہلے قادسیہ گیا۔ وہاں سے نکلا تو ایک مامونی حاکم نے رستہ روکا۔ ابو الرایا گھائل ہو کر جزیرہ میں اپنے گھر کی طرف بھاگا۔ اس کے سب ساتھی چھٹ گئے۔ رستہ میں شاہی فوج کے

۱۔ ابن اثیر، ابن کثیر، ۲۔ ابن کثیر، ۳۔ ابن کثیر، ۴۔ ابن کثیر، ۵۔ ابن کثیر، ۶۔ ابن اثیر، ابن کثیر، ۷۔ ابن اثیر، ابن کثیر، ۸۔ ابن کثیر۔

ایک دستہ نے اسے گرفتار کر لیا اور حسن بن سہل کے سامنے پیش کیا اس نے گردن مروا دی۔  
 سرمامون کے پاس بھیجا۔ جسم کے دو ٹکڑے کروائے اور بغداد میں وجلہ کے دونوں پلوں پر ایک  
 ایک حصہ آویزاں کیا۔ ۱۔

ابو السرایا نے تقریباً دس ماہ کوفہ اور اس کے گرد نواح میں حکومت کی۔ اس نے بنو عباس  
 کے حامیوں پر بڑے بڑے ظلم کیے اور کوفہ میں ان کے گھروں کو جلا دیا۔ اس اثنا میں اس نے  
 ایک سپہ سالار حسین الانفس بن حسن کو مکہ پر قبضہ کے لئے بھیجا۔ انفس چھٹی ٹاک والے کو  
 کہتے ہیں۔ عباسی حاکم اس کی آمد کی خبر سن کر فرار ہو گیا۔ حسین انفس نے کعبہ سے عباسیوں  
 کے پہنائے ہوئے غلاف اتروائے اور ابو السرایا کا بھیجا ہوا غلاف پہنایا۔ اس پر ابو السرایا کا نام تھا  
 جن جن لوگوں کے پاس بنو عباس کی امانتیں تھیں چھین لیں۔ بعض لوگ غلط فہمی میں اپنے  
 اموال سے بھی محروم کر دیئے گئے۔ اس کے ساتھیوں نے مزید ظلم یہ کیا کہ کعبہ اور مسجد حرام  
 میں جو قیمتی چیزیں نظر آئیں اس پر قبضہ کر لیا۔ حد یہ کہ مسجد حرام کی جالیاں اکھڑا کر ادنیٰ داموں  
 بیچ دیں اہل مکہ پر ناگفتہ بہ مظالم ہوئے۔ کئی لوگ بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپے۔ ۲۔ جب  
 انفس کو ابو السرایا کی موت کی خبر ملی تو گھبرایا۔ اس نے ایک عابد دین دار اور ہر دلعزیز شخص محمد  
 بن جعفر صادق سے درخواست کی کہ آپ اپنی خلافت کا اعلان کریں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔  
 انہوں نے انکار کیا۔ لیکن انفس کے اصرار پر مان گئے حسین الانفس نے محمد بن جعفر صادق کی  
 بیعت کر لی۔ وہ بوڑھے تھے۔ سب اختیارات انفس نے ہاتھ میں رکھے۔ عباسی لشکر آیا تو انفس  
 ایک مقابلہ کے بعد بھاگ نکلا۔ ۳۔ ابو السرایا کے حامی اس کی وفات کے بعد بھی کچھ دن شورش  
 کرتے رہے۔ ۴۔

ابراہیم جزار : ابراہیم بن موسیٰ علوی نے ابو السرایا کے قتل کے بعد مکہ سے نکل کر یمن پر قبضہ  
 کر لیا۔ اس نے ۲۰۰ ہجری میں ایک عقیلی کو امیر الحج بنا کر روانہ کیا۔ وہ مکہ میں جانے کی ہمت نہ  
 کر سکا۔ رستہ میں گھات لگا کر بیٹھ گیا اور حاجیوں کے ایک قافلہ کو لوٹ لیا۔ شاہی دستہ نے  
 انہیں شکست دے کر مال واپس لے لیا۔ ابراہیم نے یمن میں اس قدر خون ریزی کی کہ لوگ  
 اسے جزار (قصاب) کہنے لگے۔ ۵۔

زید النار : ۲۰۰ ہجری میں زید بن موسیٰ علوی نے بصرہ پر قبضہ کیا۔ بنو عباس اور ان کے حامیوں  
 کے گھر جلا دیئے جو سیاہ لباس والا آدمی ملتا اسے جلا دیتا۔ اس بے باک آتش زنی کی وجہ سے  
 لوگ اسے زید النار یعنی آگ والا زید کہتے تھے مامون کا لشکر آیا تو زید نے بغیر مقابلہ کئے امان  
 طلب کی جو مل گئی۔ ۶۔

بغداد میں بد نظمی : مامون حکومت کی باگ ڈور فضل بن سہل اور اس کے بھائی حسن بن

۱۔ ابن اثیر، ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن اثیر۔ ۴۔ ابن کثیر۔ ۵۔ ابن اثیر، ابن کثیر۔ ۶۔ ابن کثیر۔ ۷۔ ابن کثیر۔ ۸۔ ابن کثیر۔ ۹۔ ابن کثیر۔ ۱۰۔ ابن کثیر۔ ۱۱۔ ابن کثیر۔ ۱۲۔ ابن کثیر۔ ۱۳۔ ابن کثیر۔ ۱۴۔ ابن کثیر۔ ۱۵۔ ابن کثیر۔ ۱۶۔ ابن کثیر۔ ۱۷۔ ابن کثیر۔ ۱۸۔ ابن کثیر۔ ۱۹۔ ابن کثیر۔ ۲۰۔ ابن کثیر۔ ۲۱۔ ابن کثیر۔ ۲۲۔ ابن کثیر۔ ۲۳۔ ابن کثیر۔ ۲۴۔ ابن کثیر۔ ۲۵۔ ابن کثیر۔ ۲۶۔ ابن کثیر۔ ۲۷۔ ابن کثیر۔ ۲۸۔ ابن کثیر۔ ۲۹۔ ابن کثیر۔ ۳۰۔ ابن کثیر۔ ۳۱۔ ابن کثیر۔ ۳۲۔ ابن کثیر۔ ۳۳۔ ابن کثیر۔ ۳۴۔ ابن کثیر۔ ۳۵۔ ابن کثیر۔ ۳۶۔ ابن کثیر۔ ۳۷۔ ابن کثیر۔ ۳۸۔ ابن کثیر۔ ۳۹۔ ابن کثیر۔ ۴۰۔ ابن کثیر۔ ۴۱۔ ابن کثیر۔ ۴۲۔ ابن کثیر۔ ۴۳۔ ابن کثیر۔ ۴۴۔ ابن کثیر۔ ۴۵۔ ابن کثیر۔ ۴۶۔ ابن کثیر۔ ۴۷۔ ابن کثیر۔ ۴۸۔ ابن کثیر۔ ۴۹۔ ابن کثیر۔ ۵۰۔ ابن کثیر۔ ۵۱۔ ابن کثیر۔ ۵۲۔ ابن کثیر۔ ۵۳۔ ابن کثیر۔ ۵۴۔ ابن کثیر۔ ۵۵۔ ابن کثیر۔ ۵۶۔ ابن کثیر۔ ۵۷۔ ابن کثیر۔ ۵۸۔ ابن کثیر۔ ۵۹۔ ابن کثیر۔ ۶۰۔ ابن کثیر۔ ۶۱۔ ابن کثیر۔ ۶۲۔ ابن کثیر۔ ۶۳۔ ابن کثیر۔ ۶۴۔ ابن کثیر۔ ۶۵۔ ابن کثیر۔ ۶۶۔ ابن کثیر۔ ۶۷۔ ابن کثیر۔ ۶۸۔ ابن کثیر۔ ۶۹۔ ابن کثیر۔ ۷۰۔ ابن کثیر۔ ۷۱۔ ابن کثیر۔ ۷۲۔ ابن کثیر۔ ۷۳۔ ابن کثیر۔ ۷۴۔ ابن کثیر۔ ۷۵۔ ابن کثیر۔ ۷۶۔ ابن کثیر۔ ۷۷۔ ابن کثیر۔ ۷۸۔ ابن کثیر۔ ۷۹۔ ابن کثیر۔ ۸۰۔ ابن کثیر۔ ۸۱۔ ابن کثیر۔ ۸۲۔ ابن کثیر۔ ۸۳۔ ابن کثیر۔ ۸۴۔ ابن کثیر۔ ۸۵۔ ابن کثیر۔ ۸۶۔ ابن کثیر۔ ۸۷۔ ابن کثیر۔ ۸۸۔ ابن کثیر۔ ۸۹۔ ابن کثیر۔ ۹۰۔ ابن کثیر۔ ۹۱۔ ابن کثیر۔ ۹۲۔ ابن کثیر۔ ۹۳۔ ابن کثیر۔ ۹۴۔ ابن کثیر۔ ۹۵۔ ابن کثیر۔ ۹۶۔ ابن کثیر۔ ۹۷۔ ابن کثیر۔ ۹۸۔ ابن کثیر۔ ۹۹۔ ابن کثیر۔ ۱۰۰۔ ابن کثیر۔



سہل کے حوالے کر کے مرو میں بے فکری کے دن گزار رہا تھا۔ فضل نے اس کے دل میں یہ بات بٹھادی تھی کہ خلافت کا کاروبار خوب چل رہا ہے۔ عراق اور بغداد میں آئے دن جو ہنگامے اٹھ رہے تھے مامون کو ان کی خبر نہ تھی۔ ہرثمہ بن اعین نے ابوالسرایا کو شکست دینے کے بعد فیصلہ کیا کہ مامون کو سب حالات سے آگاہ کرنا چاہیے۔ وہ مرو کی طرف روانہ ہوا۔ فضل کو ہرثمہ کی نیت سے آگاہی ہوئی تو مامون کے کان بھرے کہ ہرثمہ کی ابوالسرایا سے ساز باز تھی۔ اس نے ابوالسرایا کو مقابلہ پر اکسایا تھا۔ مامون پر ان دنوں فضل کا جادو سوار تھا۔ مان گیا۔ ہرثمہ مامون کے پاس حاضر ہوا تو اس نے زد و کوب کے بعد قید میں ڈال دیا۔ چند دن بعد قتل کروا دیا۔

۱۔

بغداد میں ہرثمہ کے مال کی خبر پہنچی تو رنج و الم کی لہر دوڑ گئی۔ ہرثمہ ایک محبوب جرنیل تھا۔ وہ عرب تھا اور سہل کے بیٹے عجمی تھے۔ عرب آبادی کو ہرثمہ کی موت کا بہت صدمہ ہوا۔ وہ جان گئے کہ یہ فضل اور حسن کی سازش کا نتیجہ ہے۔ حسن کا سلوک بغدادی فوج سے اچھا نہیں تھا۔ ان کی تنخواہیں بھی کئی ماہ سے واجب الادا تھیں۔ فوج کے ایک حصہ نے بغاوت کر دی۔ بغداد میں دو گروہ ہو گئے۔ ایک حسن کے حامیوں کا اور ایک مخالفین کا تھا۔ تین روز کی جنگ کے بعد اس شرط پر عارضی صلح ہوئی کہ وہ انہیں تنخواہ کا کچھ حصہ رمضان کے اخراجات کے لئے دے گا۔ اس نے اس عہد کا ایفانہ کیا اور بدستور ٹالتا رہا۔ ۲۔

حسن بن سہل بغداد کا نظام بحال رکھنے میں ناکام رہا۔ نہایت بے تدبیر اور متعصب تھا۔ اس کو بغداد اور اہل بغداد سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ لطم و نکت بد سے بدتر ہوتا گیا۔

بغداد کی بد نظمی ۲۰۱ ہجری تک انتہا کو پہنچ گئی۔ شہر اور اس کے نواح میں عیاروں (غنڈوں) شاطروں (نوسریازوں) اور فاسقوں (بدمعاشوں) کی بہتات ہو گئی۔ غنڈے راہ چلتے کو روکتے اور ان کے مال و آبرو پر حملے کرتے تھے۔ لوگوں کے دروازوں پر پہنچ کر زبردستی قرض یا عطیہ طلب کرتے۔ اگر صاحب خانہ انکار کرتا تو اندر گھس کر سارا گھر لوٹ لیتے تھے شہر والوں نے منصور بن مہدی کو مجبور کیا کہ خلافت ہاتھ میں لے لیں۔ انہوں نے پہلے نہ مانا لیکن پھر لوگوں کے اصرار پر مامون کے نائب کی حیثیت میں انتظام سنبھال لیا۔ حسن بن سہل کے نائب کو نکال دیا گیا۔ منصور بن مہدی بھی امن بحال نہ کر سکا۔ آخر دو شخصوں خالد الدریوش اور سہل بن سلام نے جمعیت بنا کر اوباشوں کا قلع قمع کیا۔ اس کے بعد حسن نے آکر فوج سے مصالحت کر لی اور منصور بن مہدی ایک طرف ہو گئے۔ ۳۔

**بابک خرمی** : بابک بڑے بابا کو کہتے ہیں۔ بابک خرمی کے لغوی معنی ہیں 'خوش باشوں کا بابا'۔ ۲۰۱ ہجری میں بابک خرمی نے ایک نئے مذہب کی بنا رکھی۔ یہ زندقہ کی شاخ تھی۔ بعض

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن کثیر۔

نادان اور جاہل لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔ بابک کا دعویٰ تھا کہ جاویدان ایک لافنا ہستی تھی۔ اس کی روح اب میرے بدن میں مقیم ہے۔ بابک نے اپنے مریدوں کو جنسی آزادی دے دی۔ اس لئے اس کا قبیلہ یعنی خوش باش کہلایا آج کل یورپ کے ہنسی بھی معنی رکھتے ہیں۔ بابک کی جماعت بہت بڑھی۔ اس کا مرکز کوستان میں تھا۔ شاہی فوج اس کی سرکوبی سے عاجز تھی۔ خری تقریباً بیس برس بعد معصم کے عہد میں گرفتار ہوا۔ ۱۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ بابک خری ابو مسلم خراسانی کی اولاد سے تھا۔ ۲۔

**حضرت علی الرضا کی ولی عہدی :** المامون اہل بیت کا بہت معتقد تھا۔ آٹھویں امام حضرت علی الرضا ان دنوں زندہ تھے۔ آپ نہایت پاک باز اور قابل ہستی تھے۔ مامون ان کی خوبیوں کا معترف تھا اور دین و عمل میں ان سے بہتر کسی کو نہ جانتا تھا۔ اس نے امام علی رضا کے حق میں دست بردار ہونے کا ارادہ کیا۔ امام نے نہ مانا تو انہیں اپنے بعد ولی عہد نامزد کر دیا۔ ۲۰۱ ہجری میں ان کے لئے بیعت لے لی اور فرمان جاری کیا کہ حکومت کا شعار اب بجائے سیاہ کے سبز لباس ہو گا۔ ۳۔ اس نے امام علی سے اپنی بیٹی ام حبیبہ کا نکاح کر دیا اور ان کے بیٹے محمد سے اپنی دوسری بیٹی ام فضل کا۔ ۴۔

**ابراہیم بن المہدی کی بغاوت :** المامون نے جناب علی الرضا کو ولی عہد مقرر کیا تو عباسیوں نے مقابلہ کی ٹھان لی۔ مہدی کے دو بیٹوں ابراہیم اور منصور نے ان کی قیادت سنبھال لی۔ ۲۰۲ ہجری کے پہلے دن ابراہیم بن مہدی کی المبارک کے لقب سے بغداد میں بیعت ہو گئی۔ ۵۔ عوام کی اکثریت نے دل و جان سے ابراہیم کا ساتھ دیا کیونکہ ان کے خیال میں مامون ایک بے بس حکمران تھا اور اصل حکومت فضل بن سہل کے ہاتھ میں تھی۔ فضل اہل بیت کا ارادت مند اور ہوا خواہ تھا۔ لوگوں نے سوچا کہ اسی نے امام علی کو ولی عہد نامزد کیا ہے۔ ۶۔ ابراہیم نے کوفہ اور اس کے اردگرد کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اس کے پاس خزانہ کی کمی تھی فوج کو تنخواہیں نہ دے سکا۔ اہل فوج نے آس پاس لوٹ مچا دی۔ ادھر بغداد کی آبادی بھی دو گردہوں میں مٹی ہوئی تھی۔ ایک گروہ نے مامون کی حمایت کی اور ابراہیم سے برسر جنگ رہا۔ ۷۔

**مامون کی بغداد کو روانگی (۲۰۲ ہجری) :** المامون کی حکومت کے پرزے ہو رہے تھے۔ بغداد پر ابراہیم کا قبضہ تھا۔ عراق و عرب کے دیگر علاقوں میں طوائف الملوکی کا سا نقشہ تھا۔ لیکن مامون اپنی آنکھوں پر فضل بن سہل کی پٹی باندھے مرو میں راحت کے مزے لے رہا تھا۔ فضل کا اس قدر دبدبہ تھا کہ کسی امیر کو جرات نہیں ہوتی تھی کہ مامون کو بگڑے ہوئے

۱۔ ابن اثیر، ابن کثیر۔ ۲۔ عید اللہ المہدی از حسن ابراہیم صفحہ ۳۳۔ ۳۔ ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۲۳۷۔ ۴۔ ابن کثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔ ۶۔ ابن اثیر۔ ۷۔ ابن کثیر۔

حالات سے آگاہ کرے۔ آخر حضرت علی الرضا نے مامون کی آنکھوں سے پردہ اٹھایا اور صاف صاف بتا دیا کہ عراق شورشوں اور فتنوں کی آماج گاہ بن چکا ہے۔ بنو عباس نے مشہور کر رکھا ہے کہ مامون سحرزدہ اور زندان نشین ہے، بنو عباس میری بیعت کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔ مامون نے امراء و اقرباء سے امام رضا کی تصدیق چاہی تو انہوں نے فضل بن سهل کے جوش انتقام سے بچنے کے لئے پہلے اس سے امان حاصل کی اور پھر امام رضا کی تصدیق کی۔ انہوں نے مزید بتایا کہ ہرثمہ اور طاہر تمہارے خیر خواہ تھے۔ تم نے فضل کے بہکاوے میں آکر ہرثمہ کو ہلاک کر دیا اور طاہر بن حسین کو رقتہ بھیج دیا جہاں وہ بے کار پڑا ہے اور تمہاری کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ مملکت کا طول و عرض شر و فساد سے معمور ہو چکا ہے۔ مامون نے یہ سن کر بغداد جانے کا فیصلہ کیا۔ ۱۔ فضل بن سهل کو حقیقت حال کا علم ہوا تو جن امراء نے مامون کے سامنے حالات کھولے تھے انہیں مارا پیٹا اور داڑھیاں نچوا دیں۔ ۲۔ حالانکہ انہیں مامون کی طرف سے امان حاصل تھی۔ مامون نے درگزر کیا اور فضل کو ہمراہ لے کر بغداد کی طرف کوچ کیا۔

سرخس کے مقام پر پہنچے تو چار غلاموں نے فضل بن سهل کو حمام میں مار دیا اور فرار ہو گئے۔ ۳۔ مامون نے ان کی گرفتاری پر دس ہزار دینار کا انعام کا اعلان کیا۔ وہ پکڑے گئے۔ مامون کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے پوچھا، تم نے فضل کو کیوں ہلاک کیا تھا؟ وہ بولے، تم نے ہی تو ہمیں اس کے قتل کا حکم دیا تھا۔ مامون نے ان کی گردنیں کٹوا دیں اور سر حسن بن سهل کے پاس بھیجے۔ ۴۔ حسن کو تعزیت کا خط لکھا اور فضل کی جگہ وزیر بنایا۔ حسن کی مزید دلجوئی کے لئے اسی سال اس کی بیٹی بوران سے نکاح کیا۔ ۵۔

مامون کا گزر رستہ میں طوس پر ہوا جہاں اس کا باپ ہارون کا مزار تھا۔ یہاں چند روز قیام کیا۔ ان ایام میں امام رضا نے انگور کھائے اور ان سے بیمار پڑ کر اچانک وفات پائی۔ مامون نے بہت رنج و غم کا اظہار کیا اور اپنے باپ کے پہلو میں دفن کیا۔ حسن بن سهل کو امام رضا سے بہت محبت تھی۔ اسے تعزیت کا خط لکھا ۶۔ کہا جاتا ہے کہ مامون نے امام رضا کو زہر دی تھی لیکن یہ محض افسانہ ہے۔

مامون نے بنو عباس کے عمائد کو خط لکھا کہ جس ہستی کے سبب تم مجھ سے بگڑتے تھے وہ وفات پاگئی۔ اس لئے اب اطاعت کر لو۔ بنو عباس نے سخت جواب دیا۔ حسن بن سهل کو پابہ زنجیر کر کے بند کر دیا گیا۔ مامون کو خبر ملی تو رفتار تیز تر کر دی۔ ۷۔ بغداد کا ایک حصہ مامون کا طرف دار تھا۔ وہ بدستور ابراہیم سے معرکہ آراء رہا۔ شہر کی حالت بد امنی کے سبب نازک تھی۔ مامونیوں کا پلہ بھاری ہونے لگا اور شہر میں مامون کا خطبہ جاری ہو گیا۔ اس کے فرستادہ لشکر نے شہر کو گھیر لیا۔ ابراہیم کی فوج نے روپیہ کے لالچ میں اس کے لشکر سے ساز باز کر لی۔ ابراہیم نے

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ ابن اثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔ ۶۔ ابن کثیر۔ ۷۔ ابن کثیر۔

یہ حالات دیکھے تو ردپوشی اختیار کی۔ یہ ۲۰۳ ہجری کا واقعہ ہے۔ ابراہیم تقریباً چھ برس ردپوش رہا۔ اس کے بعد مامون نے معاف کر دیا۔

المامون ہر منزل پر ایک دو دن قیام کرتا نہروان پہنچا۔ یہاں اس کے خاندان کے ارکان اور افسران فوج نے اپنے عساکر سمیت استقبال کیا۔ یہیں طاہر بن حسین بھی رقبہ سے آکر حاضر ہوا۔ مامون نہروان میں آٹھ روز مقیم رہا اور پھر شان و شوکت سے بغداد میں داخل ہوا۔ ۱۔

مامون بغداد میں بدستور سبز لباس پہنتا رہا۔ اہل بغداد نے بھی یہی رنگ اختیار کیا۔ بنو عباس اور قائدین نے باہمی مشورہ سے طے کیا کہ طاہر بن حسین منصور کے پاس حاضر ہو کر اس سے سیاہ پوشاک اختیار کرنے کی درخواست کرے۔ وہ آٹھویں روز طاہر جب مامون کے پاس حاضر ہوا تو مامون نے کہا اپنی حاجتیں طلب کرو۔ طاہر بولا، میری پہلی حاجت یہ ہے کہ آپ سیاہ لباس پہنیں کیونکہ یہ آپ کے آباء کا لباس ہے۔ مامون نے دربار لگایا۔ سیاہ پوشاک زیب تن کی اور امراء کو سیاہ خلعتیں دیں۔ شہر میں بھی سیاہ لباس رائج ہو گیا۔ ۲۔

### دوسرا دور

المامون ۲۰۳ ہجری میں بغداد آیا۔ اور زمام کار اپنے ہاتھ میں لے لی۔ یہاں سے اس کی خلافت کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اب سب امور مامون کی نگاہ میں تھے اور وہ اپنی صواب دید سے ہر معاملہ میں آزادانہ قدم اٹھاتا تھا۔

مامون کے بغداد میں مقیم ہونے کے بعد شورشیں برائے نام رہ گئیں۔ بابک خرمی اور نصر بن شبث بدستور باغی تھے لیکن ان کی جولاں گاہیں سرحدوں پر تھیں اور اندرونی امن و امان میں دخل انداز نہ تھے۔ قم، یمن اور کرمان کے علاقوں میں بغاوت ہوئی لیکن برائے نام تھی۔ البتہ مصر کی شورشیں قابل ذکر ہیں۔ یہاں ۲۱۰ ہجری کے بعد بغاوت کے شعلے وقتاً فوقتاً بھڑکے اور بجھتے رہے تاہم تشویش کی بات نہ تھی۔

اندرونی پریشانیوں سے خلاصی پانے کے بعد مامون اس قابل ہو گیا کہ بیرونی مہمات کی طرف قدم بڑھا سکے۔ اس کے عہد میں کابل کا بادشاہ اسلام لایا۔ ماوراء النہر کا بھی ایک بادشاہ حلقہ اسلام میں داخل ہوا۔ صقلیہ پر کامیاب حملے ہوئے اور کریٹ فتح ہوا۔

روم کا شہنشاہ اسلامی سلطنت سے طاقت آزمانے کے لئے ہمیشہ بے قرار رہتا تھا۔ ہارون نے رومیوں کی خوب گوشمالی کی تھی لیکن پھر بھی وہ نچلے نہ بیٹھ سکے۔ مامون نے اپنے اولوالعزم باپ کی طرح اس جہاد میں حصہ لیا۔ ۲۱۵ ہجری میں رومی علاقوں میں بڑھا۔ ایشیائے کوچک کے کچھ رقبے تسخیر کر کے واپس آیا۔ ۲۱۶ ہجری میں رومی شہنشاہ نے طرطوس میں مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد قتل کر ڈالی اور مامون کو ایک سخت خط لکھا۔ مامون نے یہ خط پڑھا تو اسی وقت اٹھا اور اس

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر، ابن اثیر۔

کے خریدنے چل دیا۔ اس نے کئی شہر زیر نگیں کیے۔ قیصر کو سامنے آنے کی جرات نہ ہوئی اور مامون لوٹ آیا۔ اگلے برس پھر گیا قیصر فرار ہو گیا اور امان کا طالب ہوا۔ مامون نے صلح کرنے سے انکار کر دیا۔ ۲۱۸ ہجری میں مامون نے اپنے بیٹے عباس کو رومی سرحد پر بھیجا اور حکم دیا کہ طوانہ کا شہر آباد کرو۔ مامون نے جا بجا سے مزدور اور کاریگر روانہ کیے اور یہ دفاعی شہر ایک مضبوط فصیل کے ساتھ تیار ہوا۔ ۱۔

**بوران کی عروسی :** المامون نے ۲۰۲ ہجری میں حسن بن سہل کی بیٹی بوران سے نکاح کیا تھا۔ ۲۱۰ ہجری میں عروسی کی رسم ادا ہوئی۔ مامون اپنے امرا اور خدم و حشم کے ساتھ حسن کا مہمان ہوا اور سترہ دن مقیم رہا۔ حسن بن سہل نے ضیافت پر پانچ کروڑ درہم خرچ کیے۔ عروسی کی شب مامون کو زر تار قالین پر بٹھایا گیا۔ بوران کی دادی ام فضل نے ایک ہزار نفیس تریوں موتی نچھاور کیے۔ حسن نے کاغذ کے پرزوں پر جاگیروں کے نام لکھ کر امراء پر بکھیرے۔ جس کے پاس کاغذ کا پرزہ آیا اس پر لکھی ہوئی جاگیر اس کے نام کر دی اس رات چالیس من عنبر جلایا گیا۔ ۲۔ اس وقت کے عطاروں کا من تقریباً اڑھائی چٹانک کا ہوتا تھا۔ یعنی پچیس سیر عنبر ہوا۔

**فتنہ خلق قرآن :** مامون کو عقائد میں بہت جستجو تھی۔ حقیقت تک پہنچنے کے لئے علماء میں مناظرے کراتا رہتا تھا۔ شروع میں اہل سنت و الجماعت سے وابستہ تھا۔ پھر شیعیت کی طرف راغب ہوا۔ ۲۱۱ ہجری میں اس نے اعلان کر دیا کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت کا قائل نہیں ہو گا میں اس کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیتا۔ ۳۔ کچھ عرصہ بعد وہ معتزلہ کے دام آ گیا۔ یہ گروہ اموی دور میں پیدا ہوا لیکن عوام اور حکومت کی مخالفت کی وجہ سے محدود رہا۔ ہارون کے عہد تک ان پر کڑی پابندی تھی۔ معتزلہ نے منجملہ دیگر انوکھے عقائد کے ایک عقیدہ یہ ایجاد کیا کہ قرآن مخلوق ہے اور جو آدمی اس کا اقرار نہیں کرتا وہ واجب القتل ہے۔

معتزلہ کا سارا سرمایہ عقل پرستی اور علم الکلام ہی تھا، اس لئے وہ بحث آرائی اور دلیل بازی میں بہت مشاق تھے۔ مامون کو علم الکلام اور مناظرات کی بہت لگن تھی اس لیے معتزلہ کے زیر اثر آ گیا اور ان کے عقائد قبول کر لیے۔ وہ فقط اپنے عقائد تک محدود رہتا تو کوئی حرج نہ ہوتا لیکن بد قسمتی سے اس نے تمام امت سے خلق قرآن کا عقیدہ جبراً منوانے کا تہیہ کر لیا۔

اہل سنت و الجماعت کے علماء بات بات پر عقل محض کی کارروائی کے قائل نہیں۔ وہ اکثر مسائل میں سکوت اختیار کرتے ہیں۔ خلق قرآن کے مسئلہ میں بھی انہوں نے اس عقیدہ کا اظہار کیا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑتے کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق مامون کو یہ گوارا نہ تھا۔ اس نے ۲۱۸ ہجری میں اپنے عقیدہ کی شد و مد اور جو رد جفا سے اشاعت

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر، ابن اثیر۔ ۳۔ ابن اثیر، دول الاسلام۔

شروع کی۔ جن علماء نے ہم لوائی نہ کی انہیں پابند سلاسل کیا، اور بعض کے گلے کٹوا دیے۔  
 المامون نے بغداد کے قاضیوں اور محدثین کی طرف خصوصی دھیان دیا۔ ان دنوں وہ  
 طرسوس میں تھا۔ اس نے بغداد کے حاکم اسحاق بن ابراہیم کو لکھا کہ شہر کے قاضیوں اور علماء کو  
 بلا کر ان سے خلق قرآن کا اقرار لو۔ جو تسلیم نہ کرے اسے میرے پاس بھیج دو۔ شہر کے متعدد  
 محدثین اپنے عقیدہ پر قائم رہے۔ اسحاق نے انہیں زنجیروں میں جکڑ کر طرسوس روانہ کیا۔ انہیں  
 میں امام احمد بن حنبل بھی تھے۔ ان حق کوشوں کا قافلہ ابھی راہ میں تھا کہ مامون کی موت کی خبر  
 آئی۔ ا۔

مامون کو جس شخص نے ان مظالم پر اکسایا وہ اس کا منظور نظر عالم احمد بن ابی دواد تھا۔  
 مامون نے مرنے سے پہلے اپنے جانشین معتصم کو وصیت کی کہ احمد کا خیال رکھنا۔

مامون کی وفات : مامون نے ۲۱۸ ہجری میں ۴۸ برس کی عمر میں طرسوس کے مقام پر وفات  
 پائی۔ مدت خلافت بیس برس ہے۔ ۲۲ وفات سے قبل اپنے بھائی معتصم کو جانشین کر گیا۔

اوصاف و اخلاق : مامون عالم تھا اور علماء کا قدردان۔ سخاوت کی صفت سے بھی آراستہ  
 تھا۔ آئے دن لوگوں کو گراں بہا عطیات سے نوازتا تھا۔ خلق قرآن کے مسئلہ میں اس نے نہایت  
 سنگدلی کا مظاہرہ کیا لیکن ویسے وہ بہت فراخ دل تھا۔ بڑے سے بڑے دشمنوں کو معاف کر دیتا  
 تھا۔ فضل بن ربیع ایسا دشمن جب جان بخشوانے آیا تو معافی دے دی۔

### مامونی عہد پر تبصرہ

المامون کے عہد حکومت کے بارے میں ہم دیکھ آئے ہیں کہ یہ دو حصوں میں تقسیم تھا۔  
 پہلا دور وہ ہے جب وہ کار خلافت سے بے خبر خراسان میں بیٹھا علمی بحثیں سن رہا تھا اور نظام  
 کار روز بروز مختل ہوا جاتا تھا۔ ان دنوں مامون کو مسند شہسوی سے کوئی خاص شوق نہ تھا۔ پہلے اس  
 نے خلافت امام رضا کو سونپنا چاہی اور پھر انہیں اپنا جانشین نامزد کرنے پر اکتفا کیا۔ دوسرا دور وہ  
 ہے جب وہ بغداد میں منتقل ہوا اور سیاہ و سفید اپنے ہاتھ میں لیا۔

مامون اپنے پیشرو عباسی خلفاء کی طرح جہاں داری کے جوہروں سے مالا مال تھا۔ اب اس  
 نے ہر کام کو خود زیر نگاہ رکھا۔ وزراء و عمال سب کی نگرانی کرتا تھا۔ اس نے پوری قلمرو کا دورہ  
 کیا۔ وہ پہلا عباسی خلیفہ ہے جس نے مصر کا سفر کیا اور دیہات میں پھر کر حالات کا جائزہ لیا۔

عباسی عہد میں وزیر کا عہدہ کلیدی حیثیت رکھتا تھا۔ مامون کی رائے وزیر کے بارے میں یہ  
 تھی کہ صاحب عفت اور شستہ آداب ہو، پختہ رائے رکھتا ہو، راز کی حفاظت کرے۔ علم اور  
 علم سے بہرہ ور ہو، امیرانہ دبدبہ رکھتا ہو، علماء کی طرح بے غرور اور فقہا کی طرح خرد مند ہو۔

۱۔ ابن اثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔

مامون نے یہ اوصاف وزیر کے لئے لازم قرار دیے تھے لیکن اس کی سیرت و کردار کا مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ ان میں سے کوئی وصف نہ تھا جو خود مامون میں بھی بمرتبہ کمال موجود نہ ہو۔ مامون کی ہمہ گیر اور بوقلموں شخصیت امراء و رعیت سب پر حاوی ہو گئی۔ وہ اپنے باپ ہارون الرشید کی طرح خوش ذوق، باشعور اور حامی علم و دین تھا۔ اس لیے ہارون کے عہد نے جو زرین رنگ اختیار کیا تھا اس کی تابانی میں فرق نہ آنے دیا۔

**نظم و ضبط:** مامون کے نظم و انضباط میں مندرجہ ذیل عناصر نظر آتے ہیں:

۱۔ نرمی و سخت گیری کا خوش گوار امتزاج: مامون حکومت کے معاملہ میں سخت گیر اور بے لاگ تھا۔ لیکن ذاتی معاملات میں انتہا کا متحمل اور نرم مزاج تھا۔ کہا کرتا تھا کہ اگر لوگوں کو میرے حلم و عفو کا علم ہو تو میرا خوف ان کے دلوں سے جاتا رہے ملازم بعض دفعہ اکڑ جاتے اور وہ نظر انداز کر دیتا۔ ایک دن کشتی میں سوار تھا۔ ایک ملاح کو دوسرے شخص سے کہتے سنا کہ مامون اپنے بھائی کو قتل کرنے کے بعد مجھے کیوں کر اچھا لگ سکتا ہے۔ مامون اپنے حاشیہ نشینوں سے فقط اتنا کہہ کر چپ رہ گیا کہ کیا کوئی مجھے بتا سکتا ہے کہ میں اس جلیل القدر ہستی کی نگاہ میں کیسے عزت پاؤں۔ ۱۔

۲۔ خبر گیری: مامون رعایا کے احوال سے باخبر رہنے کی ہر ممکن کوشش کرتا تھا۔ ہارون بھیس بدل کر خود گلیوں میں پھرتا تھا لیکن مامون نے جاسوسی نظام پر زور دیا۔ صرف بغداد کے شہر میں سترہ سو بڈھی عورتیں جاسوسی پر مامور تھیں۔ مرد جاسوسوں کا قیاس کر لو۔ نتیجہ یہ کہ مامون لاتعداد افراد سے ذاتی طور پر مکمل آگاہی رکھتا تھا۔ ۲۔

۳۔ احتساب: احتساب کا شعبہ حضرت عمرؓ کے وقت سے قائم تھا۔ مامون کے عہد میں محتسب پیادوں کو لے کر گلی کوچوں میں پھرتا تھا۔ ”اس کو ان باتوں کی خبر گیری کرنی ہوتی تھی کہ بازاروں یا عام مجمعوں میں کوئی امر خلاف شریعت نہ ہونے پائے۔ جانوروں پر ان کی طاقت سے زائد بوجھ نہ لادا جائے۔ کشتی میں زیاد آدمی سوار نہ ہونے پائیں۔ رستہ پر یا سڑک پر جو مکانات گرنے کے قریب ہوں ان کو مالکوں سے کہہ کر گروا دے۔ جو معلمین لڑکوں پر زیادہ سخت کرتے ہوں ان کو سزا دے۔ کوئی شخص ترازو یا پیمانہ وزن سے کم رکھنے نہ پائے۔“ (المامون شبلی) مامون نے پیانوں میں یکسانی پیدا کی۔ ۳۔ تاکہ کمی بیشی نہ ہو سکے۔

۴۔ دیوان المظالم: جن قضیوں میں فقہی باریکیوں کا سوال نہیں اٹھتا تھا اور ظلم کی فوری تلافی ضرورت ہوتی تھی وہ والی المظالم کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ وہ فوراً ان کا تصفیہ کرتا تھا۔

مامون کی فریاد رس طبیعت فقط والی المظالم کی کارگزاری پر کیسے مطمئن ہو سکتی تھی۔ پیر کے روز وہ خود مظالم کے دفعیہ کے لئے اجلاس کرتا تھا۔ ۴۔

۱۔ ابن کثیر ص ۲۷۸-۲۷۹۔ مستطرف جلد ۱ باب ۴۳ عصر المامون۔ ڈاکٹر رفائی، المامون شبلی۔ ۳۔ یغور ص ۲۲-۲۳۔ سیوطی، احکام السلطانیہ ماوردی۔

۵۔ متولی الیل : شہر کے شاہنہ نظم و ضبط کے لئے متولی اللیل کا عہدہ تھا۔ وہ غنڈوں اور معاشرہ دشمن افراد کی خبر لیتا تھا۔

عدلیہ : عدالتی انصاف مامون عہد میں اسلامی روایات کے موافق بلند معیار پر قائم رہا۔ قابل اور صاحب کردار قاضی مامور تھے۔ ان کی بیش قرار تنخواہیں مقرر تھیں تاکہ رشوت کی طرف رخ نہ کریں۔ اگر ہارون کو قاضی ابو یوسف ایسی زندہ جاوید ہستی میسر آئی تو مامون کو یحییٰ بن اکثم ایسے لازوال شہرت کے قیسہ کی خدمات سے فائدہ پہنچا۔ یحییٰ نہایت قابل اور بے خوف قاضی تھے۔ مامون کو غلط اقدامات پر رو در رو ٹوکنا انہی کا کام تھا۔

قاضی یحییٰ کی بے خوفی اور مامون کی انصاف دوستی کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص نے مامون پر تیس ہزار کا دعویٰ کیا۔ دونوں قاضی یحییٰ کے سامنے پیش ہوئے مدعی نے مامون کے بیٹھنے کے لئے چٹائی بچھائی۔ قاضی نے مدعی سے کہا کہ اپنے حریف کو عدالت میں شرف مجلس نہ دو۔ مدعی کے پاس چونکہ ثبوت نہ تھا اس لیے قاضی نے مامون کو قسم دلانا چاہی۔ مامون نے مدعی کو مطلوبہ رقم دے دی اور کہا یہ رقم اس لیے دیتا ہوں کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ میں نے زبردستی تمہارا مال مار لیا۔ ۱۔

فیصلوں کا ریکارڈ رکھنے کا اہتمام حضرت معاویہؓ کے عہد سے تھا۔ بعد میں وقتاً فوقتاً اس ضمن میں مزید اہتمامات ہوتے رہے۔ مامون کے عہد تک عدالتی ریکارڈ بہت مضبوط صورت اختیار کر گیا۔

مالیات : مامون کے عہد تک محاصل میں اس قدر اضافہ ہو چکا تھا کہ اس نے مالیہ کی شرح گھٹا دی۔

فوج : مامون کے ایام میں جس قدر مستقل فوج تھی اس سے قبل کسی خلیفہ کے عہد میں نہ تھی۔ ۲۔ اس کی تعداد تقریباً ۳۰۰۰۰۰ دو لاکھ تھی۔ سواری اور ہتھیار سرکار کی طرف سے ملتے تھے۔

بحریہ : اموی عہد میں تیونس میں جہاز سازی کا جو کارخانہ قائم ہوا تھا مامون نے اسے اور پھیلایا۔ بحری بیڑا بہت وسیع ہوا۔ آتش باز جہاز بھی بنائے گئے۔ جنہیں حراکہ کہتے تھے۔ ۳۔

علم و حکمت : علم و حکمت کی تحریک جسے منصور نے اٹھایا اور ہارون نے آگے بڑھایا مامون کے عہد میں انتہائی منزلوں تک پہنچ گئی۔ مامون حافظ قرآن تھا۔ فقہ و حدیث اور ادب و شعر میں بہت دستگاہ رکھتا تھا۔ اس نے منقولات سے بھی زیادہ دلچسپی معقولات میں لی اور آخر اس نتیجہ تک پہنچا کہ اشاعت دین کا صرف یہی ذریعہ ہو سکتا ہے کہ اسے عقل کی بارگاہ میں صحیح اور درست ثابت کیا جائے۔ اس نے ایک مجلس مذاکرہ قائم کی جس میں سب ادیان پر تقاریر اور

۱۔ مستطرف باب اول صفحہ ۱۳۸۔ ۲۔ مینور ۶۔ ۲۲۔ ۳۔ المامون ثبلی۔ ۴۔ المامون ثبلی۔



مباحثے ہوتے تھے۔ مامون کی یہ دھن بڑھتے بڑھتے یہاں تک بڑھی کہ وہ مسلمان کے عقلیت پرست گروہ معتزلہ کا شکار ہو گیا اور ان کے کہے میں آکر خلق قرآن کا فتنہ اٹھایا اور علمائے حق کو دکھ دیے۔ تاہم عقلی علوم منافع سے خالی نہ تھے۔ ان سے ملک کی معیشت و معاشرت کو بہت فائدے پہنچے۔

مامون نے ارباب علم و فن کو اپنے گرد اکٹھا کیا اور ان سے متفرق علوم میں کتابیں تصنیف کرائیں۔ اس نے خود بھی تین کتابیں لکھیں۔ ایک تو تبلیغی خط تھا جو برغز یعنی بلغاریہ کے شاہ کو تحریر کیا تھا۔ ایک کتاب علامات نبوت میں تھی اور ایک خلفائے راشدین کے مناقب میں۔ فراء نحوی اس سے وابستہ تھا اور اس کے بیوں کا اتالیق تھا۔ اس سے نحو اور معانی میں ایک کتاب لکھوائی جس کی اطباء کثیر التعداد لوگوں نے کی جن میں اسی قاضی تھے۔ اہ الجبرا کی بنیاد بھی مامون کے حکم سے رکھی گئی۔

**بیت الحکمت :** المامون کے عہد میں دارالحکمت کی سرگرمیاں بدستور جاری رہیں یوحنا بن اسویہ (ماس ویہ) اب بھی اس کا افسر اعلیٰ تھا۔ بڑے بڑے ماہرین فن اس کے معاون تھے۔ مامون نے کتب خانہ میں قدیم کتابیں، دستاویزیں اور دیگر علمی یادگاریں ڈھونڈ ڈھونڈ کر مہیا کیں۔ یونانی کتب کا ایک ذخیرہ ہارون الرشید ایشیائے کوچک سے لایا تھا۔ مامون نے ان پر یوں ضافہ کیا کہ شاہ روم کے پاس حکماء کا ایک وفد بھیجا۔ اس نے اپنے ہاں کا ایک قدیم اور سربستہ کتب خانہ ان کے آگے کھول دیا۔ یہ حکماء کام کا سرمایہ چھانٹ کر ساتھ لائے اور دارالحکمت میں ان کے ترجمہ کا آغاز ہوا۔ ۲۔ ان میں اکثر فلسفہ کی کتابیں تھیں۔ ان کے ترجموں کی عام اشاعت ہوئی۔

**بیت الحکمت کی ممتاز ترین ہستیوں میں** حنین بن اسحاق، محمد بن موسیٰ خوارزمی اور یعقوب کندی تھے۔ حنین بن اسحاق فلسفہ کا ماہر تھا۔ اس نے کتابوں کی تلاش میں جگہ جگہ کی خاک چھانی۔ اور پھر انہیں عربی کے خوب صورت قالب میں ڈھالا۔ اس نے ایک سو سے زائد کتابوں کو ترجمہ کا لباس پہنایا۔ خوارزمی وہ ہستی ہے جس نے جبرو مقابلہ (الجبرا) پر دنیا کی پہلی کتاب لکھی۔ یہ مامون کی فرمائش کا نتیجہ تھی۔ یعقوب کندی فلاسفہ عالم میں ممتاز مقام رکھتا ہے۔ علم نجوم و ہیئت : علم نجوم کے سلسلہ میں کئی تحقیقات ہوئیں اور ایک نئی ذبح وجود میں آئی جس کو ذبح المامونی کہا جاتا ہے۔ یہ دنیا بھر کی ذبجوں سے بازی لے گئی۔ اجرام فلکی کے مطالعہ کے لئے ایک عظیم الشان رصد گاہ قائم ہوئی جس میں مایہ ناز علماء کام کرتے تھے۔

ہیت کے ماہرین میں خوارزمی کا نام سرفہرست تھا۔ مامون کے حکم سے زمین کی گولائی کا اندازہ کیا گیا جو ۲۴ ہزار میل نکلا۔

۱۔ شذرات الذهب ۲۔ الفہرست۔

تابناک دور : مامون کا عہد ہر لحاظ سے بنو عباس کا تابناک ترین عہد تھا۔ منصور، ممدی اور ہارون کی ان تھک مسماعی کا مشترکہ ورثہ مامون کے حصہ میں آیا۔ اس نے خداداد قابلیت اور شبانہ روز محنت سے اسے چار چاند لگائے۔ انصرام اور نظم و ضبط کا یہ عالم کہ کوئی جرم پوشیدہ نہ رہ سکتا اور نہ مجرم سزا سے بچ سکتا تھا۔ امن شکنی کا حوصلہ کرنا آسان نہ تھا۔ شہر آباد اور رستے پر امن تھے۔ ملک میں غلہ کی بہتات تھی اور آمدن کثیر تھی۔ احتیاج کے پھندے ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے۔ ”مامون نے ملک کے ہر حصے میں معذور، اباہج، بیوہ، یتیم سب کے روزینے جاری کر دیے۔ جو آدمی کام سے نہیں لگا ہوتا تھا اس کے لیے کام مہیا کیا جاتا تھا یا اسے وظیفہ ملتا تھا۔“

۱۔ مامون نے وزیر زادی بوران سے شادی کی تو انیس دن تک جب کہ برات وزیر کے ہاں مہمان تھی چکا چونکہ عالم تھا۔ تقریباً پانچ کروڑ درہم خرچ ہوئے۔ جن سے بغداد کے امراء و غریبا سب نے برابر کا خذ اٹھایا۔

حکومت کے میلان سے رعیت بھی متاثر ہوتی ہے۔ مامون اور امراء و حکما کی مسماعی سے بغداد کی سر زمین سے علم و حکمت کے وہ بھرپور سوتے جوش زن ہو کر رواں ہوئے جنہوں نے صدیوں نہ صرف عالم اسلام بلکہ یورپ کے ذوق علم کو بھی سیراب رکھا۔ صنعت و حرفت نے آسائش اور آرائش بہم پہنچائیں۔ زندگی فرحت و مسرت کی گود میں کھیلنے لگی۔

عہد مامونی کی نعمتیں صرف اہل اسلام کے لئے تھیں بلکہ اہل ذمہ کے لیے بھی وقف تھیں۔ بغداد میں عیسائیوں کی کثیر تعداد آباد تھی۔ یہ لوگ چین سے اپنے نو تعمیر گرجوں میں عبادت کرتے تھے۔ طب اور فلسفہ کی اقلیم پر بالعموم عیسائیوں کا قبضہ تھا۔ ان کے علماء قتل رشک مشاہرے اور صلے وصول کرتے تھے اور شاہانہ ٹھاٹھ رکھتے تھے۔

المامون کا بیرونی دنیا پر بھی رعب و داب تھا۔ اس کی بری اور بحری فوج نے بڑے بڑے ملکوں کو ہلا دیا تھا۔ اس کو اسلامی عظمت کا بہت خیال رہتا تھا۔ ایک دفعہ شاہ روم نے اسے قیمتی تحفے بھیجے۔ مامون نے کہا کہ اس کے عوض دو گنا تحائف بھیجو تاکہ اسے اسلامی غلبہ کا احساس

ہو۔ ۲۔

مامونی جلال ہمیں ولیدی عظمت کی یاد دلاتا ہے۔ ان دونوں فرمانرواؤں میں بہت حد تک مماثلت نظر آتی ہے۔ ولیدی اول کی سطوت بھی نہ صرف مملکت کے اندر بلکہ باہر بھی مسلم تھی۔ اس کا عہد بھی فراغت اور راحت کا عہد تھا۔ محتاجوں اور ضرورت مندوں کے روزینے جاری تھے۔ علم کی گرم بازاری تھی۔

۱۔ المامون شہلی۔ ۲۔ فوات الوفاات۔

## معتصم باللہ

۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ ۸۳۳ء تا ۸۴۱ء

**تعارف :** معتصم مامون کا بھائی تھا اور اسی کی طرح کنیز زادہ۔ اس کی ماں کا نام مارودہ تھا۔ ۱۸۰ھ میں پیدا ہوا۔ اگرچہ علمی لیاقت نہ رکھتا تھا تاہم مامون نے اسے اپنی اولاد پر ترجیح دی اور جانشین نامزد کیا۔

**بابک خرمی :** بابک نے مامون کے عہد میں ظہور کیا تھا۔ وہ اسے زیر کرنے میں ناکام رہا۔ اس کا مذہب حیزی سے پھلنے لگا۔ خلق کثیر اس کی پیروی ہو گئی۔ معتصم نے اس کے خلاف بڑے بڑے لشکر بھیجے۔ خرمیہ ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے تاہم ان کا زور شور بڑھتا گیا۔ ۲۲۰ھ میں معتصم نے حیدر بن یکاؤس کو جو اقسین کہلاتا تھا بابک پر فوج کشی کے لیے بھیجا۔ بابک پر تپچ اور دشوار گزار پہاڑیوں میں رہتا تھا۔ اقسین نے نہایت ہوشیاری سے جنگ کا نقشہ بنایا اور قلعوں اور کمین گاہوں سے خوب کام لیا۔ بابک اور اقسین کے درمیان ایک خوفناک جنگ ہوئی۔ بابک کے ایک لاکھ سے زیادہ مرید ڈھیر ہوئے اور وہ برے حالوں اپنے شہر البد میں جا کر قلعہ گیر ہو گیا۔ اقسین کو اس مہم پر دو برس گزر گئے۔ معتصم نے ۲۲۲ ہجری میں اس کی مدد پر ایک لاؤ لشکر بھیجا۔ اقسین نے البذ فتح کر کے خوب تاراج کیا۔ بابک اپنے اہل و عیال کے ساتھ رومی سلطنت میں پناہ لینے کی نیت سے بھاگا۔ رستہ میں معتصم کا ایک حاکم خیر خواہی کا اظہار کر کے اسے اپنے قلعہ میں لے آیا اور اقسین کو اطلاع کر دی۔ اس کے امیروں نے آکر گرفتار کیا اور اقسین کے پاس لائے۔ اقسین اسے لے کر خلیفہ کی طرف روانہ ہوا۔ معتصم کو یہ خبر سن کر اس قدر خوشی ہوئی کہ اقسین کے استقبال کے لیے اپنے بیٹے واثق کو بھیجا۔ خود پوشیدہ طور سے گیا اور ایک دو دن پہلے بابک کو راستے میں پہلے دیکھ آیا۔ معتصم نے بابک کو ہاتھی پر بٹھا کر شہر میں پھرایا۔ پھر اس کے ہاتھ پاؤں کٹوائے۔ سر قلم کروایا اور بطن چاک کرنے کا حکم دیا۔ اس کا سر خراسان میں بھجوا دیا اور اپنے پایہ تخت سامرا میں آویزاں کر دیا۔ بابک نے بیس برس کی مدت میں تقریباً ڈھائی لاکھ مسلمانوں کا خون بہایا تھا اور بے شمار لوگوں کو قید و بند میں ڈالا تھا۔ تقریباً آٹھ ہزار آدمی اقسین نے اس کی غلامی سے نکالے۔ معتصم نے اقسین کے سر پر تاج رکھا اور جواہر کی مالا پہنائی۔ اسے سندھ کی ولایت عطا کی اور شاعروں کو حکم دیا کہ اس کی مدح کریں۔ ۱۔

بابک کا فرقہ اس کے مرنے کے بعد بھی ایک طویل مدت تک قائم رہا۔ ۲۔

**محمد بن قاسم علوی :** ۲۱۹ھ میں محمد بن قاسم علوی نے خراسان میں عباسی حکومت کے خلاف تحریک اٹھائی اور ایک بڑی جماعت پیدا کر لی۔ حکومت نے متعدد معرکوں کے بعد آپ کو گرفتار کر

کے قید میں ڈال دیا۔ آپ کسی طرح فرار ہو گئے۔ بعد میں آپ پر کیا گزری آج تک معلوم نہیں ہو سکا۔ ۱۔

مازیار بن قارن کی بغاوت ۲۲۲ھ: طبرستان میں ایک شخص مازیار نام نے بغاوت کا علم بلند کیا۔ اس کی بابک سے بھی ساز باز تھی۔ طبرستان عبداللہ بن طاہر کا علاقہ تھا۔ اقسین عبداللہ کا زور توڑنے اور اس کی ولایت حاصل کرنے کے لیے مازیار کا دل بڑھاتا تھا۔ عبداللہ نے مازیار کے خلاف ایک لشکر بھیجا۔ طویل جھڑپوں کے بعد مازیار گرفتار ہوا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اقسین کی میرے ساتھ خط و کتابت ہے۔ عبداللہ نے اسے معتم کے پاس بھیجا۔ اس نے مروا کر اس کی لاش کو پاپک کے برابر لٹکوا دیا۔ ۲۔

اقسین کا قتل ۲۲۵ھ: معتم کے دل میں قوی شبہ تھا کہ اقسین کی مازیار سے گٹھ جوڑ تھی۔ اس کے بعد خبر رساںوں نے اطلاع دی کہ اقسین بغاوت کی تیاریاں کر رہا ہے۔ معتم نے اسے فوراً گرفتار کر کے ایک نہایت تنگ کمرہ میں بند کروا دیا۔ معتم نے اکابر سلطنت کی ایک مجلس منعقد کی اور اقسین کو سامنے لا کر الزام لگایا کہ تم دکھاوے کے مسلمان ہو۔ باطن ابھی تک بت پرست ہو۔ تم نے ایک امام اور ایک موزن کو محض اس لیے ہزار ہزار کوڑوں کی سزا دی ہے کہ انہوں نے بت کدے میں مسجد بنالی تھی۔ تمہارے پاس کلیہ و دمنہ کی سونے اور جواہر سے آراستہ مصور کتاب ہے۔ عجم کے لوگ تمہیں خط لکھتے ہیں تو بندہ معبود سے خطاب کرتے ہیں۔ تم جھٹکے کو ذبیحہ پر ترجیح دیتے ہو۔ اقسین ان اعتراضات کا خاطر خواہ جواب نہ دے سکا۔ معتم نے اسے قید میں لوٹا دیا۔ اقسین نے ۲۲۶ھ میں وفات پائی۔ خلیفہ نے اس کا بخہ جلوایا اور خاکستر دجلہ میں بہا دی۔ اقسین کے بعد اس کے گھر سے سونے اور جواہر سے لدے ہوئے بت اور مجوسیت کے حق میں کتابیں لٹکیں۔ ۳۔

مبصرقع: ۲۲۷ھ ہجری میں ابو حرب نامی ایک شخص نے شام میں بغاوت کر دی۔ یہ المبصرقع الیمانی یعنی یعنی نقاب پوش کے نام سے مشہور ہوا۔

بغاوت کی وجہ یہ تھی کہ ابو حرب کی غیر حاضری میں ایک لشکری نے اس کے گھر میں قیام کرنا چاہا۔ اس کی بیوی نے روکا تو لشکری نے اسے پیٹا جس کا نشان اس کی کلائی پر پڑ گیا۔ ابو حرب گھر آیا۔ اسے واقعہ معلوم ہوا تو لشکری کو قتل کر دیا۔ اور پہاڑوں میں بھاگ گیا۔ حکومت کی نگاہوں سے بچنے کی خاطر نقاب اوڑھے رکھتا تھا، اس لیے اسے المبصرقع کہتے تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعلیم دیتا تھا اور خلیفہ کی مذمت کرتا تھا۔ دیہات والوں کو اس سے بڑی عقیدت ہوئی۔ کہنے لگے یہ وہی سفیانی ہے جس کے بارے میں سنتے ہی کہ تمام پر حکومت کرے گا۔ معتم نے رجاء بن ایوب کو مبصرقع کے خلاف روانہ کیا۔ اس نے دیکھا کہ مبصرقع کے پاس

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن کثیر۔

لا تعداد مخلوق جمع ہے۔ اس نے خیال کیا کہ یہ کاشتکار لوگ ہیں۔ جب کھیتی کے دن آئیں گے تو سب چل دیں گے۔ اس لیے مناسب وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ رجاہ کا اندازہ ٹھیک نکلا۔ مبرقع کے پاس ایک قلیل تعداد رہ گئی تو وہ اسے گرفتار کر کے معتمم کے پاس لے گیا۔ ۱۔

زط کی بغاوت : زط یعنی جاٹوں نے بصرہ کے نواح میں مامون کے عہد سے فتنہ فساد برپا کر رکھا تھا۔ معتمم کے عہد میں بال بچوں سمیت ان کے ستائیس ہزار آدمی قید ہوئے۔ اس نے انہیں شامی سرحد پر بھیج دیا۔ رومیوں نے ان پر حملہ کیا اور ایک ایک کر ختم کر دیا۔ ۲۔

عباس بن مامون : معتمم رومی محاذ سے واپس آ رہا تھا کہ شام کے علاقہ سے گزرا تو المامون کے بیٹے عباس نے بعض فوجی افسروں کی ترغیب سے اس کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا۔ راز فاش ہو گیا۔ خلیفہ نے عباس کو قید کر دیا۔ کئی روز اسے بھوکا رکھا پھر بہت سا کھانا اس کے آگے رکھوا دیا۔ اس نے پیٹ بھر کر کھایا اور پانی مانگا۔ کسی نے ایک قطرہ تک نہ دیا۔ عباس پیاسا تڑپ کر مر گیا۔ معتمم نے مامون کی اولاد سے اور بھی کئی افراد کو موت کے گھاٹ اتارا۔ ۳۔

رومی محاذ : بابک جب اپنے شہر میں محصور ہوا تو شاہ روم کو لکھا کہ اسلامی افواج میرے ساتھ الجھی ہوئی ہیں۔ اطراف ملک غیر محفوظ ہیں۔ تمہارے لیے موقع ہے ملحقہ اسلامی علاقوں پر دھاوا کر دو۔ ۲۲۳ھ میں رومی شہنشاہ توفیل بن میخائل ایک لاکھ سپاہ کے ساتھ نکلا۔ یہاں کے زندیقوں نے بھی اس کا ساتھ۔ ملطیہ اور اس کے مضافات کے مسلمانوں پر غارت کی۔ لا تعداد مسلمانوں کو قتل و قید کیا۔ ایک ہزار عورتیں اسیر ہوئیں۔ جو مسلمان ہاتھ آئے ان کے ناک اور کان کاٹ ڈالے اور آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا دیں۔ ۴۔

معتمم کو ان حالات کی خبر ہوئی۔ جب ایک ہاشمی عورت کو رومیوں نے گرفتار کیا تو اس نے چلا کر کہا، اے معتمم تیری دہائی ہے۔ معتمم نے یہ الفاظ سنے تو اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے ہی جواب دیا، لہیک لہیک (میں حاضر ہوا، میں حاضر ہوا) فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور تیاری کا حکم دیا۔ ۵۔ قاضی اور گواہوں کو بلا کر وصیت کی کہ میری جاگیر کا ایک تہائی حصہ صدقہ ہے۔ ایک تہائی اولاد کے لیے اور ایک تہائی آزاد کردہ غلاموں کے لیے ہے۔ ۶۔

معتمم نے چند سرداروں کو ہراول کے طور سے نہایت تیز رفتار سے بڑھنے کا حکم دیا۔ شاہ روم کو دور ہی سے خبر ملی تو اپنے علاقہ میں گھس گیا۔ ان سرداروں نے واپس آ کر خلیفہ کو اطلاع کر دی۔ بابک سے فارغ ہونے کے بعد معتمم خود قیصر کی گوشالی کو روانہ ہوا۔ معتمم کی فوج گراں، ساز و سامان اور آلات حرب سے لدے ہوئے جانوروں نے حرکت کی تو یوں معلوم ہوا کہ پہاڑ جنبش میں آگئے ہیں۔ اس سے قبل کسی خلیفہ نے اتنے بھاری لشکر کے ساتھ کوچ نہیں

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن کثیر۔ ۴۔ ابن کثیر۔ ۵۔ ابن کثیر۔ ۶۔ ابن کثیر۔ ابن کثیر۔

کیا تھا۔ شاہ روم خود سامنا کرنے آیا۔ طرسوس کے قریب فریقین چار فرسخ کے فاصلہ سے خیمہ زن ہوئے۔ اقسین جو دوسری طرف سے آیا تھا۔ رومی فوج کے عقب پر جا نکلا۔ شاہ روم نے لشکر کا ایک حصہ معصم کے مقابلہ پر چھوڑا اور اقسین سے لڑنے لگا۔ وہاں سے منہ کی کھا کر نکلا تو دیکھا کہ باقی لشکر پہلے ہی منتشر ہو چکا ہے۔ اسے بھی عاقبت کی راہ تلاش کرنی پڑی۔ اسلامی عساکر یہاں سے چلے اور انقرہ کے مقام پر اکٹھے ہوئے۔ معصم نے کل فوج کو تین حصوں میں بانٹا۔ قلب میں خود رہا اور دائیں بائیں دو دو فرسخ کے مقابلہ سے اقسین اور اشناس کو کمان سونپ کر عدد کی سر زمین کو پامال کرتا اور ظالموں کو ان کے ظلم کا بدلہ دیتا بے روک بڑھتا گیا۔ انقرہ سے ساتھ منزل کا سفر کر کے عموریہ پہنچا۔ ۱۔

عموریہ کا شہر رومی حکومت کا دل تھا۔ قسطنطنیہ سے بھی بڑھ کر اہمیت رکھتا تھا۔ آج تک مسلمان فاتحین کے قدم یہاں تک نہیں آئے تھے۔

اسلامی عساکر نے عموریہ کو گھیر لیا۔ شہر کی فصیل نہایت سنگین تھی۔ اس پر بلند اور عظیم برج تھے۔ معصم نے ایک ایک برج کے سامنے ایک ایک امیر مقرر کیا۔ ۲۔ شہر والے فصیل کی طرف سے مطمئن تھے۔ شہنشاہ کی مدد کا انتظار کرنے لگے۔ اس نے ان کے لیے تقدیر کی مدد کافی سمجھی۔

پچیس روز تک محاصرہ جاری رہا۔ فصیل پر سنگ باری ہوتی رہی لیکن ٹوٹنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ عموریہ میں ایک مسلمان عیسائیت لا کر اور وہیں شادی کر کے مقیم تھا۔ اسلامی فوج آئی تو وہ اسلام لے آیا اور ایک قابل شکست جگہ کا سراغ دیا۔ مجاہدین نے اس جگہ شکاف ڈال دیا۔ لیکن محصورین نے بڑی بڑی لکڑیوں سے اسے پر کر دیا۔ انہوں نے شہنشاہ سے مدد کی درخواست کی۔ وہ کمک بھیجنے سے معذور تھا۔ فصیل کے گرد خندق تھی۔ اسلامی سپاہ نے اسے بھر دیا اور فصیل شکن آلات لگا کر شکاف جگہ کو اور چوڑا کر دیا۔ اس مقام کے رومی سالار نے دیگر سالاروں سے مدد طلب کی لیکن انہوں نے صاف جواب دیا کہ ہم اپنے ٹھکانوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ امیر معصم کے پاس چلا آیا۔ اسلامی لشکر تکبیر کے نعرے مارتا شکاف میں سے اندر داخل ہو گیا۔ شہر کے حاکم نے کچھ دیر مقابلہ کیا لیکن آخر گلے میں تلوار لٹکائے عاجزانہ انداز سے خلیفہ کے سامنے پیش ہوا۔ ۳۔

ترکوں کی آمد : معصم کے پاس تقریباً بیس ہزار ترکی جوان تھے۔ لیکن معصم نے انہیں فراغانہ کی نسبت سے فراغانہ کہتا تھا۔ ترک نوجوانوں کی اس قدر عظیم درآمد سے معصم کا مطلب غالباً یہ تھا کہ عربوں اور خراسانیوں سے بے نیاز ہو کر اپنی حفاظت کے لیے الگ الگ جتھے : بے عراق کے لوگ اعتماد کے قابل نہ تھے۔ اس لیے بنو امیہ نے اپنا مرکز حکومت شام میں رکھا تھا۔ بنو

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ ابن کثیر، ابن اثیر۔

عباس عراق میں مقیم ہوئے لیکن مقامی آبادی کے ہاتھوں ہمیشہ پریشان رہے۔ ابو العباس نے کوفہ کو ترک کیا۔ منصور نے بغداد کا الگ شہر بسایا لیکن بغداد کی آبادی کوفہ سے بھی بڑھ کر امن کی دشمن نکلی یہاں عربوں کے علاوہ عجمی بھی آباد ہوئے اور مستقل گروہ بندی ہو گئی۔ ہارون نے ایک طویل مدت تک اپنا قیام رقبہ میں رکھا۔ مامون نے بھی اول اول بغداد سے دور رہنا پسند کیا لیکن مجبوراً واپس آنا پڑا۔ ان حالات کے پیش نظر معتمد نے ترکوں کا سہارا لیا۔

ترکوں کی طرف اس کے رجحان کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس کی ماں ماروہ ترکوں کے قبیلہ مغد سے تھی۔ معتمد نے مصر وغیرہ سے بھی کچھ نفری منگوائی تھی جنہیں اس نے مغاربہ کا نام دیا۔

سامرا کی آبادی : معتمد ایک تو ویسے بھی بغداد والوں کو پسند نہیں کرتا تھا اور دوسرے اس کے بیس ہزار ترک زادوں کو اہل بغداد کے ساتھ صلح و آشتی سے رہنا ناممکن تھا۔ ترک جاہل اور کڈھب تھے۔ گلیوں میں گھوڑے دوڑاتے پھرتے تھے۔ بارہا بچے اور عورتیں جھپٹ میں آ جاتیں۔ آئے دن کوئی نہ کوئی غلام مارا جاتا تھا۔ وہ بھی گاہے گاہے مقامی آبادی پر ہاتھ صاف کر جاتے تھے۔ بغدادی رؤسا نے بارہا معتمد سے شکوہ کیا اور مشورہ دیا کہ ترک بچوں کو شہر سے نکال لے جائے۔ ایک دفعہ عید کے دن ایک بڑھے شخص نے معتمد پر سخت لہجہ میں ترکوں کے خلاف اعتراض کیے کہ تم انہیں کیوں لائے ہو۔ معتمد عید کی نماز پڑھنے کے بعد بغداد واپس آیا اور ایک نئے دارالخلافہ کی تعمیر شروع کر دی۔ اے ایک حسین شہر وجود میں آیا جس کا نام سرمن رای (جس نے دیکھا مسرور ہوا) پڑا۔ جو مخفف ہو کر سامرا کہلانے لگا۔ اس کے تسمیہ کی اور بھی وہیں بتائی جاتی ہیں لیکن یہ سب سے زیادہ مقبول ہے۔

فتنہ خلق قرآن : خلق قرآن کے جس فتنہ کو مامون نے اٹھایا تھا۔ معتمد نے اسے بیدار رکھا۔ اس نے امام احمد بن حنبل پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔

وفات : معتمد نے آٹھ سال آٹھ ماہ اور آٹھ دن کی حکومت کے بعد ۲۲۷ ہجری میں ۴۸ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ یہ آٹھواں خلیفہ تھا اور حضرت عباس کی آٹھویں پشت سے تھا۔ آٹھ بیٹے اور آٹھ بیٹیاں چھوڑ کر مرا۔ اس کو خلیفہ المستن بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی زندگی میں آٹھ کے ہندسہ کو بہت دخل ہے۔ ۷۲

## واثق باللہ

۵۲۲ھ تا ۵۲۳ھ ۶۸۲ تا ۶۸۳

واثق باللہ معصم کا لڑکا تھا۔ اس کا عہد کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ ترکوں کے قدم مزید پختہ ہوئے اور حکومت میں ان کا دخل بڑھنے لگا۔ ۱۔  
 وثاق خلق قرآن کے مسئلہ میں بہت شدید تھا۔ رات دن اس کی تبلیغ کرتا تھا۔ مخالفین کو کڑی سزائیں دیں۔ ۲۔

واثق کو اسنقاء ۳۔ کا مرض ہو گیا۔ تنور پر بیٹھا کرتا تھا کہ درد کم ہو۔ ایک دن تنور ضرورت سے زیادہ گرم کرایا۔ جب اسے اٹھایا گیا تو تھوڑی دیر بعد مر گیا۔ ۴۔

۱۔ ابن کثیر۔ ۲۔ ابن کثیر۔ ۳۔ یعنی ہیٹ میں پانی پڑ جاتا۔ ۴۔ ابن کثیر۔



# اسلامیات پرچہ بی۔ اے

وقت ۳ گھنٹے پنجاب یونیورسٹی ۱۹۹۲ء کل نمبر ۱۰۰

- ۱۔ مندرجہ ذیل میں سے کوئی دو احادیث کا با محاورہ اردو ترجمہ اور جامع تشریح کیجیے:
- الف۔ عَنْ أَنَسٍ وَ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْتَبَانَ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِي مَا لَمْ يُعْتَدِ الْمَطْلُومُ۔
- ب۔ وَعَنِ الْمُغِيرَةَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ وَوَادَ الْبَنَاتِ، وَمَنْعَاؤَهُنَّ وَكَرِهَ لَكُمْ قَيْلٌ وَقَالَ وَكَثْرَةُ السُّؤَالِ وَإِضْعَاعَةُ الْمَالِ۔
- ج۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْأَرْوَاحُ جُنُودٌ مُجَدَّةٌ فَمَا رَفَّ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَازَرَ مِنْهَا اِخْتَلَفَ۔
- د۔ وَعَنِ النَّوَسِ بْنِ سَمَانَ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ فَقَالَ: الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ۔

- ۲۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک حدیث شریف کا با محاورہ ترجمہ کیجیے تشریح کی ضرورت نہیں۔
- الف۔ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ صِدْقًا وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبُ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ۔ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذًّا أَبًا وَفِي رِوَايَةِ الْمُسَدِّقِ قَالَ إِنَّ الصِّدْقَ بَرٌّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْكَذِبَ فُجُورٌ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ۔"

- ب۔ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: آتَانَا أَبُو مُوسَى، قَالَ: إِنَّ عُمَرَ أُرْسِلَ إِلَيَّ أَنْ آتِيَهُ، فَاتَيْتُ بَابَهُ، فَسَلَّمْتُ ثَلَاثًا فَلَمْ يُرِدْ عَلَيَّ

فَرَجَعْتُ - فَقَالَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَأْتِينَا فَقُلْتُ: إِنِّي أَتَيْتُ فَسَلَّمْتُ عَلَى  
بَابِكَ ثَلَاثًا فَلَمْ تَرُدُّوْا عَلَيَّ فَرَجَعْتُ، وَقَدْ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنَ لَهُ  
فَلْيَرْجِعْ قَالَ عُمَرُ: آقِمْ عَلَيْهِ الْبَيْتَةَ - قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: فَقَمْتُ  
مَعَهُ فَذَهَبْتُ إِلَى عُمَرَ فَشَهِدْتُ -

۱۰

۳- مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک باب کا خلاصہ اس طرح تحریر کریں کہ اس باب کی تمام احادیث  
کا احاطہ ہو جائے۔

الف - باب الاسامی ب - باب البیان والشعر

۲- مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک عبارت کا ترجمہ و تشریح کیجیے۔

۱۲

الف - وَيُكْرَهُ لِلْمُصَلِّيِّ أَنْ يَعْثَبَ بِثَوْبِهِ أَوْ بِجَسَدِهِ وَلَا يَقْلِبُ  
الْحِصْيَ إِلَّا أَنْ لَا يُمْكِنَهُ السُّجُودَ عَلَيْهِ فَيُسَوِّيهِ مَرَّةً وَاحِدَةً وَلَا  
يُفْرِقُ أَصَابِعَهُ وَلَا يُشَبِّتَ -

ب - لَا تَصِحُّ الْجُمُعَةُ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ أَوْ فِي مِصْرٍ وَلَا  
تَجُوزُ فِي الْقُرَاهِ وَلَا تَجُوزُ إِقَامَتُهَا إِلَّا لِلسُّلْطَانِ أَوْ لِمَنْ أَمَرَهُ السُّلْطَانُ ۱۰  
۵- قدوری کے مندرجہ ذیل ابواب میں سے کسی ایک باب کا خلاصہ اس طرح تحریر کریں کہ  
باب میں موجود تمام مسائل کا احاطہ ہو جائے۔

الف - باب قیامِ شہرِ رمضان ب - باب اوقاتِ الصلوة ۱۵

۶- بنو امیہ کے زوال کے اسباب بیان کیجیے۔ یا مومن الرشید کے عہد کی علمی و ثقافتی ترقی  
پر روشنی ڈالیے۔

۱۵

۷- درج ذیل عنوانات میں سے کسی دو پر نوٹ لکھیے :

الف - حضرت امام حسینؑ

ب - عباسیوں کے زوال کے بنیادی اسباب۔

۱۵

ج - الواثق۔

## اسلامیات اختیاری پرچہ بی۔ اے

وقت ۳ گھنٹے پنجاب یونیورسٹی ۱۹۹۳ء کل نمبر ۱۰۰

۱۔ مندرجہ ذیل احادیث میں سے کسی ایک کا با محاورہ اردو ترجمہ کیجیے تشریح مطلوب نہیں۔  
 الف۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 لِلْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ سِتٌّ خِصَالٍ يَعُودُ إِذَا مَرِضَ وَيَشْهَدُ إِذَا  
 مَاتَ وَيُجِيبُهُ إِذَا دَعَاهُ وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ وَيُسَمِّيهِ إِذَا عَطِسَ  
 وَيُصَحُّ لَهُ إِذَا غَابَ أَوْ شَهِدَ وَلَهُ أَجْرُهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ وَلَا فِي  
 كِتَابِ الْحَمِيدِيِّ وَلَكِنْ ذَكَرَهُ صَاحِبُ الْجَامِعِ بِرِوَايَةِ النَّسَائِيِّ۔  
 ب۔ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ وَبِيَدِكَ  
 وَمَا أَعَدَدْتُ لَهَا قَالَ مَا أَعَدَدْتُ لَهَا إِلَّا أَنِّي أَحَبُّ اللَّهُ وَرَسُولُهُ  
 قَالَ أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ قَالَ أَنَسٌ فَمَا آيَةُ الْمُسْلِمِينَ فَرِحُوا بِشَيْءٍ  
 بَعْدَ الْإِسْلَامِ فَرِحُوا بِهَا۔ رُمِّتْ فَقُ عَلَيْهِ۔

۱۰

۲۔ مندرجہ ذیل ابواب میں سے کسی ایک باب کا خلاصہ اس طرح تحریر کریں کہ اس باب کی  
 تمام احادیث کا احاطہ ہو جائے نیز خلاصہ تحریر کرتے ہوئے کوئی ایک حدیث عربی متن  
 کے ساتھ لکھیے۔

بَابُ الْبِرِّ وَالصَّلَاةِ      بَابُ الْفِطْرِ

۳۔ مندرجہ ذیل ابواب میں سے کسی ایک باب کا خلاصہ باب میں مذکورہ احادیث کی روشنی  
 میں کیجیے۔

بَابُ حِفْظِ اللِّسَانِ      بَابُ الْغَضَبِ وَالْكِبْرِ

۴۔ مندرجہ ذیل عبارات میں سے کسی ایک کا اردو ترجمہ کیجیے (تشریح مطلوب نہیں)

الف۔ الشَّهِيدُ مَنْ قَتَلَهُ الْمُشْرِكُونَ أَوْ وَجَدَ فِي الْمَعْرَكَةِ وَبِهِ  
 أَثَرُ الْجِرَاحَةِ أَوْ قَتَلَهُ الْمُسْلِمُونَ ظُلْمًا وَلَمْ تَجِبْ بِقَتْلِهِ دِيَةٌ  
 فَيُكْفَنُ وَيُصَلَّى عَلَيْهِ وَلَا يُغَسَّلُ وَإِذَا اشْتَشَّهَدَ الْجُنُبُ غُسِّلَ وَ  
 كَذَائِكَ الْحَائِضُ وَالتَّفْسَاءُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَكَذَائِكَ الصَّبِيُّ۔

ب۔ وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي مَنْزِلِهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ صَلَاةِ الْإِمَامِ  
وَلَا عُدْرَةَ كَرِهَ ذَلِكَ وَجَازَتْ صَلَاتُهُ فَإِنْ بَدَأَ أَنْ يَحْضَرَ  
الْجُمُعَةَ فَتَوَجَّهَ إِلَيْهَا بَطَلَتْ صَلَاةُ الظُّهْرِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ  
بِالسَّعِيِّ إِلَيْهَا وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَا تَبْطُلُ حَتَّى يَدْخُلَ  
مَعَ الْإِمَامِ۔

۱۰  
۵۔ مندرجہ ذیل ابواب میں سے کسی ایک کے تمام مسائل کا احاطہ کرتے ہوئے خلاصہ  
تحریر کریں۔

بَابُ صَلَاةِ الْمُسَافِرِ      بَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ ۲۰  
۶۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے سیرت و کردار اور نظام حکومت کو وضاحت  
کے ساتھ لکھیے۔

یا  
۱۵  
۷۔ مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک شخصیت کے سیرت و کردار اور خدمات پر وضاحت  
کے ساتھ لکھیے۔

۱۔ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ      ۲۔ حضرت امیر معاویہؓ

۱۵      ج۔ الامامون







# توضیح القرآن

بی اے علوم اسلامیہ کے طلبہ و طالبات کے لیے (پرچہ الف)

## اقتیازی خصوصیات

- حصہ قرآن کریم اردو ترجمہ، لفظی اور بالمحاورہ، مستند ترین اور متفق علیہ تراجم کی روشنی میں کیا گیا ہے، اس پر مکمل اعتماد کیا جاسکتا ہے۔
- بالمحاورہ ترجمہ متن کے نیچے دیا گیا ہے (یعنی لائن ٹو لائن) یہ نہیں کہ متن کسی سطر میں ہو اور ترجمہ کسی دوسری سطر میں۔
- ہر رکوع کے آخر میں 'الفاظ کے معانی' کے تحت تشریح طلب الفاظ کی لغوی صرنی، معنوی وغیرہ تشریح دی گئی ہے۔ (لفظی ترجمہ کے تحت دیئے گئے معانی کا محض اعادہ نہیں کیا گیا)
- ہر رکوع کے آخر میں 'گرامر' کے تحت (یونیورسٹی کے امتحان میں پوچھے جانے والے سوال کے مطابق) رکوع میں وارد اسمائے معرفہ و نکرہ، مرکب اضافی و توصیفی، فعل ماضی، مضارع، امر و نہی اور حرف جر کو نکال کر الگ الگ درج کیا گیا ہے۔
- مجوزہ عنوانات کی تشریح متعلقہ سورت کی روشنی میں بالخصوص اور قرآن مجید کی روشنی میں بالعموم دی گئی ہے اور انتہائی مستند مواد اس قدر دیا گیا ہے کہ طالب علم امتحان میں پوچھے جانے والے ۲۰، ۲۰ نمبر کے سوال کے شایان شان جواب اطمینان اور سہولت سے تیار کر سکتا ہے۔



# توضیح القرآن

بی اے علوم اسلامیہ کے طلبہ و طالبات کے لیے (پرچہ الف)

## اقتیازی خصوصیات

- حصہ قرآن کریم اردو ترجمہ، لفظی اور بالمحاورہ، مستند ترین اور متفق علیہ تراجم کی روشنی میں کیا گیا ہے، اس پر مکمل اعتماد کیا جاسکتا ہے۔
- بالمحاورہ ترجمہ متن کے نیچے دیا گیا ہے (یعنی لائن ٹو لائن) یہ نہیں کہ متن کسی سطر میں ہو اور ترجمہ کسی دوسری سطر میں۔
- ہر رکوع کے آخر میں 'الفاظ کے معانی' کے تحت تشریح طلب الفاظ کی لغوی صرنی، معنوی وغیرہ تشریح دی گئی ہے۔ (لفظی ترجمہ کے تحت دیئے گئے معانی کا محض اعادہ نہیں کیا گیا)
- ہر رکوع کے آخر میں 'گرامر' کے تحت (یونیورسٹی کے امتحان میں پوچھے جانے والے سوال کے مطابق) رکوع میں وارد اسمائے معرفہ و نکرہ، مرکب اضافی و توصیفی، فعل ماضی، مضارع، امر و نہی اور حرف جر کو نکال کر الگ الگ درج کیا گیا ہے۔
- مجوزہ عنوانات کی تشریح متعلقہ سورت کی روشنی میں بالخصوص اور قرآن مجید کی روشنی میں بالعموم دی گئی ہے اور انتہائی مستند مواد اس قدر دیا گیا ہے کہ طالب علم امتحان میں پوچھے جانے والے ۲۰، ۲۰ نمبر کے سوال کے شایان شان جواب اطمینان اور سہولت سے تیار کر سکتا ہے۔

بی۔ اے۔ علوم اسلام

68

# بیضیح الحدیث والفقہ والتاریخ

شیخ محمد اقبال  
پروفیسر خان محمد چاولہ

علمی کتاب خانہ ○  
کیمپس سٹریٹ  
اردو بازار لاہور